کالی دُنیا
ایم۔ اے۔ راحت

ایم۔اے راحت

بساط 5

کالی دنیا 79

نیلا سورج 233

بسلسلہ

اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں بتا کر آپ کا وقت نہیں ضائع کرنا چاہتا بس یہ سمجھیں کہ جس وقت سے اس کہانی کا آغاز ہوتا ہے اس وقت میں رشتوں سے محروم ایک تن تنہا نوجوان تھا۔ امپورٹ ایکسپورٹ کی ایک فرم میں ارشد صاحب کے اسٹینو اور پرسنل سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ کرائے کے ایک ڈھائی کمرے والے فلیٹ میں رہتا تھا' مناسب گزر بسر ہو رہی تھی۔ خیال یہ تھا کہ کچھ رقم جمع ہو جائے تو کسی اللہ کی بندی کا ہاتھ پکڑ لوں اور دنیا گزارنے والوں میں شامل ہو جاؤں مگر یہ ہو نہ سکا۔ اس سے قبل کہ میں کسی اللہ کی بندی کی ہاتھ پکڑتا قانون نے میری کلائی میں کنگنا باندھ دیا۔ ارشد صاحب نے اپنی فرم کے ذریعے ایک بہت بڑا فراڈ کیا تھا خود تو فرار ہو گئے لیکن مجھے پھنسا گئے۔ ایک ناتجربے کار وفادار ملازم ہونے کی وجہ سے میں نے ہمیشہ بند آنکھوں سے ان کے احکامات کی تعمیل کی تھی چنانچہ اب اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوا تھا اس سے آنکھیں کھل گئی تھیں' مگر ذرا دیر سے۔ انسپکٹر جمشید عالم مجھ سے ہمدردی رکھتے تھے' مگر قانون قانون ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں تھا' جس کا انہیں یقین تھا لیکن ان کے پاس میرے خلاف بہت سے ثبوت موجود تھے۔ پھر بھی رعایت ہوئی اور مجھے صرف چار سال کی سزا سنا دی گئی۔ یہ بھی اچھا تھا کہ جیل جاتے ہوئے اپنے پیچھے کوئی کہانی نہیں چھوڑ گیا تھا ورنہ خواہ مخواہ کہانیوں میں اضافہ ہوتا۔ میری ادھوری کہانی جیل میں جاری ہو گئی تھی۔ زندگی کو ہمیشہ گندگی سے پاک رکھتے ہوئے گزارا تھا مگر وقت اپنا الگ مزاج رکھتا ہے' اسے آپ کے مزاج سے کیا دلچسپی۔ ہاں جیل کے بارے میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس سے شاندار تربیت گاہ اور کہیں نہیں ہو سکتی۔ انسان کو جو کچھ نہ آتا ہو وہاں سے باآسانی سیکھ لیتا ہے اور جو تجربہ پوری عمر نہ دے سکے وہاں چند سالوں میں حاصل ہو جاتا ہے۔ وہاں سے واپس آ کر جرم کرنا کوئی مسئلہ نہیں رہتا۔ استاد خیر بخش نے مجھے نقب زنی کے ایسے ایسے گر بتائے تھے کہ گھر والے سوتے رہیں اور گھر کی صفائی ہو جائے۔ بنگال کے ابوالہاشم نے کچی شراب کے نصف درجن فارمولے ازبر کرا دیئے تھے۔ ببن خان دلی کے پرانے جیب کترے تھے مجھے فرزندی میں لے لیا اور سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والے فن کو میرے سینے میں منتقل کر کے کہا کہ بیٹا استاد کے نام کو بٹہ نہ

لگائیو۔ اس کے علاوہ نہ جانے کیا کیا فارمولے لایا تھا میں جیل سے نقلی موبل آئل بنانا آ گیا تھا۔ اصلی بیٹری سیل۔ غرض ہر فن مولا بن گیا تھا۔ ہو سکتا ہے انہی فنون میں سے کسی فن کو مستقبل بنا لیتا مگر زندگی کے چار سال کھو کر جیل سے نکلا تو پہلی شکل انسپکٹر جمشید عالم کی نظر آئی۔

"کوئی نیا جرم ہو گیا مجھ سے انسپکٹر صاحب؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کون ہو تم؟"

"کوئی نہیں۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ اور آگے بڑھ گیا۔ پیچھے سے مجھے ان کی آواز سنائی دی۔

"سنو۔ کو کیا نام ہے تمہارا؟"

"تھوڑی سی کسر رہ گئی انسپکٹر صاحب ورنہ شاہ ہندوستان ہوتا۔"

"جلال الدین......یاد آ گیا۔" جمشید عالم صاحب مسکرا کر بولے۔ "رہا ہو گئے؟"

"ابھی نہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا اور ان کے چہرے پر تاسف کے آثار پھیل گئے۔ وہ پہلے بھی میری بے گناہی کا اقرار کر کے مجھ سے ہمدردی کر چکے تھے مگر قانون کے ہاتھوں وہ مجبور تھے چند لمحات کے بعد انہوں نے کہا۔

"دنیا بہت بڑی امتحان گاہ ہے جلال الدین' مشیت کو سمجھنا بے حد مشکل۔ تم یوں کیوں نہیں سوچتے؟ یہ جو تمہیں ایک فراڈ کے سلسلے میں چار سال کی سزا ہوئی۔ ہو سکتا ہے ان چار سالوں میں تمہارے ہاتھوں کوئی قتل ہو جاتا؟ اس طرح اللہ نے تمہیں پھانسی سے بچا لیا۔"

"ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ان امتحانوں سے بچنا۔"

"جلال رہ جاؤں گا۔"

"بری باتیں کر رہے ہو' خدا کا شکر ادا کرو۔"

"ہاں خدا کا شکر ہے کہ میں قتل کے جھوٹے الزام سے بچ گیا اور صرف فراڈ کے جھوٹے الزام میں مجھے سزا ہوئی ارشد صاحب کا کیا بنا۔"

"وہ ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سنو میں مصروف ہوں یہ میرا کارڈ رکھ لو۔ اگر کسی مشکل میں گرفتار ہو جاؤ تو میرے پاس آ جانا۔ اس میں میرے گھر کا پتہ بھی درج ہے۔"

"جی بہتر۔" میں نے کہا۔ فلیٹ پر پہنچا وہاں ایک شیخ صاحب رہتے تھے' ان سے پتہ چلا کہ تین سال پانچ ماہ قبل انہوں نے یہ فلیٹ کرائے پر حاصل کیا تھا۔

"پہلے میں یہاں رہتا تھا اور یہاں میرا کچھ سامان تھا۔" میں نے کہا۔

"ہمیں کیا معلوم جی۔" شیخ صاحب نے دروازہ بند کر لیا۔ یہ پہلا دروازہ بند ہوا تھا فلیٹ کے مالک کے گھر پہنچا اور ایک معمر خاتون سے ملاقات ہوئی۔

"فہیم صاحب سے ملنا ہے۔"

"کون فہیم صاحب؟"

"اس گھر میں رہتے تھے۔"

"اچھا مگر میاں وہ اب یہاں نہیں رہتے کوئی دو سال پہلے ہم نے یہ مکان ان سے خرید لیا تھا۔"

"اب وہ کہاں ہیں؟"

"بھئی اتنا نہیں معلوم ہمیں۔" دروازہ بند ہو گیا۔

دو عدد صندوق' کپڑے جوتے تھوڑا سا فرنیچر ضروریات زندگی کی دوسری چیزیں چار سالہ امتحان کی نذر ہو گئیں۔ اچھا ہے' رہا کھٹکا نہ چوری کا۔ پھر دروازے بند ہوتے رہے۔ بے کسی اور بے بسی کے در البتہ کھلے ہوئے تھے۔ جرم کی مہر پیشانی پر نمایاں تھی۔ پاؤں جمانے کے لئے کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ سارے استاد یاد آنے لگے۔ کسی کا بھی فن کام آ سکتا تھا لیکن پھر نہ جانے کیوں انسپکٹر جمشید عالم یاد آ گئے۔ اس وقت ہر تنکے کا سہارا درکار تھا جو بھی کام آ جائے' آزمانے میں کیا حرج ہے۔ کارڈ موجود تھا۔ پتہ معلوم کرتا ہوا پہنچ گیا۔ چھوٹا سا خوبصورت گھر تھا۔ جمشید عالم صاحب نے خلاف توقع پرجوش خیر مقدم کیا تھا۔

"کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"فیصلہ!" میں نے جواب دیا۔

"کیسا؟"

"یہی کہ ایک سادہ لوح انسان کو اگر جرم کی دنیا میں لے آیا جائے تو اس کا مستقبل کیا ہونا چاہئے۔ برائیوں کے راستے کھلے ہوئے ہیں اور نیکیوں کے دروازے بند۔ جیل میں استادوں نے بہت سی استادیاں سکھا دی ہیں آزمانا نہیں چاہتا لیکن اب حالات مجبور کر رہے ہیں کہ کچھ کیا جائے۔"

"کوئی نوکری نہیں ملی؟"

"نہیں۔"

"کس قسم کی ملازمت پسند کرو گے؟"

"محکمہ پولیس میں بھرتی کرا دیجئے۔" میں نے ہنس کر کہا اور وہ بھی ہنس پڑے پھر

بولے۔

"تم ذہین اور تیز آدمی ہو' پڑھے لکھے بھی ہو محکمہ پولیس ہی سے متعلق کوئی کام تمہارے سپرد کیا جائے تو کرو گے غور کر کے جواب دو۔ کام دلچسپ لیکن ذہانت کا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ تم پر اعتماد کر لوں ایک تجربہ ہی سہی۔ عارضی ملازمت ہے۔ تنخواہ دو ہزار' معاہدہ پانچ ماہ پوری تنخواہ ایڈوانس۔"

"لایئے" میں نے ہاتھ پھیلا دیا۔

"میں نے مذاق نہیں کیا۔ یوں لگتا ہے جیسے مجھے تمہاری ہی تلاش تھی کچھ الجھا ہوا تھا۔ ایک منٹ بیٹھو میں ابھی آیا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ میں انتظار کرتا رہا۔ پھر واپس آ کر جمشید صاحب نے دس ہزار روپے میرے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ میں حیران نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا تو وہ بولے۔ "تمہیں سنجیدہ ہونا ہے۔"

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟" میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کوئی غیر قانونی کام؟"

"سو فیصد قانونی' خطرات سے محفوظ' بشرطیکہ تم خود کوئی خطرہ مول لینا پسند نہ کرو! دیکھو جلال! ایک ایسا کیس میرے پاس ہے جو ابھی پولیس کیس نہیں بن سکا ہے لیکن کچھ ہدایات کے تحت مجھے اس پر کام کرنا ہے۔ میں الجھن میں تھا کہ کیا کروں اچانک مجھے تم سے کام لینے کا خیال آیا۔ معاملہ دلچسپ ہے اور تمہیں اس کام میں لطف آئے گا لیکن دیکھو جرم کے راستوں پر نہ نکل جانا' قانون فولاد سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے وہ تمہیں نہیں چھوڑے گا اور پھر میری نصیحت ہے کہ برائی کے راستے خوبصورت ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کا اختتام دردناک ہوتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہو کسی بھی حالت میں یہ نہ ظاہر کرو گے کہ میں نے تمہیں اس کام پر مامور کیا تھا اور جو کام تمہارے سپرد کیا جائے گا اسے دیانتداری سے سرانجام دو گے۔"

"ایک گنجائش دیں۔" میں نے کہا۔

"کیا؟"

"کام کی نوعیت معلوم ہونے کے بعد میں اگر اسے کرنا پسند نہ کروں تو یہ دس ہزار آپ کو واپس کر کے خود بھی واپس جا سکتا ہوں۔"

"ہاں' لیکن ان معلومات کو میری امانت تصور کرو گے اور اس گفتگو کو اپنی ذات سے آگے نہ بڑھنے دو گے۔" میں نے وعدہ کیا اور پھر وہ الفاظ دہرا دیئے جو جمشید عالم نے کہے

تھے۔ انہوں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور میں نے کہا "کیا آپ کو مجھ پر یقین ہے کہ میں یہ کام کر لوں گا۔"

"سو فیصد۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟"

"پتہ نہیں۔" انہوں نے میرے ہی انداز میں کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ پھر ہم سنجیدہ ہو گئے جمشید عالم نے کہا۔ "اس کا نام چوہدری ریاض ہے رابنسن ونگ میں کوٹھی نمبر سات سو نو میں رہتا ہے۔ اس کا دفتر ایشلے ہاؤس میں دوسری منزل پر ہے۔ کمرہ نمبر نوے۔ گیارہ بجے سے دو بجے تک وہاں ملتا ہے۔ تم اس کے دفتر جاؤ گے' اوہ ہاں' کیا تم ڈرائیونگ جانتے ہو؟"

"اچھی طرح۔"

"لائسنس ہے؟"

"تھا' میرے سامان کے ساتھ گم ہو گیا۔"

"کیا مطلب۔ کیسے؟" وہ چونک کر بولے اور میں نے انہیں پوری کہانی سنا دی۔ جس پر انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "تمہارا یہ نقصان بھی پورا کیا جائے گا۔"

"اس کی بات نہ کریں جمشید صاحب' میرے نقصانات تو بہت زیادہ ہیں آزاد زندگی کے چار سال مجھ سے چھینے گئے ہیں جب کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا' میری شخصیت کا وقار چھن چکا ہے۔ میری حیثیت مسخ ہو گئی ہے۔ اب میں ایک سزا یافتہ آدمی ہوں۔"

"مجھے اس کا رنج ہے۔ کاش میں یہ سب کچھ تمہیں واپس دے سکتا لیکن خیر چھوڑو۔ لائسنس کا مسئلہ بھی حل کر دیا جائے گا۔ میں کر دوں گا' تو میں تمہیں چوہدری ریاض کے بارے میں بتا رہا تھا تمہیں کل بارہ بجے اس کے پاس جانا ہے اسے ایک ڈرائیور کی ضرورت ہے تم اس کے ہاں نوکری کرو گے۔"

"ڈرائیور کی؟"

"ہاں اس میں ہتک نہ محسوس کرنا' یہ ایک سرکاری کام ہے تم اس سے کہو گے کہ تمہیں ہارون احمد نے بھیجا ہے بس اتنا کہہ دینا کافی ہے۔"

"وہ مجھ سے ہارون احمد کے بارے میں پوچھے گا؟"

"بالکل نہیں بس یہ نام کافی ہو گا۔"

"پھر کیا کرنا ہے۔"

"وہ تمہیں اپنی کوٹھی پر ہی رکھے گا' اس کوٹھی کے حالات پر گہری نگاہ رکھنی ہے

چوہدری تم پر اعتماد کرے گا مگر تم اس پر اعتماد نہیں کرو گے۔ وہ جو کچھ کہے گا اس پر غور کرو گے پھر عمل کرو گے' کوئی غیر قانونی کام نہیں کرو گے اور اس کی اطلاع مجھے دو گے یا وہاں سے کوئی خاص بات معلوم ہو تو مجھے اس کی اطلاع دو گے' مزید تفصیلات میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔"

"وہاں کوئی جرم ہو رہا ہے؟"

"بظاہر نہیں' لیکن ہو سکتا ہے۔ تم پر اسے روکنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہاں اگر صورت حال علم میں آ جائے تو مجھے آگاہ کرنا ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے' کام دلچسپ ہے لیکن بعد میں اس جرم کا ذمے دار مجھے نہ قرار دیا جائے۔"

"میں نے پہلے بھی ایسا نہیں کیا تھا تم ناتجربے کاری میں گرفت میں آ گئے تھے مگر اب تم ناتجربہ کار نہیں ہو۔"

"میں گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اور میری کسی کوشش سے وہ لمحات واپس نہیں آ سکتے تھے جن میں میں نے ایک سنہرے دور کے خواب دیکھے تھے اب تو ان حسین محلات کے سلگتے کھنڈر میرے سامنے تھے اور میں جینا چاہتا تھا۔ ایک بے قصور نوجوان تھا میں' جس پر جرم مسلط کر دیا گیا تھا۔ میں موت کی آرزو کیوں کروں۔ چنانچہ میں تیار ہو گیا۔

"ڈرائیور کو تنخواہ بھی ملے گی۔" میں نے کہا۔

"ظاہر ہے۔" انسپکٹر عالم نے جواب دیا۔

"اور یہ نوکری مجھے یقیناً مل جائے گی۔"

"یقیناً۔"

"تب پھر یہ تنخواہ تو میرا حق نہیں تھی۔ اب یہ رقم واپس لے لیں۔" میں نے دس ہزار روپے جمشید عالم کے سامنے ڈال دیئے اور وہ مسکرانے لگے پھر بولے۔

"نہیں مسٹر جلال الدین۔ درحقیقت تم ڈرائیور نہیں ہو' تمہارا اصل کام وہ ہے جو ایک پولیس افسر کی طرف سے تمہیں دیا گیا اور اس کی تمہیں پیشگی تنخواہ دی جا رہی ہے ڈرائیور کی تنخواہ کام کے دوران ہونے والی آمدنی تصور کر سکتے ہو۔"

"تب میں اس میں سے ایک ہزار رکھ لیتا ہوں باقی نو ہزار آپ کے پاس میری امانت' ویسے بھی ڈرائیور کی نوکری کے لئے جانے والے کے پاس دس ہزار روپے کی خطیر رقم نہیں ہونی چاہئے۔"

○

ایشلے ہاؤس کی دوسری منزل کے کمرہ نمبر نو میں داخل ہو کر میں نے حیرت بھری نظروں سے وہاں کے ماحول کو دیکھا۔ بڑا سا ہال نما کمرہ تھا۔ دیواروں پر نفیس ووڈن ورک کرایا گیا تھا۔ بہترین میزیں اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سامنے ہی ایک گلاس کیبن بنا ہوا تھا جس میں ایک کرسی پر کوئی نظر آ رہا تھا۔ لیکن پورا ہال خالی تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سارا اسٹاف چھٹی کر گیا ہو۔ میں جھجکتے قدموں سے گلاس کیبن کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھولا۔ دبلے پتلے بدن کا ایک ادھیڑ عمر شخص قیمتی کرسی پر نیم مردہ کیفیت میں پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہرے سانس لے رہا تھا۔ عجیب گھپلا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ چند لمحات پریشان کھڑے رہنے کے بعد میں زور سے کھنکارا اور نیم مردہ شخص اچھل پڑا۔ اس نے آنکھیں کھول کر خوفزدہ سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کا سانس دمے کے مریضوں کی طرح چل رہا تھا اور حلق سے ایک باریک سی آواز نکل رہی تھی۔ میں ہمدردانہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ بولنے کی کوشش کر رہا ہو لیکن بول نہ پا رہا ہو۔ پھر اس کی نگاہوں کا زاویہ تبدیل ہوا اور وہ ایک طرف دیکھنے لگا۔ میری نگاہیں بھی غیر ارادی طور پر اٹھ گئیں۔ وہاں پانی کا کولر اور گلاس رکھا ہوا تھا۔ میں فوراً" اس طرف بڑھا اور میں نے کولر سے پانی بھر کر اسے پیش کیا اور اس نے کانپتے ہاتھوں سے پانی لیا اور اسے پینے کے بعد اس کا سانس اعتدال پر آ سکا۔ اس نے مجھے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"آپ بیمار ہیں جناب؟" میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ ہاں۔" اس نے آخری گہری سانس لی اور پھر بہتر نظر آنے لگا۔ "شکریہ تم کون ہو؟"

"میرا نام جلال الدین ہے اور مجھے ہارون احمد نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"اوہ مگر مجھے تو ڈرائیور درکار ہے۔"

"میں اسی ملازمت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

"تنخواہ اٹھارہ سو روپے ہو گی۔ رہائش اور کھانا' چوبیس گھنٹے ساتھ رہنا ہو گا۔ کوئی اعتراض ہے؟"

"نہیں۔"

"یہ چابی ہے۔ بلیک اکارڈ' نیچے لاٹ پر کھڑی ہے۔ مجھے دو بجے گھر واپس جانا ہو گا۔"

"جی سر۔"

"سر نہیں' چوہدری صاحب۔"

"بہتر!" میں نے چابی سنبھالی' نوکری قبول کرنے کے بعد مجھے اس کے سامنے کرسی پر
بیٹھنے کا حق نہیں تھا' کوئی اور حکم چوہدری صاحب؟"

"نہیں" انہوں نے کہا اور میں نیچے اتر آیا۔ سب کچھ حیرت انگیز تھا اس نے مجھ سے
میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے بھی یہی کہا تھا مگر یہ سب کچھ پراسرار
تھا۔ ایکارڈ نئے ماڈل کی اور شاندار تھی۔ میں نے اس کا جائزہ لیا اور پھر کپڑا نکال کے اسے
جھاڑنے لگا۔ کافی گندی ہو رہی تھی۔ جیسے اسے عرصے سے صاف نہ کیا گیا ہو۔ اس میں
ٹیلیفون بھی موجود تھا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر میں اندر بیٹھ گیا۔ دماغ الجھنوں کا شکار تھا
اور تو کوئی ایسی پریشانی نہیں تھی' انسپکٹر جمشید عالم نے مکمل تحفظ کا یقین دلایا تھا' اس کے
علاوہ اب میں بھی خود اتنا احمق نہیں تھا کہ صورت حال سے مغلوب ہو جاتا لیکن یہ ساری
چیزیں کس قدر حیرانی کا باعث تھیں' آخر اس فرم کا اسٹاف کہاں گیا۔ وہ بیمار شخص تنہا وہاں
کیوں بیٹھا ہوا ہے۔ بس یہی الجھنیں تھیں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ انسپکٹر جمشید عالم کو اس شخص
کے گھر میں کس قسم کے جرم کا خدشہ تھا۔ پھر یہ سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیا کہ چند
لمحات میں ہر بات سمجھ میں تو نہیں آ جاتی' رفتہ رفتہ ہی صورت حال کا اندازہ ہو سکے گا۔ غالباً
دو بجنے میں دس منٹ رہ گئے تھے جب مجھے ٹیلیفون پر اشارہ موصول ہوا اور میں نے جلدی
سے ٹیلیفون ریسیو کیا۔ اسی کی آواز تھی۔

"اوپر آ جاؤ دفتر بند ہونے کا وقت آ گیا ہے۔" کار کا دروازہ لاک کر کے میں پھرتی سے
اوپری منزل میں پہنچ گیا' وہ دروازے کے باہر ہی کھڑا ہوا تھا چابی میرے ہاتھ میں دے کر
بولا۔

"تالا لگا دو"...... میں نے برق رفتاری سے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور دفتر کا تالا
بند کر کے واپس مڑا تو اس نے چابی وصول کرنے کے لئے ہاتھ پھیلا دیا۔ پہلے کی نسبت اب
وہ بہت بہتر نظر آ رہا تھا۔ نیچے اترا تو میں اس سے تیزی سے آگے بڑھا اور میں نے کار کا
بھی دروازہ کھول دیا۔ وہ خاموشی سے کار کی سیٹ پر بیٹھ گیا اور پھر بھرائے ہوئے لہجے میں
بولا۔

"رابسن ونگ......!" انسپکٹر جمشید عالم مجھے اس کی رہائش گاہ کے بارے
میں بتا چکے تھے۔ رابسن ونگ کا راستہ جانتا تھا اور اس سے پہلے بھی ایک دو بار اس سمت
سے گزرا تھا' اس علاقے سے کوئی واسطہ نہیں تھا میرا لیکن علاقے کے بارے میں یہ اندازہ
تھا کہ وہ شاندار لوگوں کی رہائش گاہ ہے' بہر طور جب میں وہاں داخل ہوا تو اس نے مجھے

کوٹھی نمبر سات سو نو کے بارے میں بتایا۔ ایک عالی شان کوٹھی تھی میں نے کار کھلے
دروازے میں داخل کر دی اور اندر لے جا کر کھڑی کر دی۔ وہ دوسری طرف کا دروازہ کھول
کر خود ہی نیچے اتر آیا تھا اور میں بھی پھرتی سے باہر نکل آیا تھا۔

"تم نے کیا نام بتایا تھا اپنا۔" اس نے انگلی اٹھا کر مجھ سے پوچھا؟

"جلال الدین۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔" اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ اندر
داخل ہو گیا۔ کوٹھی کے صدر دروازے کے سامنے چار سیڑھیاں تھیں اور ان سیڑھیوں پر
چڑھتے ہوئے اس کے قدم کئی بار کانپے' میں نے آگے بڑھ کے دروازہ کھولا اور اس کے
پیچھے چلتا ہوا ایک ہال میں داخل ہو گیا سامنے دیوار پر ایک بہت ہی خوبصورت اور بہت بڑی
گھڑی لگی ہوئی تھی اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"میری بیوی اس وقت آرام کر رہی ہو گی' آؤ میں تمہیں تمہاری رہائش گاہ دکھا دوں'
سامان وغیرہ ہے کچھ تمہارے پاس؟"

"نا ہونے کے برابر۔"

"جب بھی فرصت ہو لے آنا۔ دیکھو اس طرف سے' آؤ راہداری کے آخری سرے
پر جو کمرہ ہے۔ وہ تمہارے لئے ہے" میں کمرے میں داخل ہو گیا اور کمرے کو دیکھ کر حیران
رہ گیا۔ خاصا بڑا کمرہ تھا۔ کرسیاں صوفے وغیرہ پڑے ہوئے تھے' فرش پر قالین بچھا ہوا تھا
ایک کونے میں ایک ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا دوسرے کونے پر ٹیلی ویژن سیٹ رکھا ہوا تھا
غرض یہ کمرہ کسی ڈرائیور کے لئے نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے
دیکھا تو وہ بولا۔

"ہاں یہاں کوٹھی میں سرونٹ کوارٹر موجود ہے۔ لیکن تم نے دیکھ لیا کہ میں کس قدر
بیمار ہوں' چنانچہ تمہیں یہیں رہنا ہو گا۔ تاکہ میری ضرورت کے مطابق میرے پاس پہنچ
سکو۔"

"جی چوہدری صاحب۔" میں نے آہستہ سے کہا...... اور وہ گردن خم کر کے وہاں
سے باہر نکل گیا۔ میں حیران نگاہوں سے اس کمرے کا جائزہ لے رہا تھا پھر دفعتاً مجھے ہنسی آ
گئی۔ عالم خواب میں' میں نے کبھی ایسی رہائش گاہ کا تصور بھی نہیں کیا تھا اور یہ سوچ کر خود
ہی ہنس پڑا تھا کہ یہ زندگی کم از کم میرے جیسے کسی شخص کے لئے نہیں ہو سکتی' لیکن اب
میں ایسے ہی ایک شاندار کمرے میں تھا جہاں اگر کوئی مجھ سے ملنے آئے تو میری حیثیت سے
مرعوب ہو جائے۔ لیکن یہاں میری حیثیت ایک ڈرائیور کی تھی اگر جمشید عالم صاحب یہ نہ

بتا دیتے کہ یہ سب کچھ عارضی ہے اور کچھ عرصے کے بعد مجھے واپس جانا ہے تو میں یقینی طور پر دل ہی دل میں یہ آرزو کرتا کہ ڈرائیوری ہی سہی یہ نوکری اگر مجھے مستقل مل جائے تو میری خوش بختی ہے اتنی شاندار کار میں سفر کروں گا' اتنے اعلیٰ درجے کی کوٹھی میں رہوں گا' ظاہر ہے اس رہائش گاہ کے دوسرے لوازمات بھی ایسے ہی ہوں گے ایک صوفے پر بیٹھ کر یہ سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے' میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا' اچانک ہی یہ سب کچھ مل گیا تھا۔ ظاہر ہے کپڑوں کی ضرورت بھی ہو گی ایک ہزار روپے میرے پاس موجود تھے جس میں چند جوڑے کپڑے آ سکتے تھے' نیز نو ہزار روپے جمشید عالم صاحب کے پاس موجود تھے اور وہ انہیں دینے میں سنجیدہ نظر آ رہے تھے' چنانچہ عارضی ہی سہی' لیکن اس حسین زندگی سے کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے اپنے ذہن سے سارا تردد کھرچ دیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اس کوٹھی میں کیا کچھ ہو رہا ہے ہو سکتا ہے کوئی ایسی صورت حال بن جائے' جس کی بناء پر مجھے یہاں مستقل بنیادوں پر رہائش گاہ مل جائے۔ ذہن میں جرم کا کوئی تصور نہیں تھا اور فطرتاً بھی میں مجرم نہیں تھا' میرے ساتھ تو جو کچھ ہوا تھا وہ آپ کے علم میں آ چکا ہے مزید یہ کہ اگر زندگی کوئی بہتر سہارا نہ دیتی تو شاید برائیوں کے راستے پر ہی نکل جاتا کیونکہ بہت سے علوم کا فنکار بن چکا تھا لیکن ایسے کسی کام کے لئے دل نہیں چاہتا تھا............

اجنبی' لیکن انتہائی خوب صورت جگہ وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا' پھر جب چونکا اور دیوار پر لگی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا تو پونے پانچ بج رہے تھے۔ بہت وقت یہاں گزر گیا تھا اور ابھی تک میری طلبی نہیں ہوئی تھی' ظاہر ہے کوٹھی کے مکین آرام کر رہے ہوں گے لیکن مجھے کیا کرنا چاہئے۔ یہاں کمرے میں بیٹھے بیٹھے وقت گزارنا تو ایک نامناسب سی بات تھی۔ باہر نکل کر دیکھا تو جائے کہ ماحول کیسا ہے' کتنے لوگ یہاں رہتے ہیں جب کوٹھی میں داخل ہوا تھا تو یوں لگ رہا تھا جیسے کوٹھی میں کوئی نہ ہو چوکیدار تک نہیں تھا اور گیٹ کھلا پڑا ہوا تھا۔ کوئی بھی شخص باآسانی اندر داخل ہو سکتا تھا۔ بہرطور میں اپنے کمرے سے باہر نکل آیا اور راہداری عبور کر کے سامنے والے حصے میں پہنچ گیا۔ اس وقت بھی کوٹھی کا وسیع و عریض لان سنسان پڑا ہوا تھا لیکن وہ گیٹ بند تھا جس سے گزر کر میں اندر داخل ہوا تھا۔ بعد میں گیٹ میں نے بند نہیں کیا تھا کیونکہ مجھے اس کی ہدایت نہیں کی گئی تھی۔ دیر تک میں کیاریوں میں لہلہاتے پھولوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر کار پر نظر پڑی اور میں کار کی جانب بڑھ گیا۔ گاڑی کی چابی اب بھی میری جیب میں موجود تھی۔ میں صرف وقت گزاری کے طور پر کار کی صفائی کرنے لگا۔ پیڈ وغیرہ نکال کر جھاڑے اور خواہ مخواہ اندرونی حصے میں کپڑا گھماتا رہا۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ کس وقت کوٹھی کا گیٹ کھلا اور دو افراد باہر نکل آئے۔

میں نے کچھ آوازیں سنیں اور جب پلٹ کر دیکھا تو چوہدری ریاض ایک عورت کے ساتھ میری جانب آ رہا تھا۔ عورت اس سے تیز تیز لہجے میں کچھ گفتگو کر رہی تھی جو اتنی دور سے میری سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن میں کپڑا ہاتھ میں سنبھالے سیدھا ہو گیا تھا۔

چوہدری ریاض گھریلو لباس میں تھا۔ اس کے جسم پر ایک گاؤن تھا۔ گاؤن تو خوبصورت عورت بھی پہنے ہوئے تھی لیکن وہ بالکل مختلف قسم کا تھا۔ میں نے گہری نگاہوں سے اس عورت کا جائزہ لیا۔ اس کی عمر اٹھائیس اور تیس کے درمیان ہو گی۔ لمبا قد تھا' بڑے بڑے سیاہ بال' جن کے ہالے میں اس کا چہرہ انتہائی سفید معلوم ہوتا تھا سب سے حسین چیز اس کے چہرے پر اس کی آنکھیں تھیں جو گہری سبز اور بلیوں کی طرح چمکتی نظر آتی تھیں جسمانی طور پر وہ البتہ فربہ تھی اور موٹاپے کی طرف مائل نظر آتی تھی۔ چہرے پر ایک خاص تمکنت چھائی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے نزدیک پہنچ گئی۔

میں نے اس کی آنکھوں میں ناپسندیدگی کے اثرات دیکھ لئے تھے۔ جب کہ چوہدری ریاض بالکل نارمل نظر آ رہا تھا۔

"ہمیں کسی ڈرائیور کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"مگر مجھے ہے۔ تم سمجھتی کیوں نہیں۔"

"میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ اب حالات کو سنبھالنا ہماری ذمہ داری ہے۔ میں جو کچھ کر چکی ہوں بھلا اس کے بعد اس کی کیا گنجائش تھی۔ تم بھی ڈرائیو کر سکتے ہو اور میں بھی ڈرائیونگ کر لیتی ہوں' ہمیں ہر حالت میں پیسہ بچانا چاہئے۔"

"تم اس شخص کے سامنے ایسی باتیں کر رہی ہو بیگم' میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے بے شک تم ڈرائیونگ کر لیتی ہو' لیکن میری جو کیفیت ہو گئی ہے اس کا تمہیں اندازہ ہے' کسی بھی وقت مجھ پر سانس کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں مجھے ڈرائیور کی اشد ضرورت ہے۔ جلال الدین ان سے ملو یہ تمہاری بیگم صاحبہ ہیں۔" میں نے اسے سلام کیا جس کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ اس کا رخ کیاریوں کی طرف تھا۔ چوہدری ریاض گاؤن کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے جاتے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"اس کی بد مزاجی کا خیال نہ کرنا' اطمینان سے اپنا کام کرتے رہو اور ہاں پھول اس کی کمزوری ہیں اگر کہیں تم نے باغبانی میں اس کا ہاتھ بٹا دیا اور پھولوں کے بارے میں کچھ گفتگو کر لی تو یوں سمجھو اس کی ساری مخالفت ختم ہو جائے گی۔" یہ جملے ادا کرتا ہوا وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ چوہدری ریاض اپنی بیوی سے کچھ ڈرتا ہے۔ شام رات میں

ڈھل گئی۔ میں نے یہ وقت باہر ہی گزارا تھا۔ وہ دونوں کہیں نہیں گئے تھے۔ اس دوران کھانے پینے کے لئے بھی کچھ نہیں ملا تھا۔ کھانے کا کیا ہو گا۔ کم از کم آج تو یہاں کے معمولات کا جائزہ لینا ہو گا۔ کل کچھ کرنا پڑے گا لیکن رات کو ایک نئے کردار سے ملاقات ہوئی۔ یہ بھی ایک دراز قامت لڑکی تھی عمر اکیس سال کے قریب' لباس سادہ' چہرہ بے شک حسین البتہ شگفتگی سے عاری۔ میرے لئے کھانا لائی تھی۔

"کل سے یہاں تمہارے دن کا آغاز ہو گا۔ صبح کا ناشتہ کچن میں آ کر لے لیا کرو' دوپہر کا کھانا یہاں تین بجے کھایا جاتا ہے' رات کا نو بجے۔ دونوں وقت کھانا میں پہنچا دیا کروں گی۔"

"آپ کون ہیں؟"

"میرا نام ہما ہے۔" اس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ میں نے گہری سانس لی۔ اس سے قبل ایسے لمحات کبھی نہیں گزرے تھے۔ یہ کائنات اس قدر پر اسرار ہے اس کا اندازہ اب ہو رہا تھا۔ سب کچھ عجیب اور حیران کن تھا' کچھ بھی نیچرل نہیں لگ رہا تھا۔ ایک پولیس آفیسر ایک ایسے شخص پر اتنا بھروسہ کر لیتا ہے جو چار سال کی سزا کاٹ کر آیا ہے۔ ایک ایسا گھر جس میں کسی جرم کے ہونے کے امکانات ہیں۔ صرف ایک نام دہرانے سے مجھے ملازمت مل گئی اور وہ بھی بڑے اعتماد کے ساتھ اور مجھے اس نام کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔ کیا یہ سب کچھ قابل یقین ہے لیکن یقین اس لئے کیا جا سکتا ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ کھانا بہت عمدہ تھا۔ میں کھانے کے بعد دیر تک اس لڑکی کے بارے میں سوچتا رہا۔ صبح کو وہ پھر یاد آئی اور میں ضروریات سے فارغ ہو کر کچن کی تلاش میں چل پڑا۔ چائے کی خوشبو نے رہنمائی کی وہ کچن میں تنہا تھی۔ مجھے دیکھ کر سہم گئی۔ پھر خوفزدہ سے انداز میں مسکرا دی۔

"تم مجھے یاد ہی نہیں رہے تھے۔" اس نے کہا۔

"ناشتہ۔" میں نے سرد لہجے میں کہا

"کچھ دیر لگے گی بیٹھ جاؤ۔" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور میں کرسی پر جا بیٹھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"جلال الدین۔" میں نے بتایا۔

"محمد اکبر نہیں؟" وہ ہنس پڑی اس نے رخ نہیں بدلا تھا۔ وہ اوون پر مصروف رہی تھی۔ میری خاموشی پر اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور بولی۔ "تمہارے آنے سے میں بہت خوش ہوں۔ انڈے کے ساتھ پراٹھا لوگے یا سلائس؟"

"پراٹھا مل سکے گا؟"

"ضرور۔" اس نے کہا۔ "میں بہت خوش ہوں۔"

"کیوں خوش ہو؟" میں نے پوچھا۔

"قوت گویائی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ زبان ہلانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی تھی۔ کوئی ہے ہی نہیں بات کرنے کے لئے تم سے باتیں کر کے عجیب سا لگ رہا ہے۔"

"کیا یہ بھوت گھر نہیں ہے؟"

"ہے..........!" اس نے کہا اور ٹرے سجا کر میرے سامنے رکھ دی۔ "یہیں بیٹھ کر ناشتہ کر لو۔ وہ دونوں تو گہری نیند سو رہے ہوں گے۔"

"تم ناشتہ نہیں کرو گی؟"

"میں صرف چائے پیتی ہوں۔"

"وہ لوگ کس وقت جاگتے ہیں؟"

"نو بجے۔ ساڑھے نو بجے ناشتہ کرتے ہیں' ساڑھے دس بجے چوہدری صاحب آفس کے لئے نکلتے ہیں۔"

"ناشتہ اتنی جلدی تیار کر لیتی ہو؟"

"ہاں بیگم صاحبہ ٹھنڈے پراٹھے کھاتی ہیں۔"

"پراٹھے؟" میں نے کہا۔

"صرف دو عدد کنگ سائز چار انڈوں کے ساتھ' چار سلائس' مار ملیڈ اور مکھن کے ساتھ کچھ حلوہ جات اصلی گھی میں ڈوبے ہوئے اور صرف تین کپ چائے وہ بھی ٹھنڈی۔" اس نے کہا اور پھر ہنس پڑی پھر چونک کر بولی۔

"کہیں میرے یہ الفاظ ان لوگوں کے سامنے نہ دہرا دینا۔"

"تم یہاں نوکری کرتی ہو' ہما؟"

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا کام کرتی ہو؟"

"بہت سے۔ فہرست بتانے سے کیا فائدہ تم کچھ پڑھے لکھے ہو؟"

"معمولی سا۔" میں نے جواب دیا اور وہ دوسری طرف متوجہ ہو گئی۔ میں نے ناشتہ کر لیا تو اس نے مڑ کر مجھے دیکھا۔

"ناشتہ کر چکے ہو؟"

"ہاں!"

"تو اب جاؤ۔" وہ خشک لہجے میں بولی اور میں حیران رہ گیا۔ رات کو بھی اس کا رویہ ایسا ہی تھا اور اب اچانک' بھوت گھر کا تیرا بھوت جو لمحوں میں رنگ بدلتی ہے۔ میں نے دل میں سوچا دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اس نے کہا۔ "سنو میرے رویے کو محسوس نہ کرنا یہاں کچھ سختیاں ہیں۔ میرا اندازہ ہے مجھے تم سے بے تکلف ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہاں اگر اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہ ہوتی تو............ پلیز محسوس نہ کرنا۔"

میں نے ٹھنڈی سانس بھری اور کچن سے نکل آیا۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے میں نے ما کو ناشتے کی ٹرالی لے جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر واپس آ کر اس نے مجھے طلبی کی اطلاع دی۔ میں تیز قدموں سے چلتا ہوا ان دونوں کے سامنے پہنچ گیا۔ چوہدری صاحب' بیگم سے کہہ رہے تھے۔

"کیا بات ہے کئی دن سے میں تمہاری خوراک کم محسوس کر رہا ہوں۔"

"کو اتنا تو کھاتی ہوں۔"

"کہاں۔ یہ دیکھو بادام کے حلوے کی پلیٹ جوں کی توں رکھی ہے اور یہ ابلے ہوئے انڈے۔ میں تمہیں ڈاکٹر انور کے پاس لے چلوں گا۔ وہ صحت ہی نہیں رہی تمہاری' کیوں مجھے پریشان کرتی ہو؟"

"اپنے آپ کو دیکھ رہے ہو؟"

"میری بات چھوڑو تم سے دگنی عمر ہے اب صحت تو خراب ہونی ہی ہے۔ میری زندگی اس میں ہے کہ تم خوش رہو۔ جلال تم مجھے دفتر چھوڑ کر واپس آ جانا بیگم صاحبہ کو کہیں جانا ہے۔" چوہدری صاحب اچانک مجھ سے مخاطب ہو گئے۔

"جی چوہدری صاحب۔" میں نے ادب سے جواب دیا۔ چوہدری صاحب انڈوں پر نمک چھڑک رہے تھے وہ انڈے بیگم صاحبہ کی طرف بڑھا کر بولے۔ "لو۔"

"اُفوہ۔ اب نہیں کھاؤں گی۔" بیگم نے ناز سے کہا۔

"جی نہیں آپ انہیں کھائیں گی۔ بس میں نے کہہ دیا۔" چوہدری صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔

"اللہ۔" بیگم صاحبہ نے پلیٹ لے لی پھر چونک کر مجھے دیکھنے لگیں اور پھر غرا کر بولیں "اب یہاں کیوں کھڑے ہو' جاؤ۔" اور میں خاموشی سے باہر نکل آیا۔ عقل چکرا کر رہ گئی۔ نہ جانے انسپکٹر جشید عالم پر کیا سنک سوار ہو گئی تھی یہاں کیا ہو سکتا ہے۔ اس کوٹھی میں ہے ہی کون۔ ایک عمر رسیدہ شوہر' ایک جوان بیوی اور ایک جوان ملازمہ۔ ان میں سے کون

مجرم ہے اور کیا جرم کر رہا ہے پھر ایک اور خیال دل میں آیا۔ ممکن ہے سرے سے کچھ نہ ہو۔ انسپکٹر جشید فطرتاً" نیک آدمی ہے وہ جانتا تھا کہ جس کیس میں مجھے سزا ہوئی ہے اس میں میں بے قصور تھا اور نادانستگی میں بس آلہ کار بن گیا تھا۔ اس کے بعد مجھے ایک بہتر زندگی حاصل کرنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ ان حالات سے متاثر ہو گیا اور اس نے اس طرح میری مدد کرنا چاہی۔ مگر یہ خیال بھی تسلیم نہیں ہو پا رہا تھا۔ چوہدری ریاض باہر نکل آئے اور میں نے ادب سے کار کا دروازہ کھول دیا اور انہیں لے کر چل پڑا۔ چوہدری کو ان کے دفتر پر اتارا تو وہ بولے۔

"جاؤ۔ اور ہاں تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ اس کے غصے کو محسوس نہ کرنا۔"

"جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ منتظر تھا کہ چوہدری ریاض اور کچھ کہے لیکن وہ اندر چل پڑا تھا۔ میں نے کار واپس موڑ دی صبر کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ واپس کوٹھی آ گیا۔ بیگم صاحبہ تیار ہو گئی تھیں۔ لباس خوبصورت لیکن سادہ تھا۔ اگر موٹاپا تیزی سے نہ چڑھ رہا ہوتا تو یقیناً حسین کہلاتیں مگر اب بھی کافی خوبصورت لگ رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے تین پتے بتائے جہاں انہیں جانا تھا۔ پہلی جگہ وہ دس منٹ رکیں اور اس کے بعد وہاں سے واپس آ گئیں ان کا موڈ اس وقت خوشگوار لگ رہا تھا کہنے لگیں۔

"تم گونگے ہو کیا؟"

"نہیں بیگم صاحبہ۔" میں نے ادب سے کہا۔

"تو گویا خاموش فطرت ہو۔" اس نے سوال کیا اور میں نیاز مندی سے بولا۔ "نہیں بیگم صاحبہ ایسا بھی نہیں ہے لیکن آپ سے باتیں کرنے کی جرات کیسے کر سکتا ہوں۔"

"اس سے پہلے کہاں ملازمت کرتے تھے؟" اس نے اچانک ہی سوال کیا لیکن میرے پاس اس کا جواب پہلے ہی سے موجود تھا میں نے کہا۔

"ایک دواؤں کی کمپنی کے انگریزی منیجر کے پاس' ذاتی ملازم تھا اس کا۔ وہ انگلینڈ چلا گیا تو میں بیروزگار ہو گیا۔"

"تم سے کس نے کہا کہ چوہدری کو ڈرائیور کی ضرورت ہے؟"

"نہیں بیگم صاحبہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بس میں نے خود ہی چوہدری صاحب کو کار سے اترتے ہوئے دیکھا' ان کی کیفیت خراب ہو رہی تھی' انہیں سنبھال کر میں نے ان کے دفتر پہنچا دیا' تب انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں اور کیا کرتا ہوں۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں بیروزگار ہوں' تو انہوں نے مجھے ڈرائیور کی حیثیت سے رکھ لیا۔"

بیگم صاحبہ نے چند لمحات خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "یہ ایک بہت افسوسناک پہلو ہے

جلال الدین' کہ چوہدری ریاض ذہنی طور پر متوازن نہیں ہیں' کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ وہ اپنی ذہنی قوتیں کھو چکے ہیں اور بعض اوقات سوچے سمجھے بغیر بات کرتے ہیں۔ تمہیں ابھی آئے ہوئے چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں گزرے لیکن نوجوان آدمی ہو' مجھے تم سے ہمدردی ہے' ویسے بھی خاصے سلیقے کے معلوم ہوتے ہو۔ کچھ پڑھے لکھے ہو؟"

"بہت معمولی سا۔" میں نے جواب دیا۔

"اسی لئے میں تمہیں صورت حال بتا دینا چاہتی ہوں۔ یہ کوٹھی اس کی شان و شوکت جو کچھ بھی تم دیکھ رہے ہو بالکل عارضی ہے۔ بہت مختصر وقت رہ گیا ہے جب یہ سب کچھ ہم سے چھن جائے گا۔ چوہدری ریاض دیوالیہ ہو چکے ہیں اور اسی لئے وہ ذہنی توازن بھی کھوتے جا رہے ہیں۔ اگر تم انہیں پہنچانے ان کے دفتر گئے تھے تو تم نے دیکھا ہو گا کہ سجے سجائے دفتر میں وہ خاموش اور تنہا بیٹھے رہتے ہیں کچھ عرصہ پہلے اس دفتر میں بہترین کاروبار ہوتا تھا لیکن چوہدری ریاض کی غلط پالیسیوں نے نقصانات پر نقصانات پہنچانا شروع کر دیئے' نتیجہ یہ ہوا کہ فرم قطعی طور پر دیوالیہ ہو گئی' سارے اسٹاف کو چھٹی دیدی گئی' کاروبار بند ہو گیا اور اب چوہدری ریاض وہاں بیٹھ کر صرف لکیر پیٹتے ہیں۔ یہی کیفیت ہماری کوٹھی کی ہے۔ دنیا کی ہر چیز قرض پر آ رہی ہے اور اتنا قرض بڑھ چکا ہے ہم پر کہ بالآخر ہمیں وہ کوٹھی دفتر اور وہاں کی ایک ایک چیز چھوڑنا ہو گی ہمارے پاس اتنی سکت نہیں ہے کہ ہم ملازموں کو تنخواہ دے سکیں۔ ہما میرے ساتھ بہت عرصے سے ہے۔ وہ تنخواہ نہیں لیتی' خود بھی بے سہارا ہے اور ہماری مشکلات میں ہمارا ساتھ دے رہی ہے تو یہ ہے صورت حال پہلے اس کوٹھی میں بھی کئی ملازمین تھے' لیکن میں نے رفتہ رفتہ سب کو نکال دیا۔ ان میں سے کچھ خود ہی چلے گئے کیونکہ انہیں تنخواہ ہی نہیں مل پاتی تھی۔ کوئی کہاں تک انتظار کر سکتا ہے۔ میں نے بہت مشکل سے کچھ چیزیں فروخت کر کے ان کی تنخواہیں ادا کی ہیں اور اب تم اس بات سے خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ یہاں تمہارا مستقبل کیا ہے۔ ہم ہوا کے دوش پر رکھے ہوئے چراغ ہیں کوئی بھی جھونکا ہمیں بجھا سکتا ہے۔ تم میرے خیال میں خاموشی سے یہاں سے رخصت ہو جاؤ' اگر ضرورت مند ہو تو میں تھوڑی بہت مالی امداد کر سکتی ہوں تمہاری۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔" میں بغور اس کی گفتگو سن رہا تھا اور سست رفتاری سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اب اتنا نا تجربے کار بھی نہیں تھا کہ ان باتوں کے جواب میں کوئی معقول بات نہ کر سکتا میں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا آپ مجھے انسان نہیں سمجھتیں بیگم صاحبہ؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا..........؟"

"بیگم صاحبہ میرے سینے میں بھی دل موجود ہے' ملازمتیں تو مجھے اور بھی مل سکتی ہیں لیکن آپ لوگوں کو چھوڑنا اب میرے لئے ممکن نہیں ہے پتہ نہیں کہاں اور کس جگہ کام آ جاؤں' آپ نے چوہدری ریاض صاحب پر غور نہیں کیا جس وقت میں نے انہیں دیکھا تھا وہ بالکل نیم مردہ کیفیت میں تھے ان حالات کو جاننے کے بعد میں اس گھر کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"بالکل احمق ہو تم۔ ہمیں ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اپنے مسائل سے خود نمٹنے کی کوشش کر رہے ہیں' سمجھے تم۔ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

"معافی چاہتا بیگم صاحبہ' چوہدری صاحب کو میری ضرورت ہے۔ تنخواہ ملنے نہ ملنے کا معاملہ بعد کا ہے۔" میں نے کہا۔

"بائیں سمت موڑ لو۔" اس نے کہا اس کے بعد اس نے اور کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر میں نے اسے تیسری جگہ پہنچایا تو اس نے کہا۔ "اب تم یوں کرو کہ چوہدری کے پاس چلے جاؤ ان کی طبیعت ٹھیک ہو تو انہیں لے کر ادھر سے گزر جانا اور مجھے ساتھ لے لینا اگر طبیعت خراب ہو تو انہیں گھر پہنچانے کے بعد میرے پاس آ جانا۔" میں واپس چل پڑا ابھی کافی وقت تھا انسپکٹر جمشید عالم سے ملنے کو دل چاہا اور انہیں تلاش کرنے میں ناکام نہ رہا۔

"گڈ۔" وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ "کہو کیسا تجربہ ہے؟"

"اجازت ہو تو سچ بول دوں۔ برا نہ مانئے گا۔"

"کہو۔؟"

"آپ نے مجھے جس بھوت گھر میں بھیجا ہے اس میں شاید میں اپنا ذہنی توازن قائم نہ رکھ سکوں۔"

"میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کس قسم کی ملازمت چاہتے ہو تم نے ازراہ تفنن کہا تھا کہ محکمہ پولیس میں بھرتی کرا دیجئے۔ ظاہر ہے تمہیں کانسٹیبل نہیں بھرتی کیا جا سکتا تھا کسی مناسب عہدے کے لئے عمدہ تربیت ضروری ہوتی ہے اور شاید تم نہیں جانتے کہ پولیس کو جرم کے خلاف ہی سب کچھ کرنا ہوتا ہے۔ یہ تمہاری ملازمت نہیں بلکہ امتحان ہے اور اس کے بعد تم سے دوسری ملازمت کا وعدہ کیا گیا ہے۔"

"وہ ایک دیوالیہ خاندان ہے' جہاں ایک بیوی پرست شوہر ہے' ایک شوہر سے بے نیاز بیوی ہے' ایک نوجوان ملازمہ ہے۔ چوہدری ریاض ایک خالی دفتر میں جا کر خاموش بیٹھ جاتا ہے جہاں کوئی کاروبار نہیں ہوتا۔ اس کی بیوی ڈرائیور رکھنے کی مخالف ہے کیونکہ وہ اسے تنخواہ نہیں دے سکتے۔"

"ہمیں اس کا علم ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سکون سے کہا۔ پھر بولے۔ "تمہیں وہاں

کوئی دقت ہوئی۔"

"نہیں۔"

"پھر کیا مشکل ہے؟"

"صرف ایک۔" میں نے کہا۔

"کیا؟"

"میں نہیں جانتا کہ مجھے وہاں کیا کرنا ہے۔ بیگم چوہدری نے مجھ سے پوچھا تھا کہ مجھے کس نے بتایا کہ چوہدری کو کسی ڈرائیور کی ضرورت ہے۔"

"تو تم نے کیا جواب دیا؟" انسپکٹر جمشید نے چونک کر پوچھا اور میں نے انہیں مختصر تفصیل بتا دی۔ وہ خوش ہو کر بولے۔ "بہت عمدہ۔ تمہارے بارے میں میرے اندازے غلط نہیں ہیں۔" وہ رک کے سوچتے رہے پھر بولے۔ "یہ بھی چکر ہے۔ ہارون احمد صاحب ریٹائرڈ ڈی آئی جی ہیں اور چوہدری ریاض ان کا شناسا یا معمولی سا دوست اس نے ہارون احمد سے درخواست کی تھی کہ اس کا تحفظ کیا جائے اسے خطرہ ہے کہ اسے ہلاک کر دیا جائے گا اسے زندگی کا خطرہ ہے۔"

"کس سے؟"

"شاید.........اپنی بیوی سے۔ ہارون احمد نے مجھ سے تذکرہ کیا لیکن جرم سے پہلے کوئی موثر کارروائی نہیں کی جا سکتی تھی حالات کا اندازہ لگانے کے لئے ہمیں کسی غیر متعلق لیکن ذہین آدمی کی ضرورت تھی جسے وہاں پہنچایا جا سکے اور میری نگاہ انتخاب تم پر پڑی۔ مجھے پولیس میں سولہ سال گزر چکے ہیں صاحبزادے۔ میرا کچھ تو تجربہ تسلیم کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تم بہت جلد صورت حال کا اندازہ لگا لو گے اس کے علاوہ کچھ اور ایسے معاملات ہیں جن کی تصدیق ضروری ہے۔ میں کسی ذمہ دار آدمی کے سپرد بھی یہ کام کر سکتا تھا لیکن اس بار میں نے ایک تجربہ کیا ہے۔"

جمشید عالم صاحب کے انکشافات بڑے دلچسپ تھے مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔ میں تو اس مختصر زین خاندان کے بارے میں بالکل ہی مختلف انداز سے سوچ رہا تھا۔ گو مجھے وہاں پہنچے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا لیکن بیگم صاحبہ نے جو کچھ بتایا تھا اس سے میں نے ایک تاثر قائم کر لیا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ بیگم ریاض بے حد نیک فطرت خاتون تھیں انہیں اپنے شوہر کا کاروبار تباہ ہونے کا رنج تھا مگر وہ ان حالات سے خوش اسلوبی کے ساتھ گزرنا چاہتی تھیں اور اپنے شوہر کو مشکلات کا شکار نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں اس کے لئے انہوں نے کوٹھی کو غیر ضروری ملازموں سے خالی کر دیا اور ہر ممکن طریقے سے بچت کر رہی تھیں دوسری طرف چوہدری صاحب تھے جن کے ہر انداز سے بیوی کے لئے محبت ٹپکتی تھی۔ مگر دوسری طرف یہ سب کچھ۔

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' نہ ہی تمہیں یہ سوچنا ہے کہ وہاں کیا ہو گا۔ بس تمہیں آنکھیں کھلی رکھ کر یہ اندازہ لگانا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ یہ مختصر تفصیل معلوم ہونے کے بعد چونکہ تم خصوصی طور پر ان باتوں پر نگاہ رکھو گے اس لئے معلومات بھی حاصل کر سکو گے۔ پولیس کو ان دونوں کے ماضی کی تلاش ہے اور بات صرف اتنی نہیں ہے کی ریٹائرڈ ڈی آئی جی ہارون احمد' چوہدری ریاض کے خدشے کے پیش نگاہ یہ سب کچھ کر رہے ہیں بلکہ کچھ اور امور بھی ہیں جن کی تصدیق کرنی ہے اور ان کے لئے جو کچھ تم کرو گے اسی سے باقی معاملات بھی حل ہو جائیں گے۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔"

"زیادہ نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زیادہ سمجھنا بھی نہیں چاہئے ورنہ تیز رفتار ہو جاؤ گے اور تیز رفتاری تمہیں ناکامی سے دوچار کر دے گی۔ اس لئے جتنا سمجھ چکے ہو اسی کے مطابق کام کرتے رہو۔ ہاں جوں جوں تم رپورٹ دیتے رہو گے تمہیں آگے کے معاملات بتائے جاتے رہیں گے۔"

"گویا آپ میری تربیت بھی کر رہے ہیں۔"

"یہی سمجھ لو۔" جمشید عالم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے کسی بھی اہم واقعے سے پریشان نہ ہونا تم سے وعدہ کیا گیا ہے کہ تمہیں کسی بھی مشکل میں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ تم قانون کے محافظ کی حیثیت سے کام کر رہے ہو۔" ان الفاظ پر دل تو بہت چاہا تھا کہ جمشید عالم سے بہت شکوے کروں مگر یہ ناسپاسی تھی اور جمشید صاحب کی شخصیت سے انحراف تھا۔ وہاں سے اٹھا اور دفتر چل پڑا۔ چوہدری صاحب بہتر حالت میں تھے مجھے دیکھ کر اشارے سے پاس بلا لیا۔ میں ان کے کیبن میں داخل ہو گیا۔

"بیٹھو۔" انہوں نے کہا' اور میں بیٹھ گیا۔ "کیسی گزر رہی ہے؟"

"ٹھیک ہوں چوہدری صاحب۔"

"کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟"

"نہیں!"

"کہاں کہاں گئے تھے اسے لے کر؟" انہوں نے پوچھا اور میں نے تفصیل بتا دی۔ "اور کوئی خاص بات۔"

"نہیں چوہدری صاحب۔"

"کبھی کوئی پریشانی ہو' کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا۔"

"جی چوہدری صاحب۔" میں نے کہا۔ چوہدری ریاض کے چہرے سے یہ اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو مگر کہہ نہ پا رہا ہو۔ اس کی متجسس آنکھیں میرا جائزہ لے رہی تھیں لیکن وہ مجھ سے مزید کہنے کی ہمت نہ کر پایا۔ پروگرام کے مطابق میں اسے لے کر اس جگہ پہنچا جہاں مسز چوہدری کو چھوڑا تھا۔ وہاں سے انہیں ساتھ لیا اور کوٹھی واپس چل پڑا۔ راستے میں چوہدری صاحب نے بیگم سے پوچھا۔

"کیا رہا۔"

"وہ مجھے منع تو نہیں کر سکتی تھی۔"

"تو کام بن گیا۔"

"ہاں' سنو فرزانہ کے پاس ایک ڈاٹسن بیکار کھڑی ہوئی ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ چاہوں تو اٹھا لے جاؤں۔"

"چلتی ہوئی ہے۔" چوہدری صاحب نے پوچھا۔

"ہاں پرفیکٹ کنڈیشن میں ہے۔"

"کونسا ماڈل ہے؟"

"پچھتر کا۔"

"اٹھالو' کتنے پیسے دینے پڑیں گے؟"

"میرا خیال ہے پیسے نہیں لے گی۔"

"اوہو تو پھر تم نے تکلف کیوں کیا' اٹھا لیتیں' اس وقت تو ہمیں ہر سہارے کی ضرورت ہے' بیچ دیں گے' اچھے خاصے پیسے مل جائیں گے بعد میں اگر کوئی بات ہوئی تو دیکھ لیں گے۔" چوہدری ریاض نے کہا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ' آخر سوسائٹی میں منہ بھی دکھانا ہے ایسی حرکتیں کر کے کیا ہم عزت سے زندگی گزار سکیں گے..........؟"

"ارے نہیں نہیں' میرا یہ مطلب نہیں تھا' میرا مطلب تو بس یہ تھا کہ اگر کوئی ایسی چیز ہاتھ آ رہی ہے' تو کیا ہرج ہے' بھئی برا نہ ماننا میری بات کا۔"

"گاڑی اٹھانے کا فیصلہ تو میں نے بھی کر لیا ہے' مگر جلد بازی نہیں کی بس ایسے ہی ذرا تکلف سے کام لیا ہے۔ میرا خیال کچھ اور ہے......؟"

"کیا..........؟" چوہدری ریاض نے پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کہ گاڑی ورکنگ آرڈر میں ہے' تم استعمال کر لینا' مجھے کتنی تکلیف رہتی ہے' میں یہ گاڑی چلا لیا کروں گی' دوسری گاڑی وہ ہو جائے گی' کیا خیال ہے؟" چوہدری ریاض چند لمحات خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"ہاں ہاں کیا ہرج ہے' ٹھیک ہے تو پھر تم یوں کرو کہ ٹیلی فون پر فرزانہ سے کہہ دینا کہ ہم گاڑی منگوا لیں گے۔" بیگم چوہدری خاموش ہو گئیں' میں یہ تمام گفتگو سن رہا تھا' بڑے دلچسپ معاملات تھے ان میاں بیوی کے بھی' اگر حالات میرے علم میں نہ آ جاتے اور صورت حال یہ نہ ہوتی جس کی بناء پر میں یہاں پہنچا تھا تو میں اسے ایک عام گھریلو بات سمجھتا' لیکن اب خواہ مخواہ جمشید عالم صاحب کے انکشاف کے بعد دل میں تجسس پیدا ہو گیا تھا اور اب ہر چیز پر نگاہ رکھنے کو دل چاہتا تھا۔ کوٹھی کے معاملات بالکل ویسے ہی تھے اور ان میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ باقی وقت میں نے بھی گھر پر ہی گزارا۔ نہ بیگم صاحبہ کہیں باہر نکلیں اور نہ چوہدری صاحب۔ ویسے چوہدری صاحب نے میری رہائش کو سرونٹ کوارٹر میں رکھنے کی بجائے اندر ہی رکھ کر مجھے بہتر کام کرنے کا موقع دیا تھا' ان کی متجسس نگاہوں سے بھی میں نے یہ اندازہ قائم کیا تھا کہ غالباً" وہ مجھ سے میرے ہی بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں' لیکن ہمت نہیں کر پا رہے..........بہر طور وہ دن معمول کے مطابق گزر گیا اور کوئی ایسی بات محسوس نہ ہوئی' جو خلاف طبع ہوتی۔ دوسرے دن جب میں چوہدری صاحب کو لے کر آفس جانے لگا تو بیگم صاحبہ نے مجھ سے کہا..........

"سنو جلال وہ گھر تو تمہیں یاد ہے نا جہاں مجھے سب سے آخر میں چھوڑا تھا اور جہاں سے تم مجھے لے کر گھر واپس آئے تھے..........."

"جی بیگم صاحبہ..............." میں نے جواب دیا......

"چوہدری صاحب کو دفتر چھوڑ کر وہاں چلے جانا۔ میں اپنی دوست فرزانہ کو ٹیلی فون کر دوں گی، تم اسے اپنا نام بتا دینا' وہ تمہیں ایک گاڑی دے گی' اسے لے کر یہاں گھر آ جانا۔ بعد میں چوہدری صاحب کو لینے چلے جانا..........."

"جی بیگم صاحبہ........" میں نے جواب دیا' راستے میں چوہدری صاحب نے مجھ سے کہا۔

"گاڑی اٹھا کر پہلے کسی مکینک کے پاس لے جانا اور اس کا چیک اپ کرا لینا' بعد میں اسے گھر لانا' میں تمہیں پیسے دے دوں گا......." میں نے چوہدری صاحب سے بھی اس کا وعدہ کر لیا' پھر انہیں چھوڑنے کے بعد میں اس کوٹھی پر جا پہنچا' ایک نوجوان خاتون سے ملاقات ہوئی' میں نے اپنا نام بتایا تو انہوں نے گہرے نیلے رنگ کی ایک ڈاٹسن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"یہ گاڑی ہے اور یہ اس کی چابی' لے جاؤ........" میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کے بعد اسے چلاتا ہوا باہر لے آیا کسی مکینک سے میرا کوئی تعارف نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی ایک جگہ ایک آٹو گیراج پر رکا اور وہاں ایک مکینک سے ڈاٹسن کا چیک اپ کرایا۔ سو روپے اسے دیئے' جو چوہدری صاحب نے مجھے دیئے تھے' مکینک نے گاڑی کو فٹ قرار دیا تھا۔ میں اسے لے کر کوٹھی پہنچ گیا' بیگم صاحبہ باہر ہی میرا انتظار کر رہی تھیں' ہما بھی ان کے ساتھ تھی' وہ گاڑی کے قریب آ گئیں اور اندر باہر سے اس کا جائزہ لینے لگیں' پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا کر بولیں۔

"ٹھیک ہے' میں نے چوہدری صاحب کو ٹیلی فون کر دیا ہے' دوپہر کو تم مجھے ساتھ لے کر اس گاڑی میں چلنا' میں وہاں سے وہ گاڑی اٹھا لوں گی مجھے کچھ کام ہیں............" یہی کیا گیا اور میں دوپہر کو چوہدری صاحب کے دفتر پہنچ گیا۔ بیگم صاحبہ گاڑی کی چابی لے کر چل پڑی تھیں' چوہدری صاحب نے بھی ڈاٹسن کا بغور معائنہ کیا۔ بعد میں اس میں بیٹھنے کے بعد گھر کی سمت چلتے ہوئے بولے............

"تم نے مکینک کو چیک کرالی ہے یہ گاڑی.......؟"

"جی چوہدری صاحب......"

"کیا کہتا ہے.......؟"

"بالکل فٹ کہتا ہے چوہدری صاحب۔"

"چلو ٹھیک ہے' اس کے کاغذات وغیرہ کہاں ہیں؟"

"جی بک گاڑی میں موجود ہے........" میں نے جواب دیا۔

"بیگم صاحبہ نے اس کے بارے میں اور تو کچھ نہیں کہا......؟"

"نہیں........" میں نے جواب دیا........ رات کو چوہدری صاحب اور بیگم صاحبہ کہیں چلے گئے تھے۔ اس دوران چوہدری صاحب کی صحت خاصی ٹھیک ٹھاک رہی تھی۔ ہما اور میں گھر میں تنہا تھے' میں نے جان بوجھ کر ہما کی جانب رخ نہیں کیا' ویسے بھی وہ بڑی پراسرار سی لڑکی تھی' اس دن کے بعد سے آج تک مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی۔ میں اپنے کمرے میں ہی تھا' کہ دروازے پر قدموں کی چاپ سنائی دی اور ہما چائے کی دو پیالیاں ٹرے میں رکھے ہوئے میرے کمرے میں داخل ہو گئی۔ میں نے سرد اور سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اس وقت بھی الجھی الجھی سی نظر آ رہی تھی۔ چائے کی دونوں پیالیاں ایک جگہ رکھ کر وہ ایک پیالی لے کر میرے قریب آئی اور مجھے پیالی پیش کرتے ہوئے بولی۔

"موڈ ہے نا چائے کا.......؟"

"کیوں نہیں' چائے سے کون انکار کر سکتا ہے........"

"تم مجھ سے ناراض معلوم ہوتے ہو......؟"

"نہیں ہما صاحبہ! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"اس دن سے بالکل خاموش ہو' بات بھی نہیں کی مجھ سے......؟" میں نے نگاہیں اٹھا کر ہما کو دیکھا اور بولا۔

"اور مجھے یہی محسوس ہوتا ہے ہما صاحبہ کہ جیسے آپ خود مجھ سے دور ہٹنا چاہتی ہیں.............. حالانکہ اس دن آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ میرے آ جانے سے آپ کو خوشی ہوئی ہے' لیکن بعد میں' میں نے یہ محسوس کیا جیسے آپ مجھے ناگوار محسوس کر رہی ہیں۔"

"بالکل نہیں جلال' ایسی کوئی بات نہیں ہے' براہ کرم میری کسی بات کا برا مت ماننا۔ میں بہت زیادہ پریشان حال اور الجھی ہوئی لڑکی ہوں.............." میں خاموشی نگاہوں سے ہما کو دیکھتا رہا' تو وہ چند لمحات کے بعد بولی۔

"بیگم صاحبہ نے محسوس کر لیا تھا کہ میں تم سے گھلتی ملتی جا رہی ہوں چنانچہ مجھے ڈانٹ پلائی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ اگر میں عزت سے رہنا چاہتی ہوں تو اپنے آپ کو محدود رکھوں ورنہ خواہ مخواہ نکال دی جاؤں گی' بس یہی وجہ تھی' مجھے تمہارا بھی احساس تھا کہ نجانے تم کیا سوچتے ہو گے.........؟"

میں چائے کے گھونٹ لیتا رہا۔ ہما کی جانب میں نے نظر نہیں اٹھائی تھی وہ بھی خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا..........

"میرا خیال غلط تو نہیں تھا.......؟"

"کون سا خیال" ....میں نے چونک کر پوچھا........

"یہی کہ تم نے میرے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی ہو گی۔"

"نہیں ہما صاحبہ' لیکن انسان ہوں خیالات تو ذہن میں آتے ہی ہیں' جب کہ آپ نے میرے ہر طرح کے سوالات پر پابندی لگا دی ہے۔"

"میں نے.........؟" وہ حیرت سے بولی۔

"کیوں' غلط کہہ رہا ہوں میں.........؟"

"میرا تو خیال ہے میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔" وہ تعجب بھرے لہجے میں بولی۔

"خیر آپ نے لفظوں میں یہ بات نہیں کہی۔ لیکن احساس ضرور دلا دیا ہے' آپ نے مجھ سے کہا تھا نا کہ تفصیلات پوچھنے نہ بیٹھ جاؤں' لیکن ظاہر ہے جب دو افراد آمنے سامنے ہوتے ہیں اور کوئی انوکھی بات سامنے آتی ہے تو سوالات خود بخود ذہن میں پیدا ہو جاتے ہیں۔" وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"نہیں اب اتنی پابندیاں بھی نہیں ہیں تم پر' بس یوں سمجھ لو کہ جن باتوں کے لئے مجھے منع کیا گیا ہے' میں وہ باتیں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ ہر گھر کے اپنے معاملات ہوتے ہیں اور ملازموں کو ان کی پابندی کرنا ہی پڑتی ہے۔"

"بیگم صاحبہ میرے یہاں ملازم ہونے کے خلاف ہیں۔ ہو سکتا ہے مجھے جلد یہاں سے نکال دیا جائے۔"

"تم مرد ہو تمہیں دوسری نوکری تلاش کرنے میں کیا دقت ہو گی۔"

"نہیں نوکریاں آسانی سے کہاں ملتی ہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ عورتوں کو آسانی سے ملازمت مل جاتی ہے ویسے تمہیں تو ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ بیگم صاحبہ تمہارے خلاف ہیں نہ چوہدری صاحب۔" میں نے کہا۔ وہ خاموش ہو گئی اور دیر تک کچھ نہ بولی تو میں نے کہا۔ "ویسے تم بھی مجھے یہاں خوش نہیں معلوم ہوتیں کیا تم یہاں نوکری کرنے پر مجبور ہو۔؟"

"ہاں!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں' میرا خیال ہے تم پڑھی لکھی ہو' اور پھر نوجوان ہو' کہیں بھی محنت کر سکتی ہو' تمہارے دوسرے رشتے دار وغیرہ ہوں گے۔"

"نہیں کوئی نہیں ہے۔"

"اوہ' تنہا ہو۔"

"ہاں' والد بچپن میں مر گئے تھے' والدہ بیمار رہتی تھیں میں نے میٹرک کیا تھا والدہ نے شادی کر دی مگر..................وہ سسکی سی لے کر خاموش ہو گئی۔"

"مگر کیا؟" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"شادی میرے لئے ایک بھیانک تجربہ ثابت ہوئی' میرا شوہر مجھ سے عمر میں ڈھائی گنا بڑا اور نشہ آور ادویات کا رسیا تھا اس کے ذرائع آمدنی بھی اچھے نہ تھے۔ فاقے اور پریشانیوں کے سوا مجھے کچھ نہ ملا بیمار ماں میرے دکھوں کی تاب نہ لا سکی اور مجھے مشکل میں چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ میری مشکلات کا کوئی حل نہیں تھا تقدیر کے بہتر فیصلے کا انتظار کر رہی تھی اور فیصلہ میرے حق میں ہو گیا۔"

"کیا۔" میں نے بے صبری سے پوچھا۔

"وہ جس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا خدا کے عتاب کا شکار ہو گیا نشے کے عالم میں سڑک پار کر رہا تھا ایک منی بس کے نیچے آ کر ہلاک ہو گیا۔ بیوگی کا ایک سال گزارا اور فاقہ کشی کی عادی ہونے کی وجہ سے زیادہ دقت نہیں ہوئی مگر کہاں تک' روٹی نہ سہی سر چھپانے کا ٹھکانہ تو چاہئے تھا یہ پہلی جگہ ملی اور یہاں نوکر ہو گئی یہ گوشہ عافیت ہے کچھ پابندیوں کے ساتھ مگر یہ پابندیاں عزت کی زندگی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔"

"اوہ' مجھے بہت افسوس ہوا یہاں نوکری کرتے کتنا عرصہ گزرا؟"

"تین سال ہو گئے۔"

"یہ دونوں ہمیشہ سے ایسے ہیں؟"

"ہمیشہ سے۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا پھر بولی "یہ دونوں دو سال سے ایسے ہیں۔"

"دو سال سے؟ اس سے پہلے؟"

"مجھے یہاں آئے ہوئے تین سال ہو گئے۔ میرے آنے سے تین ماہ پہلے ان کی شادی ہوئی تھی بیگم صاحبہ نئی نویلی دلہن تھیں اور چوہدری صاحب ان کے دیوانے۔ وہ آج بھی ان کے دیوانے ہیں مگر دو سال سے حالات بہت خراب ہو گئے۔ چوہدری صاحب کو کاروبار میں بڑے بڑے گھاٹے ہوئے اور حالات بگڑتے چلے گئے دفتر کا کام بند ہوا قرضے چڑھ گئے۔ لاکھوں پریشانیاں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ گھر میں پانچ ملازم تھے۔ میرے علاوہ ایک ایک کر کے انہیں جواب دے دیا گیا۔ پہلے یہاں بہت کچھ ہوتا تھا بیگم صاحبہ کی دوست لڑکیاں اور لڑکے

آتے تھے۔ دعوتیں ہوتی تھیں ہنگامے ہوتے تھے سب بند ہو گئے اور اب قرضوں پر دارومدار ہے۔ کبھی بیگم صاحبہ اپنی کسی دوست سے قرض لے آتی ہیں تو کبھی چوہدری صاحب کچھ رقم قرض لے آتے ہیں یوں کام چل رہا ہے۔"

"چوہدری صاحب کی تو صحت بھی بہت خراب ہو گئی ہے۔"

"ہاں پریشان جو ہیں۔"

"مگر بیگم صاحبہ تندرست ہیں۔"

"کہاں۔ بلڈ پریشر کی مریض ہیں، کبھی کبھی حالت بہت خراب ہو جاتی ہے مگر کھانے پینے کی بے حد شوقین ہیں ہمیشہ کچھ نہ کچھ کھاتی پیتی رہتی ہیں، پھل، مٹھائیاں، حلوے حالانکہ ڈاکٹر منع کرتے ہیں۔"

"چوہدری صاحب بھی ان کا بہت خیال رکھتے ہیں۔"

"حد سے زیادہ مگر۔" ہما خاموش ہو گئی۔

"مگر کیا؟"

"نہیں یونہی کہہ رہی تھی، عجیب بات ہے، بات گھوم پھر کر انہیں لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔ تم اپنے بارے میں بھی کچھ بتاؤ۔"

"میں بھی اس کائنات میں تنہا ہوں ہما۔ تھوڑا بہت پڑھا لکھا ہوں عرصہ سے نوکریاں کرتا ہوں اور بس۔"

"والدین بہن بھائی کوئی نہیں ہے۔"

"ہاں کوئی نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شادی نہیں کی؟"

"نہیں........"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میرے بارے میں کوئی سوچنے والا نہیں تھا۔" میں نے کہا اور وہ خاموش ہو گئی۔ پھر چونک کر بولی۔

"اب چلتی ہوں۔ آج تم نے اتنی باتیں کر کے خود کو دوبارہ زندگی کے قریب محسوس کر رہی ہوں ورنہ......" وہ برتن سمیٹنے لگی پھر بولی۔ "میں نے تمہیں بتایا ہے کہ مجھ پر کیا پابندیاں ہیں، میرے بارے میں کوئی غلط خیال دل میں نہ لانا اور میری خاموشی کو مجبوری سمجھنا۔" وہ برتن لے کر دروازے کی طرف چل پڑی پھر دروازے کے قریب رک کر بولی۔

"میرے اور اپنے درمیان ہونے والی باتوں کو کبھی کسی کے سامنے نہ کہنا میری نوکری

کا سوال ہے۔" وہ باہر نکل گئی مگر میرے دل پر ایک عجیب تلخ چھوڑ گئی۔ میں دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر مجھے چوہدری ریاض اور بیگم صاحبہ کا خیال آیا۔ صرف چند سال ہوئے ہیں ان کی شادی کو، اس سے پہلے دونوں کیا کرتے رہے۔ چوہدری ریاض کا کاروبار کیوں تباہ ہوا اور چوہدری کا یہ خوف کیا معنی رکھتا ہے کہ اس کی بیوی اسے قتل کر دے گی۔ اچانک ہی ایک اور خیال میرے دل میں آیا۔ کیوں نہ کسی وقت چوہدری ریاض اور بیگم صاحبہ کے کمرے کی تلاشی لی جائے۔ جمشید عالم صاحب نے مجھے یہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا تھا، ہو سکتا ہے اس تلاشی سے مجھے کوئی کارآمد بات معلوم ہو جائے لیکن اس میں خطرہ تھا میرے دل میں کوئی مجرمانہ تصور نہیں تھا اگر کوٹھی میں مجھے سونے کے انبار بھی مل جاتے تو میرے دل میں کوئی بے ایمانی نہیں آ سکتی تھی کیونکہ میں فطرتاً" برا نہیں تھا۔ جیل سے نکلنے کے بعد اتنے گر آ گئے تھے مجھے کہ دولت مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر تھی لیکن ایک بار بھی ان میں سے کوئی ذریعہ اختیار کرنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ کسی قیمت پر دوبارہ جیل نہیں جانا چاہتا تھا۔ ایسی کسی کوشش سے کوٹھی کے مکین میری طرف سے بدظن بھی ہو سکتے تھے لیکن احتیاط کی جا سکتی ہے۔ اس وقت بھی وہ دونوں بڑے اطمینان سے کوٹھی ہم دونوں پر چھوڑ کر چلے گئے تھے حالانکہ وہاں کافی قیمتی سامان تھا۔ چوہدری صاحب کو تو مجھ پر اس لیے بھروسہ ہو گا کہ میں ہارون احمد کا بھیجا ہوا تھا مگر بیگم صاحبہ........ یہ کام کروں گا کسی دن لیکن احتیاط کے ساتھ۔ دوسرا دن حسب معمول تھا اب میں وہی ڈاٹسن چلاتا تھا جو بیگم کی دوست نے انہیں دی تھی۔ تین چار دن اسی طرح گزرے کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ پانچویں دن دفتر پہنچنے کے بعد چوہدری صاحب نے مجھ سے کہا۔

"کہو بلال کوئی خاص بات؟"

"نہیں چوہدری صاحب، سب ٹھیک ہے۔"

"بیگم صاحبہ نے تو تم سے کوئی بات نہیں کی؟"

"نہیں چوہدری صاحب، وہ مجھ سے بات ہی کہاں کرتی ہیں۔" میں نے سادگی سے جواب دیا۔ چوہدری ریاض عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں مگر میں بھی ہوشیار تھا بالآخر انہوں نے کہا۔

"ہارون احمد صاحب نے تمہیں میرے بارے میں کیا بتایا تھا۔"

"یہی کہ مجھے آپ کے پاس نوکری مل جائے گی؟"

"اور کچھ نہیں کہا تھا انہوں نے۔" چوہدری صاحب کے انداز میں جھلاہٹ تھی۔

"کہا تھا چوہدری صاحب.........."

"کیا..." وہ جلدی سے بولے۔

"انہوں نے کہا تھا کہ جب تک چوہدری صاحب تمہارے سامنے زبان نہ کھولیں اور تم سے کچھ نہ کہیں تم خاموشی سے اپنا کام انجام دیتے رہنا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا کام کرتے رہنا؟"

"آپ کی ڈرائیوری۔"

"اوہ مجھے ڈرائیور کی ضرورت نہیں تھی۔"

"میں جانتا ہوں چوہدری صاحب۔" میں نے سکون سے جواب دیا اور چوہدری ریاض مجھے گھورنے لگا پھر بولا۔

"تم محکمہ پولیس کے ملازم ہو؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا چوہدری صاحب۔"

"کیوں؟" اس کی مناہی ہے جی۔"

"کمال ہے ہارون احمد صاحب بھی عجیب ہیں حالانکہ.......... مگر تم نے کیا کہا' اوہ تم کہہ رہے تھے کہ اگر میں زبان نہ کھولوں تو تم خاموش رہو اور اگر میں زبان کھول دوں تو.........."

"تو میں بھی آپ کے سوالات کے جواب دوں گا۔"

"ہوں' یقیناً تم ایک چالاک آدمی ہو۔ چلو ٹھیک ہے میں ہی ہار مان گیا ہوں۔ تم نے میرے تحفظ کے لئے کیا کیا ہے۔"

"ابھی تک یہ معلوم کر رہا ہوں کہ آپ کو خطرہ کیا پیش آ سکتا ہے؟"

"کوئی بھی حادثہ پیش آ سکتا ہے مجھے کوئی گہری سازش ہو سکتی ہے میرے خلاف' مجھے تو ایک ایسے مستعد آدمی کی ضرورت ہے جو میرا تحفظ کر سکے۔ تم میری صحت دیکھ رہے ہو روز بروز گرتی جا رہی ہے اس قابل بھی نہیں ہوں کہ گاڑی چلا سکوں بعض اوقات ایسے دورے پڑتے ہیں کہ اعصاب بے قابو ہو جاتے ہیں یہ سب کچھ بے پناہ پریشانیوں کی وجہ سے ہے۔"

"آپ علاج کیوں نہیں کراتے چوہدری صاحب؟"

"علاج۔" چوہدری صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ میرے حالات واقعی بے حد خراب ہیں' کاروبار بری طرح تباہ ہو چکا ہے' قرض خواہوں کو دلاسہ دینے کے لئے دفتر میں آ بیٹھتا ہوں تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں ان

سے منہ چھپا کر روپوش ہو گیا ہوں۔ میں نے ان سے بہت سے جھوٹ بول رکھے ہیں اور انہی سے کام چلا رہا ہوں مگر مجھ میں اور میری بیوی کے حالات میں بڑا فرق ہے۔"

"وہ کیا چوہدری صاحب۔"

"اس کا لاکھوں روپیہ بینکوں میں محفوظ ہے اس نے سینکڑوں قسم کے سیونگ سرٹیفکیٹ لے رکھے ہیں اس کے علاوہ بھی اس نے نہ جانے کہاں کہاں سرمایہ کاری کر رکھی ہے مگر یہ سب کچھ اس نے مجھ سے چھپا رکھا ہے۔ آہ اگر وہ میرا ساتھ دے تو میں پھر کروڑوں کما سکتا ہوں مگر وہ.......... وہ .... وہ مجھ سے اکتا چکی ہے مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے۔"

"بظاہر تو ایسا نہیں ہے۔"

"بظاہر۔" چوہدری ریاض نے تلخ لہجے میں کہا۔ "در پردہ وہ مجھ پر پانچ قاتلانہ حملے کر چکی ہے۔"

"جی!" میں اچھل پڑا۔

"ہاں میرے دوست! میں غلط نہیں کہہ رہا۔"

"ان حملوں کی نوعیت کیا تھی؟"

"بتاؤں گا تو بھی یقین نہیں کر پاؤ گے' بتانا نہیں چاہتا لیکن اسے احساس ہو گیا ہے کہ میں اس کی طرف سے ہوشیار ہوں اس لیے اب وہ جو کچھ کرے گی بہت سوچ سمجھ کر کرے گی میں اس بات سے خوفزدہ ہوں۔"

"آپ کے خیال میں وہ آپ سے پیچھا صرف اس لئے چھڑانا چاہتی ہیں کہ آپ قلاش ہو چکے ہیں۔"

"ہاں میں اس کے لئے کشش کھو چکا ہوں۔"

"وہ آپ سے طلاق بھی لے سکتی ہیں۔"

"ایسا کرنے سے اسے گھاٹا ہو جائے گا۔"

"کیوں؟"

"میرا ایک کروڑ کا بیمہ ہے جو اسے میری موت کی شکل میں مل سکتا ہے' مجھ سے علیحدہ ہو کر نہیں۔"

"اس کے پریمیم آپ کہاں سے ادا کرتے ہیں؟"

"قرض لے کر' ہم نے اپنی ساکھ بنا رکھی ہے۔ میں اپنے کچھ دوستوں سے قرض لے رہا ہوں' وہ بھی اپنی کچھ دوستوں سے بظاہر قرض لیتی ہے مگر میں جانتا ہوں یہ قرض نہیں

ہوتا اس لیے یہ ڈاکسن بھی ضروری ہے کیونکہ اسے دوسری گاڑی درکار تھی۔ وہ بے حد
چالاک ہے۔"
"بڑے سنسنی خیز حالات ہیں چوہدری صاحب' آپ خود ان سے علیحدہ کیوں نہیں ہو
جاتے۔"
"بے موت مرجاؤں گا کیونکہ اس کے بعد وہ مجھے سب کے سامنے عریاں کر دے گی
اسے سارے ان اور آؤٹ معلوم ہیں۔"
"بظاہر تو آپ کے درمیان بے حد محبت ہے' چوہدری صاحب مجھے یہ سب سن کر
بہت حیرت ہوئی ہے۔"
"یہ محبت یکطرفہ ہے میں بدنصیب اسے اپنی زندگی سے زیادہ چاہتا ہوں وہ میرے لئے
بہت قیمتی ہے مگر میں اس کے ہاتھوں مرنا نہیں چاہتا۔ میری آرزو ہے کہ میں اپنا کھویا ہوا
مقام پھر سے حاصل کر لوں' اس کے سامنے دولت کے انبار لگا کر اس سے محبت کی بھیک
مانگوں آؤ میں' میں۔" چوہدری صاحب کی آواز بھرا گئی میں نے کہا۔
"آپ کو امید ہے چوہدری صاحب کہ آپ پھر سے اسٹیبلش ہو سکیں گے؟"
"کوشش کر رہا ہوں۔"
"مجھے بتایئے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" میں نے صرف ہمدردی سے کہا اور
چوہدری خاموشی سے سوچنے میں مصروف ہو گیا پھر بولا۔
"میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا مگر خود بھی زندہ رہنا چاہتا ہوں' تمہیں اس پر
نگاہ رکھنا ہو گی مجھے خطرات سے بچانا ہو گا' اس کے بارے میں یہ معلومات رکھنا ہوں گی کہ
وہ کس کس سے ملتی ہے۔ وہ تمہاری شدید مخالف ہے مگر تم کوشش کر کے اس کی ہمدردیاں
حاصل کر لو' اس کے راز دار بن جاؤ اس کے لئے تمہیں بہت محنت کرنا ہو گی' میں نے
ہارون احمد صاحب سے کہہ دیا تھا کہ یہ کام ہفتہ یا پندرہ دن میں نہیں ہو جائے گا اس کے
لئے وقت صرف ہو گا' میں تمہیں ایک اور پیشکش بھی کرنا چاہتا ہوں۔ میری بات کا برا مت
ماننا انسان مجبور ہو کر نہ جانے کیا کیا کرتا ہے اجازت دو گے کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہوں کہہ
دوں؟"
"جی چوہدری صاحب۔"
"تم کس حیثیت کے مالک ہو' میں نہیں جانتا اس کے باوجود میری پیشکش ہے کہ
ڈرائیور کی تنخواہ کے علاوہ میں پانچ ہزار روپے ماہوار تمہیں خفیہ طور پر پیش کروں گا اس کا
ذکر اگر تم چاہو تو ہارون احمد صاحب سے بھی نہ کرنا بلکہ بہتر ہو گا کہ ذکر ہی نہ کرنا۔ اس رقم

کے عوض تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ معلوم کرنا ہو گا۔ یہ میرے اور تمہارے
درمیان خفیہ رابطہ ہو گا اور میں تمہیں ہدایات دیتا رہوں گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ پہلے مجھے
یہ بتاؤ کہ یہ پیشکش تمہارے لئے قابل قبول ہے یا نہیں؟"
"دولت کسے بری لگتی ہے چوہدری صاحب مگر آپ کے حالات ایسے کہاں ہیں۔"
"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو جو کچھ میں کر رہا ہوں تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔ میری
بیماری کچھ نہیں ہے بس یہی پریشانیاں ہیں جنہوں نے میری صحت خراب کی ہے۔ میری
آرزو ہے کہ میرے اور اس کے درمیان سمجھوتہ ہو جائے میں اسے بہت چاہتا ہوں۔
چوہدری صاحب کی آواز بھرا گئی۔"
میں عجیب سی الجھن میں پڑ گیا تھا۔ بڑے انوکھے واقعات تھے ان کے پس پردہ کیا
ہے۔ لوگ اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر ایسے مضبوط رشتوں کے ساتھ بھی ایسے انوکھے
کھیل کھیلتے ہیں؟
"کیا فیصلہ کیا تم نے؟"
"میں تیار ہوں چوہدری صاحب۔"
"تمہارا شکریہ جلال الدین۔ اب تم اپنے پروگراموں میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر لو'
مجھے دفتر چھوڑ کر واپس گھر چلے جایا کرو' اس طرح تمہیں اس کے ساتھ رہنے کا موقع ملے گا
اور تم اس کا اعتماد حاصل کر سکو گے۔ آخری بات کہہ کر یہ گفتگو ختم کرتا ہوں' وہ یہ کہ
اسے ایک مرد کی حیثیت سے متاثر کرنے کی کوشش مت کرنا وہ اس جال میں نہیں پھنسے گی
کیونکہ میں اسے جانتا ہوں کہ اگر ایسا کرنے کی کوشش کی تم نے تو اسے فائدہ حاصل ہو گا
وہ تمہیں ایک بد کردار انسان قرار دے کر کوٹھی سے نکال سکتی ہے اس بات پر میں بھی اس
سے انحراف نہیں کر سکتا اب جاؤ۔" میں چوہدری صاحب کے پاس سے چلا آیا مگر میرے سر
میں ہانڈی پک رہی تھی یا الٰہی اس دنیا میں یہ سب بھی ہوتا ہے۔ غالباً" اس کہانی کو دہراتے
ہوئے چوہدری صاحب کا غم پھر سے ابھر آیا تھا ایک گھنٹے کے بعد جب میں نے چوہدری
ریاض پر نگاہ ڈالی تو وہ برے حال میں نظر آیا۔ اس پر سانس کا دورہ پڑ گیا تھا' آنکھیں چڑھ
گئی تھیں اور حالت بہت خراب ہو گئی تھی میں گھبرا گیا کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں
مجبوراً" چوہدری کے گھر ٹیلیفون کیا ہما نے فون ریسو کیا تھا میں نے اسے صورت حال بتائی تو
اس نے کہا کہ وہ بیگم صاحبہ کو اطلاع دیتی ہے کچھ دیر کے بعد بیگم صاحبہ کی آواز سنائی دی۔
"ہاں کیا بات ہے۔"
"چوہدری صاحب کو سانس کا دورہ پڑا ہے۔ حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔ میں کیا

کروں بیگم صاحبہ؟"
"نہیں سنبھال کر گھر لے آؤ' یہاں دوائیں موجود ہیں۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جی بیگم صاحبہ۔" فون بند کر کے میں نے چوہدری ریاض کو سنبھالا اور ہزار دقتوں کے بعد دفتر کا کمرہ بند کر کے اسے لے کر چل پڑا۔ راستے بھر اس کی حالت سخت تشویش ناک رہی تھی اس کا سانس ٹھہری نہیں رہا تھا سینہ دھونکنی بنا ہوا تھا۔

"بس یوں لگ رہا تھا جیسے گھر تک وہ زندہ نہ پہنچ سکے گا سانس کے ساتھ بڑی کربناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں تیز رفتاری سے ڈاٹسن دوڑاتا ہوا کوٹھی پہنچ گیا۔ بیگم صاحبہ' ہما کے ساتھ برآمدے میں موجود تھیں۔ چوہدری صاحب کو اندر پہنچادیا گیا میں نے کہا۔

"کسی ڈاکٹر کو لاؤں بیگم صاحبہ؟"

"نہیں............ دوائیں موجود ہیں ٹھیک ہو جائیں گے۔" بیگم صاحبہ نے خشک لہجے میں کہا۔ میں وہاں رکا رہا تو انہوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے؟"

"جی میرے لئے کوئی ہدایت۔"

"جاؤ آرام کرو۔" انہوں نے اسی انداز میں کہا اور میں وہاں سے نکل آیا۔ چوہدری ریاض کے لئے دل دکھ رہا تھا محبت کا مارا ہوا مظلوم انسان۔ عجیب الجھا ہوا کیس تھا۔ لیکن میرے لئے ہر حال میں منافع بخش۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کسی قدر انسانی ہمدردی کا معاملہ بھی تھا مگر میں کیا کر سکتا ہوں جس حد تک مجھے چوہدری ریاض نے بتایا تھا اتنا تو خود جشید عالم صاحب کو معلوم تھا۔ باقی دن خاموشی سے گزر گیا۔ ہما نے شام کی چائے دی مگر نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا تک نہیں' دوسرے دن نو بجے اس نے کہا۔

"چوہدری صاحب دفتر نہیں جائیں گے۔ تم لان کی صفائی کرا دو اور الیکٹریشن کو بلا کر بجلی کے کچھ پوائنٹ ٹھیک کرا دو۔"

"کیسی طبیعت ہے چوہدری صاحب کی۔"

"ٹھیک ہیں۔" اس نے جھٹکے دار آواز میں کہا اور چلی گئی۔ میں بھی کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ پھر میں ہما کے بتائے ہوئے کاموں میں مصروف ہو گیا اور دن اسی میں گزر گیا۔ چوہدری صاحب پورا دن نہیں نظر آئے تھے۔ دوسرے دن بھی چوہدری صاحب دفتر نہیں گئے البتہ شام کو میں نے انہیں بیگم صاحبہ کے ساتھ لان پر ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ بالکل ٹھیک نظر آ رہے تھے۔ مجھے اشارے سے بلایا اور میں ان کے پاس پہنچ گیا۔

"کل دفتر چلنا ہے اور سنو' تم مجھے دفتر چھوڑ کر گھر واپس آ جایا کرو' دفتر میں کوئی کام

نہیں ہوتا گھر کے بہت کام ہوتے ہیں کچھ فرنیچر درست کرانا ہے' سارا لان اجاڑ پڑا ہے۔ تھوڑی سی اس کی دیکھ بھال کر لیا کرو اور بھی کچھ کام ہیں ہما تمہیں بتا دے گی۔ مقررہ وقت پر مجھے جا کر لے آیا کرو' میں نے بیگم صاحبہ سے بات کر لی ہے۔"

"جی چوہدری صاحب!" میں نے سعادت مندی سے کہا۔ بیگم صاحبہ نے میری طرف نگاہیں اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ بات ختم ہو گئی۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ ہما اس دوران اس طرح مجھ سے بے تعلق رہی تھی جیسے شناسائی ہی نہ ہو' لیکن اس کی مجبوری میں سمجھتا تھا۔ چنانچہ اب اس کی ان حرکتوں پر میں توجہ نہیں دیتا تھا۔

"اس وقت صبح کے ساڑھے پانچ بجے تھے اور میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا کہ کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ میں نے حیران نگاہوں سے جھنجھوڑنے والے کو دیکھا۔ وہ ہما تھی۔ حیران نگاہوں سے ہما کو دیکھا' دھندلائی ہوئی آنکھوں میں ہما کا چہرہ ابھر آیا' وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا............"

"جلال ہوش میں آؤ' سنو گاڑی احتیاط سے چلانی ہے کوئی گڑ بڑ ہوئی ہے اس میں' خیال رکھنا' یہ اندازہ خود لگانے کی کوشش کرنا کہ گاڑی میں کیا ہوا ہے' تم ہوش میں آ گئے ہو نا' میرے الفاظ تمہارے ذہن میں آ گئے ہیں نا؟" اس نے ایک بار پھر مجھے جھنجھوڑنے کی کوشش کی۔ میں ہکا بکا اس کی صورت دیکھ رہا تھا پھر میں نے کہا............

"کیا مطلب ہے' کیا............ کیا کیا ہے گاڑی میں' کس نے کیا ہے؟"

"گاڑی احتیاط سے چلانا' بس اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔" وہ برق رفتاری سے واپس پلٹی اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئی۔ میں آنکھیں پھاڑے دروازے کو گھورتا رہا تھا۔ میرا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اول تو کچی نیند سے جاگ گیا تھا۔ اوپر سے ہما کے الفاظ ۔ آنکھیں بند ہونے لگیں لیکن دفعتاً" ہی ذہن ایک جھٹکے سے جاگ گیا۔ یقینی طور پر یہ سب کچھ خواب نہیں تھا۔ ہما اندر آئی تھی اور اس نے مجھے یہ اطلاع دی تھی۔ چند لمحات اسی طرح چکرایا چکرایا سا لیٹا رہا۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا چنانچہ اٹھ کر غسل خانے کی جانب بڑھ گیا' سر پر خوب ٹھنڈا پانی بہایا جس سے دماغی کیفیت کچھ بحال ہوئی۔ ہما کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ ہاں ہما گاڑی کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھی' میں ایک بار پھر سوچ کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ ہما کہہ رہی تھی۔ گاڑی............ گاڑی............ بات کچھ سمجھ میں آنے لگی۔ اور پھر میں اپنے بال وغیرہ سنوار کر باہر نکل آیا اور دیر تک دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے بیٹھا رہا۔ گاڑی میں کیا' کیا گیا ہے' کس نے کیا ہے' یہ سوچتا رہا۔ بہر حال صورت حال بہت سنسنی خیز تھی۔

"مجھے خود کو سنبھالے رکھنا تھا۔ گاڑی میں آخر کیا' کیا گیا ہے' کچھ سمجھ میں تو آئے۔
ہما نے یہ اطلاع مجھے کیوں دی ہے اسے کیوں شبہ ہوا ہے؟ دل چاہا کہ کچن میں جا کر اس سلسلے میں بات کروں لیکن اس نے محتاط رویہ اپنایا ہوا تھا' اس کی وجہ سے خاموش رہ گیا۔ بے چاری میری وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے اور اس کے بعد اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا تھا۔ اعصاب کو قابو میں رکھنا تھا چنانچہ خاموشی سے ناشتہ کیا۔ ادھر بیگم صاحبہ اور چوہدری صاحب بھی جاگ گئے تھے...... میں نے انہیں لان پر ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ عام طور سے اتنی صبح یہ لوگ نہیں جاگتے تھے۔ نجانے کیوں آج معمول کے کچھ خلاف یہ بات ہوئی تھی۔ لیکن ظاہر ہے ان سے یہ سوال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں گاڑی کی صفائی میں مصروف ہو گیا۔ لیکن یہاں بھی میں نے محتاط رویہ اپنائے رکھا تھا۔ حالانکہ میرے ذہن میں شدید تجسس تھا۔ لیکن گاڑی کی دیکھ بھال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بیگم صاحبہ شبہ کا شکار ہو جائیں۔ سارا کیا دھرا چوپٹ ہو جائے گا' جب چوہدری صاحب گاڑی میں آ کر بیٹھے تو بیگم صاحبہ نے برآمدے میں انہیں خدا حافظ کہا۔ یہ بھی کچھ خلاف معمول سا تھا' کیونکہ عموماً ایسا نہیں ہوتا تھا......"

"میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ تو گیا تھا لیکن دل میں کچھ عجیب سی پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ نجانے کیا کیا خیالات آ رہے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میں نے جونہی سوئچ آن کیا بم کا دھماکہ ہو گا اور گاڑی کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ ہمت کر کے سوئچ لگایا۔ گاڑی گیئر میں ڈالی ہما نے گیٹ کھول دیا تھا۔ میں فرسٹ گیئر میں گیٹ سے باہر نکل آیا۔ سیکنڈ گیئر لگایا اور گاڑی کی رفتار تیز کر دی اس کے انجن کی آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا' گو بہت زیادہ مشق نہیں تھی مجھے۔ لیکن یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ انجن کی آواز میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ پھر زیادہ فاصلہ نہیں طے کیا تھا کہ مجھے بریکوں کا خیال آیا اور میں نے بریک چیک کرنے کے لئے بریک پیڈل پر پیر رکھ دیا۔ "دوسرے لمحے مجھے ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ پیڈل نیچے بیٹھ گیا تھا اور بریک نہیں لگا تھا۔ رفتار میں نے ابھی زیادہ تیز نہیں کی تھی اور سیکنڈ گیئر میں چل رہا تھا۔ اس لئے گاڑی کو روک لینا زیادہ مشکل کام نہیں تھا' لیکن اب میری ذہانتیں بھی جاگ اٹھی تھیں سڑک سنسان تھی اور پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ کم از کم اب کوٹھی سے اتنی دور نکل آئے تھے کہ کوٹھی سے گاڑی کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ عقب نما آئینے میں جب میں نے کوٹھی کو بالکل ہی گم پایا اور یہ شبہ باقی نہ رہا کہ وہاں سے کوئی گاڑی کو دیکھ لے گا تو میں نے سڑک کی سائیڈ کر کے گاڑی روک دی' چوہدری صاحب چونک پڑے تھے انہوں نے پیچھے سے کہا۔

"کیا بات ہے خیریت؟"

"گاڑی کے بریک فیل ہو گئے ہیں۔"

"ہیں۔" چوہدری صاحب کسی قدر ہراساں لہجے میں بولے۔

"جی ہاں...... بریک بالکل نہیں لگ رہے۔"

"ارے' اچانک یہ کیسے ہو گیا؟ ایسی کوئی بات پہلے تو محسوس نہیں ہوئی تھی۔"

"بالکل نہیں جناب۔" میں نے جواب دیا اور چوہدری صاحب گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ پھر انہوں نے میری طرف دیکھ کر پھیکے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"چھٹا قاتلانہ حملہ۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چوہدری صاحب بولے۔

"تمہارا کیا خیال ہے' کیا بریک خود بخود فیل ہو گئے؟"

"خود بخود تو نہیں ہو سکتے جناب' یقیناً کچھ کیا گیا ہے۔" چوہدری صاحب چند لمحات کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔

"اب ساری بات سمجھ میں آ گئی' میں حیران تھا کہ ڈاٹسن کیوں خریدی گئی ہے؟ پہلے تو میں یہی سمجھا تھا کہ اسے چونکہ خود آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس نے یہ گھٹیا سی گاڑی خرید کر میرے حوالے کر دی ہے' لیکن اب اصل بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ پہلے اس نے وہ عمدہ گاڑی داؤ پر لگا رکھی تھی۔ بعد میں اس نے سوچا کہ لاکھوں کی چیز کیوں ضائع کی جائے تم سمجھ رہے ہو نا۔ اب تو تمہیں میری باتوں پر یقین آ گیا ہو گا۔"

"یہ سب کچھ' چوہدری صاحب یہ سب کچھ حل تو نہیں ہے آپ کسی بھی وقت نقصان اٹھا سکتے ہیں۔ بات اگر یہاں تک پہنچ گئی ہے تو آپ کو کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہئے بلاوجہ آپ نے یہ الجھن پال رکھی ہے۔ کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے۔ آپ کی صحت پہلے ہی اتنی خراب ہے"۔ چوہدری ریاض نے کوئی جواب نہیں دیا' کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا......؟

"اب کیا کریں؟"

"جو حکم چوہدری صاحب۔"

"کچھ ہونا ضرور چاہئے' یہاں رک کر کیا کریں' ویسے اس وقت میری سمجھ میں ایک بات ضرور آئی ہے پوری طرح آ گئی ہے۔ وہ تمہاری مخالفت صرف اس لئے کرتی ہے کہ اس کا پلان خراب ہو گیا ہے۔ پہلے میں خود گاڑی چلاتا تھا مجھ پر اچانک دورے پڑتے ہیں ایسے ہی کسی لمحے کار کا حادثہ ہو سکتا تھا۔ مگر دیر میں سوچتی ہے اسے تمہارے آنے سے پہلے ایسی کوئی کھٹارہ گاڑی خریدنی چاہئے تھی وہ دیر سے سوچتی ہے۔" چوہدری ریاض بے اختیار

مسکرا پڑا میں نے حیرانی سے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا یہ مسکراہٹ بڑی جاندار تھی۔ اچانک اس نے سنبھل کر کہا۔ "اب تم یوں کرو گاڑی کسی جگہ ٹکرا دو۔ ذرا ٹھیک ٹھاک ٹکر ہونی چاہئے گاڑی کا اگلا حصہ کافی خراب ہو جانا چاہئے پھر اسے مکینک کے ہاں پہنچا دو اور اطمینان سے وہاں کھڑا رہنے دو' اس طرح ایک لمبے عرصہ کے لئے ہمیں اس سے نجات مل جائے گی۔ چلو یوں کرو اس سامنے والے درخت کی طرف اس کا رخ کر دو' اسی گیئر میں ڈالو اور ایکسیلیٹر پر ایک بھاری پتھر رکھ دو بعد میں پتھر اٹھا لینا۔" یہ ساری کارروائی بھی میرے لئے ایک سنسنی خیز تجربہ تھی۔ گاڑی درخت سے ٹکرا گئی اور پھر میں نے پتھر اٹھا لیا۔ پھر ہم ایک ٹیکسی کر کے دفتر پہنچ گئے۔ چوہدری ریاض کی آنکھوں میں ایک شریر سی چمک تھی اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ اس نے کہا۔ "چلو اب تم گاڑی کسی آٹو گیراج سے اٹھوا دو۔" مجھے مصروفیت کی وجہ سے ان تمام واقعات کے بارے میں سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن بدن میں پھریریاں ضرور دوڑ رہی تھیں اگر ہما بروقت اطلاع نہ دیتی تو کوئی بڑا حادثہ ضرور ہو سکتا تھا۔ ہما کے لئے اچانک میرے دل میں بڑی محبت جاگ اٹھی تھی۔ واپس دفتر پہنچا تو چوہدری ریاض نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے فون پر حادثے کی اطلاع دیدی ہے اور اطمینان دلایا ہے کہ ہم دونوں خیریت سے ہیں۔" وہ ہنس پڑا پھر بولا۔ "البتہ تمہاری خیریت نہیں ہے' خود کو تیار رکھنا فون پر چیخ رہی تھی کہ ڈرائیور کو بریک خراب ہونے کا احساس نہ ہو سکا وہ کیسا ڈرائیور ہے؟"

"آپ خود سمجھ لیں' چوہدری صاحب اور مجھے بتا دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"لو یار' میری مدد پر آمادہ ہوئے ہو تو بھرپور مدد کرو' کچھ بکواس کرے تو سن لینا اس سے زیادہ کیا ہو گا۔ چاہو تو اس ڈانٹ ڈپٹ کا بل الگ سے بنا کر ادا کر دوں گا۔ اب بھگتنا تو ہے۔" چوہدری نے ہنستے ہوئے کہا۔

دوپہر کو ٹیکسی سے گھر واپسی ہوئی تھی۔ چوہدری ریاض نے ٹیکسی ایک سویٹ ہاؤس کے سامنے رکوائی تھی اور مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا۔ سویٹ میٹ مارٹ سے اس نے اخروٹ کا حلوہ' کھانے کا حلوہ' بادام کا حلوہ کافی مقدار میں خریدا اور سارے ڈبے مجھ پر لدوا کر ٹیکسی میں آ بیٹھا۔ ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے اس نے ہنس کر کہا۔ "یہ حلوے اس کا موڈ درست کرنے میں اکسیر کا کام کریں گے۔ اپنی جیسی کوشش کر لیتے ہیں۔ آگے اللہ مالک ہے۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ دل میں یہ ضرور سوچا تھا کہ جمشید عالم صاحب نے بظاہر ایک آسان کام میرے حوالے کیا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک مشکل ترین کام ہے اور

اس بھوت گھر میں دماغ کی چولیں درست رکھنا سخت مشکل ہے تاہم دو ہزار روپے ماہانہ جمشید عالم کی طرف سے اٹھارہ سو ڈرائیور کی تنخواہ اور پانچ ہزار روپے اسپیشل معاوضہ' آٹھ ہزار آٹھ سو روپے بنت ہوتے ہیں اور اس معاوضے پر یہ سب کچھ کیا جا سکتا تھا۔

ٹیکسی گھر کے سامنے رک گئی چوہدری صاحب نے کہا۔ "تم یہ سامان اٹھا کر دو منٹ کے بعد اندر آؤ۔ اس وقت صورت حال کیا ہوگی میں جانتا ہوں۔" میں نے گردن ہلا دی ٹیکسی کا کرایہ چوہدری صاحب دے گئے تھے میں نے سامان کے ڈبے اٹھائے اور گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ برآمدے میں بیگم صاحبہ اور ہما کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ چوہدری صاحب ان کے پاس پہنچ گئے تھے۔ میں چوہدری صاحب کے حکم کے مطابق رکا اور یہیں سے میں نے انہیں بیگم صاحبہ کے ساتھ اندر جاتے ہوئے دیکھا' ہما البتہ کھڑی رہی تھی جب چوہدری صاحب اندر چلے گئے تو میں بھی گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔ ہما نے آگے بڑھ کر خاموشی سے ڈبے میرے ہاتھ سے لے لئے اور تیزی سے واپس مڑ گئی۔

"ہما............سنو۔" میں نے اسے پکارا اور وہ رکے بغیر اندر داخل ہو گئی۔ میں سر کھجا کر رہ گیا تھا۔ ظاہر ہے اس گھر میں اگر کسی کی کھوپڑی درست ہوتی تو یہ گھر نرالا کیسے ہوتا۔ میرے پاس اس کے سوا کیا چارہ تھا کہ میں بھی اپنے کمرے میں چلا جاتا۔

"باقی دن خاموش گزر گیا۔ کوئی چھ بجے کے قریب میں باہر نکلا اور نئی گاڑی کے قریب پہنچ کر اس کے دروازے کھول لے پائیدان وغیرہ نکال کر جھاڑنے لگا روزانہ کا معمول تھا کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اندرونی دروازے سے طوفان برآمد ہوا اور ایک سو ساٹھ میل فی گھنٹے کی رفتار سے میری جانب بڑھا۔ اس نے میرے قریب پہنچ کر پائیدان میرے ہاتھ سے چھین کر دور اچھال دیا اور کڑک دار لہجے میں بولا۔

"آئندہ تم میری گاڑی کے قریب نظر آئے تو میں تمہیں گولی مار دوں گی سمجھے میری گاڑی کو ہاتھ نہ لگانا۔" میں نے سرد نگاہوں سے بیگم صاحبہ کو دیکھا اور دل میں سوچا کہ محترمہ میں بھی زیادہ ٹھنڈے مزاج کا آدمی نہیں ہوں اس کا جواب ایسا دے سکتا ہوں کہ آپ کو آخری دم تک یاد رہے گا مگر جمشید عالم صاحب نے مجھے کسوٹی پر رکھا ہے اور مجھے ان کے معیار پر پورا اترنا ہے اس لیے مجبور ہوں۔ بیگم صاحبہ بولیں۔

"تم ڈرائیور ہو یا گھسیارے۔ تمہیں اتنا اندازہ نہیں ہو سکا کہ گاڑی کے بریک فیل ہیں۔"

"کیا مجھے اس کا اندازہ ہو جانا چاہئے تھا بیگم صاحبہ؟" میں نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا مگر وہ غصے میں تھیں انہوں نے میرے سوال کا مفہوم نہیں سمجھا اور بولیں۔

"گاڑی پر جو خرچ آئے گا وہ کون دے گا؟"

"مشین تو مشین ہے بیگم صاحبہ۔ کوٹھی سے نکلتے ہوئے تو بریک درست تھے راستے میں فیل ہو گئے۔"

"بکواس کرتے ہو۔" وہ غرائیں۔

"میں سمجھا نہیں بیگم صاحبہ کیا وہ یہیں خراب ہو چکے تھے۔" میں نے پوچھا اور وہ سٹپٹا گئیں۔ ایک لمحے کے لئے الجھیں پھر اسی انداز میں بولیں۔

"تم ہماری جان بخشی نہیں کر سکتے۔ میں نے تمہیں ہر طرح سمجھایا ہے کہ ہمیں ڈرائیور کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ویسے ہی برے حالات کا شکار ہیں تم اور مصیبت بن کر ہم پر نازل ہو گئے ہو۔"

"میں آپ کا ہمدرد ہوں بیگم صاحبہ میں نے تو تنخواہ بھی نہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"ہم تمہارا احسان نہیں لینا چاہتے۔"

"اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔"

"ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے سمجھے۔ خدا کے لئے ہماری جان چھوڑ دو گاڑی تباہ کر دی تم نے۔ اگر میرے شوہر کو کچھ ہو جاتا تو۔"

"آپ کے حق میں بہتر ہوتا۔" میں نے کہا وہ دم بخود رہ گئیں۔ میں نے عقب سے چوہدری صاحب کو آتے ہوئے دیکھا تھا وہ چیل کی طرح پرواز کرتے ہوئے ہمارے پاس پہنچ گئے۔"

"کیا بات ہے؟ کیا کہہ رہی ہو تم اس سے؟"

"آپ' آپ اسے فوراً نکال دیں' سمجھے' آپ اسے فوراً نکال دیں۔ یہ بدتمیز ہے مجھ سے زبان چلاتا ہے۔"

"میں نے آپ کو سمجھایا تھا' آپ سے کہا تھا کہ اس سے کچھ نہ کہیں۔"

"کیوں" آپ کو وجہ بتانی ہوگی۔"

"مجھے اس کی ضرورت ہے۔"

"مجھے نہیں ہے۔"

"میں نے اپنی ضرورت بتائی تھی آپ کی نہیں۔"

"کیا ضرورت ہے آپ کو اس کی؟"

"میں گاڑی نہیں چلا سکتا میری صحت کا کچھ اندازہ ہے آپ کو کسی بھی وقت حادثے کا
شکار ہو سکتا ہوں۔"

"ہم اپنے اخراجات نہیں بڑھا سکتے۔ آپ اسے نکال دیں۔"

"نہیں نکالوں گا۔"

"نکالنا ہو گا آپ کو۔" وہ غرائیں ان کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔

"دیکھتا ہوں کون نکالتا ہے اسے۔"

"میں ...... میں نکالوں گی ...... میں ...... نکالوں گی۔ میں نکالوں گی۔" بیگم
صاحبہ ہذیانی انداز میں چیخیں۔ ان کا چہرہ بگڑنے لگا پھر اچانک ہی وہ چکرانے لگیں اور پھر زمین
پر گر پڑیں۔ چوہدری صاحب کے ہوش اڑ گئے وہ بدحواس ہو کر بیگم صاحبہ کو اٹھانے کی
کوشش کرنے لگے۔ لیکن وہ دھان پان تھے کامیاب نہ ہو سکے مجھے ہی یہ خدمت انجام دینی
پڑی تھی مگر چوہدری صاحب کی پریشانی قابل دید تھی۔

"کسی ڈاکٹر کو بلا کر لاؤں چوہدری صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"جان دیدے گی دوا نہیں کھائے گی۔ انجکشن سے اس طرح ڈرتی ہے جیسے بکری
قصائی کی چھری سے۔" انہوں نے غم آموز لہجے میں کہا اور میں خاموش ہو گیا بڑا الجھا ہوا
معاملہ تھا چوہدری صاحب مجھ پر کھل گئے تھے کھلنا ہی تھا انہوں نے اپنی زندگی کے تحفظ کے
لئے مجھے بلایا تھا مگر اس کے باوجود کہ انہیں بیگم صاحبہ سے زندگی کا خطرہ تھا ان کی پریشانی
قابل دید تھی۔ چکرائے ہوئے بیوی کے سرہانے بیٹھے رہے تھے۔ میرا ان کے پاس رکنا ممکن
نہیں تھا اس لئے میں وہاں سے چلا آیا۔ کچھ دیر کے بعد پتہ چلا کہ بیگم صاحبہ ہوش میں آ
گئی ہیں اور ان کی کیفیت بہتر ہے۔

رات ہو گئی ہما نے مجھے کھانا دیا تو میں نے کہا "ہما مجھے تم سے شکایت ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"دن اور رات کے کچھ حصے ایسے ضرور ہوتے ہیں جب ہمیں ان کا خطرہ نہیں ہوتا
اس وقت تو تم مجھ سے مل سکتی ہو۔"

"جلال۔ میں بہت بزدل ہوں۔ یقین کرو بہت بزدل ہوں میں، کسی کو کچھ ہو نہ ہو
کسی دن میری جان ضرور چلی جائے گی ان حالات میں بیگم صاحبہ مجھ پر بہت کڑی نگاہ رکھتی
ہیں۔ انہیں میرے اور تمہارے درمیان ذرا بھی یگانگت کا پتہ چل جائے تو یوں سمجھ لو مجھے
مرنا پڑے گا۔"

"حالانکہ تم نے میرے یہاں آنے پر بہت خوشی کا اظہار کیا تھا۔"

"بعد میں مجھے جو ہدایات ملیں وہ میرے خیال کے برعکس تھیں۔"

"بیگم صاحبہ کی طرف سے؟"

"یہ سوال کیوں کرتے ہو۔"

"اب کیا ہو گا؟ میرا مطلب ہے کہ بیگم صاحبہ اتنا شدید اختلاف کر رہی ہیں میرے
سلسلے میں تو کیا میں یہاں رہ سکوں گا؟"

"ہاں تم یہاں رہو گے۔؟" وہ مسکرا پڑی اور میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"حالات ہموار ہو گئے ہیں۔"

"کیسے؟"

"ایسا ہی ہوتا ہے کبھی چوہدری صاحب کی حالت زیادہ خراب ہو جاتی ہے تو وہ بیماری
کے عالم میں بیگم صاحبہ کی ہر بات مان لیتے ہیں اور کبھی بیگم صاحبہ بیمار ہوتی ہیں تو شوہر کی
محبت ان کے دل میں چھٹ پڑتی ہے۔"

"یعنی الٹا معاملہ؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"یہاں کچھ سیدھا ہے؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"خدایا۔" میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"کھانا کھاؤ، معدہ پر ہو جائے تو خیالات زیادہ پریشان نہیں کرتے۔" ہما نے کہا۔

"میرا معاملہ ہموار ہو گیا؟" میں نے پوچھا

"ہاں بیگم صاحبہ نے اپنا مطالبہ واپس لے لیا ہے۔ اب شاید تمہاری مخالفت کبھی نہ
ہو۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"اتفاق سے یہ گفتگو بلکہ یہ معاہدہ میرے سامنے ہی ہوا تھا۔"

"اوہ اور اب مجھے وہ سب سے اہم بات نہیں بتاؤ گی۔"

"کونسی اہم بات؟"

"ہما تم نے مجھ پر بھی احسان کیا ہے۔ اگر تم مجھے ہوشیار نہ کر دیتیں تو میں خود بھی
اس حادثے میں ہلاک ہو سکتا تھا۔"

"اس انکشاف کا تعلق خالص میری اپنی ذات سے ہے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"بس ہے۔ تفصیل سن کر ہنسو گے۔"

"میں جاننا چاہتا ہوں ہما۔ براہ کرم مجھے بتاؤ۔"

"میں سچے خواب دیکھتی ہوں جلال۔ بہت سے سچے خواب دیکھے ہیں میں نے اور میرے خوابوں کا نتیجہ فوراً" نکلتا ہے۔ میں کبھی فرصت میں تمہیں ان خوابوں کے بارے میں بتاؤں گی جو میں نے دیکھے۔ رات کو بھی میں نے خواب دیکھا تھا اور یہی دیکھا تھا کہ گاڑی کے بریک فیل ہو گئے ہیں اور تمہیں حادثہ پیش آگیا ہے۔"

"ہما۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا یہ قابل یقین بات ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہے تو۔ کیونکہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا وہ ہوا۔"

"تمہاری مرضی ہے ہما" اس سے صرف ایک نتیجہ نکال سکتا ہوں میں وہ یہ کہ تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتیں۔ خیر ایک طرح سے یہ درست بھی ہے ظاہر ہے ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے تمہاری مرضی ہما۔ میں آئندہ تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔"

"بلاوجہ میری طرف سے بدظن ہو رہے ہو' میں نے سچ بولا ہے تم سے۔"

"سچ نہیں بولا۔ ہما تم نے کہا تھا کہ گاڑی احتیاط سے چلانا اس میں کچھ ہوا ہے اور اب تم نے بریکوں کے بارے میں بتایا ہے۔"

"اوہ۔ اب مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ گاڑی کے بریک فیل ہو گئے تھے۔ اچھا اب مجھے چلنا چاہئے وہ دونوں جاگ رہے ہیں۔" ہما چلی گئی اور میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں بڑی فاش غلطی کر رہا ہوں۔ ہما بے شک ملازمہ ہے لیکن وہ کچھ اور بھی تو ہو سکتی ہے وہ بھی کافی پراسرار کردار ہے بلکہ کسی بھی طور ان دونوں میاں بیوی سے کم پراسرار نہیں ہے' اس نے اپنے بارے میں جو کچھ کہا ہے کیا ضروری ہے کہ درست ہو۔ میں ہما پر بھروسہ کرتا جا رہا ہوں بلکہ میرے دل کے کچھ گوشے اس کے لئے نرم ہو گئے ہیں۔ یہ چیز میرے لئے خطرناک ہو سکتی ہے ممکن ہے اعتماد میں کچھ ایسی باتیں نکل جائیں میرے منہ سے جو بعد میں خطرناک ثابت ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گاڑی کے بارے میں بتا کر اس نے مجھے حادثے سے بچایا تھا۔

دوسری صبح بہت جلدی آنکھ کھل گئی تھی۔ میں معمول کے مطابق ناشتے کے لئے کچن میں نہیں گیا۔ ساڑھے آٹھ بجے ہما خود ہی میرے لئے ناشتہ لائی اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔ تب میں نے سوچا ہما پر نگاہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ پھر اتفاق سے صبح کے ناشتے پر میں نے اس عجیب و غریب جوڑے کو دیکھا تھا۔ ناشتے کی میز بھری ہوئی تھی اور لاتعداد لوازمات سجے ہوئے تھے اور بیگم صاحبہ کہہ رہی تھیں۔

"اللہ' مجھ سے نہیں کھایا جا رہا۔"

"دیکھو بیگم' مجھے پریشان نہ کرو' تمہیں میری پریشانیوں کا اندازہ ہے؟"

"میں نے کیا کیا ہے؟"

"آئینہ دیکھتی ہو کبھی۔"

"روز دیکھتی ہوں۔"

"میری آنکھوں سے دیکھو کبھی' کیا تمہیں کیا ہو گئی ہو۔"

"اچھی خاصی اسمارٹ تھی گول ہوتی جا رہی ہوں۔"

"خاک گول ہو رہی ہو' میں کہتا ہوں یہ جسم دکھاوے کا ہے خون نہ ہونے کے برابر ہے جسم میں۔ غذا ہی نہ پہنچے گی بدن میں تو خون کہاں سے بنے گا۔ تمہیں مقوی غذاؤں کی ضرورت ہے۔ یہ کھمبوں کا حلوہ لو۔"

"ناک تک پیٹ بھر گیا ہے۔ اب گنجائش نہیں ہے۔"

"تھوڑا سا اور لو پلیز' میرے دل میں ٹھنڈک اترتی ہے تمہیں کھاتے دیکھ کر مجھے تمہاری زندگی درکار ہے۔"

"تقدیر نے تو ہمارا ساتھ نہ دیا ریاض۔" بیگم صاحبہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"تقدیر ضرور ساتھ دے گی تم فکر مند کیوں ہو ایک دن تمہیں بتاؤں گا کہ دیکھ لو' میں نے اپنی کھوئی ہوئی حیثیت پھر سے حاصل کر لی ہے۔"

"وہ دن کب آئے گا۔"

"آہ ضرور آئے گا۔ کہیں سے کچھ رقم ہاتھ لگ جائے' پھر تم دیکھنا کہ میں کیسے دو کے چار اور چار کے آٹھ بناتا ہوں۔"

"صحت تو ساتھ چھوڑتی جا رہی ہے تمہاری' ہر وقت تمہارے لیے فکر مند رہتی ہوں کیا کرو گے' کیسے کرو گے۔ مجھ پر اتنا خرچ کرتے ہو اپنا علاج بھی نہیں کراتے۔ کتنی بار کہا ہے کہ کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔؟"

"ڈاکٹر مجھے بستر نشین کر دے گا اور صحیح معنوں میں وہی میری موت ہو گی۔ میں ڈاکٹر انور سے مشورہ کرتا رہتا ہوں اپنے بارے میں بھی اور تمہارے بارے میں بھی۔ پتہ نہیں یہ ڈاکٹر انور کون ہے کبھی مجھے بھی تو اس سے ملاؤ تمہاری بیماری کے بارے میں بات کروں گی اس سے۔ میرے لئے تو مشورے دیتا رہتا ہے تمہارے بارے میں کیا کہتا ہے وہ۔"

"میرے بارے میں وہ کیا کہے گا جب کہ اپنی بیماری میں خود سمجھتا ہوں۔ آہ مشکلات نے مجھے نڈھال کیا ہے ورنہ۔" چوہدری صاحب نے کہا بیگم صاحبہ اس گفتگو کے دوران مسلسل حلوے پر ہاتھ صاف کئے جا رہی تھیں اور میں اس بلانوش عورت کو حیرت سے دیکھ

رہا تھا جو اس غمناک گفتگو کے دوران حلوے کی پوری پلیٹ صاف کر گئی تھی۔ چوہدری صاحب اس دن دفتر نہیں گئے تھے۔ شام کو وہ بیگم صاحبہ کو لے کر سیر کرنے نکل گئے۔ گھر میں ہما تھا میرے ساتھ تھی لیکن میں اپنے کمرے میں ہی رہا۔ میں ہما سے اظہار ناراضگی کرنا چاہتا تھا البتہ میں اس کا انتظار کرتا رہا تھا لیکن وہ بھی میرے پاس نہیں آئی البتہ رات کو کھانا رکھ کر چلی گئی تھی۔ نہ جانے میرے ذہن میں کیا خیال آیا۔ میں نے اس کے باہر نکلتے ہی خود بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور باہر نکل آیا۔ ہما اپنے کمرے میں نہیں گئی تھی بلکہ اس کا رخ ان دونوں کی خواب گاہ کی طرف تھا۔ پھر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ خواب گاہ میں روشنی کر کے اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ میں اندر جھانک سکتا۔ چند لمحات میں وہاں رکا اور پھر یہ تگ و دو بیکار سمجھ کر وہاں سے واپس پلٹ آیا۔ کھانا کھاتے ہوئے میں دیر تک سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔

دوسرے دن میں نئی گاڑی میں چوہدری صاحب کو لے کر دفتر چل پڑا۔ طے یہ ہوا تھا کہ میں گاڑی لے کر واپس آ جاؤں گا۔ راستے میں چوہدری صاحب نے کہا۔

"اس واقعے نے تمہارے لئے حالات بہتر کر دیئے ہیں۔"

"وہ کیسے چوہدری صاحب۔"

"اب وہ تمہاری مخالفت نہیں کرے گی اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے۔"

"یہ سب کچھ میرے لئے بے حد عجیب ہے چوہدری صاحب۔"

"میں جانتا ہوں مگر تم مجھے بتاؤ' میں کیا کروں۔ میں اسے چاہتا ہوں اور وہ۔ وہ میری موت کی خواہاں ہے۔"

"آپ کے ذہن میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا چوہدری صاحب۔"

"صرف خیال پر تو یہ سب کچھ نہیں کیا جاتا' کون گھر کی بات باہر نکالنا پسند کرتا ہے۔"

"کیا آپ کو پورا یقین ہے۔"

"کتنی بار مجھ سے یہ سوال کرو گے؟"

"دراصل یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اگر بیگم صاحبہ کبھی آپ کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں تو آپ کو کیا فائدہ ہو گا۔ آپ تو جان سے جائیں گے اور فرض کیجئے ان کے جرم کا راز فاش ہو جائے تو ظاہر ہے انہیں سزا ہو جائے گی آپ کو کیا ملے گا؟"

چوہدری صاحب پھیکے سے انداز میں ہنس پڑے۔ تمہارا دل چاہے تو تم اسے میری دیوانگی کہہ سکتے ہو۔ میں اسے اپنی زندگی سے زیادہ چاہتا ہوں مگر وہ۔ کوئی کیا کر سکتا ہے کسی کے دل کو تو نہیں بدلا جا سکتا۔ وہ مجھ سے اس لیے بددل ہے کہ میں قلاش ہو چکا

ہوں۔ میں تھوڑا سا وقت چاہتا ہوں اگر مجھے سنبھلنے کا موقع مل جائے تو میں وہ سب کچھ پھر حاصل کر سکتا ہوں جو کھو چکا ہوں اور اس وقت مجھے یقین ہے کہ اسے اپنے کیے پر پچھتاوا ہو گا۔ گو اسے اس کا یقین نہیں ہے اور وہ صرف میری موت کا انتظار کر رہی ہے تاکہ میرے بیمے کی رقم اسے مل جائے۔ مگر میں کچھ اور سوچ رہا ہوں جو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"آپ کے درمیان اس موضوع پر بات ہوئی ہے کبھی؟"

"کس موضوع پر؟"

"میرا مطلب ہے آپ نے اپنے بارے میں کبھی بیگم صاحبہ سے خدشے کا اظہار کیا ہے؟"

"ظاہر ہے جو کچھ وہ کر رہی ہے وہ تو میں اس سے نہیں کہہ سکتا ہاں وہ میری طرف سے فکرمندی کا اظہار کرتی ہے۔"

"کبھی آپ نے ان سے علیحدگی کا تذکرہ کیا ہے؟"

"صرف ایک بار' اور اس پر دورہ پڑ گیا تھا۔ اس نے بہت رنج کا اظہار کیا تھا اس خیال پر۔ ویسے بھی اسے شدید بلڈ پریشر رہتا ہے۔"

"یہ خطرناک ہو سکتا ہے جب کہ وہ کوئی علاج بھی نہیں کرتیں اس کا۔"

"اسے دواؤں سے چڑ ہے۔"

"ان کی خوراک بھی معاف کیجئے گا بہت ہے اور بلڈ پریشر کی مریضہ ہونے کے باوجود وہ ان اشیاء کو زیادہ پسند کرتی ہیں جن میں کولسٹرول کی مقدار بے حد ہوتی ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ مریضہ ہے مگر یہ اشیاء اسے تندرست رکھتی ہیں۔ اس نے اپنے بڑھتے ہوئے وزن کی وجہ سے ڈائٹنگ کی تھی جس نے اسے زندہ درگور کر دیا ہے۔ وہ کھا پی کر ہی تندرست رہتی ہے ان تمام چیزوں کا اسے بے حد شوق ہے اگر کبھی کچھ کمی ہو جاتی ہے تو وہ محسوس کرنے لگتی ہے۔"

"عجیب گورکھ دھندہ ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا پھر اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے پوچھا۔ "یہ ہما کیسی لڑکی ہے؟"

"ہما.............؟ کیوں.............؟ چوہدری صاحب نے چونک کر پوچھا۔"

"وہ بھی بیگم صاحبہ کی آلہ کار نہیں بن سکتی؟"

"اوہ۔ ہرگز نہیں وہ بہت پیاری بچی ہے۔ بالکل معصوم اور بے ضرر' اگر اس کے کانوں میں کبھی ایسی کوئی بات ڈال بھی دی جائے تو کسی کو نقصان پہنچانے کے بجائے وہ خود

ہی خوف سے مرجائے گی۔ میں بے وقوف نہیں ہوں اس کا جائزہ لے چکا ہوں۔ تمہیں اس پر کوئی شک ہوا ہے؟"

"بالکل نہیں۔ میں نے بس یونہی اس کے بارے میں سوچا تھا۔"

"نہیں۔ اس پر کوئی شبہ نہ کرو۔ بیگم بھی اتنی بے وقوف نہیں ہیں کہ اس سے ایسا کوئی کام لینے کی کوشش کریں۔ وہی بعد میں ان کی گردن پھنسانے کا باعث بن سکتی ہے۔

میں چوہدری صاحب کی بات سے متفق نہیں تھا لیکن کوئی اظہار بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انہیں دفتر پہنچا کر واپس پلٹا۔ جمشید عالم صاحب بہت یاد آ رہے تھے اور پھر موقع بھی تھا چنانچہ ان کی طرف چل پڑا۔ انہوں نے حسب عادت مسکرا کر میرا استقبال کیا تھا۔"

"آپ نے جو کام میرے سپرد کیا ہے اس کے بارے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور۔" انہوں نے کہا۔

"یہ کام کوئی اور بھی کر سکتا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کو کوئی دوسرا بے وقوف نہیں ملا تھا؟"

"کوئی اہم بات ہو گئی ہے شاید؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے سب کچھ معمول کے مطابق ہے ہو سکتا ہے کوئی خاص بات بہت جلد ہو جائے۔"

"کیا؟" انہوں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اس بار آپ کو چار سال کے لئے مجھے پاگل خانے پہنچانا پڑے گا کیونکہ آپ نے مجھے غیر سرکاری پاگل خانے تو بھیج ہی دیا ہے۔"

"ہمت ہار رہے ہو؟"

"نہیں ہمت نہیں ہار رہا بلکہ میرے دماغ کے کل پرزے کچھ گڑبڑ ہونے لگے ہیں۔" میں نے کہا اور جمشید عالم مجھے پر خیال نظروں سے دیکھنے لگے پھر بولے۔

"در حقیقت یہ مسئلہ میرے لیے بھی اس قدر اہم نہیں ہے عزیزم' یوں سمجھ لو کہ میں ہارون احمد صاحب کی مروت میں یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ اخراجات بھی وہی کر رہے ہیں اور ان کا بوجھ مجھ پر نہیں ہے۔ تم اگر کچھ مشکل محسوس کر رہے ہو تو واپس آ سکتے ہو۔ ویسے میں نے تم سے بہت سی امیدیں وابستہ کرلی تھیں اور یہ تجربہ کر کے بہت خوش تھا۔"

"تجربہ۔" میں نے سوال کیا۔

"پولیس دن رات یہی سب کچھ کرتی ہے برخودار' ایسے جرائم شدید ذہنی کاوش کے

بعد کیے جاتے ہیں اور شدید ذہنی کاوشوں کے بعد ان کا سراغ لگایا جاتا ہے گتھیوں کو سلجھانے کے لئے بڑی محنت کرنی ہوتی ہے۔ تجربہ یہ کیا تھا میں نے کہ ایک غیر سرکاری کام ایک غیر سرکاری شخص کے حوالے کیا تھا اگر کوئی تربیت یافتہ آدمی اس طرح کسی جگہ بھیجا جاتا تو وہ تربیت یافتہ افراد کی طرح کام کرتا اس طرح ناکامی کا اندیشہ ہوتا اور بات سرکاری حیثیت اختیار کر جاتی جب کہ ابھی یہ معاملہ بالکل غیر سرکاری ہے۔ یوں سمجھ لو ہارون احمد صاحب کو اپنی ڈیوٹی کے دوران ایک کیس ملا تھا جسے حل کرنے میں انہیں ناکامی ہوئی تھی یہ ایک قتل کا معاملہ تھا اور قتل بھی ان کی ایک عزیزہ کا ہوا تھا مگر کوئی کوشش کارگر نہیں ہوئی اور وہ مجرم پکڑ نہ سکے بلکہ انہیں ثبوت نہ ملا۔ یہ داغ ان کے ذہن میں تھا اور وہ اس داغ کو دور کرنا چاہتے تھے اس کے لئے ریٹائر ہو کر بھی انہوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ تم سمجھ رہے ہو نا یہ انا کا معاملہ بھی تھا اور رشتے کا بھی۔"

"جی۔!"

"چوہدری ریاض اس پائے کا آدمی نہیں تھا کہ ڈی آئی جی ہارون احمد اس سے دوستی کرتے۔"

"پھر۔؟"

"یہ دوستی انہوں نے اپنے شبہے کی بناء پر خود کی تھی کیونکہ اپنی اس عزیزہ کے قتل کے سلسلے میں انہیں چوہدری ریاض پر شبہ تھا۔" جمشید عالم کے اس انکشاف پر میں اچھل پڑا۔"

"چوہدری ریاض پر............؟"

"ہاں۔ تمہیں حیرت ہے۔"

"وہ تو بہت مرنجان مرنج آدمی ہے۔ اور اور............"

" ان الفاظ کی روشنی میں تم اس پر غور کرو اور بتاؤ کیا وہ قاتل ہو سکتا ہے۔" جمشید عالم مسکرا کر بولے۔

"خدا کی پناہ۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"میں نے ابتداء ہی سے یہ پوائنٹ تمہارے ذہن میں رکھا ہے تم سے کہا ہے کہ تم صرف چوہدری ریاض کی بیوی کی طرف ہی متوجہ نہ رہنا بلکہ خود چوہدری پر بھی نگاہ رکھنا۔ اس کی یہی وجہ تھی۔ چوہدری نہیں جانتا کہ ہارون احمد صاحب کا اس عورت سے کوئی رشتہ تھا اور وہ اس قتل کی تفتیش اپنی نگرانی میں کراتے رہے ہیں۔ بات آئی گئی ہو گئی تھی مگر وہ ہارون احمد کے ذہن سے نہیں نکلا تھا اور ہارون احمد بڑی مشکل سے اسے اپنے جال میں

چانس کے تھے۔ یہاں تک کہ چوہدری ان سے اپنے دل کی بات کہہ بیٹھا اور انہوں نے اس سے ہمدردی کرتے ہوئے اسے یقین دلایا کہ وہ کچھ کریں گے۔ انہوں نے مجھ سے بات کی اور میں نے اتفاق سے تمہیں اس کام کے لئے منتخب کر لیا اس کی اطلاع میں ہارون احمد کو بھی دے چکا ہوں۔"

"ہارون احمد صاحب سے تو اس عورت کا کوئی رشتہ تھا مگر چوہدری سے اس کا کیا رشتہ تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میاں بیوی کا۔" جمشید عالم نے ایک اور دھماکہ کیا۔

"یعنی......یعنی چوہدری ریاض اس سے پہلے بھی شادی کر چکا ہے اور یہ خاتون اس کی دوسری بیوی ہیں!"

"دوسری نہیں، چوتھی۔"

"او میرے خدا۔ میرے خدا وہ اس سے پہلے تین شادیاں کر چکا ہے۔"

"اور بھی بہت سی دلچسپ باتیں ہیں سنو گے تو حیران ہو جاؤ گے۔ اس کی پہلی تینوں بیویاں غیر طبعی موت مری تھیں۔"

"یعنی قتل؟"

"خدا بہتر جانتا ہے۔ سب سے پہلی بیوی......مگر ٹھہرو چوہدری کے بارے میں تمہیں اور کچھ بھی بتانا مناسب رہے گا۔ بہت پہلے وہ چوہدری ریاض نہیں تھا۔ شاید تم نے کبھی کومل کمار کا نام سنا ہو۔"

"کبھی نہیں سنا!"

"فلم انڈسٹری کا ایک ناکام اداکار، جو ایک مشہور اداکارہ بیلاوتی کی دریافت تھا۔ بیلاوتی کا اصل نام حمیدہ سلطانہ تھا۔ فلمی نام بیلاوتی، اسی طرح کومل کمار کا اصلی نام ریاض خان تھا اور فلمی نام کومل کمار۔ بیلاوتی کو اس سے محبت ہو گئی اور اس نے اپنی انتہائی کوششوں سے کومل کمار کو ایک فلم میں اپنے مقابل ہیرو کا کردار دلوا دیا۔ وہ فلم صرف کومل کمار کی وجہ سے فلاپ ہو گئی پھر کئی فلموں میں اسے ولن کا کردار ملا مگر وہ بالکل ناکام رہا۔ کچھ عرصہ اسے چھوٹے چھوٹے رول ملتے رہے مگر اسے کسی حیثیت سے پسند نہ کیا گیا۔ اس کی وجہ سے بیلاوتی نے فلم انڈسٹری سے ناراض ہو کر اداکاری ترک کر دی اور کومل کمار سے شادی کر لی۔ وہ لاکھوں کی دولت رکھتی تھی۔ یہ ساری دولت اس نے جذباتی ہو کر کومل کمار کے نام کر دی اسے بے حد دکھ تھا کہ انڈسٹری نے اس کے محبوب کا کیریئر نہ بننے دیا اور اس دکھ نے اسے شدید ذہنی صدمے سے دوچار کیا۔ اس نے کئی ڈائریکٹروں کی پٹائی کر دی اور ایک سر پھرے

ڈائریکٹر نے اسے بر سر عام گولی مار دی اور خود عمر قید بھگتنے نکل گیا۔"

"اداکارہ کی دولت کومل کمار کو مل گئی۔"

"صاف ستھرے قانونی راستے سے قتل کے ملزم کو سزا ہوئی پھر کومل کمار یعنی ریاض خان، چوہدری ریاض کے نام سے منظر عام پر آیا۔ اس بار اس نے شکیلہ حسین نامی ایک لڑکی سے شادی کی تھی جس سے اس کی ملاقات ایک کلب میں ہوئی تھی شکیلہ کو کوٹھی، کار اور لاکھوں روپے نقد کے علاوہ ایک صابن فیکٹری جہیز میں ملی تھی۔ ویسے بھی اس کا باپ فوت ہو چکا تھا صرف ماں تھی جس سے شکیلہ کو بے حد پیار تھا۔ شادی کے ایک سال کے بعد شکیلہ کی ماں کا انتقال ہو گیا اور وہ ماں کی موت کے صدمے سے پاگل ہو گئی بعد میں اس نے دماغی اسپتال میں بلند جگہ سے کود کر خودکشی کر لی۔ اور چوہدری ریاض کو عرصہ دراز تک ساحل سمندر پر اور ویرانوں میں اداس دیکھا گیا۔ رفتہ رفتہ اسے صبر آنے لگا البتہ اس نے وہ صابن فیکٹری بیچ دی شکیلہ کی کوٹھی اور اس کی یاد دلانے والی ہر چیز بیچ دی اور روپیہ بینک میں جمع کرا دیا۔ پھر سعیدہ نے اس کا غم بانٹ لیا سعیدہ، ہارون احمد کی دور کی عزیزہ تھی۔ وہ بھی تنہا اور دولت مند تھی۔ ریاض نے اسے پچاس لاکھ مہر نقد ادا کر دیا اور بعد میں اپنی تمام دولت اس کے نام منتقل کر دی اور خود اس کا اثاثی رہ گیا۔ شکیلہ نے اس جذباتی قدم کا جذباتی جواب دیا اور اپنے شوہر کو کنگال نہ رکھا اس نے بھی وہی جذباتی کارروائی کی تھی۔ سعیدہ نے بھی صرف ڈیڑھ سال چوہدری ریاض کا ساتھ دیا اس کی کار کا حادثہ ہو گیا اور وہ اور اس کا ڈرائیور ہلاک ہو گیا۔ ظاہر ہے اس کا نتیجہ کیا ہو سکتا تھا۔ ہارون احمد صاحب ان دنوں آن ڈیوٹی تھے۔ انہوں نے سخت ترین تفتیش کرائی لیکن چوہدری ریاض بے داغ تھا وہ کسی جرم میں ملوث نہ پایا گیا۔ لیکن ہارون احمد صاحب کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔ وہ بعد میں بھی کوششیں کرتے رہے مگر کامیاب نہ ہو پائے پھر وہ ریٹائر ہو گئے۔ اس تفتیش کے دوران وہ چوہدری کے سامنے کبھی نہیں آئے تھے اس لئے چوہدری انہیں نہیں پہچانتا تھا ایک جگہ ان کا تعارف ہوا اور ہارون احمد کے احساسات پھر جاگ اٹھے۔ انہوں نے اس سے گہری دوستی گانٹھ لی۔ انہیں علم ہوا کہ چوہدری ریاض نے پھر شادی کر لی ہے مگر اس بار شاید اس کے ستارے گردش میں ہیں جن محترمہ سے ریاض نے شادی کی ہے وہ بھی دو عدد شوہروں کا ناشتہ کر چکی ہیں ان کا ماضی بھی چوہدری سے مختلف نہیں ہے کسی زمانے میں وہ غازی اینڈ کو نامی ایک فرم کے مالک کی سیکرٹری تھیں بعد میں غازی صاحب نے ان سے شادی کر لی اور سوئٹزر لینڈ میں وفات پا گئے۔ بیگم صاحبہ تنہا شوہر کی میت کے ساتھ واپس آ گئی تھیں اور بہت عرصے تک ـ مشہور بیوہ رہی تھیں پھر ان کی بیوگی دور ہو گئی۔ تین گھوڑوں کے

مالک ریس کورس کے شہنشاہ ابرار شیخ سے انہوں نے شادی کر لی۔ ابرار شیخ نے اپنے ایک
پسندیدہ گھوڑے کے غیر متوقع طور پر ہار جانے سے ریس کورس میں ہی خود کشی کر لی۔ خیر
سے چوہدری ریاض ان کے تیسرے شوہر ہیں۔ اس طرح انہوں نے گویا چوہدری صاحب کا
چیلنج قبول کیا ہے۔ تم بور تو نہیں ہو رہے اس کہانی سے؟" جمشید عالم صاحب نے پوچھا۔
"میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔"
"ہرگز نہیں جناب میرا تو سانس رک رہا ہے۔
"کیوں کیا کسی بیوہ سے شادی کر رہے ہو؟"
"وہ شکر ہے نہیں لیکن اس کے بعد کیا ہوا۔"
"خدا جانے کیا ہوا چوہدری خوفزدہ ہو گیا۔ غالباً" بیگم صاحبہ بھاری پڑ رہی ہیں۔"
"آپ کے خیال میں جمشید صاحب' خطرہ چوہدری کو ہے یا اس کی بیوی کو۔"
"ہارون احمد صاحب کا کہنا ہے کہ چوہدری اپنی بیوی سے' ایک بیوی آگے ہے اس کا
تجربہ زیادہ ہے۔"
"مگر خطرے کا اظہار تو اس نے کیا ہے؟"
"ہاں یہ ذرا الجھن کی بات ہے ہارون احمد بھی اس الجھن میں ہیں مگر ان کا دل صاف
نہیں ہو پا رہا۔"
"وہ کیسے۔"
"یہ حقیقت ہے کہ چوہدری ریاض کے سلسلے میں نہایت باریک بینی سے چھان بین کی
گئی تھی مگر اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکا وہ صرف اس لیے مشکوک ہے کہ اس کی
بیویاں غیر طبعی موت مری تھیں اور ان کی دولت باآسانی چوہدری کے قبضے میں آ گئی جب
کہ اس بیوی نے اسے ہری جھنڈی دکھا دی ہے۔"
"یعنی؟"
"نمازی صاحب نے اس کے لئے بہت کچھ چھوڑا تھا۔ عالی شان کوٹھی' کاروبار اور پھر
ابرار شیخ کے بارے میں بھی لوگوں کے بڑے اندازے تھے اور ہو سکتا ہے چوہدری ریاض کا
بھی یہی خیال ہو۔ بقول چوہدری وہ بالکل قلاش نکلی شادی کے بعد اس نے بتایا کہ درحقیقت
ابرار شیخ نے اس لئے خود کشی نہیں کی تھی کہ اس کا فیورٹ گھوڑا ہار گیا تھا بلکہ اس لئے خود
کشی نہیں کی تھی کہ وہ دیوالیہ ہو گیا تھا اور اس گھوڑے پر اس نے اپنی آخری پونجی بھی لگا
دی تھی وہ صرف ساکھ سے کام چلا رہا تھا۔ بات ماننے والی بھی تھی چنانچہ جہیز میں بے چاری
مسز چوہدری صرف تین گھوڑے اور ایک مکان لائی تھی مگر گھوڑے بھی رہن تھے چنانچہ وہ
بھی گئے۔ اور سود میں مکان چلا گیا۔"

"خدا کی پناہ بڑی انوکھی کہانی ہے۔"
"دوسرا پہلو بھی مد نگاہ رکھو۔"
"وہ کیا جناب؟"
"جس دن سے چوہدری ریاض پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا اسی دن سے اس کے
کاروبار پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ اس کے اثاثے فروخت ہوئے' کاروبار بند ہو گیا اور وہ
دیوالیہ ہو گیا۔"
"وہ کیسے ہوا؟"
"خدا بہتر جانتا ہے اپنی اس بیوی کو بے حد چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ اس
کے لیے آسمان سے تارے توڑ لائے مگر وہ اسے تارے توڑنے کے لئے آسمان پر بھیجنا چاہتی
ہے۔"
"کیا چوہدری ریاض واقعی اپنی بیوی کو اتنا ہی چاہتا ہے کہ سب کچھ معلوم ہونے کے
باوجود وہ اسے خوش کرنے کی فکر میں سرگرداں ہے۔"
"خدا ہی جانے۔ اس کا سابقہ ریکارڈ تو اس بات کی نفی کرتا ہے مگر ہو سکتا ہے وہ اس
سے مخلص ہو۔"
"حالانکہ اس بار اس کی بیوی قلاش ہے۔"
"نہیں۔ وہ بھی قلاش نہیں ہے بلکہ ایک بڑی رقم کی بیمہ شدہ ہے۔" جمشید عالم
صاحب ہنس پڑے اور میں حیرت سے منہ پھاڑے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔
"انہوں نے گھر کے سارے ملازموں کو نکال دیا ہے اس لیے کہ وہ انہیں تنخواہ نہیں
دے سکتے۔ چوہدری ریاض خالی دفتر لئے بیٹھے ہیں اور اپنی ساکھ بحال کرنے کی فکر میں
سرگرداں ہیں۔ گھر میں عیش و عشرت کا دور دورہ ہے کسی شے کی کمی نہیں ہے' چوہدری
صاحب نے اٹھارہ سو روپے تنخواہ کے علاوہ پانچ ہزار ماہوار کی پیشکش مجھے الگ سے کی
ہے۔"
"کیا؟" جمشید عالم اچھل پڑے۔
"جی ہاں۔"
"اس کی تفصیل؟" انہوں نے پوچھا اور میں نے انہیں چوہدری صاحب کی سونپی ہوئی
ذمہ داری انہیں بتا دی۔ اور جمشید عالم گردن ہلانے لگے۔
"اس کے علاوہ۔" میں نے کہا
"چوہدری صاحب ایک کروڑ کے بیمہ شدہ ہیں اس رقم کی سالانہ پریمیم کیا ہو گی اور

پھر قلاش بیگم صاحبہ بھی بیمہ شدہ ہیں ان کی پریمیم۔ طرہ یہ کہ دونوں میاں بیوی قرض لے لے کر زندگی گزار رہے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے شوہر کی ہلاکت کے لئے گاڑی خریدی ہے جو پچاس ہزار سے ستر ہزار مالیت کی ضرور ہو گی۔"

"مجھے اس کیس کے اس قدر پر لطف ہونے کی امید نہیں تھی۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس سے پورا پورا لطف لیتا۔"

"آپ نے طویل عرصہ تربیت اور اس کے بعد تجربے میں گزارا ہے جناب! اور میرے بارے میں آپ جانتے ہیں۔"

"او نہیں جلال۔" تجربہ وقت دیتا ہے تم کچھ کرو گے ہی نہیں تو تجربہ کیسے حاصل ہو گا اس وقت تمہارا دو شاطروں سے واسطہ ہے جنہوں نے بساط بچھا رکھی ہے اور اس پر بہترین کھیل، کھیل رہے ہیں۔ تمہیں اس کھیل کا جائزہ لینا ہے اور میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا کہ تم اس بساط پر ان کا مہرہ بن کر پٹ جاؤ تمہیں اپنی حیثیت منوانی ہو گی اور کسی فیصلے پر پہنچنا ہو گا پھر تمہیں کوئی فکر بھی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ تمہیں قانون کا سہارا حاصل ہے اور تم قانون کے لئے کام کر رہے ہو۔"

میں گہری گہری سانس لینے لگا۔ دماغ کی چولیں ہل گئی تھیں۔ انوکھے انکشافات ہو رہے تھے اور یہ جمشید عالم صاحب خود بھی کسی سے کم نہیں تھے۔ ہر بار نیا شوشہ چھوڑتے تھے۔ یہ نہیں کہ شروع میں ہی سب کچھ بتا دیتے ظاہر ہے کہ وہ ایک گھاگ پولیس افسر تھے۔

"چوہدری ریاض خود بھی بہت چالاک انسان ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا اگر صرف چاہتوں کا معاملہ ہوتا تو وہ اپنے خدشات پولیس تک کبھی نہیں لاتا آخر اس سے اس کا کیا مقصد ہے۔" جمشید عالم نے کہا۔

"ممکن ہے وہ اسے احساس دلانا چاہتا ہو کہ وہ تمام تر محبتوں کے باوجود اپنا تحفظ بھی کر رہا ہے۔"

"ہاں یہ بھی ہے۔ مگر تمہارا یہ نکتہ بے بنیاد نہیں ہے ممکن ہے تمہارا مسئلہ اس نے اپنی بیوی کی ذہانت پر چھوڑ دیا ہو۔ اور بڑی گہرائی میں جا کر اسے یہ احساس دلانا چاہتا ہو کہ وہ اپنے تحفظ سے غافل نہیں ہے۔"

"آہ۔ ان بے شمار نکتوں میں کہیں میں نکتہ بن کر نہ رہ جاؤں۔"

"ہمت سے کام لو دوست سونا تپ کر کندن بنتا ہے۔ گھبرانے یا اکتانے سے زندگی کے مسائل حل نہیں ہوتے۔ میرے خیال میں اب تمہارے پاس معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے

تم اس کے سارے کام کر سکتے ہو۔"

"جی بہتر۔" میں ٹھنڈی سانس لے کر ان کے پاس سے اٹھ گیا اور ان تمام نکتوں میں گھرا گاڑی چلاتا ہوا اس پراسرار عمارت میں داخل ہو گیا لیکن یہاں داخل ہو کر میں نے خود کو سنبھال لیا۔ کیوں حماقت کروں جو کچھ ہو رہا ہے یا جو کچھ ہونے والا ہے اسے روکنے کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ آٹھ ہزار آٹھ سو روپے ماہوار کھرے کروں جب تک بھی گاڑی چل جائے یہ معاملہ ختم ہو جائے گا تو بعد میں دیکھا جائے گا کہ مستقبل کیا ہے۔ یہاں بیکار بیٹھنا مناسب نہیں تھا چنانچہ میں نے لان پر آ کر کیاریاں درست کرنا شروع کر دیں، پھولوں کی ترتیب کی اور ان کے فالتو حصے کاٹنے لگا۔ مجھے واقعی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ کب بیگم صاحبہ باہر نکلیں اور کتنی دیر سے مجھے کام کرتے دیکھ رہی تھیں۔ اچانک ہی میری نگاہ ان پر پڑی تھی۔ میں سنبھل کر سیدھا ہو گیا۔

"تم باغبانی سے واقف ہو؟" انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

"جی.........کوئی غلطی ہو گئی بیگم صاحبہ؟" میں نے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں.........تم نے کیاریاں بہت اچھی طرح سنواری ہیں، یہ کام تم نے کہاں سے سیکھا؟"

"سب کچھ کرتا تھا انگریز بہادر کے ساتھ۔"

"پڑھے لکھے بھی لگتے ہو۔"

"بس کام چلانے کی حد تک۔"

"مجھے پھولوں کا ایک گلدستہ بنا کر دو۔"

"جی ابھی تیار کرتا ہوں" میں نے کہا اور وہ اندر چلی گئی۔ دوسرا موقع تھا۔ جب انہوں نے سیدھے منہ بات کی تھی۔ ورنہ ان کی نگاہ جب بھی میری جانب اٹھتی تھی، اس میں قہر و غضب کی بجلیاں کوندتی ہوئی لگتی تھیں۔ باغبانی سے میرے فرشتوں کی بھی کوئی واقفیت نہیں تھی کبھی اس قسم کی باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی لیکن بہر طور گلدستہ بنایا۔ ان کی اس توجہ سے میں بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اپنی دانست میں پھولوں کے رنگوں کی ترتیب میں نے بہت خوبصورت کی تھی اور پھر یہ گلدستہ لے کر بیگم صاحبہ کے کمرے تک پہنچ گیا تھا۔ اندر موجود تھیں اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہوئی چہرے پر کولڈ کریم مل رہی تھیں۔ میں نے انہیں پھولوں کا گلدستہ پیش کیا اور وہ اسے ناقدانہ نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔ پھر مسکرا کر بولیں۔

"خوبصورت ہے تمہیں سلیقہ ہے وہ سامنے گلدان رکھا ہوا ہے اس میں لگا دو پہلے جب ہمارے ہاں بہت سے ملازم تھے مالی بھی تھا تو وہ مجھے تازہ پھولوں کا گلدستہ دیا کرتا تھا' لیکن جب سے یہ سب کچھ ختم ہوا یہ گلدان خالی پڑے ہوئے ہیں لگا دو اس میں اور سنو تم روزانہ ایک گلدستہ میرے لئے بنا دیا کرو۔"

"جی بیگم صاحبہ"۔ میں نے جواب دیا اور گلدستہ گلدان میں لگا دیا۔ "اور کوئی حکم بیگم صاحبہ.......؟"

"نہیں تم کل سے روزانہ صاحب کو دفتر چھوڑ کر واپس آ جایا کرو۔ کچھ ایسے کام پڑے ہوئے ہیں جنہیں بہت عرصے سے کرنا چاہتی تھی لیکن مجبور تھی۔ کوئی تھا ہی نہیں۔ ہما بے چاری تنہا ہی پورے گھر کی صفائی کرتی ہے پھر کچن میں کھانا وغیرہ پکاتی ہے اس سے زیادہ اس سے کام لینے کا مطلب ہے کہ وہ بیمار پڑ جائے۔"

"جی بیگم صاحبہ۔"

"بس اب جاؤ"۔ انہوں نے کہا اور میں کمرے سے باہر نکل آیا دفعتاً" ہی مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ کمرے سے باہر اور کوئی بھی موجود تھا۔ جو میرے واپس پلٹتے ہی تیز قدموں سے کہیں چلا گیا ہے یہ احساس ایک انوکھی حیثیت رکھتا تھا ہما کے علاوہ بھلا گھر میں اور کون ہے میں نے تیزی سے سامنے والی راہداری کا رخ کیا۔ یہ راہداری آگے بڑھ کر کچن میں ختم ہو جاتی تھی اور ہما کچن میں موجود تھی۔ میں نے دروازہ کھولا اور ہما کو دیکھا۔ اس کا تیز تیز سانس بتاتا تھا کہ دوڑتی ہوئی یہاں تک آئی ہے میری طرف چونک کر دیکھا اور مسکرائے بغیر پوچھا۔

"ہاں کوئی بات ہے..."

"جی"۔ میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا"۔

"ایک پیالی چائے مل سکتی ہے۔"

"بن رہی ہے' میں تمہیں پہنچا دوں گی۔ کہاں ہو اس وقت۔"

"گاڑی کی صفائی کرنی ہے کافی گندی ہو رہی ہے۔"

"چائے وہیں پہنچا دوں؟"

"مہربانی ہو گی۔" میں نے جواب دیا اور کچن سے واپس پلٹ پڑا۔ لیکن یہ بات سوچنے کے قابل تھی کہ اگر میں بیگم صاحبہ کے سامنے تھا تو ہما میری جاسوسی کیوں کر رہی تھی۔ ایک بار پھر ذہن پر وہی تمام کیفیات طاری ہو گئیں بلاشبہ اس بھوت گھر میں یہی تین کردار

تھے جو اپنی اپنی جگہ الگ الگ نوعیتوں کے حامل تھے پچھلے کچھ وقت سے ہما کے لئے بھی میرے دل میں کچھ عجیب سے خیالات پیدا ہو گئے تھے حالانکہ وہ اچھی لڑکی تھی لیکن اس کی شخصیت بھی کسی طور پر ان لوگوں سے کچھ کم پر اسرار نہیں تھی۔ واپس باہر نکل آیا اور گاڑی کی دیکھ بھال کرنے لگا تھوڑی دیر کے بعد ہما چائے کی پیالی لے کر باہر آ گئی تھی۔

میں نے سرد نگاہوں سے ہما کو دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"تعجب ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کس بات پر۔"

"تم کبھی کبھی مسکراتی بھی ہو۔" وہ ایکدم سنجیدہ ہو گئی چند لمحات خاموش کھڑی رہی پھر واپس پلٹی تو میں نے اسے آواز دی۔ "ہما۔ ہلو" وہ رک گئی۔

"برا مان گئیں میری بات کا"۔

"کیا جواب دوں۔"

"کیوں۔ جواب اتنا مشکل تو نہیں ہے۔" "تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔

"ہاں۔ بے وقوف ہوں۔"

"تم مجھ پر طنز کرتے ہو' حالانکہ تمہیں پوری طرح نہ جانتے ہوئے بھی میں نے خود کو تم پر عیاں کر دیا تھا۔ میری نگرانی ہوتی ہے جلال خدا کے لئے میرے لئے خطرات نہ پیدا کرو' میں تم سے ملوں گی کسی وقت کچھ باتیں کروں گی تم سے میں خود بھی' خود بھی اب اکتا چکی ہوں بری طرح۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گا ہما۔"

"ہاں لیکن جلد بازی نہ کرنا۔ چائے پی لو پیالی واپس لے جاؤں۔" میں نے چائے پی کر پیالی اسے واپس کر دی اور وہ خاموشی سے چلی گئی۔ نہ جانے کب تک میں اس کے بارے میں سوچتا رہا مگر وہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وقت ہو گیا اور میں چودھری صاحب کو لینے چل پڑا۔

"کہو کیا کیفیت ہے۔" انہوں نے واپس آتے ہوئے راستے میں پوچھا۔

"بیگم صاحبہ کچھ نرم نظر آتی ہیں۔"

"ہاں تمہاری مخالفت تو وہ اب نہیں کرے گی۔"

"اس کی کوئی وجہ ہے۔"

"اب اس نے ہما کے علاوہ ایک آدمی کی ضرورت کو تسلیم کر لیا ہے میں نے اسے سمجھایا ہے۔"

"ان کی نرمی کی غالباً" یہی وجہ ہو سکتی ہے۔"

"ہاں۔ لیکن تم اس کیفیت سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس کی دلداری کرو۔ اور اسے زیادہ سے
زیادہ متاثر کرنے کی کوشش کرو۔"

"جی!" میں نے آہستہ سے کہا۔ وہ شام خوشگوار تھی۔ دونوں میاں بیوی ہشاش بشاش
نظر آ رہے تھے۔ شام کی چائے انہوں نے لان پر لگانے کا حکم دیا تھا میں بھی سرگرم تھا

چوہدری صاحب نے کہا۔

"چلو۔ ہما کی مدد کرو گھر کے دوسرے کام بھی دیکھ لیا کرو۔" میں خاموشی سے کچن کی
طرف چل پڑا۔ کچن میں جھانک کر دیکھا ہما موجود نہیں تھی۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ مجھے
دوڑتی ہوئی اس طرف آتی نظر آئی۔ یہ ایک اضطراری کیفیت ہی تھی کہ میں فوراً" آڑ میں
ہو گیا۔ اس کا کوئی مقصد نہیں تھا ہما نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ وہ کچن میں داخل ہو گئی اور
اس نے کچن کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میرا تجسس بڑھ گیا اور میں نے کی ہول سے آنکھ
لگا دی۔ اندر کا منظر میرے سامنے تھا۔ چائے کی ٹرے سجی ہوئی رکھی تھی۔ ٹرے میں چائے
کے ساتھ اورنج جوس کا ایک گلاس رکھا نظر آ رہا تھا۔ ہما نے اپنے لباس سے کچھ نکالا اور
میں نے اس چیز کو دیکھ لیا۔ ایک چھوٹی سی شیشی تھی اس نے شیشی سے ہتھیلی پر کچھ انڈیلا
اور پھر چٹکی سے اسے اٹھا لیا۔ اس کے بعد اس نے رخ بدل لیا اور اس کی پشت کی ہول
کے سامنے آ گئی۔ البتہ کسی برتن میں چمچ ہلانے کی آواز صاف سنائی دی تھی۔ میرے رونگٹے
کھڑے ہو گئے ہما نے ان مشروبات میں سے کسی میں کچھ ملایا تھا پتہ نہیں کس میں۔ چائے
میں یا جوس میں۔ مگر کیا۔ یہ کیسے پتہ چلے۔ لیکن کچھ ہوا تھا۔ کچھ ضرور ہوا تھا۔

ہما کے بارے میں میرا نظریہ ایک بار پھر تبدیل ہو گیا جو کچھ بھی اسے کرنا تھا کر چکی تھی اور
اب برتن لے جانے کے لئے تیار تھی' میرا ذہن فوری طور پر ساتھ نہیں دے سکا تھا اور
میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اس وقت مجھے کیا کرنا چاہیے' لیکن ہما کے سامنے مشکوک ہونا
بھی مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں دروازے سے تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا اور جب ہما نے دروازہ
کھولا تو اس طرح آگے بڑھا جیسے ابھی اس طرف آیا ہوں اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور
بولی..........!

"خیریت' کیا بات ہے.........!"

"کچھ نہیں' چوہدری صاحب نے بھیجا تھا کہ تمہاری مدد کروں۔ لاؤ یہ برتن مجھے
دے دو......" وہ آہستہ سے ہنسی اور بولی............

"برتن اتنے وزنی نہیں ہیں' میرے پیچھے ہی چلے آؤ......" میں نے اس کی ہدایات پر
عمل کیا' اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا' اس کا مطلب ہے کہ وہ جو کچھ کر رہی ہے اس
میں ماہر ہو چکی ہے لیکن میری کیفیت اندر سے اب بھی خراب تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کہ چوہدری صاحب اور بیگم صاحبہ کو کیسے خبردار کروں۔ ہما کے پیچھے چلتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔
جہاں وہ دونوں موجود تھے ہما نے جوس کا گلاس چوہدری صاحب کے سامنے رکھا' چائے کے
برتن بیگم صاحبہ کے سامنے رکھ دیئے اور اس کے بعد پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی میں سخت
پریشان تھا لیکن جلد بازی مناسب نہیں تھی۔ کر بھی کیا سکتا تھا کیسے ہوشیار کرتا اور کیا کہتا
خاموشی ہی مناسب تھی' دونوں اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ چوہدری صاحب
بولے.......

"ہما میں نے جلال سے کہہ دیا ہے' اس سے کچن میں بھی مدد لیا کرو اور اس کے
ساتھ ہی گھر کے تمام کاموں میں بھی تم تنہا سارے کام نہیں کر سکتیں' میرا خیال ہے جلال
تمہاری بہترین مدد کرے گا..........."

"جی چوہدری صاحب....." ہما نے پر ادب لہجے میں کہا۔

"چلو تم لوگ اپنا کام کرو' ابھی ہم لوگ یہاں دیر تک بیٹھیں گے" میں ہما کے ساتھ

کچن میں آ گیا۔ اس نے کہا۔

"چائے پیو گے..........؟"

"نہیں.........."

"کیا بات ہے تمہارا چہرہ کیسا ہو رہا ہے..........؟"

"نہیں کوئی بات نہیں' ٹھیک ہوں' کوئی کام ہے؟"

"فی الحال تو کوئی کام نہیں ہے' مجھے ضرورت ہوئی تو میں خود ہی تمہیں بتا دوں گی کل سے پھر شروع کریں گے.........."

"میں اپنے کمرے میں چلا آیا' کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا' لیکن ہما نے جو کچھ کیا تھا اس کا نتیجہ دیکھنا چاہتا تھا اور اسی رات نتیجہ برآمد بھی ہو گیا۔ مجھے پتہ چل گیا کہ ہما نے کس کے لئے کیا تھا۔ چوہدری صاحب کی حالت اچانک بگڑ گئی تھی اور اس کی اطلاع بھی ہما نے ہی مجھے دی تھی۔

"چوہدری صاحب پر سانس کا دورہ پڑا ہے' بڑی بری حالت ہو رہی ہے' آؤ ذرا.........."

میں تیزی سے ہما کے ساتھ باہر نکل آیا' بیگم صاحبہ چوہدری صاحب کے نزدیک ہی بیٹھی تھیں اور چوہدری صاحب کی حالت بری تھی سانس سینے میں نہیں سما رہا تھا۔ حلق سے ایک بھیانک آواز نکل رہی تھی اور وہ بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔

"بیگم صاحبہ کیا خیال ہے' کسی ڈاکٹر کو بلاؤں یا انہیں کسی ڈاکٹر کے پاس لے جایا جائے۔" میں نے پوچھا۔

"اوہ میں تو.........میں تو پاگل ہو جاؤں گی' دماغ خراب ہو جائے گا میرا......انہیں تو کچھ نہیں ہو گا' لیکن میں......میں میرے اعصاب..........میرے اعصاب.........." بیگم صاحبہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"آپ مجھے حکم دیں بیگم صاحبہ.........."

"کیا حکم دوں......کوئی علاج نہیں کرتے' سختی سے مخالفت کرتے ہیں کہتے ہیں اگر ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا تو خود کشی کر لیں گے اب بتاؤ میں کیا کروں' ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے' بے شک ٹھیک ہو جاتے ہیں' لیکن......لیکن کسی وقت حالت بہت زیادہ بگڑ بھی سکتی ہے.........."

چوہدری صاحب کو دورہ ضرور پڑا تھا لیکن ہوش و حواس میں تھے' دونوں ہاتھ اٹھا کے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا.........

"تم لوگ.........تم لوگ فکر نہ کرو.........ٹھیک......ٹھیک عارضی ہے' سب کچھ عارضی ہے' ٹھیک ہو جاؤں گا.........."

"دیکھا تم نے' جاؤ بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو' میں تو عرصے سے یہ سب کچھ دیکھ رہی ہوں' کچھ نہیں کر سکتی' میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتی۔" بیگم صاحبہ کی ہدایت پر میں وہاں سے نکل آیا ہما البتہ وہیں رہ گئی تھی نجانے کیوں..........اپنے کمرے میں آ کر میرے بدن پر سنسنی سی طاری ہونے لگی۔"

یہ تو اب کھلا کھلا معاملہ ہو گیا تھا کہ ہما' چوہدری صاحب کے خلاف کوئی کارروائی کر رہی ہے..........ہو سکتا ہے یہ کارروائی بیگم صاحبہ کی ایما پر ہو' لیکن اب یہ میرے علم میں آ گئی تھی اور اس کے بعد اب مجھے یہ دیکھنا تھا کہ ہما' چوہدری صاحب کو وہ کیا چیز دے رہی ہے جس سے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے' اوہ اس کا مطلب ہے کہ چوہدری ریاض کا خدشہ بالکل درست ہے' مگر..........مگر وہ احمق آدمی' وہ خود ہی پاگل تھا' کوئی بھلا کیا کر سکتا ہے اس کے لئے.........جمشید عالم صاحب کو یہ اطلاع دینا ضروری ہے' یقیناً ان کے کانوں میں یہ بات ڈالنا ضروری ہے۔ ہما اب پوری طرح میری نظروں میں مشکوک ہو گئی تھی' حالانکہ میرے دل کے کچھ گوشے اس کی کہانی سننے کے بعد نرم ہو گئے تھے۔ اور میں اس کے بارے میں نجانے کس کس طرح سوچنے لگا تھا۔ لیکن اس وقت ان حالات نے ہما کو میری نگاہوں میں بے حد مشکوک کر دیا' مجھے تھوڑا سا افسوس بھی ہوا لیکن کیا کر سکتا تھا۔ جمشید عالم صاحب ہی اس سلسلے میں اگر کوئی حکم دیتے تو اس کی تعمیل ہو سکتی تھی۔ نجانے رات کو کون سے حصے تک یہ تمام باتیں سوچتا رہا۔ صبح کو مقررہ وقت پر ہما سے ملاقات ہوئی' میں نے فوراً" ہی چوہدری صاحب کی کیفیت پوچھی تو ہما ہنس کر بولی۔

"دورہ ایک آدھ گھنٹے کا ہوتا ہے اس کے بعد چوہدری صاحب نارمل ہو جاتے ہیں۔"

"بالآخر ایک دن ایسا ضرور آ جائے گا' جب وہ نارمل نہیں ہو سکیں گے...."

"کیا مطلب.........."

"مطلب۔ میں ڈاکٹر تو نہیں ہوں کہ مطلب بتاؤں.........."

اس دن چوہدری صاحب دفتر نہیں گئے تھے بلکہ دن کو دس بجے کے قریب میری ان سے ملاقات ہوئی' واقعی حیرت انگیز طور پر بہتر حالت میں تھے.........کہنے لگے......

"تمہیں یہاں کوئی کام ہے جلال.........؟"

"نہیں چوہدری صاحب.........."

"آج میں دفتر نہیں جاؤں گا۔ تم چابیاں لے لو' بس سے دفتر چلے جاؤ' پورے دفتر کی

صفائی کر ڈالو' بہت دن سے میں یہ سوچ رہا تھا کہ ایک دن پورے دفتر کی صفائی کر ڈالی
جائے' یہ کام تمہارے لیے ممکن ہو گا یا کہ نہیں.......‘‘

’’کیوں نہیں چوہدری صاحب۔‘‘ میں نے کہا۔

’’جس وقت بھی کام سے فارغ ہو واپس آ جانا....... میرا آج کہیں بھی نکلنے کا
پروگرام نہیں ہے.......‘‘ میں نے گردن ہلا دی اور اس کے بعد دفتر چل
پڑا.......

دفتر واقعی بری طرح غلیظ ہو رہا تھا۔ میں نے اسی دوران تھوڑا بہت کام ضرور کیا تھا
لیکن ایک باقاعدہ آفس تھا اس کی صفائی کرتے ہوئے میں سوچنے لگا کیسی عجیب بات ہے کہ اتنا
شاندار دفتر قائم کیا گیا ہے لیکن یہاں کچھ نہیں ہوتا' معاملات واقعی اس قدر پراسرار
تھے.... کہ مجھ جیسے آدمی کی عقل بھی چکرا کر رہ گئی تھی۔ پولیس کا کام واقعی مشکل ہوتا ہے
اور وہی الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے کی اہلیت رکھتی ہے.......

بڑے ہال نما کمرے کی میں نے مکمل صفائی کر ڈالی' جس میں میزیں وغیرہ پڑی ہوئی
تھیں۔ تمام میزوں کی درازیں کھول کر دیکھیں' بہت سے سادہ کاغذات پڑے ہوئے تھے اور
کوئی ایسی چیز نہیں تھی' جو قابل توجہ ہوتی' پھر چوہدری صاحب کے کیبن میں داخل ہو گیا'
دفتر کی صفائی شروع کرنے سے پہلے دفعتاً" ہی میری نگاہ لوہے کی اس الماری پر پڑی جو
تھوڑی سی کھلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ نجانے کیوں میرے ذہن میں تجسس جاگا' میں نے اس
الماری کا ہینڈل پکڑ کر کھینچا تو وہ کھل گئی۔ اس سے پہلے کبھی میں نے اس پر توجہ نہیں دی
تھی۔ نجانے چوہدری صاحب اسے کھلا رکھتے تھے یا یہ بند رہتی تھی۔ الماری میں البتہ بہت
سے فائل اور کاغذات رکھے ہوئے تھے یقیناً سارا ریکارڈ سمیٹ کر اس الماری میں منتقل کر دیا
گیا تھا اس الماری کے مختلف حصے تھے' میری توجہ خصوصاً" اس حصے کی جانب مبذول ہو گئی
جو تجوری کہا جا سکتا تھا اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک براؤن رنگ کا لفافہ رکھا ہوا تھا۔
اس کے علاوہ اس تجوری میں اور کچھ نہیں تھا....... میں نے لفافے کو نکال لیا اور اس میں
رکھے ہوئے کاغذات دیکھنے لگا۔ یہ کام میری اپنی لائن کا تھا اس لیے اسے سمجھنے میں' میں ذرا
بھی نہ الجھا کاغذات میں بینک کے اسٹیٹ مینٹس بھی شامل تھے اور یہ مختلف بینکوں
کے تھے اور ان میں جو رقومات لکھی گئی تھیں وہ ناقابل یقین تھیں۔ بڑی بڑی رقمیں جن کی
مالیت بے پناہ ہو جاتی تھی۔ میں نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑیں' یہ اسٹیٹ مینٹس
چوہدری صاحب ہی کے تھے۔ میں نے ان پر پڑی ہوئی تاریخیں دیکھیں اور مزید حیران ہو گیا
کیونکہ یہ تاریخیں بہت زیادہ پرانی نہیں تھیں لیکن....... لیکن یہ سب کیا ہے اگر

چوہدری صاحب کے اثاثے اتنے ہیں تو پھر....... پھر وہ دیوالیہ کیسے ہو گئے....... سوال
ہی نہیں پیدا ہوتا میں نے یہ تمام کاغذات دیکھنے کے بعد انہیں احتیاط سے ان کی جگہ رکھ
دیا۔ کچھ اور کاغذات بھی تھے' جو ٹائپ شدہ تھے' میں نے انہیں دیکھا اور مزید حیرت کا شکار
ہو گیا ان کاغذات میں کچھ شیئرز کی تفصیلات تھیں اور جو سب سے زیادہ حیران کن بات تھی
وہ یہ کہ بیگم صاحبہ کے اپنے اثاثوں کی تفصیلات بھی ان میں درج تھیں....... یہ
تاریخیں بھی زیادہ پرانی نہیں تھیں اور یہ تفصیلات غالباً" کچھ کاغذات کی نقول کی شکل میں
تھیں' کیونکہ یہ سب فوٹو اسٹیٹ تھیں میں احمقوں کی طرح یہ تمام چیزیں دیکھتا رہا اور میری
الجھنوں میں بے پناہ اضافہ ہو تا گیا۔ ان کاغذات کی رو سے تو بیگم صاحبہ بے حد دولت مند
خاتون تھیں اور چوہدری ریاض کی دولت کی تو کوئی حد نہ تھی۔ لیکن پھر یہ سب
کچھ....... جب کہ تاریخیں انہیں تازہ تفصیلات کی شکل میں پیش کر رہی تھیں میں نے
تجوری بند کرنے کے بعد الماری بھی بند کر دی اور کسی خیال میں ڈوب گیا لیکن ابھی زیادہ
دیر نہیں گزری تھی کہ دفعتاً" ہی بڑے دروازے سے چوہدری ریاض اندر داخل ہوتے
ہوئے نظر آئے اور تیر کی طرح میری جانب لپکے اس سے پہلے میں نے ان کے انداز میں
اس قدر پھرتی نہیں دیکھی تھی' اندر آتے ہی وہ مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے میں نے
حیرانی سے منہ کھول کر کہا۔

’’آپ چوہدری صاحب' آپ کو تو آفس نہیں آنا تھا؟‘‘

’’ہاں کچھ....... کچھ کام تھے' کچھ کاغذات تھے جنہیں دیکھنا تھا' بحالت مجبوری
آنا پڑا۔‘‘ چوہدری صاحب نے آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اور پھر میری طرف دیکھ کر
بولے۔

’’تم نے ابھی تک دفتر کی صفائی ختم نہیں کی.......؟‘‘

’’باہر کے کمرے کی صفائی ختم ہے۔ ابھی تو اندر داخل ہوا ہوں۔‘‘

’’یہاں کوئی صفائی وغیرہ نہیں کی تم نے.......؟‘‘

’’ابھی کہاں چوہدری صاحب۔ لیکن آپ تھوڑا وقت دے دیں' میں صفائی کر لونگا۔‘‘

’’نہیں نہیں تم جاؤ' باہر رکو' میرے کمرے کی صفائی بعد میں کر لینا' مجھے یاد نہیں رہا
تھا کہ میں کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا ہوں۔ میرا خیال ہے پچھلے دن۔ اوہ! اس الماری کو
کھول کر دیکھا تم نے.......‘‘ انہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں دل ہی
دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ چند لمحات قبل ہی میں نے یہ الماری بند کی تھی.......

’’نہیں چوہدری صاحب ابھی ابھی تو میں اس دفتر میں داخل ہوا ہوں....... یہ

الماری تو لاک ہے شاید.........."

"نہیں شاید کھلی رہ گئی ہے ذرا دیکھو تو۔" انہوں نے کہا اور میں نے الماری کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے کھولا۔

"جی ہاں کھلی ہوئی ہے......"

"چلو ٹھیک ہے' اتفاق سے اس کی چابی بھی میں اپنے ساتھ نہیں لایا خیر تم باہر رکو۔" چوہدری صاحب نے کہا اور میں باہر نکل آیا میرا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا' چوہدری کی مشکوک کیفیت بتاتی تھی کہ اچانک ہی انہیں الماری کھلی رہ جانے کا احساس ہوا ہے اور وہ بیماری کے عالم میں ادھر دوڑ پڑے ہیں لیکن اب صورت حال' اب صورتحال میرے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ یہ نیا انکشاف تھا' دو باتیں جمع ہو گئی تھیں اور مجھے جمشید عالم صاحب کو یہ تفصیلات ضرور بتانی تھیں۔ میں باہر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد چوہدری صاحب بھی واپس آئے اور بولے۔ "آؤ چل رہے ہو گھر......؟"

"جو حکم آپ کا.......... اگر آپ کی اجازت ہو تو یہ دفتر بھی صاف کر لوں......"

"بھئی رہنے دو آج' بس میں تو یونہی آ گیا۔ ایک کاغذ دیکھنا تھا خصوصی طور پر اسے دیکھ لیا' چلو واپس چلتے ہیں........"

"آپ گاڑی لائے ہیں.....؟"

"تو اور کون لاتا.........؟" چوہدری صاحب نے جواب دیا اور میں ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ کچھ دیر کے بعد ہم گھر ہی پہنچ گئے تھے۔ چوہدری صاحب کو غالباً یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ میں ان کی الماری کھول کر نہیں دیکھ سکا......... اور یقیناً وہ اسی الماری کی وجہ سے بھاگ کر آئے تھے۔ گھر واپس آنے کے بعد مجھے باہر جانے کا موقع نہیں مل سکا اور میں جمشید عالم کے پاس نہیں جا سکا۔ بیگم صاحبہ کے کمرے کی صفائی کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔ ہما بھی میرے ساتھ تھی اور کچھ شگفتہ سی نظر آ رہی تھی۔

"تم بڑے باہمت انسان نظر آتے ہو۔"

"کیوں؟"

"ان حالات میں بھی گزارا کر رہے ہو جب کہ تمہاری تنخواہ کا معاملہ بھی کھٹائی میں ہے۔"

"ایک آدھ مہینے تو دیکھنا ہو گا۔ چوہدری صاحب نے ملازم رکھا ہے مجھے' بات نہ بنی تو دیکھا جائے گا وقت تو گزر ہی رہا ہے۔"

"اور کوئی نہیں ہے تمہارا۔ کوئی تو ہو گا؟"

"کیا بات ہے آج مجھ سے باتیں کرتے ہوئے تمہیں ڈر نہیں لگ رہا۔"

"تمہیں میری خاموشی سے شکایت تھی نا۔ بس میں نے ہمت کر لی ہے۔ آخر انسان ہوں مالکوں کی باتیں دوسروں سے نہیں کہوں گی' لیکن زبان پر تالے تو نہیں لگائے جا سکتے۔"

"تم نے اعلان بغاوت کر دیا ہے۔" میں نے کہا اور وہ ہنس کر خاموش ہو گئی۔ صفائی کرتے ہوئے مجھے بیگم صاحبہ کے کمرے سے ایک چھوٹی سی شیشی ملی جس میں ننھی ننھی گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں چونک پڑا' میں نے کسی خیال کے تحت شیشی اپنے لباس میں چھپائی اور کاموں میں مصروف ہو گیا دل میں خیال آیا تھا کہ ممکن ہے یہ وہی شیشی ہو جو کچن میں ہما کے پاس تھی ہما کو اس کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ اس رات کھانا کھانے کے بعد بھی ہما دیر تک میرے پاس بیٹھی رہی۔ اس نے مجھ سے میری پسند کے کھانوں کے بارے میں بھی پوچھا تھا۔ دوسرے دن میں نے خصوصی طور پر جمشید عالم سے ملاقات کا وقت نکالا۔ چوہدری صاحب کو دفتر پہنچانے کے بعد میں نے کہا۔

"چوہدری صاحب کوئی کام نہ ہو تو مجھے دو تین گھنٹے کے لئے چھٹی دے دیں۔"

"ہاں ہاں چلے جاؤ۔ کوئی کام ہے؟"

"جی چوہدری صاحب کچھ لوگوں سے ملوں گا۔"

"ضرور جاؤ۔ ہارون احمد سے ملاقات ہو گی؟" انہوں نے کہا

"نہیں چوہدری صاحب وہاں سے تو جب حکم ملے گا تب ہی جاؤں گا۔"

"ہاں ہاں جاؤ کوئی بات نہیں ہے۔" چوہدری صاحب نے کہا اور میں نے کار کی چابی ان کے حوالے کر دی۔ پہلے میں ایک کیمسٹ کے پاس پہنچا تھا شیشی اسے دکھا کر میں نے کہا۔

"ذرا دیکھئے بھائی صاحب یہ کونسی دوا ہے میں نے ڈاکٹر کے پرچے کے مطابق منگوائی تھی مگر میری بیوی کہتی ہے یہ وہ دوا نہیں ہے جو وہ پہلے استعمال کرتی تھی۔" کیمسٹ نے شیشی لے کر اسے دیکھا ایک گولی نکال کر چیک کی پھر بولا۔

"یہ لو بلڈ پریشر کے لئے ہے مگر بہت ہائی پوٹینسی کی ہے ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر استعمال نہ کرانا۔ تمہاری بیوی کو بلڈ پریشر رہتا ہے؟"

"ہاں.......... میں نے جواب دیا۔"

"تب پھر دوا ٹھیک ہے۔" کیمسٹ نے کہا اور میں وہاں سے واپس پلٹ آیا مگر بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اگر چوہدری کو یہ گولیاں دی جا رہی تھیں تو اس کا بلڈ پریشر بڑھنا

چاہئے تھا۔ سانس کا مرض اسے کیوں لاحق ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے کچھ سائڈ افیکٹ ہوں۔ جمشید عالم صاحب ہی اس کے بارے میں صحیح تحقیق کر سکتے ہیں۔

جمشید عالم کو تلاش کرنا پڑا مجھے دیکھ کر ہمیشہ خوش ہوتے تھے۔ بولے "جناب عالی' سنائیے کوئی اہم بات۔"

"اس کا فیصلہ تو آپ ہی کر سکتے ہیں جمشید صاحب میں تفصیل عرض کئے دیتا ہوں۔" میں نے کہا اور اس دوران کی تمام رپورٹ جمشید صاحب کو دے دی جمشید صاحب حیران رہ گئے تھے پھر ان کے چہرے پر عجیب سی چمک نمودار ہو گئی وہ بولے۔

"اور تم کہتے ہو کہ تم کچھ نہیں کر رہے زبردست کارنامہ انجام دیا ہے تم نے۔ تمہاری رپورٹ کی روشنی میں آگے بڑھنے کا موقع ملا ہے۔ یہ سب کچھ واقعی سخت حیران کن ہے۔ گاڑی کے بریک خود بخود تو نہیں فیل ہوئے ہوں گے اور فرض کرو اگر ایسا ہو بھی جاتا تو ہما تمہیں ہوشیار کیوں کرتی۔ اس لڑکی کا کردار واقعی بے حد پر اسرار اور خطرناک ہے میرا خیال ہے تم اس پر پوری نگاہ رکھو اور اس سے زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کی کوشش کرو اس سے تمہیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے اور ہاں اس شیشی سے کچھ گولیاں میں نکالے لیتا ہوں۔ میں تمہاری تمام رپورٹ پر تحقیقات کروں گا۔ تم بس آنکھیں کھلی رکھو اور اپنی حفاظت بھی کرو۔" جمشید عالم کو یہ رپورٹ دے کر میں مطمئن ہو گیا پھر اسی دن واپس آنے کے بعد میں نے موقع پاتے ہی وہ شیشی اس کی جگہ رکھ دی تھی ۔ ہما کے انداز میں جو تبدیلی رونما ہوئی تھی اس سے مجھے حیرت بھی ہو رہی تھی اور میں مشکوک بھی ہو گیا تھا۔

"میں نے آج تمہاری پسند کا کھانا پکایا ہے۔" اس نے کہا۔

"اس میں زہر تو نہیں ہے۔" میں نے پوچھا اور ہما تعجب سے مجھے دیکھنے لگی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"میں تم پر حیران ہوں ہما۔"

"کیوں؟"

"تمہارے اندر اس ماحول سے بغاوت کا جذبہ اچانک پیدا ہوا اور تمہیں پوری آزادی بھی مل گئی اس کے پس پردہ کوئی راز تو نہیں ہے۔"

"کیا راز ہو سکتا ہے؟" اس نے کسی قدر افسردگی سے پوچھا۔

"معاف کرنا' اس دن تم نے سچا خواب دیکھا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر.........؟"

"اور نہ صرف چوہدری صاحب بلکہ میں بھی بچ گیا' اس غلطی کا ازالہ تو تمہیں کرنا

چاہیے۔" میں نے کہا اور ہما میرے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرنے لگی ویسے میں نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ ہما میرے اس اچانک سوال پر حیران نہیں بلکہ افسردہ ہوئی تھی۔ ہما نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور گردن جھکالی۔ میں نے اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے دیکھے تھے۔ پھر اس نے میرے سامنے رکھے کھانے سے نوالہ توڑ لیا اور اس کھانے کو خود کھانے لگی۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

"ارے ہما۔ اوہ۔ ہما معاف کرنا۔ اوہ ہما سوری۔ بھئی مذاق کا برا مان گئیں۔" ہما نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے کافی کھانا میرے سامنے کھایا اور مسلسل روتی رہی۔ میں اس سے معذرتیں کرتا رہا تھا پھر اس نے بقیہ کھانا اٹھایا اور باہر نکل گئی۔ میں سکتے کے سے عالم میں اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ جانے کیوں ہما کے اس انداز میں مجھے ایک عجیب سی کیفیت محسوس ہوئی تھی۔ رات کافی گزر گئی ۔ بہت دیر تک میں اس بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے بعد ہما دوبارہ نہیں آئی تھی۔ رات کافی گزر گئی مجھے ہنسی بھی آ رہی تھی اس سوال نے مجھے بھوکا مار دیا تھا اور صبح کو جاگا تو سخت بھوک لگ رہی تھی باورچی خانے میں جا پہنچا۔ ہما معمول کے مطابق مصروف تھی میں نے ہنس کر کہا میری سزا پوری ہو گئی یا نہیں۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ کہا۔

"میں بھوکا ہوں" میں نے پھر کہا۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے کھانے کو دو۔"

"کچن میں ساری چیزیں زہر آلود نہیں ہوں گی اپنی پسند سے جو چاہے لے لو.........اس نے کہا۔

"ہما' میں نے مذاق کیا تھا۔ آئندہ نہیں کروں گا۔"

"پراٹھا بنا دوں؟"

"بنا دو۔" میں نے کہا وہ خاموشی سے کام میں مصروف ہو گئی۔ پھر اس نے ناشتہ میرے سامنے رکھ دیا میں کھانے میں مصروف ہو گیا پیٹ بھر کر اٹھتے ہوئے میں نے کہا۔ "میں چلتا ہوں ہما' مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارا دل دکھایا بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔"

"چوہدری صاحب بالکل ٹھیک تھے۔ دفتر پہنچ کر بولے۔ "آج تم میرے کمرے کی صفائی کر دو مجھے باہر کے کچھ کام ہیں۔ دوپہر تک واپس آ جاؤں گا۔"

"آپ گاڑی لے جائیں گے چوہدری صاحب۔"

"ہاں! کوئی حرج نہیں ہے۔" وہ چلے گئے الماری بند تھی مگر مجھے اب اس سے کوئی

دلچسپی نہیں تھی۔ کمرے کی صفائی کر دی۔ پھر چوہدری صاحب واپس آ گئے اور اس کے بعد کوٹھی پہنچ گئے۔ بیگم صاحبہ کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ چوہدری صاحب رات تک باہر نہیں نکلے۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی بیگم صاحبہ کی طبیعت درست نہ ہوئی دوپہر کو چوہدری صاحب نے کہا۔

"ہم ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں واپسی میں ہمیں دیر بھی ہو سکتی ہے تم لوگ فکر نہ کرنا۔ اس دن بھی چوہدری صاحب خود ہی گاڑی لے گئے تھے۔ بیگم صاحبہ کچھ زیادہ ہی بیمار تھیں کیونکہ پچھلی سیٹ پر لیٹ کر گئی تھیں۔ گاڑی باہر نکل گئی تو میں گیٹ بند کر کے واپس پلٹا۔ ہما اندر موجود تھی ویسے اس دوران وہ مجھ سے کھنچی کھنچی رہی تھی۔ میں نے خود ہی اس سے دو تین بار بات کرنے کی کوشش کی تھی اور اس نے ضرورت سے زیادہ جواب نہیں دیئے تھے اس لئے میں بھی پیچھے ہٹ گیا۔ اس دن بھی شام تک اس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ شام کی چائے لے کر ہی وہ میرے کمرے میں آئی تھی۔ چائے رکھ کر وہ رکی مجھے دیکھا پھر بولی۔

"کچھ اور چاہئے۔"

"نہیں ہما شکریہ۔" میں نے نرمی سے کہا۔ وہ پھر بھی واپس نہیں گئی اور کھڑی رہی میں نے چونک کر کہا "بیٹھو ہما مجھ سے کوئی کام تو نہیں ہے؟"

"ہاں ہے۔"

"اوہ۔ بیٹھو پلیز۔" میں نے خوش اخلاقی سے کہا اور وہ بیٹھ گئی۔

"مجھے تم سے شکایت ہے جلال......." اس نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے اگر بات اس دن کی ہے تو میں تم سے معافی مانگ چکا ہوں مگر تم نے مجھے معاف نہیں کیا۔"

"تم نے جلال تم نے اس دن مجھے شدید دکھ پہنچایا تھا۔ ایسی بات کہی تھی تم نے کہ........ کہ تمہارے بارے میں میرے تصورات کے سارے بت ٹوٹ گئے تھے۔ جلال میں اپنی سطح سے بہت نیچے گر کر آج تم سے کچھ باتیں کر رہی ہوں۔ اس کے بعد میں خود کو بہت حقیر' بہت پست سمجھوں گی' مگر میرا دل آخری فیصلہ کر چکا ہے جلال' میں بہت تھک گئی ہوں شاید اس سے زیادہ میری قوت برداشت میرا ساتھ نہ دے سکے میں خاموش رہی جلال تو۔ تو نہ جانے کیا ہو جائے۔"

"اگر تم مجھے اس قابل سمجھتی ہو ہما تو جو دل چاہے کہو' شاید میرے بارے میں تمہارا فیصلہ بدل جائے۔"

"جو کچھ میں تمہیں بتاؤں گی جلال' ہر خدشے سے بے نیاز ہو کر بتاؤں گی نتیجہ کچھ بھی نکلے پروا نہیں' آخر کچھ نتیجہ تو نکلے' کچھ تو ہو۔"

"تو پھر سوچو مت' بولتی رہو۔"

"مجھے ایک بات کا جواب دو۔ اس گھر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میں حیران ہوں۔ یہ دونوں میاں بیوی انوکھے ہیں۔"

"اتنے عجیب کہ تم یقین نہیں کرو گے اور میں۔ میں ان کے درمیان رہ کر ذہنی مریض بنتی جا رہی ہوں۔ تمہیں کوئی نقصان ہو یا نہ ہو میرے دماغ کی شریانیں ضرور پھٹ جائیں گی۔ میں تمہیں اپنے بارے میں جو کچھ بتا چکی ہوں' وہ بالکل صحیح ہے۔ میں لاوارث ہوں یہاں نوکری مجھے اس لیے پسند آئی تھی کہ میں دنیا کی بری نگاہوں سے محفوظ ہوں میں یہاں بہت خوش تھی لیکن۔ لیکن۔"

"ہما' میں ہر حالت میں تمہارا دوست ہوں' کچھ کہتے ہوئے ہر خوف کو ذہن سے نکال دو' مجھ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"میں اس بھیانک ماحول سے' اس قاتل ماحول سے نکلنا چاہتی ہوں جلال نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے' جیسے مجھے کچھ ہو جائے گا اور کچھ نہیں تو' میں قانون کے جال میں ضرور پھنس جاؤں گی۔ یہ لوگ مجھے ضرور پھانسی پر چڑھوا دیں گے۔ جلال میں سب بتاؤں گی تمہیں' سب کچھ بتاؤں گی میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ جلال یہاں کا ماحول بہت خوفناک ہے۔ بیگم صاحبہ' چوہدری صاحب کی موت چاہتی ہیں وہ ایک نہ ایک دن انہیں ضرور ہلاک کر دیں گی وہ مار دیں گی انہیں۔"

"کیسے؟" میں نے سنبھل کر پوچھا اور ہما نے آنکھیں بند کر لیں' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں بند کئے کئے کہا۔ "یہاں نوکری کرنے کے بعد کچھ دن تک تو سب ٹھیک رہا بالکل ٹھیک میں بھی خوش تھی۔ پھر بیگم صاحبہ نے چوہدری صاحب میں کیڑے نکالنے شروع کر دیے۔ ان کے سامنے وہ ہمیشہ ٹھیک رہتی ہیں لیکن ان کے پیچھے ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ میں تمہیں وہ باتیں نہیں بتا سکتی پھر ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا۔ "ہما تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا۔ میں نے اقرار کر لیا تو انہوں نے مجھے ایک شیشی دے کر کہا کہ ہفتے میں تین دن ایک ایک گولی بڑی احتیاط اور خاموشی سے چوہدری صاحب کے مشروبات میں شامل کر دیا کرو' انہوں نے ایسی ایسی باتیں کر کے مجھے خوفزدہ کیا کہ میں بیان نہیں کر سکتی' میں وحشت زدہ ہو گئی تھی لیکن پھر بھی میں نے ہمت کی میں نے چوہدری صاحب کو یہ بات بتا دی۔"

"بتا دی؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں پہلی گولی دینے سے پہلے ہی یہ بات بتا دی چوہدری صاحب نے ان میں سے دو گولیاں مجھ سے لے لیں اور کہا کہ بیگم صاحبہ کو یہی بتاؤں کہ میں یہ گولیاں انہیں استعمال کرا رہی ہوں۔ پھر جلال انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ زہریلی گولیاں ہیں سلو پوائزن' جس سے آہستہ آہستہ ان کی صحت خراب ہوتی جائے گی اور نتیجہ موت نکلے گا۔ میں لرز گئی تھی

چوہدری صاحب بولے۔

میں اسے دیوانوں کی طرح چاہتا ہوں ہما۔ میری زندگی کا مقصد اس کی زندگی ہے۔ میں جانتا ہوں اسے اب کیا احساس ہے مجھ سے اس کی توقعات پوری نہیں ہوئیں ہما میرا کاروبار تباہ ہو گیا ہے۔ میرے پاس دولت نہیں رہی لیکن میرا عزم ہے میں اسے اتنی دولت کما کر دوں گا کہ اس سے سنبھالی نہ جاسکے اور پھر وہ' وہ خود اپنے کئے پر شرمندہ ہو گی' میری آرزو ہے کہ وہ خوش رہے تندرست رہے' مجھ سے جو بھی بن پڑا اس کی خدمت کروں گا تم ایک کام کرو ہما۔"

"کیا چوہدری صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"دیکھو یہ اسی انداز کی' اسی رنگ کی گولیاں ہیں۔ یہ شیشی اپنے پاس رکھ لو اور اس کی ہدایت کے مطابق مجھے اس میں سے گولی دیتی رہو' یہ گولیاں بے ضرر ہیں اور وٹامن کی ہیں۔ ان سے مجھے نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ جب بھی تمہیں نئی شیشی دے مجھے بتا دو اور میں اسے ان گولیوں میں تبدیل کرتا رہوں گا میں بس اتنا جینا چاہتا ہوں کہ اس کے لئے دولت اکٹھی کر لوں البتہ تم اگر میری زندگی چاہتی ہو تو مجھے اس کے اقدامات سے آگاہ کرتی رہا کرو۔ چوہدری صاحب فرشتہ صفت انسان ہیں وہ بیوی کے ہاتھوں اس کی دانست میں زہر کھا رہے ہیں مگر اسے امرت دے رہے ہیں اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتے ہیں۔ چوہدری صاحب کی حالت کبھی کبھی بہت خراب ہو جاتی ہے۔" ان کی یہ کیفیت کتنے دنوں سے ہے۔ میں نے پوچھا۔ مجھے وہ صبح یاد آ گئی تھی جب میں نے کچن میں ہما کی کارستانی دیکھی تھی۔ ہما جذباتی اور افسردہ ہونے کے باوجود مسکرا دی۔ پھر اس نے کہا۔

"چوہدری صاحب بے حد چالاک انسان ہیں۔ وہ کسی زمانے میں فلمی اداکار رہ چکے ہیں۔ ان گولیوں کے استعمال کے بعد سے انہوں نے زبردست ڈائٹنگ شروع کر رکھی ہے۔ صرف جوس پیتے ہیں اور وٹامن کھاتے ہیں اور کبھی کبھی ان پر مصنوعی دورے پڑتے ہیں انہوں نے ڈائٹنگ کر کے اپنی صحت کم کی ہے تاکہ بیگم صاحبہ یہ سمجھیں کہ ان کی گولیاں اثر کر رہی ہیں ورنہ وہ بالکل تندرست ہیں۔ وہ صرف بیمار ہونے کی اداکاری کرتے

ہیں اور مجھ سے اپنی پرفارمنس پوچھتے ہیں۔"

"اوہ میرے خدا۔ بیگم صاحبہ کو شبہ نہیں ہو سکا؟"

"بالکل نہیں۔"

"کمال ہے مگر چوہدری صاحب نے بیگم صاحبہ کو سمجھایا نہیں۔"

"پتہ نہیں بیگم صاحبہ کا کہنا ہے کہ چوہدری صاحب بے حد شاطر انسان ہیں ان کا کاروبار تباہ نہیں ہوا ہے بلکہ انہوں نے اسے فروخت کر کے اپنی دولت چھپا دی ہے بس اپنی گڈول محفوظ رکھی ہے تاکہ بیگم صاحبہ کی دولت ہڑپ کر کے اپنے کاروبار کو از سر نو شروع کر سکیں۔"

"بیگم صاحبہ کے پاس دولت ہے؟"

"یہ تو اللہ جانے لیکن۔ کئی بار ان کے فون آئے ہیں جن پر ہونے والی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اپنی دولت انڈر گراؤنڈ کر دی ہے۔"

"گاڑی کا کیا قصہ تھا؟"

"بیگم صاحبہ کئی بار تشویش کا اظہار کر چکی تھیں کہ کہیں ڈرائیونگ کرتے ہوئے چوہدری صاحب کو دورہ نہ پڑ جائے۔ ایسی حالت میں قیمتی گاڑی بھی تباہ ہو سکتی ہے۔ وہ کوئی پرانی گاڑی خریدنا چاہتی تھیں۔ تمہاری مخالفت بھی انہوں نے اس لیے کی تھی کہ یہ چانس تمہاری وجہ سے ہاتھ سے نکل گیا۔ پھر انہوں نے کہا تم بھی "جہنم میں جاؤ" جاتے ہی نہیں تو وہ کیا کر سکتی ہیں۔"

"گڈ' پھر کیا ہوا۔" میں نے پوچھا۔

" انہوں نے ڈاٹسن میں کچھ کیا تھا۔ میں نے اتفاق سے دیکھا لیا تھا۔ میں یہ تو نہیں جانتی کہ انہوں نے کیا کیا تھا لیکن وہ گاڑی کے نیچے سے نکلی تھی ان کے ہاتھوں میں اوزار تھے اور ہاتھ کالے ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ چھپ چھپ کر واپس آئی تھیں اس پر مجھے شک ہو گیا اور میں نے تمہیں بتا دیا۔"

"تم نے بے شک اس دن ہم دونوں کی جان بچائی تھی مگر تمہارے خیال میں چوہدری صاحب بے وقوف نہیں ہیں؟"

"تم دیکھتے ہو' اس کے باوجود وہ دیوانوں کی طرح انہیں چاہتے ہیں۔ عمدہ سے عمدہ لباس خریدتے ہیں ان کے لئے' اعلی سے اعلی کھلاتے ہیں' ان کی صحت کے لئے فکر مند رہتے ہیں حالانکہ بیگم صاحبہ کو اپنے موٹاپے کا شدید احساس ہے اور یہ سچ ہے کہ بہت مختصر عرصہ میں ان کا وزن بے پناہ بڑھا ہے۔"

"وزن کی وجہ سے انہیں ہائی بلڈ پریشر ہونا چاہئے کیا وہ بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں؟"

"قطعی نہیں۔ ان کا بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے مگر دواؤں سے وہ بہت گھبراتی ہیں سوائے وزن کم کرنے کی گولیوں کے اور کچھ نہیں کھاتیں۔"

"اوہ۔ کیا وہ وزن کم کرنے کی گولیاں استعمال کرتی ہیں؟"

"اپنی دانست میں۔"

"کیا مطلب؟"

"ڈاکٹر کے مشورے سے انہوں نے وزن کم کرنے کی گولیاں کھانا شروع کیں مگر چوہدری صاحب نے مجھ سے یہ گولیاں بھی تبدیل کرا دیں۔"

"کیا مطلب؟"

"انہیں بیگم صاحبہ اسی انداز میں پسند ہیں۔ وہ انہیں طاقت کی گولیاں استعمال کراتے ہیں۔ بیگم صاحبہ وزن کم کرنے کی گولیاں منگواتی ہیں مگر چوہدری صاحب انہیں صرف طاقت کی گولیاں استعمال کراتے ہیں۔" میں سوچ میں ڈوب گیا۔ کیمسٹ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ گولیاں جو میں بیگم صاحبہ کے کمرے سے لے گیا تھا لو بلڈ پریشر کے مریضوں کے لئے ہیں جب کہ بیگم صاحبہ کو ہائی بلڈ پریشر تھا۔ میرے خیال میں تو وہ گولیاں بیگم صاحبہ کے لئے خطرناک ہو سکتی تھیں۔ ہما نے میرے خیالات کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ بولی۔

"بیگم صاحبہ نے ایک ایک کر کے تمام ملازم نکال دیئے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان حالات میں وہ ان کے اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ تمہاری طرف سے وہ تشویش کا شکار ہو گئی تھیں۔"

"کیا کہتی تھیں؟"

"یہی کہ یہ شخص ان کے راستے میں دشواریاں پیدا کرے گا۔ مجھے سختی سے ممانعت کی تھی کہ میں تم سے ربط و ضبط نہ رکھوں۔"

"پھر تم نے بغاوت کی۔" میں مسکرا کر بولا۔

"نہیں میری اتنی جرأت کہاں تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے حکم ملا تھا۔"

"کیسا حکم ملا تھا۔"

"یہی کہ اب تم سے دوستی کروں۔ اندر سے تمہارا جائزہ لوں یہ پتہ چلاؤں کہ تم ہمارے کام کے ہو سکتے ہو یا نہیں۔"

"اوہ۔ وہ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتی تھیں؟"

"شاید۔ انہوں نے مجھے اس بارے میں کچھ بتایا نہیں لیکن ان کا خیال تھا کہ تم ان کے راستے میں مشکل بن سکتے ہو اگر کچھ رقم دے کر تمہیں بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا جائے تو کام آسان ہو جائے گا۔ مگر وہ اس میں جلد بازی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ پہلے میں تم سے قربت حاصل کروں، تم سے تمہارے ماضی کے بارے میں پوچھوں۔ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کروں کہ تم لالچ میں آ سکتے ہو یا نہیں اور، اور......"

"بے دھڑک کہو ہما میں تمہیں رازداری کا یقین دلا چکا ہوں۔ اور تمہارے اس اعتماد سے میرے دل میں تمہارا احترام بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اور کیا کہا تھا ہما؟"

"انہوں نے کہا تھا کہ میں تمہارے دل میں اپنی محبت پیدا کروں، یہ بھی کہا تھا انہوں نے کہ اگر تم، اگر تم بیگم صاحبہ کے مددگار بن جاؤ تو اپنے مقصد کی تکمیل کے بعد وہ ہم دلوں کو یکجا کر دیں گی۔"

"ایں......؟" میں نے منہ پھاڑ کر کہا۔ ہما نے نگاہیں جھکالی تھیں اس کے چہرے پر نجانے کیسی کیسی ملی جلی کیفیات نظر آ رہی تھیں۔

"یہ......... یہ ان کا کہنا تھا جلال۔ یہ بڑے لوگ غریبوں کو اپنا کھلونا سمجھتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ ان کا سوچا پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہو سکتا۔"

"تم نے ان کی ہدایت پر عمل نہیں کیا ہما؟" میں نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا" اس نے پوچھا۔

"مجھ سے تو آج تک تم نے ایسا رویہ ہی نہیں اختیار کیا"

"یہ سب کچھ کسی کے کہنے سے ہو سکتا ہے جلال۔ دل تو ہر انسان کا یکساں ہوتا ہے۔ اور......اور......اب جلال یہ سب کچھ تمہیں بتا کر تو میں اب کچھ اور ہی کرنا چاہتی ہوں۔ میں اب ان کی آلہ کار نہیں بن سکتی۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے جلال خدا کی قسم میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیا فیصلہ کیا ہے ہما؟"

"سارے حالات تمہیں بتا چکی ہوں۔ تم بھی ان واقعات سے لاعلم نہیں رہے میرا دل بھی ہلکا ہو گیا۔ تم نے مجھ سے ایسی بات کی حالانکہ میں ان سے زیادہ تمہارے لیے فکر مند تھی۔ میں سوچتی تھی کہ کہیں بیگم صاحبہ اپنی سازش کی تکمیل کرتے ہوئے تمہیں کوئی

نقصان نہ پہنچا دیں۔ سب کے اپنے اپنے رشتے ہوتے ہیں کون کس کے لیے کیا ہوتا ہے کوئی دوسرا تو نہیں جان سکتا۔ بیگم صاحبہ خود کو نہ جانے کیا سمجھتی ہیں میں بھی تو انسان ہوں۔"

"بے شک ہمارے درمیان ان تمام باتوں سے الگ رشتہ ہے۔ ہے نا....؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ایں..........؟" وہ چونک پڑی پھر اس کا چہرہ شرم سے سُرخ ہو گیا۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور پھر اس کے دوپٹے سے اس کے آنسو خشک کرنے لگا پھر میں نے کہا۔

"اس سے قبل یہ رشتہ تھا یا نہیں ہما لیکن آج یہ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اور ہما تم نے جو فیصلہ کیا ہو وہ میں نہیں جانتا لیکن میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اب میں بقیہ زندگی تمہارے ساتھ گزاروں گا تم مزید کچھ نہ کہنا ہما میں تم سے محبت کرتا ہوں تم میری آرزو ہو۔"

"ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا جلال۔ یہاں کچھ ضرور ہو جائے گا۔ ہم پھنس جائیں گے میں تم سے بھی یہی کہنا چاہتی تھی یہاں سے نکل چلو جلال دنیا بہت وسیع ہے ہم کوئی ٹھکانہ ضرور تلاش کرلیں گے۔"

"کیوں نہیں ہما۔ لیکن تمہارا ارادہ کیا ہے؟"

"پہلے میں تمہیں یہ سب کچھ بتا کر یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی تم سے بھی یہی کہنا چاہتی تھی کہ یہ نوکری چھوڑ دو' یہ خطرناک ہے مگر اب ہم یہاں سے چلیں گے۔

"خاموشی سے؟"

"ہاں!"

"تو' یہ اس سے زیادہ خطرناک ہو گا۔ وہ ہم پر کوئی بھی الزام لگا سکتے ہیں' چوری کا' ڈاکہ زنی کا' بیگم صاحبہ اپنی سازش پر فوری عمل کر کے کہہ سکتی ہیں کہ ان کے ملازم یہ کر کے بھاگ گئے اور دولت لے گئے۔ تم نے یہ نہیں سوچا۔" میرے ان الفاظ پر ہما کا رنگ پیلا پڑ گیا اس نے کہا۔

"ہاں میں نے یہ نہیں سوچا تھا۔"

"اس وقت تم صرف "میں" تھیں۔"

"اب کیا کریں جلال!"

"مجھے سوچنے کا موقع دو۔" میں نے کہا اور ہما خاموش ہو گئی اس کے چہرے کے رنگ بدلتے رہے اور پھر وہ بالکل پرسکون ہو گئی مگر میرے دماغ میں ہانڈی پک رہی تھی۔ اب

مجھے کیا کرنا چاہئے دل و دماغ تہہ و بالا ہو گئے تھے۔ بڑی پر اسرار کہانی تھی جمشید عالم صاحب کے خیال کے عین مطابق۔ چند الجھنوں کے ساتھ جنہیں سلجھانے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کی قدرت وقت کو حاصل تھی اور وقت کے لئے کوئی فیصلہ مشکل نہیں ہوتا۔ رات ہو گئی کوئی نو بجے چوہدری صاحب کا فون موصول ہوا۔ آواز گھبرائی ہوئی تھی۔

"جلال' فوراً" اسپتال پہنچ جاؤ۔ بیگم صاحبہ کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ وہ انتہائی نگہداشت کے شعبے میں ہیں۔ جلدی آ جاؤ۔ ہما کو صورت حال بتا کر میں چل پڑا۔ چوہدری صاحب کے بتائے ہوئے اسپتال پہنچا تو چوہدری صاحب پاگل ہو رہے تھے۔

اچانک دورہ پڑا تھا۔ حالت خراب ہو گئی ڈاکٹر کچھ بتا ہی نہیں رہے۔ نہ جانے کیا ہو گیا۔ مگر پھر ڈاکٹروں نے بتایا ہارٹ اٹیک کے ساتھ بیگم صاحبہ کو برین ہیمبرج بھی ہو گیا تھا اور وہ جانبر نہیں ہو سکی تھیں۔

"چوہدری صاحب پچھاڑیں کھانے لگے مگر میری ذمہ داری کچھ اور تھی میں نے فوراً" ہی ٹیکسی پکڑی تھی اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ جمشید صاحب کو تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہ ہوئی۔ "ایک شاطر کو موت ہو گئی جمشید صاحب۔" میں نے اطلاع دی۔

"کیا ہوا؟" وہ چونک کر بولے۔ اور میں نے انہیں بیگم صاحبہ کی موت کی اطلاع دی اس کے بعد انہیں مختصر الفاظ میں پوری کہانی سنا دی۔ خصوصی طور سے میں نے لو بلڈ پریشر کی ان گولیوں کا تذکرہ کیا تھا۔

او' بالکل درست کہا تم نے وہ دونوں بساط بچھائے ہوئے تھے اور اپنے اپنے مہرے چل رہے تھے۔ چوہدری کامیاب ہو گیا اور ہونا بھی چاہئے تھا اسے ایک بیوی کا تجربہ زیادہ تھا۔ میرا مطلب ہے بیگم صاحبہ نے صرف دو شکار کئے تھے جب کہ وہ خود چوہدری صاحب کا چوتھا شکار تھیں۔ اچھا تم رکو' میں ہارون احمد سے بات کر لوں۔ جمشید صاحب فون پر دیر تک ہارون احمد سے باتیں کرتے رہے پھر فون بند کر کے انہوں نے مجھ سے کہا۔ "تم اسپتال واپس جاؤ' چوہدری کو شبہ نہ ہونے پائے ہمیں کافی محنت کرنی پڑے گی۔"

چوہدری نے واقعی ان لوگوں سے خوب محنت کرائی تھی۔ بہ مشکل تمام وہ بیگم صاحبہ کا پوسٹ مارٹم کرانے کے لئے تیار ہوا۔ بیگم صاحبہ کے سسٹم پر بلڈ پریشر تیز ترین کر دینے والی ایک دوا کا اثر پایا گیا تھا اور ظاہر ہے یہ ان کے لئے مضر تھی کیونکہ وہ پہلے ہی ہائی بلڈ پریشر کی مریض تھیں چوہدری کسی طرح پھندے میں نہیں پھنس رہا تھا مگر ہارون احمد کے دل کو بھی لگی ہوئی تھی بال کی کھال اتار ہی لی انہوں نے۔ ہما بھی اس سلسلے میں بہت کام آئی تھی پھر کچھ باتیں ایسی تھیں جن کا چوہدری کوئی جواب نہ دے سکا۔ دیوالیہ ہونے کا اعلان'

کاروبار کا بند کرنا، کوٹھی کو ملازموں سے خالی کرا دینا البتہ اس کے شاندار منصوبے کو بے حد سراہا گیا تھا بیگم صاحبہ کو اپنی جاہ حالی سے مطمئن کرنے کے لئے اس نے ڈائٹنگ کرکے خود کو کمزور کر لیا تھا مگر ڈاکٹروں نے اس کا مکمل چیک اپ کر کے متفقہ فیصلہ دیا تھا کہ اس کے پھیپھڑے پوری طرح توانا ہیں اور اسے دمہ نہیں ہے۔ وہ صرف اداکاری کے جوہر دکھاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بیگم صاحبہ کو حلوہ جات کے ساتھ انتہائی حد تک شکر استعمال کرنے کی عادت ڈالی تھی اور بسیار خوری کا مریض بنا دیا تھا جس سے کولسٹرول خطرناک حد تک بڑھ گیا تھا پھر ہائی بلڈ پریشر کی گولیاں استعمال کرا رہا تھا اس کا نتیجہ وہی نکلنا تھا جو نکلا تھا۔ بیگم صاحبہ باآسانی مار کھا گئی تھیں بعد میں ان دونوں کے اثاثوں کی تفصیل بھی معلوم ہو گئی تھی۔ ایک طرف بیگم صاحبہ نے اپنی لاکھوں روپے کی دولت خفیہ طور پر پوشیدہ کر کے کروڑوں روپے کے مالک شوہر پر ہاتھ صاف کرنا چاہا تھا تو دوسری طرف چوہدری نے اس سے چھٹکارا پانے اور بھاگتے بھوت کی لنگوٹی حاصل کرنے کی کوشش بلکہ کامیاب کوشش کر ڈالی تھی تاکہ اصل حیثیت میں آکر کسی نئے شکار کا انتخاب کرے لیکن بدقسمتی نے اس بار اسے مات دے دی تھی۔ البتہ میری خوش قسمتی کا آغاز یہیں سے ہوا تھا۔ جمشید صاحب کے ساتھ ہارون احمد صاحب بھی میرے سرپرست بن گئے تھے۔ ان دونوں کی سرپرستی نے مجھے بیوی یعنی ہما اور ایک عمدہ نوکری دلوا دی تھی۔

* * * * * * *

کالی دنیا

زیڈ ڈیپارٹمنٹل سٹورز کے گارمنٹ سیکشن میں شہلا نے اسے دیکھا چند لمحات دیکھتی رہی اور پھر خریداری میں مصروف ہو گئی۔ اسے لوگوں کو دیکھنے کی عادت تھی اور یہ عادت اس کے پیشے کا عطیہ تھی لوگوں کو دیکھنا انہیں پڑھنا اور ان پر لکھنا اس کا پیشہ تھا۔ وہ ایک شام کے اخبار کی رپورٹر تھی اس کے علاوہ مختصر کہانیاں' افسانے اور دیگر مضامین بھی لکھتی تھی۔ جن کی آمنی زندگی کی گاڑی دھکیلنے میں معاون ہوتی تھی اور اپنی تحریروں کو حقیقت سے قریب لانے کیلئے اسے ہمیشہ کرداروں کی تلاش رہتی تھی وہ انہیں دیکھتی اپنے مشاہدے پر پرکھتی اور پھر انہیں اپنے افسانوں کا حصہ بنالیتی۔ اس طرح اسے چہرہ شناسی میں بھی خاصی دسترس حاصل ہو گئی تھی۔

یوں تو صبح سے شام تک انسانوں کے ہجوم میں اسے لاتعداد کردار مل جاتے تھے لیکن نت نئے اور انوکھے کرداروں کی تلاش اپنے طور پر ایک الگ حیثیت رکھتی تھی اور اس کی نظریں ہمیشہ ان کی تلاش میں بھٹکتی رہتی تھیں۔ یہ چہرہ بھی کچھ ایسی ہی خصوصیات کا حامل تھا کہ وہ ایک نگاہ میں اس سے نہ گزر سکی اور اس کی نظریں دیر تک اس پر جمی رہیں۔ چہرے کی بناوٹ عمر کا اندازہ نہ ہونے دے رہی تھی۔ بدن کا تناسب نہایت موزوں تھا۔ لباس کا استعمال سلیقے اور نفاست کا حامل خصوصیت چہرے کی بناوٹ تھی۔ صاف ستھرا شفاف رنگ گالوں پر شیو کی نیلاہٹ تھوڑی چوڑی اور خم لئے ہوئے جبڑوں سے سخت گیری عیاں لیکن آنکھوں میں انتہائی نرمی گھلی اور درمیان میں سے آپس میں جڑی بھنویں جو کسی یقینی خصوصیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ عموماً تنگ پیشانیاں رکھتے ہیں لیکن اس کی پیشانی بھی کشادہ تھی۔ غرض یہ چہرہ بے حد مشکل تھا اور اسے دیکھ کر چند لمحات میں فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس کے مالک کی اصل شخصیت کیا ہے۔ تاہم اسے مسلسل گھورتے رہنا بھی ممکن نہ تھا خاص طور سے ایک نوجوان لڑکی کیلئے اور شہلا کو اس سلسلے میں بہت سے تجربات بھی ہوئے تھے جو دلچسپ ضرور تھے لیکن ایسے نہیں کہ انہیں دہرایا جا سکے۔ چنانچہ وہ خریداری میں مصروف ہو گئی اور اسٹور کے ریکوں کے دوسری طرف نکل گئی۔ مختصر سی خریداری کر کے اس نے ٹرالی کاؤنٹر کے نزدیک کھڑی کر دی اور اسٹور کا ملازم اس کا سامان

نکل کر کاؤنٹر پر جمع کرنے لگا۔ بلنگ مشین اس کا بل بنانے لگی تبھی اس کی نگاہ نزدیک کے شیلف میں لگی ایک کتاب کی طرف اٹھ گئی۔ کتاب اس کے لئے دلچسپی کا باعث تھی اس کے قدم کتاب کی طرف اٹھ گئے اور اس نے کتاب شیلف سے نکال کر سرسری نگاہ سے دیکھی پھر اسے بھی اپنی خریداری میں شامل کر لیا۔ اس کے سامان کا پیکٹ بن چکا تھا۔ اس نے کتاب بل میں شامل کرائی اور بل ادا کر دیا لیکن جب سامان کے پیکٹ کی جانب ہاتھ بڑھایا تو چونک پڑی۔ اس کا سامان اتنا تو نہیں تھا۔ اس نے متحیرانہ نظروں سے پیکٹ کو دیکھا اور اس وقت اس کی نظر شیشے سے باہر چلی گئی۔ وہی شخص ایک پیکٹ اٹھائے باہر نکل رہا تھا۔ کوئی اور گاہک ابھی کاؤنٹر پر نہیں آیا تھا تو یقیناً پیکٹ بدل گیا اور اس کا پیکٹ وہ شخص اٹھا لے گیا تھا۔

اسٹورز کا ملازم اس کا پیکٹ باہر تک پہنچانے کے لئے تیار تھا۔ وہ چاہتی تو اسے اس شخص کے پیچھے دوڑا کر اپنا پیکٹ حاصل کر سکتی تھی لیکن فوراً ہی اس کے ذہن میں ایک کہانی تیار ہو گئی کسی سے شناسائی کی ابتدا اور بعد میں بعد کی کہانی۔ وہ مشکل چہرہ اس کے لئے پرکشش تھا۔ چنانچہ اس نے اطمینان سے وزنی پیکٹ خود اٹھایا اور باہر نکل آئی۔ یوں بھی ملازم کے ذریعے پیکٹ باہر لانے کا جواز نہ تھا کیونکہ اس کے پاس گاڑی نہ تھی اور اسے سڑک کے کنارے آٹو رکشہ کا انتظار کرنا تھا۔ لیکن کچھ دیر ہو گئی۔ وہ شخص اپنی ایئر کنڈیشنڈ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا اور جب وہ دروازے سے باہر نکلی تو گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ چکی تھی لیکن اس کا رجسٹریشن نمبر شملا کی نگاہوں سے نہ بچ سکا۔ برا نہیں ہے ملاقات ذرا اطمینان سے ہو جائے گی۔ اس نے مسکراتے ہوئے سوچا اور ایک خالی رکشا کو رکنے کا اشارہ کر دیا۔ البتہ اسے اس بات پر ہنسی آ رہی تھی کہ وہ شخص اگر اس کے سامان کا پیکٹ کھولے گا تو اس کی کیا کیفیت ہو گی۔ پیکٹ میں زنانہ ضروریات کا سامان تھا۔!

شملا اپنے فلیٹ کے سامنے رکشا سے اتر گئی پانچ کمروں کے فلیٹ میں ایک کمرہ اس کا تھا۔ دوسرے میں بڑے بھائی اور بھابی رہتے تھے تیسرا ماں اور چھوٹے بھائی کے پاس تھا چوتھا زنانہ نشست گاہ اور پانچواں ڈرائنگ روم۔ ضروریات زندگی کی ہر شے سے آراستہ گھر ایک پرسکون زندگی کا حامل تھا جس کے لئے سب محنت کرتے تھے۔ بھابھی ایک اسکول میں ہیڈ مسٹریس تھیں بڑے بھیا ایک دواؤں کی کمپنی میں ملازمت کرتے تھے اور وہ خود ایک اخبار کی سرگرم رپورٹر تھی بس چھوٹا بھائی تعلیم حاصل کر رہا تھا ماں کے سپرد گھر کی نگرانی تھی۔ پرسکون ماحول صلاحیتوں کو بھی جلا دیتا ہے چنانچہ وہ جو کچھ کر رہی تھی اسے مقبولیت حاصل تھی اور اخبار کے مالکان اس کا احترام کرتے تھے۔ سنسنی خیز خبریں بنانے میں اسے کمال

حاصل تھا۔ اسی طرح اس کی کہانیاں بھی سنسنی خیز اور منفرد ہوتی تھیں خصوصاً شام کے اخبارات کے لئے وہ بہت موزوں تھی اور دوسرے چند اخبارات اس کے خواہاں تھے لیکن جہاں کام کر رہی تھی وہاں کے لوگ اس پر اعتماد کرتے تھے اور یہ اعتماد اس کے لئے قیمتی تھا اپنے اس پیشے کی بنیاد پر اس کا تعلق محکمہ پولیس کے ذمہ دار افراد سے بھی تھا اور اس کی خوبیوں کی بنا پر وہاں بھی اسے منفرد مقام حاصل تھا اور اس کے ساتھ خصوصی تعاون کیا جاتا تھا۔

اپنے کمرے میں داخل ہو کر اس نے لباس تبدیل کیا اور پھر بھابھی کے پاس جا بیٹھی معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد خوش گپیاں ہوئیں اور پھر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ ڈیپارٹمنٹل سٹور سے آنے والا پیکٹ سامنے ہی رکھا ہوا تھا۔ اس نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر اسے اٹھا کر مسہری پر آ بیٹھی' پیکٹ میں سے تقریباً چار سالہ بچی کے لئے چھ حسین فراکیں اس کے علاوہ کسی آٹھ نو سالہ لڑکے کے لئے پتلون شرٹ' ایک غیر ملکی گڑیا' چھوٹی چھوٹی کاروں کا ایک سیٹ برآمد ہوا تھا۔

بال بچوں والا آدمی ہے اور یقیناً ایک اچھا باپ' مگر کسی قدر بھلکڑ' اس نے پیکٹ اسی طرح پیک کر لیا اور پھر اسے رکھ کر لیٹ گئی۔ باقی کام دوسرے دن کا تھا۔ صبح کے معمولات میں مصروف ہو کر وہ پیکٹ والے واقعے کو بھول گئی تھی۔ البتہ آفس میں کام کرتے ہوئے اسے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا واقعہ یاد آیا اور اس نے چپڑاسی کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔ چپڑاسی آیا تو اس نے کہا۔

"مسٹر زین موجود ہیں۔"

"جی میڈم۔"

"براہ کرم انہیں بھیج دو۔"

شرارت سے مسکراتی آنکھوں والا زین اس کے پاس آ گیا۔

"زین ڈیئر کہیں باہر جانے کا ارادہ ہے؟"

"کام بتاؤ۔" زین نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور وہ اسے گھورنے لگی۔

"کیا بات ہے موڈ کچھ خراب ہے؟"

"جی نہیں' زمانہ شناس ہوں" وہ بولا۔

"کیا مطلب؟"

"زین" "ڈیئر" اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی کام ہو۔ ورنہ اسے زین نکٹا یا زین بوگل کے علاوہ اور کیا کہا جاتا ہے۔"

"اول تو تمہیں اپنی ناک کا کمپلیکس ہمیشہ رہتا ہے۔ سائز میں ذرا چھوٹی ہے تو اس میں تمہارا کیا قصور۔ دوسرے زین ڈیئر اپنوں پر ہی تبصرہ کیا جاتا ہے غیروں سے کسی کو کیا دلچسپی ہوتی ہے یا تمہاری زمانہ شناسی کی میں ہمیشہ سے قائل ہوں اور دوسروں سے تذکرہ کرتی رہتی ہوں اور اس وقت تم نے کیا رگ پکڑی ہے میں تو حیران رہ گئی واقعی تم سے کام تو ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤں؟" زین نے پوچھا۔ اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"کیا بیٹھنا ضروری ہے۔" وہ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ کر بولی۔

"ہاں ضروری ہے۔" زین نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے بیٹھ تو چکے ہو۔" وہ مردہ لہجے میں بولی۔

"تائی جان نے والدہ صاحبہ کو پچھتر فیصد قائل کر لیا ہے۔"

"پچھتر فیصد۔" وہ آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

"اس سے بھی کچھ زیادہ' اس بار وہ کچھ نئے جال لے کر آئی تھیں۔ میں بھی دو تین دن میں ان سے فائنل گفتگو کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"فائنل۔ ایسی کیا جلدی ہے زین پیارے' ابھی کچھ راؤنڈ اور ہونے دو۔ ویسے زین یہ پچھتر فیصد زیادہ نہیں ہوئے پچھلی بار تو وہ تمہاری والدہ کو صرف چالیس فیصد قائل کر چکی تھیں۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا۔" زین منہ پھلا کر بولا۔

"اچھا' اچھا سنجیدہ ہو۔" اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ویسے زین دفتر میں بیٹھ کر ذاتی گفتگو کرنا کچھ بے ایمانی نہیں ہے۔"

"اور ہاتھ لگتی ہی کہاں ہو ہر ماہ کی دوسری تاریخ کو کسی ہوٹل میں دعوت دیتا ہوں تم وعدہ کرتی ہو اور میں اکیلا کھا پی کر واپس آ جاتا ہوں۔ گھر پر آتا ہوں تو چھوٹے بھائی سے منع کروا دیتی ہو۔" زین نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"ارے توبہ اللہ قسم سو پچاس بار کے علاوہ ایسا کبھی نہیں کیا۔"

"خدا تمہیں سمجھے جانتی ہو تمہارے گھر آنے کے لئے میں کتنے گھنٹے تیاریاں کرتا ہوں۔"

"یار زین دیر ہو جائے گی یہ گفتگو کل سہی۔" وہ عاجزی سے بولی۔

"صرف ایک بات بتا دو۔ تم مجھ سے شادی کرو گی یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو تائی جان

والدہ کو قائل کر لیں کہ رشتے گھر کے اچھے ہوتے ہیں اور وہ چلتا پھرتا اگالدان مجھے پان کی پیک کی طرح نگلنا پڑے۔"

"شادی۔ آہ شادی۔ زین ڈیئر شادی کا تصور تو میں تمہارے علاوہ کسی اور سے کر ہی نہیں سکتی آہ۔ وہ کہ۔ "تجھے زمین پر اتارا گیا ہے میرے لئے"۔ اور ایسے موقع کے دوسرے اشعار۔ زین ڈارلنگ دیر ہو رہی ہے۔"

"کام کیا ہے۔" زین بولا۔

"ذرا وہیکل رجسٹریشن آفس جانا ہے اور اس کار کے نمبر کے مالک کا نام اور پتہ درکار ہے۔" اس نے ذہن میں محفوظ نمبر ایک کاغذ پر لکھ کر زین کو دیتے ہوئے کہا۔

"واپسی میں کچھ دیر لگ جائے گی دوسرے چند کام بھی کرتا آؤں گا انتظار کرو گی یا گھر آ جاؤں۔"

"قیامت تک..... ہم انتظار کریں گے تیرا قیامت تک مگر دفتر میں' گھر بھی کوئی ملنے کی جگہ ہوتی ہے۔"

"او کے چلتا ہوں۔" زین نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ وہ ہونٹ سکوڑ کر دروازے کی طرف دیکھتی رہی اور پھر گہری سانس لے کر کرسی سے ٹک گئی۔ زین حالانکہ جرنلسٹ تھا مگر بچ بوگس۔ اپنے خیال کے مطابق وہ شہلا سے محبت کرنے لگا تھا اور ایک دن اس نے نہایت سادگی سے اس سے اظہار عشق کر لیا تھا۔ انداز ایسا ہی جیسے بوگرہ کالونی میں ہونے والی کسی واردات کی رپورٹ دے رہا ہو۔ شہلا جیسی آفت کی پرکالہ کے لئے برا ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ اس نے زین کی سنجیدگی پر غور کیا تھا اور پھر اسے یقین دلا دیا تھا کہ وہ تو صدیوں سے اسے خواب میں دیکھ رہی تھی اور اس دفتر میں ملازمت کی وجہ صرف وہ ہے زین نے اگر اس بات پر یقین کر لیا تھا تو یہ اس کی دوسری حماقت تھی اور وہ خود کو بے قصور سمجھتی تھی کیونکہ اس نے کبھی اس کی پذیرائی نہیں کی تھی۔ دفتر میں بارہا اس کی مختصر ناک پر تبصرہ کیا تھا کسی فنکشن میں مل جاتے تو وہ اس سے اتنا فاصلہ رکھتی کہ دونوں کو ایک دوسرے کی ہوا بھی نہ لگے۔ زین درجنوں بار اس کے گھر پہنچا مگر اس نے ایک بار بھی اسے اندر نہ بلایا ہر قسم کی تفریحات کو وہ گھر سے دور رکھنا چاہتی تھی ویسے اسے زین پر سخت تعجب تھا اس ایک حماقت کے علاوہ' وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا کچھ دن کے بعد اس نے موقع ملتے ہی اس سے شادی کا مطالبہ بھی کر دیا تھا اور بتایا تھا کہ اس کی ایک تائی اپنی بیٹی سے اس کا رشتہ کرنا چاہتی ہیں اور اس کی والدہ کو قائل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ تایازاد بہن کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ پان کو چپاتی کی طرح کھاتی ہے اور نہایت "سرخرو" رہتی

ہے وغیرہ وغیرہ۔ خود اس نے زین کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے کچھ نہ سوچا تھا بلکہ زین تو دور کی چیز تھا خود اپنے بارے میں کچھ نہ سوچا تھا وہ زندگی میں خود بخود پیدا ہونے والے واقعات کی قائل تھی اور ایسا کوئی واقعہ اس کی زندگی میں نہیں پیش آیا تھا۔

زین ڈھائی بجے واپس آیا اور اس نے کار کے مالک کی پوری تفصیل اسے پیش کر دی۔

"ہاشم دانش گردیزی' اگلن روڈ۔ کوٹھی نمبر چھ سو ساٹھ۔"

"بے حد شکریہ زین" اس نے کہا۔

"وہ والدہ سے کیا کہہ دوں۔ زین بولا تائی جان بیس تاریخ کو پھر آنے کیلئے کہہ گئی ہیں۔"

"میرا سلام کہہ دینا ان کی صحت پوچھ لینا اور ان سے کہہ دینا کہ اس تاریخ کو کہیں سیر کیلئے نکل جائیں خدا حافظ آنٹی۔"

"شہلا پلیز۔ تم سنجیدہ نہیں ہوئیں؟"

"آہ زین سنجیدگی دماغ کا کینسر ہوتی ہے' خدا حافظ۔"

"سنو شہلا۔"

"یار کام کرنے دو کیا مٹی لگا رکھی ہے۔ یہ آرٹیکل مکمل کرنا ہے۔"

اس نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا اور قلم اٹھا کر کاغذ پر مصروف ہو گئی زین اسے گھورتا رہا اور پھر غصیلے انداز میں بولا۔

"لعنت ہے اس پر جو آئندہ تم سے اس موضوع پر گفتگو کرے۔"

"خدا حافظ۔" اس نے کاغذ پر نظریں جمائے جمائے کہا اور اپنے پاؤں پٹختا باہر نکل گیا وہ اپنے کام میں منہمک ہو گئی تھی۔

شام کو پانچ بجے وہ تیار ہو کر گھر سے باہر نکل آئی۔ پیکٹ اس کے پاس تھا ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے اس نے اگلن روڈ کی عمارتوں کے نمبر پڑھے تھے اور پھر اندازے سے ایک جگہ اتر گئی تھی۔ علاقے کے بارے میں وہ جانتی تھی کہ متمول لوگوں کا ہے اور پھر وہ شخص بھی باحیثیت معلوم ہوتا تھا کوٹھی نمبر چھ سو ساٹھ تلاش کرنے میں دقت نہ ہوئی۔ اتنی ہی شاندار تھی جتنی ہونی چاہئے تھی نیچے اتر کر اس نے بل ادا کیا اور کوٹھی کے گیٹ کے پاس پہنچ گئی ابھی بیل تلاش کرنے نہ پائی تھی کہ گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھل گئی اور وہ چونک کر اس طرف دیکھنے لگی لیکن کوئی باہر نہ آیا تھا پھر کھڑکی کیوں کھلی۔ کھڑکی کے نزدیک پہنچ کر اس نے اندر جھانکا آس پاس کوئی موجود نہ تھا۔ عمارت کا بیرونی حصہ خوبصورت پھولوں سے آراستہ تھا۔ پورچ میں وہی کار کھڑی نظر آ رہی تھی جسے وہ پہچانتی تھی۔ گردن ہلا کر اس نے اندر قدم

رکھ دیا اور جھجکتی ہوئی دو قدم آگے بڑھ گئی۔ کھڑکی خود بخود بند ہو گئی اور وہ اچھل پڑی چند لمحے وہ ان نادیدہ ہاتھوں کے بارے میں سوچتی رہی ذہن میں عجیب سے خیالات آئے لیکن پھر گیٹ کا جائزہ لے کر اس نے گہری سانس لی۔ گیٹ عام مسافت خانہ تھا اور کھڑکی کسی خود کار نظام کے تحت کھلی تھی۔ نئے دور کا انسان نہ جانے خود کتنی پر اسرار جدتیں اپنا چکا ہے وہ گردن جھٹک کر آگے بڑھ گئی بائیں گوشے میں دو سرونٹ کوارٹر بنے ہوئے تھے لیکن ویران نظر آتے تھے اس طرح ایک سنسان کوٹھی میں داخل ہو جانا مناسب نہ تھا لیکن اب جو ہو گا دیکھا جائے گا ویسے کچھ عجیب جگہ ہے وہ آگے بڑھ کر پورچ کے قریب بنی تین سیڑھیاں عبور کرنے لگی۔ آخری سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ بڑا سا خوبصورت دروازہ کھل گیا۔ اور وہ ایک بار پھر اچھل پڑی مسٹر دانش گردیزی نے اپنی اس رہائش گاہ کو کافی پر اسرار بنا رکھا ہے۔ بہرحال دولت کے کھیل تھے ہاں یہ مکمل خاموشی ذرا عجیب لگی تھی وہ ایک لمحے سوچتی رہی کہ آگے قدم بڑھائے یا رک کر کسی کو آواز دے۔ لیکن دل گردے کی لڑکی تھی یہاں تک آگئی تھی تو اب کسی کمزوری کا مظاہرہ کیوں کیا جائے۔ ٹھنڈی سانس لے کر وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ صدر گیٹ کے سامنے ایک شفاف ہال تھا اور اس میں کئی دروازے نظر آ رہے تھے ہال کا فرش برہنہ تھا اور صرف چھت میں ایک فانوس لٹکا ہوا تھا ابھی ہال کا جائزہ لے رہی تھی کہ بائیں سمت کا دروازہ کھل گیا اور وہ چونک کر ادھر دیکھنے لگی۔

خاموشی۔ مکمل خاموشی اس نے اس کھلے دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے اور ٹھٹھکتے ہوئے اندر جھانکا تب ہی اسے ایک مدھم پرسکون آواز سنائی دی "ہیلو" اور وہ اچھل پڑی۔ "تشریف لایئے"۔ وہی آواز پھر ابھری اور اس نے اندر قدم رکھ دیا۔ وہ ڈرائنگ روم تھا جو سبز رنگ سے آراستہ تھا۔ قالین اور پردے سبز تھے۔ فرنیچر کے کور سبز شیل کے تھے چھت کے فانوس میں سبز روشنی چمک رہی تھی۔ اور ایک صوفے پر وہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر سفید رنگ کا گون تھا اور آنکھوں میں وہی نرم کیفیت۔

"ہیلو"۔ شہلا نے خود کو سنبھال لیا۔

"تشریف لایئے۔" اس نے کہا اور شہلا آگے بڑھ گئی۔

"تشریف رکھئے۔" وہ پھر بولا اور شہلا پیکٹ قالین پر رکھ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"معاف کیجئے آپ کا شجرہ کہیں سامری جادوگر سے ملتا ہے۔" شہلا اب اپنی اصل شخصیت میں آگئی تھی۔

"کیوں۔" وہ خفیف سی مسکراہٹ سے بولا۔

"یہ جادو نگری اسی کی یاد دلاتی ہے۔ ویسے مجھے آپ کے سفید گون پر اعتراض ہے آپ

اس ڈرائنگ روم سے میچ نہیں کر رہے۔"

"مجھے سبز رنگ پسند ہے۔" وہ بولا۔

"خوب' ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے اپنی اس رہائش گاہ کو طلسم کدہ بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی کہیں آپ صدیوں سے بھٹکتی ہوئی کوئی روح تو نہیں ہیں۔"

"آپ کون ہیں؟" وہ بولا۔

"شہلا' پورا نام شہلا احسن زاہد۔"

"مجھے دانش کہتے ہیں۔"

"آپ پر بہت سے تبصرے کرنے کو جی چاہتا ہے مگر آپ کے مزاج سے ناواقفیت ہے اس لئے ہمت نہیں پڑتی مجبوراً آپ کو اپنی آمد کی وجہ بتا دیتی ہوں۔"

"جی"۔ وہ مختصراً بولا۔ شہلا نے گھور کر اسے دیکھا اس کا لہجہ اور انداز نرم تھا لیکن الفاظ میں لچک نہیں تھی اتنا بھی نہ کہا اس نے کہ وہ اس پر کیا تبصرہ کرنا چاہتی ہے وہی دولت مندوں کا انداز' بے نیازی کا اظہار کر کے خود کو منفرد ظاہر کرنے کی خواہش' شہلا نے اپنے ذہن میں اس کے خوش اخلاقی کے نمبر کم کر دیے تھے۔

"کل آپ نے زیڈ میں خریداری کی تھی۔" وہ بولی۔

"جی خاتون سمجھ گیا اور آپ سے شرمندہ ہوں غالباً بدل جانے والا پیکٹ آپ کا ہے۔"

"جی۔ آپ کا پیکٹ حاضر ہے کھول کر چیک کر لیجئے۔"

"نہیں اس کی کیا ضرورت ہے' بلکہ میں آپ سے شرمندہ ہوں مجھ سے غلطی ہو گئی تھی یقیناً آپ کو پریشانی ہوئی ہو گی۔ ایک اور بات کے لئے معذرت خواہ ہوں کہ میں نے غلط فہمی میں آپ کا پیکٹ کھول کر دیکھ لیا تھا' ہم لوگ خوب ہنسے تھے اسے دیکھ کر۔"

"ہم لوگ۔" شہلا نے کہا وہ اب اس شخص سے بد دل ہوتی جا رہی تھی یہ بھی نہ پوچھا تھا اس نے کہ شہلا نے اس کا پتہ کیسے چلا لیا جیسے ساری دنیا مسٹر دانش کو جانتی ہو۔ ہونہہ۔ تاہم اس کے طنزیہ انداز میں "ہم لوگ" پر تبصرہ ضرور کر دیا تھا۔

"میں آپ کا پیکٹ لاتا ہوں۔" اس نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔ شہلا ناک چڑھائے دروازے کی طرف دیکھتی رہی دل ہی دل میں اس نے سوچا کہ کسی خوبصورت چہرے والے بدنما شخص کے بارے میں کبھی کچھ لکھا تو تم اس کا مرکزی کردار ہو گے۔ مسٹر دانش۔

وہ چند لمحات کے بعد واپس آ گیا۔

"میں بھی آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنا سامان دیکھ لیں۔" اس نے کہا۔

"آپ کے گفتگو کرنے کے انداز سے' آپ کے اس طلسمی محل سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ بہت ہی بڑے آدمی ہیں۔ اتنا زیادہ بڑا آدمی بھلا اس چھوٹے سے پیکٹ میں سے کیا نکال سکتا ہے۔" شہلا کے لہجے میں طنز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنا پیکٹ سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر اس سے کچھ کہے بغیر دروازے سے باہر نکل آئی۔ اسے اپنے عقب سے کوئی آواز نہ سنائی دی تھی۔

"لاحول ولا قوۃ۔ میری کسی بھی کہانی کا کوئی کردار اتنا گھٹیا نہیں ہو سکتا" اس نے سوچا بد اخلاق خود کو سپر سمجھنے کا عادی۔ یقیناً کوئی خاندانی آدمی نہیں ہے ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کی ہو گی اور پھر خود کو کچھ سمجھ لیا ہو گا۔ ہم لوگ بہت ہنسے تھے کیوں ہنستے تھے کونسی قہقہہ آور شے تھی میرے سامان میں۔ بس چند الفاظ' وہ ہم لوگ کہاں دفن تھے۔ کسی کی آواز تک نہ آ رہی تھی۔ اور ملازم وغیرہ۔ وہ بھی تو نہ تھے۔ خود بخود کھلنے والے دروازے۔ اور پھر ڈرائنگ روم میں وہ اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے اسے کسی کی آمد کا علم ہو۔ کیسے؟ حالانکہ خود کار دروازوں کا سسٹم رکھنے والے گھر میں کسی آنے والے کی تصویر دیکھ لینے کا انتظام بھی ہو سکتا ہے کجا اس کوٹھی کی ویرانی۔ ارے باپ رے۔ سچ مچ ہی کوئی پراسرار چکر نہ ہو۔ شہلا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اس نے رفتار بڑھاتے ہوئے پلٹ کر دیکھا لیکن ان خیالات میں ڈوبی ہوئی وہ پیدل ہی اتنی دور نکل آئی تھی کہ اب وہ کوٹھی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی کچھ فاصلے پر ایک ٹیکسی خالی ہو رہی تھی وہ ہاتھ سے اشارہ کرتی ہوئی ٹیکسی کی طرف چل پڑی۔

دو تین دن تک اس شخص کا خیال اس کے ذہن میں رہا' حالانکہ بے جواز تھا ایک عام سا واقعہ تھا ایک دولت مند شخص جو اس کیلئے اجنبی تھا اور اس نے اسے اہمیت نہ دی تھی کوئی خاص بات نہیں تھی ہاں اگر کوئی چیز یاد آتی تھی تو وہ کوٹھی جس کے دروازے خود کار تھے اور دروازے پر چوکیدار نہیں تھا کوئی ملازم بھی نہیں نظر آیا تھا اور اہل خاندان موجود نہ تھے یہ ساری باتیں ایسی نہیں تھیں جنہیں مستقل یاد رکھا جائے۔ یہ دولت مندوں کا شہر ہے اور ہر شخص دولت کے بل پر خود کو منفرد بنا سکتا ہے ممکن ہے اس کے اہل خاندان اس وقت کہیں گئے ہوں بلا وجہ سر کھپانے سے کیا فائدہ۔ پھر وہ اسے بھول گئی۔

پھر ایک شام اسے ایئرپورٹ جانا پڑا۔ ملک کی ایک مقتدر سیاسی شخصیت آ رہی تھی اور اس نے اخباری نمائندوں کو ایئرپورٹ پر مختصر سی پریس کانفرنس کی اجازت دے دی تھی کیونکہ اسے وہیں سے ایک اہم سیاسی دورے پر روانہ ہو جانا تھا صحافی برادری کے دوسرے افراد بھی وہاں موجود تھے سیکورٹی سخت تھی بالآخر فلائٹ پہنچ گئی اور پولیس کے انتظامات کے

بعد اخباری نمائندوں کو اس شخصیت سے ملاقات کی اجازت دیدی گئی انتظامات کرنے والوں میں انسپکٹر گل شاہ بھی تھا جو اس کے دوستوں میں تھا اور دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ گل شاہ اسے آنٹی کہتا تھا اور وہ اسے بھتیجا حالانکہ گل شاہ عمر میں اس سے دگنا ہو گا اس نے دور ہی سے اسے ہیلو کہا تھا دوسرے اخباری نمائندوں کے ساتھ اس نے بھی اس شخصیت سے دلچسپ اور اہم سوالات کئے اور مختصر وقت ختم ہو گیا۔ اخباری نمائندے وی آئی پی لاؤنج سے باہر نکل آئے اور وہ ان سے خوش گپیاں کرنے لگی۔

عالم نے اس سے پوچھا۔ "کنوینس ہے تمہارے پاس' نہ ہو تو میری بائیک حاضر ہے۔"

"کنوینس تو نہیں ہے میرے پاس لیکن تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی ہوا تیز ہے نہ جانے کونسا جھونکا تمہیں بائیک سے اٹھا کر فرار ہو جائے اور میں پیچھے بیٹھی رہ جاؤں۔"

اس وقت انسپکٹر گل شاہ نے آواز لگائی۔ "آنٹی جانا نہیں۔ ایک دس منٹ مصروف ہوں لاؤنج میں رکو تم سے بات کرنی ہے۔"

"او کے بھتیجے' فرصت پا کر آ جاؤ۔" اس نے جواب دیا اور پھر ٹہلتی ہوئی ایئرپورٹ لاؤنج کی طرف بڑھ گئی کوئی اور فلائٹ آئی تھی اور کسٹم ہاؤس میں رش بڑھتا جا رہا تھا رات کا اندھیرا تیزی سے پھیل رہا تھا لیکن اب وہ فکر مند نہیں تھی گل شاہ ایئرپورٹ تھانے کا انچارج تھا۔ وہ یقیناً اس کی واپسی کا انتظام کر دے گا وہ امیگریشن ہاؤس سے باہر آتے لوگوں کو دیکھتی رہی۔ ملکی' غیر ملکی ایئر ہوسٹس' اسٹیورڈس' فلائٹ آفیسرز' ایئرپورٹ سیکورٹی کے افراد' ہر طرح کے لوگ تھے پھر ایک اہم واقعہ پیش آ گیا۔

نہ جانے وہ کون تھا ایئرپورٹ لاؤنج کی سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ اچانک اس کے جسم میں شعلے بھڑک اٹھے اس کی دل خراش چیخیں ابھریں اور آس پاس موجود لوگ دہشت زدہ ہو کر دور ہٹ گئے۔ جلتے ہوئے شخص کے پورے بدن سے شعلے اٹھ رہے تھے اور وہ دھاڑتا ہوا ادھر سے ادھر بھاگ رہا تھا کسی انسان کو مشعل کی طرح جلتا اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور دوسرے لمحے اس کا کیمرہ حرکت میں آ گیا۔ ابتداء میں تو لوگوں کی کچھ سمجھ میں نہ آیا اور وہ اس مشعل کو حیرت سے دیکھتے رہے' لیکن پھر چند قلی اور ٹیکسی ڈرائیور قسم کے لوگ اس پر پل پڑے اور انہوں نے اس کے بدن کی آگ خود سمیٹ لی۔ انہوں نے اس سے لپٹ لپٹ کر اس کے جسم کی آگ کو بجھایا تھا۔ سلگنے والے کی چیخیں مدھم ہونے لگی تھیں اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ پولیس نے فوراً اسے اپنی تحویل میں لے کر اسپتال پہنچا دیا۔ انسپکٹر گل شاہ بھی ساتھ تھا تھوڑی دیر تک ہنگامہ رہا اس کے بعد سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ گل شاہ جا چکا تھا اور وہ اس کے لئے رکی ہوئی

تھی لیکن یہ رکنا اس کے لئے کار آمد رہا تھا اس کے کیمرے میں انتہائی قیمتی تصویریں محفوظ تھیں اور اب اس کا فوری گھر واپس جانا بھی ممکن نہ تھا اس اہم خبر کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے پبلک کال بوتھ میں داخل ہو کر اپنے گھر فون کیا جو اس کی بھابھی نے اٹھایا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ وہ دیر سے واپس آئے گی ممکن ہے بارہ ایک بج جائے' کوئی پریشان نہ ہو۔ اس کے بعد اس نے شہباز کے دفتر فون کیا تھا۔

"ایک گرما گرم خبر مع تصاویر کے موجود ہے جگہ رکھی جائے۔"

"فرنٹ پیج پر۔"

"یقیناً۔" اس نے کہا۔

"کب تک پہنچاؤ گی۔"

"کم از کم بارہ بج جائیں گے۔" فون بند کر کے وہ باہر نکل آئی۔ اس کے بعد ٹیکسی کے سلسلے میں کافی وقت لگ گیا تھا ڈرائیور کو منہ مانگی رقم دے کر وہ اسپتال پہنچی تو یہاں ایک اور ہنگامہ منتظر تھا گل شاہ منہ لٹکائے کھڑا ہوا تھا اور پریشان نظر آ رہا تھا وہ اس کے سامنے پہنچ گئی۔

"کیا ہوا گل شاہ۔"

"اوہ آنٹی تم۔ اوہ تم اس وقت وہاں موجود تھیں نا جب...... کیا تمہیں اس مسافر کے بارے میں معلوم ہے اس کے لباس میں اچانک آگ بھڑک اٹھی تھی۔"

"ہاں۔ اس کی تصاویر بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔"

"کوئی اور کلیو تو نہیں ہے۔" گل شاہ نے بے خبری سے پوچھا۔

"نہیں سمجھی۔ کیسا کلیو۔"

"میرا مطلب ہے کوئی ایسی شخصیت تو نگاہ میں نہیں آئی تھی جو اس واقعہ کی ذمہ دار ہو۔ تم لوگوں کی آنکھیں اسپیشل ہوتی ہیں نا آنٹی۔"

"اوہ نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے اس شخص کا کیا حال ہے؟"

"مر گیا۔" گل شاہ نے کہا۔

"افسوس۔ آگ اس کے پورے بدن میں لگی ہوئی تھی۔"

"دکھ تو یہی ہے وہ آگ سے جل کر نہیں بلکہ گولی سے مرا ہے۔"

"کیا۔" وہ اچھل پڑی۔

"ہاں ہم اسے اسپتال میں گاڑی سے اتار رہے تھے کہ کسی سمت سے ایک گولی چلی اور اس کی کنپٹی میں داخل ہو کر بھیجا پھاڑتی نکل گئی۔"

"اوہ مائی گاڈ۔ یہاں اسپتال میں۔"
"ہاں آنٹی۔ یہیں اسپتال میں۔" آگ نے اس کے بدن کے کچھ حصے ضرور جلائے تھے مگر وہ بچ سکتا تھا۔ گولی سائلنسر لگی رائفل سے چلائی گئی اور قاتل کوئی بہترین نشانہ باز تھا۔ اس نے اپنا صحیح نشانہ لے لیا اور کسی دوسرے کو اس کی گولی سے نقصان نہیں پہنچا۔ حالانکہ بڑی مشکل ڈائریکشن تھی اور پولیس کے جوان بھی اس کی زد میں آسکتے تھے مگر جوان نے کمال کا نشانہ دکھایا۔"

وہ حیران نگاہوں سے گل شاہ کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے قاتل اسے ہر قیمت پر قتل کرنا چاہتا تھا اس نے کسی طرح اس کے لباس میں آگ لگا کر اسے ہلاک کرنا چاہا آگ کارگر نہ ہوئی تو اس نے ایئرپورٹ سے پولیس گاڑی کا تعاقب کیا اور یہاں آکر پھرتی سے اپنا کام مکمل کرلیا۔"

"ہاں یہ ہوسکتا ہے۔" گل شاہ نے کہا۔

"مگر گل شاہ' کیا یہ عجیب بات نہیں ہے اگر قاتل ایسی رائفل استعمال کرسکتا تھا تو اس نے اپنے شکار کو آگ سے جلا کر مارنے کی کوشش کیوں کی قتل ہی کرنا تھا تو ایئرپورٹ پر بھی وہ رائفل استعمال کرسکتا تھا۔" گل شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"تم سے دوستی بلاوجہ تو نہیں کی ہے آنٹی۔ خوب دماغ چلتا ہے تمہارا۔ واقعی اہم نکتہ ہے میں نے اس پر نہیں سوچا تھا ویسے میرا خیال ہے کہ کچھ دوسرے لوگ بھی ساتھ ہوسکتے ہیں ایئرپورٹ پر کام نہ بنا تو انہوں نے اسپتال میں کام کرلیا۔ مگر تمہارا یہ نکتہ قابل غور ہے۔"

"کچھ پتہ چل سکا اس کے بارے میں؟"

"ابھی کہاں۔ ویسے یورپ کا باشندہ ہے یہ صرف چہرے سے پتہ چلا ہے سامان ہمارے قبضے میں ہے یہاں سے فراغت پاکر سب کچھ معلوم کیا جائے گا کل مقامی تھانے آجاؤ تفصیل بتادوں گا تمہارا، آج کی خبر تو بن ہی گئی۔"

"ہاں بن تو گئی مگر صبح اخبار اسے کہاں چھوڑیں گے۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"چھوڑ دیں گے آنٹی۔ بھتیجا کس کام آئے گا اور پھر شام کے اخبار کونسے شام کو آتے ہیں گھنٹے دو گھنٹے کا فرق ہوتا ہے۔"

"کل کس وقت آجاؤں؟"

"بارہ بجے کے بعد کسی بھی وقت۔"

"خدا حافظ۔" اس نے کہا اور اسپتال سے واپس چل پڑی اس کے بعد دفتر کا رخ کیا

تھا۔ دفتر میں کافی وقت صرف ہوگیا خبر بنائی' فلم ڈیولپ کرا کے تصویریں بنوائیں چونکہ دوسری خبر بھی بنانی تھیں اور اپنا منفرد رنگ بھی برقرار رکھنا تھا اس لئے مزید دیر لگ گئی۔ رات ایک بجے گھر واپسی ہوئی تھی۔

"دوسرے دن وہ ٹھیک بارہ بجے ایئرپورٹ پولیس اسٹیشن پہنچ گئی انسپکٹر گل شاہ موجود تھا۔ "تمہارا انتظار کر رہا تھا آگئی۔ تم سے پہلے تمہارے اخبار سے ملاقات ہوگئی اچھی خبر بنائی ہے۔"

"پسند آئی بھتیجے۔"

"کیوں نہیں آخر آنٹی کس کی ہو۔ ویسے اس بات سے خوش نہیں ہوئیں کہ دوسرے اخباروں میں کچھ نہیں ہے۔"

"ہاں گل شاہ تمہارا شکریہ۔ مزید تفصیلات معلوم ہوئیں۔"

"ہاں کسی حد تک۔ نام گیری کوپ ہے۔ ہانگ کانگ سے آیا تھا پاسپورٹ وہیں کا ہے اس کا مطلب ہے وہاں کا شہری ہے بریف کیس کے ہینڈل سے چھ ہیرے برآمد ہوئے ہیں۔"

"ہیرے۔"

"ہاں اسمگلر تھا۔ ہیرے کافی قیمتی ہیں۔ کیس دوسرا بن گیا۔ انٹرپول نے کام شروع کردیا ہے۔" گل شاہ نے بتایا۔

"گویا تمہاری جان چھوٹ گئی؟"

"کہاں آنٹی۔ اپنے علاقہ کا کیس ہے جان کہاں چھوٹے گی ویسے ایک گتھی الجھی ہوئی ہے۔"

"کیا؟"

"لو چاچی جی اخبار میں مت لکھ دینا کہیں مصیبت بن جائے گی۔ میں خود بھی رپورٹ میں گول کر گیا ہوں کوئی بات سمجھ ہی میں نہ آئے تو اس کا تذکرہ کن الفاظ میں کیا جائے مگر تمہارا بھیجا ان کاموں میں خوب چلتا ہے اس لئے تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اطمینان رکھو گل شاہ' تم نے یہ بات بتادی اچھا کیا اخبار میں نہیں آئے گی کوئی خاص بات تھی کیا۔"

"خاص بھی ہوسکتی ہے اگر سمجھ میں آجائے۔"

"کچھ بتاؤ تو۔"

"جس وقت ہم نے اسے ایئرپورٹ سے گاڑی میں ڈالا وہ ہوش میں آگیا تھا۔ میں

پیچھے ہی اس کے پاس موجود تھا اس کی جھپکتی ہوئی پلکیں میں نے دیکھ لی تھیں۔ تب میں نے اس سے سوالات کیے وہ زیادہ تو نہ بول سکا مگر اس نے دو تین بار۔ ڈی۔ جی۔ سکس۔ سکس۔ زیرو کہا۔ اب یہ ڈی جی سکس سکس زیرو کیا ہے یہ اللہ جانے۔ اس سے آگے بھی وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبان لڑکھڑا گئی۔"

"ڈی جی سکس سکس زیرو۔" وہ پرخیال انداز میں بولی۔

"خیال رکھنا چکر لمبا ہو جائے گا۔ کہو تو تمہیں رپورٹیں دیتا رہوں دراصل وہ لال املی والا کیس مجھے یاد ہے جس میں تم نے جاسوسی کی تھی اور ہم نے ان کا کاجی کو پکڑ لیا تھا۔" گل شاہ نے کہا۔

"تمہیں ابھی تک یاد ہے گل شاہ۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"کیوں نہیں آنٹی۔ ایک پھول بڑھا تھا ہماری وردی پر۔ اسے یاد نہ رکھیں گے ویسے آنٹی آج بھی کہتا ہوں کہ چھوڑو اخبار کا چکر پولیس میں آجاؤ بڑی ترقی کرو گی۔"

"کیا کرنا ہے گل شاہ بس جو کر رہی ہوں کافی ہے۔"

"تمہاری مرضی۔ ہمارا تو فائدہ ہی ہے ورنہ کیا خبر تمہیں سلوٹ ہی مارنا پڑ جاتا اب چچی بھتیجے کا رشتہ تو چل رہا ہے کی پیو گی؟"

"نہیں شکریہ گل شاہ اب چلوں گی ایک ٹیکسی منگوا دو دفتر کے لئے۔" اس نے کہا اور گل شاہ نے گھنٹی بجا دی۔

یہ سارے واقعات شہلا کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے اس قسم کے کیس ہوتے رہتے ہیں دوسرے دن کے اخبار میں ایئرپورٹ پر ہونے والے سنسنی خیز واقعہ کے شکار کو اسپتال میں گولی مار دی گئی کی خبر بھی شائع ہو گئی قیاس آرائیاں ہوئیں اور بات ختم ہو گئی۔ تیسرے دن کے اخبار میں کوئی تذکرہ بھی نہیں تھا اور بات خود شہلا کے ذہن سے بھی نکل گئی دوسرے بہت سے مسائل تھے اخبار تھا رسائل تھے۔ لیکن تقریباً دو ہفتے کے بعد ایک دن اس وقت جب وہ اپنے دفتر میں تازہ اخبار کا جائزہ لے رہی تھی کہ اس کی نگاہ ایک چھوٹے سے اشتہار پر پڑی ایسے اشتہار شام کے اخبارات میں خصوصی طور پر شائع ہوتے ہیں۔ لکھا تھا۔

"تین کمروں کے فرنیچر برائے فروخت۔"

"دو بیڈ روم سیٹ ایک ڈرائنگ روم سیٹ" "فروخت کے لئے حاضر ہے بالکل نئی کنڈیشن فوری رجوع کیجئے۔"

"ڈی۔ جی۔ 660 انگلن روڈ۔"

اس کے ذہن پر بچھو نے ڈنک مارا تھا۔ ڈی جی سکس سکس زیرو۔ ڈی جی سکس سکس زیرو۔ انگلن روڈ۔ کوٹھی نمبر چھ سو ساٹھ۔ انگلن روڈ' دانش گردیزی..... دانش گردیزی۔ اس کی آنکھوں میں سبز رنگ گردش کرنے لگا۔ ایئرپورٹ کا واقعہ۔ مرنے والے کا نام گیری کوپ تھا۔ پیرس کا اسمگلر اور دانش گردیزی۔ وہ پر اسرار شخص جس کی کوٹھی میں خود کار دروازے لگے ہوئے تھے اور جو لاانتہا مغرور اور بداخلاق تھا۔

یہ انکشاف برداشت نہیں ہو رہا تھا سر بری طرح چکرانے لگا حلق خشک ہو رہا تھا۔ چپڑاسی سے پانی منگایا اور پھر کرسی سے ٹک کر دیر تک سوچتی رہی کچھ بھی ہو یہ بات ذہن میں آئی ہے تو۔ تو کچھ ہونا چاہئے اور کچھ نہ سہی اخبار کے لئے کچھ مل جائے گا۔ خطرات بھی پیش آسکتے ہیں لیکن برداشت بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ذرا غور کرنے کے بعد اس نے ٹیلی فون انڈیکس اٹھائی اس میں ایئرپورٹ پولیس اسٹیشن کا نمبر دیکھا اور پھر فون اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف ریسیور اٹھا لیا گیا تھا۔

"ہاں جی بولو۔" ایک کرخت آواز ابھری۔

"گل شاہ صاحب ہیں۔"

"او کام بتاؤ بی بی جی۔ کیا کام ہے۔" اکھڑ لہجہ سنائی دیا۔

"گل شاہ سے بات کراؤ۔ میں اخباری رپورٹر بول رہی ہوں۔" شہلا نے کہا۔

"او ایک تو تم لوگوں نے ناک میں دم کر لیا ہے شاہ صاحب کا دوسرا فون لگ گیا ہے تمہارے کو معلوم نہیں او بی بی ان کے فون کا نمبر ڈائل کرو ہمیں کیوں پریشان کرتی ہو۔"

"نمبر بتاؤ ان کا۔" شہلا نے کہا۔

"او یہ کام بھی ہمیں ہی کرنا پڑے گا تین انچ لمبی آٹھ انچ موٹی ڈائریکٹری چھاپا ہے ٹیلیفون کا محکمہ اور تم نمبر ہم سے معلوم کرتی ہو او جان چھوڑو بی بی نمبر نوٹ کرو۔" ایک نمبر بتا کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا گیا اور وہ ریسیور کان سے ہٹا کر اسے گھورنے لگی۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بتایا ہوا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ہیلو۔" ادھر سے گل شاہ کی آواز سنائی دی۔

"شہلا بول رہی ہوں۔"

"اوہو آنٹی جی۔ کیسے مزاج ہیں۔"

"ٹھیک ہوں گل شاہ ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کہاں سے بول رہی ہو۔"

"دفتر سے۔"

"دس منٹ کے بعد یہاں سے اٹھنے والا ہوں آدھے گھنٹے کا ایک کام ہے' ہوئے چالیس منٹ وہاں تک پہنچنے میں بھی بیس منٹ لگ جائیں گے حساب پورے پونے دو گھنٹے کا اور پھر تمہیں بھی آنے جانے میں وقت لگے گا ٹیکسی کا بل بھی ٹھیک ٹھاک بن جائے گا تم فون نہ کرو کہ ایک گھنٹے کے بعد اپنے آفس کے سامنے رینبو کافی ہاؤس میں مل جاؤ کولڈ کافی پلا دیں ٹیکسی کے بل سے کم ہی رقم خرچ ہو گی کیا خیال ہے۔"

"آ جاؤ"..... اس نے کہا اور فون بند کر دیا اس کے بعد اس کے ذہن میں پھر وہی خیال چکراتا رہا دانش، گردیزی' کیا اس کا تعلق سمگلروں کے کسی گروہ سے ہے کیا ایئرپورٹ پر اس غیر ملکی کو اسی نے قتل کیا تھا کیا وہ قاتل ہو سکتا ہے۔ اس کی متضاد پرسنالٹی' سخت چہرہ' نرم آنکھیں اور نرم آواز' مگر اخلاق سے عاری' لیکن ضروری تو نہیں کہ اس قتل سے بھی اس کا تعلق ہو۔ ہو سکتا ہے مقتول گیری کوپ کچھ اور کہنا چاہتا ہو۔ بہرحال گل شاہ سے صاف کہہ دے گی کہ وہ صرف دوستی نبھا رہی ہے۔ اگر کوئی ایسا معاملہ نکل ہی آئے تو وہ اپنے طور پر کام کرلے۔ وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی ایک قاتل دوسرا قتل بھی کر سکتا ہے۔

ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد وہ پرس سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ رینبو کافی ہاؤس سڑک کے دوسری طرف تھا۔ ویسے بھی دفتر میں وہ اس سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔ چند لمحات کے بعد وہ کافی ہاؤس میں داخل ہو گئی اور اپنی پسندیدہ میز منتخب کر کے بیٹھ گئی ابھی دو منٹ پورے نہ ہوئے تھے کہ دروازے کے باہر پولیس جیپ نظر آئی۔ گل شاہ اس سے اتر کر اندر آ گیا تھا۔

"ہیلو آنٹی۔" اس نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہیلو بھتیجے کیسے ہو۔"

"جیسے دوسرے پولیس والے ہوتے ہیں۔"

"خوب ہوتے ہیں کافی منگوا لوں۔"

"نیکی کا کام ہے جلدی کرو۔" گل شاہ بولا اور اس نے ویٹر کو اشارہ کر دیا۔ ویٹر نے کافی لانے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی کیونکہ پولیس آرڈر تھا۔

"ہاں آنٹی بھتیجا کیسے یاد آ گیا۔"

"وہ گیری کوپ والا معاملہ کچھ آگے بڑھا.....؟"

"سر پٹ دوڑ رہا ہے مگر کوئی پائیدار کام نہیں ہوا ابھی تک۔" گل شاہ نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں بتاؤ گے گل شاہ؟"

"ابھی کوئی اخباری خبر نہیں ہے ورنہ تمہارے علاوہ کے بتاتا ویسے تفتیش آگے بڑھی ہے ہانگ کانگ سے انٹرپول والوں نے بڑی تفصیل بھیجی ہے۔"

"بتاؤ!" اس نے کہا اور گل شاہ اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"لگتا ہے آنٹی تمہارے ہاتھ کچھ لگا ہے ورنہ فون نہ کرتیں کوئی بات ضرور ہے۔"

"کسی حد تک۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ضرور کوئی خاص بات ہو گی' خیر معلوم ہو جائے گی پہلے رپورٹ سن لو' گیری کوپ مشکوک تو تھا کیونکہ اس کے پاس سے ہیرے برآمد ہوئے ہیں اب اس کی تصدیق ہو گئی۔ وہ یورپ کے کسی ملک کا باشندہ ہے مگر لمبے عرصہ سے ہانگ کانگ میں رہتا ہے اور وہیں کا شہری ہے اس نے ہانگ کانگ میں ہی شادی کر لی اور وہاں الیکٹرک گڈس کا ایک اسٹور چلاتا تھا لیکن وہ یورپ اور مشرق وسطیٰ کے دورے کرتا رہتا تھا۔ اس کی بیوی کا بیان ہے کہ اس کے یہاں آنے سے پہلے اسے یہاں سے بلایا گیا تھا اور کسی نے اس کے لئے کوئی پیغام بھیجا تھا جس پر اس کی بیوی نے بتایا کہ اس نے بیوی سے اس پیغام کا تذکرہ کیا تھا۔ پھر وہ یہاں آ گیا مالی طور پر مضبوط آدمی ہے انٹرپول والوں کے اس انکشاف سے کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوئی تھی لیکن ایک تصویر نے حالات کچھ بدل دیئے ہیں۔"

"تصویر؟" شہلا نے پوچھا۔

"ہاں گیری کوپ کے البم سے اس کی چند تصویریں حاصل کی گئیں جن میں ایک گروپ فوٹو بھی ہے۔"

"وہ گروپ فوٹو کسی اہمیت کا حامل ہے۔"

"ہاں آنٹی اسی نے کیس لمبا کر دیا ہے۔"

"کیا؟" وہ دلچسپی سے بولی۔

"یہ گروپ فوٹو پانچ آدمیوں پر مشتمل ہے اور ان میں سے دو چہرے انٹرپول کے ریکارڈ میں موجود تھے۔"

"کس حیثیت سے؟"

"اسمگلروں کے ایک گروپ کی حیثیت سے اور یہ گروپ "ڈائمنڈ لائنز" کہلاتا تھا گروپ کے دو افراد شناخت کر لئے گئے ان میں ایک لائڈنس تھا' آئرلینڈ کا باشندہ دوسرا ہندوستان کا جگن ناتھ ترپاٹھی تھا۔ انٹرپول کو ان دونوں کی تلاش تھی کئی ملکوں میں اسمگلروں کی حیثیت سے ان کا ریکارڈ موجود ہے مگر آنٹی ان کا جو لیڈر ہے وہ بڑا سسپنس فل ہے۔"

"کیا؟"

"جگن ناتھ ترپاٹھی پارلیمنٹ کے الیکشن میں کھڑا ہوا تھا' الیکشن سے تین دن پہلے اسے ہلاک کر دیا گیا۔"

"اوہ" شہلا ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"جانتی ہو اس کی ہلاکت کیسے ہوئی' جل کر مرا تھا وہ اسے اس کی رہائش گاہ کے ایک کمرے میں پٹرول چھڑک کر زندہ جلا دیا گیا تھا۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" کیا اس کے قاتل پکڑے گئے۔"

"یہ نہیں معلوم مگر ابھی تو اور سنو' بے چارہ لائڈنس بھی ہلاک ہو گیا اور کیسے ہلاک ہوا سنو گی تو خوش ہو جاؤ گی وہ لندن کی ایک سڑک پر اپنی کار میں سفر کر رہا تھا کہ کسی بیوی گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور کار میں آگ لگ گئی اس کی لاش اکڑے ہوئے کوئلے کی شکل میں نکالی گئی تھی اور کار کے دروازے جام تھے۔ لندن پولیس کا خیال تھا کہ یہ حادثہ نہیں قتل تھا جسے حادثے میں بدلنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن قاتل یا قاتلوں کا کبھی پتہ نہ چل سکا۔ اور تصویر کے تیسرے آدمی کو بھی ایئرپورٹ پر پراسرار طریقے سے زندہ جلانے کی کوشش کی گئی تھی ایسا کیوں ہوا۔ تم نے کہا تھا کہ اگر قاتل گولی چلا سکتا تھا تو اس نے یہ کام کیوں کیا۔"

شہلا پرخیال نگاہوں سے گل شاہ کو دیکھتی رہی گل شاہ نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ڈی جی ڈبل سکس زیرو کا معمہ ابھی تک میرے دماغ میں اٹکا ہوا ہے یہ معمہ بھی حل ہو جائے تو شاید بات کچھ آگے بڑھے۔ یہ وہ گروپ تصویر ہے جو انٹرپول کی دلچسپی کا باعث بنی ہے۔"

گل شاہ نے پانچ آدمیوں کا گروپ فوٹو شہلا کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور شہلا دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی سب ہی شاندار شخصیتوں کے مالک تھے وہ انہیں غور سے دیکھتی رہی گل شاہ نے بتایا۔

"یہ لائڈنس ہے یہ جگن ناتھ ترپاٹھی اور یہ گیری کوپ جس کے گرد لال دائرہ بنا ہوا ہے باقی دونوں نامعلوم شخصیتوں کے مالک ہیں۔"

اچانک شہلا کے چہرے پر خون سمٹ آیا تصویر کا چوتھا چہرہ اس کیفیت کا باعث بنا تھا اسے ہلکا سا چکر آ گیا اور اس کے ہونٹوں سے آہستہ سے نکلا.....اوہ مائی گاڈ..... اوہ مائی گاڈ... یہ چہرہ۔"

گل شاہ کی نظریں تصویر پر جمی ہوئی تھیں اس لئے وہ شہلا کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا لیکن اس کے منہ سے حیرت بھرے الفاظ سن کر وہ چونک پڑا۔

"کیا ہوا آنٹی خیر ہے؟" شہلا نے گل شاہ کی بات کا جواب نہ دیا تصویر میں نظر آنے والے اس چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی جس نے اسے حیران کیا تھا اس چہرے پر ہلکی ڈاڑھی تھی لیکن یہ ڈاڑھی خد و خال تبدیل نہیں کر پائی تھی اور ان نقوش میں دانش گردیزی عیاں تھا۔ خاص طور سے آنکھیں جو دنیا کی سب سے مستحکم شناخت ہوتی ہیں۔ کھردرا سخت گیر چہرہ لیکن نرم آنکھیں ایک ایسی شخصیت کی مظہر جو اپنی ذات میں نہایت پراعتماد ہوتی ہے۔ اندرونی واردات اسے مضطرب نہیں کرتی اور وہ بڑے سے بڑا کام سکون سے کر گزرتا ہے۔

"او چاچی جی کدھر کھو گئیں۔" گل شاہ نے کہا اور وہ گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگی۔ آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی صحیح شناخت کی ہے لیکن ذہن کچھ وسوسوں کا شکار ہو گیا تھا۔ کہیں یہ احساس کا قصور نہ ہو' ایک ایسی شخصیت جسے دماغ نے خوشگوار انداز میں قبول نہیں کیا اور ہر برائی اس سے منسوب کرنے پر تل گیا۔ اس وقت بھی ایسا نہ ہو رہا ہو۔

"کمال ہے آنٹی' کچھ بولو بھی۔" گل شاہ نے کہا اور وہ مسکرا دی۔

"گل شاہ میں کچھ سوچ رہی تھی۔"

"ہوٹلوں میں بیٹھ کر سلوموشن میں نہیں سوچا جاتا آنٹی۔ یہ تصویر دیکھ کر تم نے کچھ انگلش بولی تھی۔ انگریزی میں خدا کو یاد کیا تھا۔" گل شاہ نے کہا۔

"میں سوچ رہی تھی گل شاہ کہ بعض اوقات ذہن غلطیاں کر جاتا ہے کوئی غلطی کسی کو نقصان نہ پہنچا دے۔"

"یہ افکار زریں ہے یا اقوال نقرئی۔ اردو میں کیا کہیں گے انہیں۔" گل شاہ نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"چڑ رہے ہو بھتیجے۔" وہ سنبھل گئی۔

"چڑنے کی بات ہے بی بی افسر اعلیٰ کو بھی اس طرح رپورٹ نہیں دی جاتی جس طرح

تمہیں پیش کر رہا ہوں اور تم ہو کہ شرلاک ہومز کی اداکاری کر رہی ہو۔"

شملا ہنس پڑی۔ پھر اس نے کہا۔ "جان سے زیادہ پیارے بھتیجے صرف اس احساس کا شکار ہوں کہ میری غلط فہمی کسی کی گردن نہ پھنسا دے۔ اس تصویر میں ایک چہرہ میرا شناسا ہے اور اتفاق سے اسی چہرے کے بارے میں کچھ بتانے کے لئے میں نے تم سے ملاقات کی خواہش کی تھی۔"

گل شاہ نے تصویر شملا کے ہاتھ سے لے لی اور پھر اسے غور سے دیکھنے لگا پھر وہ بڑبڑانے لگا۔ "یہ تو ہوا جگن ناتھ ترپاٹھی' یہ لائڈسن اور یہ گیری کوپ' باقی بچے یہ دونوں کونسا چہرہ تمہارا شناسا ہے؟"

"ایک مختصر سا واقعہ سناؤں گی گل شاہ' ایک دن میں ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے کچھ خریداری کر رہی تھی ایک آدمی میری نگاہوں کا مرکز بن گیا۔ ایسا چہرہ تھا جو متوجہ کرتا تھا پھر ایک اتفاق ہوا' وہ غلطی سے میرے سامان کا بنڈل لے گیا۔ اسی وقت احساس ہو گیا تھا لیکن وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ بعد میں رجسٹریشن آفس سے اس کا پتہ معلوم کیا اور بنڈل واپس کرنے پہنچ گئی وہاں کچھ پراسرار سے واقعات پیش آئے لیکن وہ شخص بہت بداخلاق تھا اور میرے دل میں اس کے لئے کچھ برے تاثرات پیدا ہو گئے۔ بات ختم ہو گئی تھی مگر تم نے ڈی جی سکس سکس زیرو کا تذکرہ کر دیا۔ اس پر بھی کوئی خاص تصور میرے ذہن میں نہیں ابھرا تھا مگر اخبار کے ایک اشتہار نے مجھے چونکا دیا۔"

"اللہ بڑا بادشاہ ہے۔" شملا رکی تو گل شاہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"سنتے رہو۔ اخبار میں یہ اشتہار دیکھو۔" شملا اخبار ساتھ لائی تھی۔ گل شاہ اس پر جھک گیا پھر اس نے بلند آواز میں کہا۔

"ہوئے ہوئے ہوئے۔ رمضان میاں جہاں کہیں موجود ہو آ جاؤ تمہاری منگنی تمہاری پسند کی جگہ طے کر دی گئی ہے۔ تمہارے واپس آتے ہی تاریخ طے کر دی جائے گی۔ المشتہر حاجی بقر عید کلکتے والا۔ چیچو کی ملیا۔ محلہ کھاد پورہ بمبئی واہ خوب اشتہار ہے۔ اب کیا کروں؟" گل شاہ نے کہا۔

"اب اس کے برابر والا اشتہار پڑھ لو۔" شملا نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"ایں' برابر والا۔ ہاں تین کمروں کا فرنیچر برائے فروخت دو بیڈ روم سیٹ ایک ڈرائنگ روم سیٹ فروخت کے لئے حاضر ہے بالکل نئی کنڈیشن فوری رجوع کیجئے۔" چلو رجوع کرو بھئی پتہ ہے۔ ڈی جی چھ سو ساٹھ۔ الگن۔ ایں؟" گل شاہ اچھل پڑا۔ "ڈی جی چھ سو ساٹھ۔ سکس سکس زیرو۔ او مائی گاڈ!" گل شاہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"انگریزی میں خدا یاد آ رہا ہے۔" شملا مسکرائی۔

"ڈی جی سکس سکس زیرو؟" گل شاہ نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ایک ایسا شخص جو ایک پراسرار گھر کا مالک ہے۔" شملا بولی۔

"یعنی جو سو گیا وہ مر گیا۔ یعنی فریڈی کروگر۔ آف نائٹ میر الیہ سٹریٹ۔" گل شاہ نے کہا۔

"کچھ کچھ" شملا نے ہنس کر کہا۔

"تفصیل آنٹی۔ تفصیل' تم نے یخنی کھلا دی۔"

"الگن روڈ کی ایک خوبصورت عمارت' جس کے دروازے خودکار ہیں اور ان بڑی عمارت میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک نرم گفتار اور خشک آدمی ہے جو کسی احسان کرنے والے کو صرف شکریہ ادا کر کے ٹال دیتا ہے اور دروازے تک چھوڑنے بھی نہیں آتا۔"

"چائے کے لئے بھی نہیں پوچھتا۔"

"چائے تو دور کی چیز ہے۔"

"ہوئے ہوئے ایک صحافی کے لئے اس سے بڑی الیہ اسٹریٹ اور کونسی ہو سکتی ہے مگر آنٹی تصویر کا کیا چکر ہے؟"

"اگر میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی ہیں گل شاہ تو اس تصویر کے خد و خال اس سے ملتے ہیں اگر یہ داڑھی صاف کر دی جائے تو ممکن ہے وہی چہرہ نکل آئے جو میں نے دیکھا ہے۔"

گل شاہ غور سے تصویر دیکھنے لگا۔ اس کی آواز بند ہو گئی تھی اور وہ تصویر دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر اس نے پرخیال انداز میں کہا۔

"کوئی ایک چیز اگر یکساں ہو جائے تو ہم اسے اتفاق قرار دے سکتے ہیں۔ آنٹی مگر دو دو باتیں۔ ڈی جی سکس سکس زیرو اور تصویر لمبا کھیل ہے مگر ڈی جی سے کیا بنتا ہے؟"

"دانش گردیزی۔"

"یہ اس کا نام ہے؟"

"ہاں!"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"رجسٹریشن آفس سے اس کا نام اور پتہ معلوم کیا تھا پھر اس نے اپنا تعارف بھی اسی نام سے کرایا تھا۔"

بڑا کام کیا ہے آنٹی۔ حالانکہ میرے خیال میں اس تصویر والے کا چہرہ یورپین نقوش رکھتا ہے کیس کیس آنٹی کھیل بڑا سنسنی خیز ہو گیا۔ گیری کوپ ہانگ کانگ سے بلایا گیا وہ دو ایسے آدمیوں کے ساتھ اس تصویر میں ہے جو انٹرپول کے ریکارڈ میں اسمگلروں کی پشت سے موجود ہیں۔ ڈائمنڈ لائنز صرف دو افراد پر مشتمل نہ ہو گا اور پھر گیری کوپ کے پاس سے ہیرے برآمد ہوتے ہیں۔ اور یہ اتنا بڑا کیس بے چارے گل شاہ کے متھے لگ گیا ہے۔"

"گھبرا رہے ہو گل شاہ؟"

"نہیں آنٹی تمہارے بھتیجے ہیں آخر ایسے ویسے تو نہ ہوں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے ریڈ کر دیں؟"

"ایسے ہی ریڈ کر دو گے؟" شہلا بولی۔

"مشکل تو نہیں ہے آنٹی۔ ہم پولیس والے ہیں جس پر دل چاہے ریڈ کر دیں بعد میں زبان کھلوائیں گے بائیں ہاتھ کا کام ہے تمہیں پتہ نہیں ہم نے فرعون کی ممی سے اس کی اصل عمر پوچھ کر بتا دی تھی۔"

"خدا تمہیں سمجھے گل شاہ، کمال کرتے ہو، مگر اب سنجیدگی سے بتاؤ کیا کرو گے؟"

"سنجیدگی ہی سے سوچ رہے ہیں آنٹی کہ کیا کریں۔ تم مدد کرو گی اس کیس میں ہماری۔"

"میرے لائق جو کام ہو ضرور بتا دو۔" شہلا نے کہا۔

گل شاہ گردن جھکا کر کچھ دیر سوچتا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"آنٹی معاملہ گمبھیر ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے دونوں انکشافات سنسنی خیز ہیں اور ہمیں ان پر بہت کام کرنا پڑے گا۔ میں اس شخص کے بارے میں تحقیقات کراتا ہوں وہ کتنے عرصے سے یہاں رہتا ہے کیا کاروبار کرتا ہے۔ کس کس سے اس کا رابطہ ہے۔ سوچنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ یہی شکر ہے کہ انٹرپول اس کیس میں ملوث ہو گئی ہے اور ساری ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ اسمگلر نہ ہوتا اور اتنے بڑے گروہ سے اس کا رابطہ ظاہر نہ ہو جاتا تو مشکل آ پڑتی۔ اب یوں کروں گا آنٹی کہ انٹرپول والوں کو بھی الجھائے رکھوں گا اور خود اس طرف کام کرتا رہوں گا۔ پہلے ہمیں چند پوائنٹس پر سوچنا ہو گا۔"

"مثلاً۔۔۔؟" شہلا نے پوچھا۔

"دو باتیں ہیں۔ اول یہ کہ ڈائمنڈ لائنز گروپ میں کل کتنے افراد تھے۔ کیا مرنے والوں کے علاوہ یہ دونوں افراد بھی اسی گروہ کے رکن تھے یا یہ دونوں غیر متعلق ہیں۔ اگر پانچوں

افراد کا تعلق اسی گروپ سے ہے تو ان کی موتیں کیا نوعیت رکھتی ہیں۔ تینوں قتل ہوئے یہ قتل و غارتگری آپس کی دشمنی کی وجہ سے ہوئی یا کوئی اور گروہ ان کی تاک میں ہے۔ میرا مطلب سمجھ رہی ہو نا آنٹی فرض کرو دانش گردیزی سے گیری کوپ کا تعلق دوستانہ تھا اور مرتے ہوئے اس نے مجھے بتانا چاہا کہ اس کی موت کی اطلاع گردیزی کو دے دی جائے یا اس کے سلسلے میں دانش گردیزی سے رابطہ کیا جائے تو نوعیت بدل جاتی ہے۔ جبکہ ایسی شکل میں خود دانش گردیزی بھی خطرے میں ہے اور اس تصویر کے مطابق اگر وہ اس گروپ کا ممبر ہے تو اسے بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ نمبر دو یہ ایسی بات ہے تو پھر جگن ناتھ ترپاٹھی اور ایڈنس کا قاتل بھی وہی ہو سکتا ہے۔ گویا ہماری جنگ ایک خطرناک قاتل سے ہو گی۔ دونوں پہلو نظروں میں رکھنے ہوں گے۔"

"واقعی تمہارا خیال درست ہے۔" شہلا نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آنٹی ایک کام کرنا ہو گا تمہیں۔۔۔۔!"

"بولو۔۔۔۔!"

"میں اس کی داڑھی صاف کراتا ہوں۔" گل شاہ نے کہا۔

"کس کی۔۔۔۔!؟"

"آنٹی تمہارے اس ڈی جی سکس سکس زیرو کی۔ میرا مطلب ہے کہ اس تصویر میں سے یہ چہرہ نکلواتا ہوں اور آرٹسٹ سے اس کی ایسی تصویر بنواتا ہوں جس میں یہ چہرہ داڑھی سے پاک ہو۔ اس طرح ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ دانش جی کتنے پانی میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے گل شاہ۔"

"اٹھیں جی۔"

"ظاہر ہے" شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور گل شاہ بل کی رقم پلیٹ میں ڈال کر اٹھ گیا۔

○

اینٹیکس ٹی میں چند غیر ملکی سیاح نظر آ رہے تھے۔ بیلا ان کی رہنمائی کر رہی تھی اور انہیں ان نوادرات کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ایک سیاح لڑکی نے بیلا سے کہا۔

"ایکسکیوزمی لیڈی۔۔۔۔ کیا میں یہاں کی کچھ تصویر بنا سکتی ہوں۔۔۔۔؟"

"تصویر؟" بیلا ہچکچائی۔۔۔۔ اس سے پہلے کسی گاہک نے یہ فرمائش نہیں کی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"معافی چاہتی ہوں میڈم۔۔۔۔ اس کے لئے مینیجر صاحب سے اجازت لینا ہو گی۔۔۔۔!"

"اوہ کوئی بات نہیں..... اگر یہ ممکن نہ ہو۔" سیاح لڑکی نے کہا۔

"آپ مجھے دس سیکنڈ کی اجازت دیں' میں منیجر صاحب سے پوچھ لوں۔" بیلا نے کہا اور پھر وہ سامنے منیجر کے کاؤنٹر پر پہنچ گئی۔ فخری صاحب کسی کام میں الجھے ہوئے تھے۔

"ہاں بیلا....!" انہوں نے بیلا کو سامنے دیکھ کر کہا۔

"سر ان گاہکوں کے ساتھ جو لڑکی ہے وہ کچھ تصویریں بنانا چاہتی ہے....!" بیلا نے کہا۔

"تصویریں؟"

"جی.... میں نے اسے روک دیا ہے اور کہا ہے کہ آپ سے اجازت ضروری ہے۔"

"کیا حرج ہے بیلا' تم جانتی ہو گردیزی صاحب فراخ چشم انسان ہیں وہ کسی بات پر اعتراض کہاں کرتے ہیں۔"

"تو میں اسے اجازت دے دوں؟"

"ہاں ہاں کوئی حرج نہیں ہے۔" فخری صاحب نے کہا اور بیلا واپس چلی گئی۔ سیاح لڑکی نے بیش قیمت اشیاء کی تصویریں بنائیں اس کے ساتھیوں نے مہنگی خریداری بھی کی تھی۔ شام کے چار بجے تھے۔ فخری صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اور شیشے کی دیواروں سے بنے آفس میں داخل ہو گئے۔ جہاں مسٹر گردیزی موجود تھے۔

"سر وہ..." فخری صاحب نے کہا اور دانش گردیزی نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ گردن ہلا دی۔

"میں جانتا ہوں مسٹر فخری کہ آپ کیوں آئے ہیں اور آپ کے ہاتھوں میں کیا ہے۔"

"سر ہم آپ کی مسرتوں میں دل سے شریک ہیں۔" فخری صاحب نے ایک خوبصورت پیکٹ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی کمال کے انسان ہیں فخری - میری شادی میری پر مسرت زندگی کا سب سے بیش قیمت لمحہ ہے مگر آپ نے جس طرح میری شادی کی تاریخ ذہن نشین کر لی ہے وہ کمال کی بات ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اس تاریخ کو یاد نہ رکھا ہو اور تحفے سے لدے پھندے ٹھیک چار بجے میرے پاس نہ آئے ہوں۔"

"اس کی وجہ ہے سر....!"

"کیا وجہ ہے....؟"

"مالک اور ملازمین کے درمیان ایک رشتہ ہوتا ہے۔ بظاہر معمولی لیکن درحقیقت بہت مضبوط' بے حد پائیدار' سر ہماری خوشیاں ہماری روزی کی بقا سے ہیں اور اگر یہ خوشیاں دینے والا آپ جیسا انسان ہو جو ہمارے ہر احساس ہر ضرورت سے واقف اور ہر مشکل کا ساتھی

ہو تو سر' زندگی پر ایک اعتماد سا ہو جاتا ہے اور یہ اعتماد بخشنے والا جس قدر قابل محبت ہو سکتا ہے آپ بھی سمجھ سکتے ہیں آپ ہماری خوشیوں کے رکھوالے ہیں سر تو ہم آپ کی خوشیوں کو کیسے بھول سکتے ہیں۔"

"بے حد شکریہ فخری صاحب۔ آپ سوچتے تو ہوں گے کہ میں نے ہمیشہ آپ سے تحفہ وصول کر لیا مگر سالگرہ میں شرکت کی دعوت کبھی نہ دی۔"

"سر اس خیال میں ہم نے کمتری کا پہلو کبھی نہ محسوس کیا بلکہ یہی سوچا کہ اس کی کوئی وجہ ہو گی۔ اور ایک بار اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔"

"تصدیق...؟" دانش گردیزی نے پوچھا۔

"جی سر... ایک بار آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ اور میں تحفہ لے کر گھر پہنچ گیا تھا۔ میں نے وہاں کوئی اہتمام نہیں دیکھا تھا کوئی مہمان نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ آپ یہ سالگرہ سادگی سے مناتے ہیں۔"

"ہاں فخری صاحب۔ میرا ایک نظریہ ہے۔ یہ خوشی ہماری ذاتی خوشی ہے ہم اسے خاندان سے باہر نہیں لے جاتے نازیہ میری بیوی' حریمہ میری بیٹی' رشنا میری بیٹی اور فرخ میرا بیٹا' اور میری ماں' اس سالگرہ میں بس یہی لوگ شریک ہوتے ہیں مگر آپ نے ایک کمال کا کام کیا ہے۔"

"کیا سر....؟"

"مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ لوگ کسی کے بارے میں کس طرح اندازے قائم کرتے ہیں' اس سے پہلے میں نے یہ نہ سوچا تھا کہ میرے قریبی لوگ میرے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ خیر آپ کا بے حد شکریہ۔ وقت زیادہ نہیں ہے بازار سے ہوتا ہوا جاؤں گا۔" دانش گردیزی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"سالگرہ مبارک سر....!"

"بے حد شکریہ۔" گردیزی نے کہا۔ اور فخری صاحب کا دیا ہوا پیکٹ سنبھال کر شیشے کے گھر سے باہر نکل آیا۔ فخری صاحب اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئے تھے وہ جانتے تھے کہ انہیں پیکٹ اٹھا کر باہر کار تک لے جانے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ گردیزی کے اصول تھے۔ فخری صاحب ہی نہیں اینٹیکس سٹی کے چھ ملازم اپنے مالک کی پوجا کرتے تھے جن میں ایک چپراسی' دو لڑکیاں' دو نوجوان اور فخری صاحب شامل تھے - اینٹیکس سٹی میں ملازمت کر کے یہ لوگ زندگی کی ہر پریشانی سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ دونوں لڑکیاں دونوں نوجوان بہترین تعلیم یافتہ تھے اور انہیں ان کے معیار کے مطابق تنخواہیں ملتی تھیں۔ سال میں

تین بونس ملتے تھے یہی نہیں، کسی کے خاندان کا کوئی فرد بیمار ہوا اسے ہر طرح کی مالی امداد حاصل، گردیزی کی تمام ہمدردیاں اس کے ساتھ یہاں تک کہ گردیزی نے ان کی تیمار داری بھی کی تھی اور اسپتالوں میں ان کے ساتھ رہا تھا۔ بہترین لباس، کے لئے الگ الاؤنس، کسی کے ہاں شادی غم ہو گردیزی اس میں برابر کا شریک وہ انہیں ہر بوجھ سے آزاد کر دیتا تھا۔ ایسے مالک کی پوجا نہ کی جاتی تو کیا کیا جاتا۔

خوبصورت کار املیکس ٹی کے سامنے سے چل پڑی، دانش گردیزی کے چہرے پر مسرتوں کی چمک رقصاں تھی۔ اس کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑے ہوئے تھے ایک بازار میں کار روک کر وہ اتر گیا اور پھر اس نے خریداری شروع کر دی۔ نہ جانے کیا کیا الم غلم خرید ڈالا تھا اس نے یہ سامان کار میں منتقل کیا پھر وہ ایک سٹور میں داخل ہو گیا۔ سیلز مین نے اسے اٹینڈ کیا۔

"فرنچ مون ڈراپس" اس نے کہا۔

"سر اس وقت دستیاب نہیں ہے۔"

"اوہ... آپ کے یہاں تو ہوتا ہے۔"

"جی سر ختم ہو گیا ہے۔ ایک اور معیاری سینٹ دکھاتا ہوں آپ کو فرانسیسی۔" سیلز مین نے کہا۔

"نو مائی ڈیئر، صرف مون ڈراپس۔" اس نے کہا۔

"سر آپ صرف دیکھ لیں، اس سے عمدہ چیز ہے۔"

"کیوں میری بیوی سے میرا جھگڑا کراؤ گے بھائی، اسے صرف مون ڈراپس پسند ہے۔ کہیں اور دیکھ لیتا ہوں۔"

"آپ کو سکائی ویز میں مل جائے گا۔ میرا خیال ہے یہاں کے علاوہ اور کہیں نہ ہو گا۔"

"اسکائی ویز، ہاں وہاں ضرور ہو گا مگر وہ... خیر، شکریہ۔" وہ اسٹور سے نکل آیا۔

اسکائی ویز اسٹور اس جگہ سے دس میل دور، بندر گاہ کے علاقے میں تھا گردیزی گہری سانس لے کر کار میں آ بیٹھا اور کار سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ سڑکوں پر کافی رش تھا وہ کار ڈرائیو کرتا رہا... پھر اسکائی ویز پہنچ گیا لیکن اس کا مطلوبہ سینٹ اسے وہاں بھی نہ ملا تھا۔ دوسرے اور پھر تیسرے اسٹور میں اس نے وہ سینٹ تلاش کیا اور کافی پریشان نظر آنے لگا۔ مگر چوتھے اسٹور میں اسے یہ سینٹ مل گیا تھا۔

"یہ اتفاق سے ہر جگہ ختم ہو گیا ہے۔ میرے پاس اتفاق سے بچ گیا ہے۔" سیلز مین نے کہا۔

"اوہ میرے دوست تم نہیں جانتے تم نے میری کتنی بڑی مشکل حل کی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میری بیوی کو صرف یہ سینٹ پسند ہے۔"

وہ باہر نکلا گھڑی دیکھی اور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "کافی دیر ہو گئی۔ نازیہ بے چینی سے انتظار کر رہی ہو گی۔" اس کے بعد اس نے بہت تیز ڈرائیونگ کی تھی۔ الگن روڈ کی عمارت نمبر چھ سو ساٹھ کے سامنے پہنچا تو خود کار دروازہ مشینی عمل سے کھل گیا اور وہ کار اندر لیتا چلا گیا۔ پھول مسکرا رہے تھے اور ماحول نکھرا نکھرا نظر آ رہا تھا۔ اس نے کار پورچ میں کھڑی کی اور پھرتی سے نیچے اتر گیا کار سے سامان اتار کر اندر پہنچایا اور پھر باہر نکل آیا۔ ان کانٹس کے سفید پھول کے پاس پہنچ کر اس نے قلم تراش سے ان کی ٹہنیاں کاٹیں اور درمیان میں ایلش کا نیلا پھول لگایا۔ ٹہنیوں سے دوسرے فالتو پتے کاٹ کر اس نے ایک ربن میں یہ ٹہنیاں باندھیں اور مطمئن ہو کر سیٹی بجانے لگا۔ کوٹھی کے ماحول میں وہی خاموشی وہی سناٹا تھا۔ خود آ کر اس نے سامان کے بنڈل اٹھائے اور پھر مختلف راستوں سے گزرتا ہوا اندرونی کمرے میں آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے سامان سنبھالا اور ایک دیوار کے سوئچ بورڈ کے پاس پہنچ کر سیاہ بٹن پر انگلی رکھ دی۔ سادہ اور سفید دیوار میں سرسراہٹ ہوئی اور ایک سلائڈ اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ قد آدم دروازے سے وہ اندر داخل ہوا تو خود کار روشنیاں جل اٹھیں۔ ایک انتہائی نفیس اور بہت بڑا ہال نما کمرہ نظر آیا۔ فرش پر ایک حسین قالین بچھا ہوا تھا۔ چھت میں آرائش دنیا سجائی گئی تھیں ایک طرف دیوار کے پاس ایک عجیب سی میز نظر آ رہی تھی جس کی سطح کئی حصوں میں تھی اور اس پر ایک کمپیوٹر ٹائپ مشین نصب تھی۔ دانش گردیزی نے ساتھ لائی ہوئی اشیاء ایک سمت پڑی میز پر رکھ دیں اور پھر ان کی ترتیب کرنے لگا۔ وہ اس کام میں انتہائی انہماک کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ پھر اس نے مطمئن نگاہوں سے اپنی کارروائی کا جائزہ لیا اور پھر کلائی میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اس خفیہ تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔ اپنے بیڈ روم میں جا کر اس نے ہینگر میں لٹکا ایک خوبصورت لباس نکالا اور باتھ روم کی جانب بڑھ گیا باتھ روم سے برآمد ہوا تو وہ اس لباس میں ملبوس تھا۔ ایک بار پھر وہ اسی خفیہ ہال میں داخل ہو گیا تھا۔ ہال کا دروازہ بند ہو گیا اور وہ اس کمپیوٹر مشین کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مشین پر عمل شروع کر دیا۔ جس کا رد عمل دیواروں پر ہوا اور ایک وسیع دیوار کے لمبے لمبے تختے آہستہ روی سے میکانکی عمل کے ذریعے گھومنے لگے۔ لیکن دوسری طرف یہ تختے سپاٹ نہ تھے بلکہ ان کے دوسری طرف آبنوس کی لکڑی سے بنے ہوئے چوکور بکس تھے۔ آبنوس کے فریم میں پائیدار فرانسیسی شیشے لگے ہوئے تھے۔ جو سیدھے ہو کر کھل گئے۔ تابوت نما صندوقوں میں پانچ انسانی جسم نظر آ

رہے تھے۔ ایک جوان عورت کا جسم جس کے بدن پر خاص قسم کے کپڑے کا سفید گون تھا۔
اس کا چہرہ حسرت و یاس کی تصویر نظر آتا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور پیشانی پر کرب کی لکیریں
نمایاں۔ دوسرا جسم ایک بوڑھی عورت کا تھا۔ تیسرا ایک اٹھارہ سالہ دوشیزہ کا' چوتھا ایک چار
سالہ گڑیا جیسی شکل کی بچی کا' پانچواں ایک نو سالہ خوبصورت لڑکے کا۔ لیکن یہ سب کے
سب اسی خاص کپڑے کے سفید لبادوں میں ملبوس تھے۔

پانچوں تابوت نمایاں ہو گئے۔ انسانی چہرے تقریباً ایک ہی کیفیت کے حامل تھے۔ دانش
گردونی پر مسرت نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے بوڑھی عورت سے کہا۔

"ماں..... آج ہماری شادی کی دوسری سالگرہ ہے۔"

بوڑھی عورت نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی.....!

"تیرا کیا خیال ہے دانی مجھے یاد نہ ہو گا.....!" اس کی بوڑھی آواز ابھری۔ اس کے
چہرے پر ممتا کا نور برسنے لگا۔

"ماں کہیں بھول سکتی ہے۔" دانش نے ہنس کر کہا۔

"میری دنیا تمہی میں تو آباد ہے۔ نازیہ بیٹی سالگرہ مبارک۔"

"شکریہ امی جان۔" نوجوان عورت نے کہا۔

"ایک بڑی مشکل ہے بھائی جان۔" اچانک اٹھارہ سالہ دوشیزہ نے گردن ٹیڑھی کر کے
کہا۔

"کیا.....؟" دانش اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ کی شادی کی سالگرہ ہوتی ہے ہمیں کیا فائدہ ہوتا ہے۔"

"دیکھ لو ماں..... یہ حریم کتنی ناشکری ہے۔ ایک ایک کو تو تحفے دیتا ہوں میں کسی کو خالی
چھوڑتا ہوں۔" دانش نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"یہ روایتی بہن ہے دانی..... جن کا جی بھائیوں سے لیتے لیتے نہیں بھرتا۔ کیوں ری
چھولی..... دانش تجھے کچھ نہیں دیتا.....؟" بوڑھی عورت نے کہا۔

"آپ لوگ میری چالاکی کی داد دیں۔ اس طرح میں یہ معلوم کر لیتی ہوں کہ میرا تحفہ
کیا ہے نا....." لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جناب قبلہ والد صاحب' ہمارے لئے کیا ہے اس بار.....؟" نو سالہ لڑکے نے پوچھا۔

"حضور نے کیا فرمائش کی تھی.....؟" دانش نے پوچھا۔

"ہالینڈ کی پن چکی.....!"

"حاضر ہے جہاں پناہ۔"

"اوں ٹھیک ہے' ٹھیک ہے اب ذرا جلدی سے کیک وغیرہ کاٹ دیں ہم اپنے تحفے
وصول کرنے کے لئے بے چین ہیں۔"

"اور میری ہیلو کہنے والی گڑیا۔" چار سالہ بچی نے کہا۔

"او اوہ..... کیا ہم اپنی رشنا بیٹی کی گڑیا بھول جاتے..... بھئی نازیہ یہ کیک وغیرہ کا کام
جلدی سے کر ڈالو۔ یہ بے صبرے میرے کان کھائے جا رہے ہیں۔"

اس نے کہا اور عورت مسکرا دی۔ دانش اس کیک کی طرف بڑھ گیا جو میز پر سجا ہوا تھا
پھر اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور چھری اٹھالی محبت بھری نظروں
سے بیوی کی طرف دیکھا اور پھر کیک کاٹ دیا۔ ہال نما کمرے میں تالیوں کی گونج ابھرنے لگی۔
اور وہ پھول اٹھائے ہوئے نازیہ کے پاس آ گیا۔

"سالگرہ مبارک ناز۔" اس نے کہا اور نازیہ شرما گئی۔

"آپ کو بھی مبارک۔"

"یہ تمہارے تحفے.....!" اس نے تحائف اٹھا کر تابوت کے پاس رکھ دیئے پھر مڑا اور میز
سے دوسرا پیکٹ اٹھا لایا۔

"ماں یہ آپ کی کشمیری شال اور ہاتھی دانت کے دانوں کی تسبیح کیسی ہے.....؟"

"بہت خوبصورت۔" ماں کی آواز ابھری۔

"محترمہ حریم صاحبہ..... یہ پیکٹ آپ کا ہے۔"

"کیا ہے اس میں....."

"آپ کا جدید فیشن کا سوٹ میچنگ جیولری' شوز اور آپ کا بیگ..... اور مسٹر فرخ یہ
آپ کی ہالینڈ کی پن چکی' اور ڈارلنگ یہ تمہاری ہیلو کہنے والی گڑیا۔" اس نے سب کے تحفے
تقسیم کر دیئے۔

"فرخ اپنی پن چکی دکھاؤ.....!"

"پہلے تم اپنی گڑیا سے ہیلو کہلواؤ.....!"

"نہیں پہلے تم.....!"

"جی نہیں پہلے تم.....!"

"شور نہیں' شور نہیں بچو.....! اپنے اپنے کھلونوں سے کھیلو۔" نازیہ نے کہا۔

"ناں.....!"

"ہوں.....!"

"یہ سالگرہ ہم دونوں کی ہوتی ہے اور تحفے یہ سب مانگتے ہیں کیا گڑبڑ ہے۔" اس نے

سرگوشی سے کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سب کا حق ہے۔"

"جی ہاں۔ کچھ حقوق ہمارے بھی تو ہیں۔ کیا خیال ہے....؟" اس نے شرارت سے کہا۔

"ابھی بہری نہیں ہیں کچھ خیال کریں۔" نازیہ نے شرما کر کہا۔

"بہتر ہے آپ بھی ہمارا خیال کریں۔ اس سامان میں آپ کا موں ڈراپس بھی ہے۔"

"جی....!" نازیہ نے شرماتے ہوئے کہا۔ اور وہ مسکراتا رہا۔ دیر تک مسکراتا رہا اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک تھی اس کا مضبوط توانا چہرہ مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ ایک ایک سے گفتگو کرتا رہا بچے شور مچا رہے تھے درمیان میں حریم کی آواز بھی سنائی دے جاتی تھی پھر سب جیسے تھک گئے۔ خوب غل غپاڑہ ہو گیا تھا۔ وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ اسے کچھ کام اور کرنے تھے۔ اس نے گہری سانس لی اور سب کی طرف دیکھا۔ سب نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ خاموش ہو گئے تھے وہ۔ تب اس نے کائنٹس کے سفید پھولوں کا بکے اٹھالیا۔ دوسرا سامان اٹھایا اور واپس میز پر رکھ دیا اس کے بعد وہ دوسروں کے سامنے رکھا ہوا سامان بھی اٹھانے لگا۔ یہ سارے کام وہ تھکے تھکے انداز میں کر رہا تھا۔ ان سارے ہنگاموں سے وہ بھی تھک گیا تھا۔ ایک بار پھر وہ اسی کمپیوٹر مشین کے پاس پہنچ گیا۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے دوسرے بٹن دبائے اور ------ تابوت کے رخ بدلنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ گھومتے ہوئے اصل جگہ جا رہے تھے۔ لکڑی کے کام سے سجی ہوئی دیوار برابر ہو گئی اور ہنسنے' بولنے والے' شور مچانے والے' دعائیں دینے والے' دھیمے دھیمے مسکرانے والے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا' آنکھوں میں اداسی تیرنے لگی۔ اس نے کمپیوٹر مشین کے دو بٹن دبائے اور اس بار لکڑی کی دیوار کے دوسرے حصے میں سے ایک چوکور سا بکس باہر نکل آیا۔ سفید رنگ کے اس بکس کی لمبائی چوڑائی چار ضرب چار فٹ سے کم نہیں تھی۔ اس کی گہرائی دو فٹ کے قریب تھی اور اس کی نچلے حصے میں سلور کلر کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں سامنے کی سمت ایک پلگ ہک میں اٹکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے پلگ کو ہک سے نکالا اور اسے کھینچنے لگا۔ الیکٹرک وائر کھنچتا چلا گیا۔ اس پلگ کو اس نے دیوار میں لگے الیکٹرک ساکٹ میں لگایا اور بٹن آن کر دیا۔ چوکور بکس کی سلاخوں میں اچانک نیلاہٹ دوڑنے لگی اس سے مشین ابھرنے لگی تھی۔ سب سے پہلے اس نے کائنٹس کے پھولوں کا بکے اس میں ڈال دیا اور پھول رنگ بدلنے لگے پھر وہ دوسرے پیکٹ اس میں ڈالنے لگا۔ کشمیری شال نے ایک شعلہ اگلا اور راکھ ہو گئی' میچنگ سوٹ اور جیولری بکس نیلے شعلوں میں لپٹ کر نارنجی ہو گیا

ور اس کی راکھ بھی جل گئی۔

ہیلو کہنے والی گڑیا سب سے آخر میں نذر آتش ہوئی تھی۔ جب اس نے اسے آگ میں ڈالا تو گڑیا کے حلق سے مشینی آواز نکلی.... "ہیلو....!"

"ہیلو....!" اس کی دو انگلیاں لہرائیں اور مسکراتی گڑیا پگھل کر راکھ ہو گئی۔ سارے تحفے اس الیکٹرک بھٹی میں جل کر بھسم ہو گئے۔ یہ اس بھٹی کی خوبی تھی کہ اس میں راکھ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتی تھی اور ملبے کا وجود باقی نہ رہتا تھا۔ چند لمحات کے بعد صرف مدہم مدہم نیلی شعاعوں کے سوا کچھ نہ رہا جن سے تپش اٹھ رہی تھی۔ وہ دیر تک خاموش کھڑا نیلی روشنیوں کو دیکھتا رہا پھر تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور بھٹی کا سوئچ آف کر دیا۔ پلگ نکال کر چھوڑ دیا اور کسی اسپرنگ کی مدد سے پلگ واپس اپنی جگہ پہنچ گیا اس کے بعد کمپیوٹر مشین نے اپنا کام کیا اور بھٹی اپنی جگہ پہنچ کر گم ہو گئی۔

دانش گردیزی شرابیوں کے سے انداز میں چلتا اس خفیہ جگہ سے باہر نکل آیا۔ باہر رات گہری ہو گئی تھی وہ وہاں نہ رکا اور جھومتا ہوا باہر نکل آیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے فضا میں سرگوشی کر رہے تھے۔ کائنٹس کی زخمی شاخیں کراہ رہی تھیں۔ وہ کار کے پاس پہنچا دروازہ کھولا اور اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ دو تین منٹ بعد اس کے ہاتھ لرزتے ہوئے اگنیشن کی طرف بڑھے اور پھر اس نے سوئچ آن کر دیا۔ کار آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ پھر وہ سڑک پر دوڑنے لگی۔ باہر آنے کے بعد اس نے کار کا رخ متعین کیا اور سست روی سے دوڑانے لگا۔ اس کی آنکھوں سے گہری اداسی جھانک رہی تھی سنسان راستوں پر کار دوڑتی رہی پھر وہ ایک ویران علاقے میں نکل آیا دور دور تاریکی میں کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ پتھر کی کالی سلیں ایک دوسرے میں الجھی ہوئی تھیں۔ سنگریزوں کا نگر آباد تھا۔ اس نے کار کھنڈرات کے پاس کھڑی کر دی اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ ہر طرف گہرا سکوت' سناٹا' پتھروں کی کاٹ' ہولناک تصویریں بنا بنا کر ڈرا رہی تھی۔ خود رو جھاڑیوں میں جھینگر ٹرٹرا رہے تھے۔ تیز ہوائیں پتھروں کے سوراخوں سے داخل ہو کر عجیب عجیب آوازیں نکال رہی تھیں۔ ماحول آسیب زدہ معلوم ہوتا تھا وہ ماحول سے بے نیاز چیختے سنگریزوں سے گزرتا ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں پتھر کی ایک چوڑی سی چٹان پڑی ہوئی تھی۔

"آ گئے۔" سل سے آواز ابھری۔

"ہاں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"آج کا چوتھا اپریل ہے....!"

"ہاں....!" اس نے جواب دیا.....

"میں انتظار کر رہی تھی....!" اس نے جواب نہ دیا جوتے اتارے کوٹ اتار کر ایک طرف اچھال دیا اور پھر سل پر دراز ہو گیا۔ ٹھنڈے پتھر پر رخسار رکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں....!"

○

دفتر میں کوئی خاص کام نہیں تھا۔ ضروری کام نمٹائے جا چکے تھے۔ ہلکی سی تھکن اور دفتر کا وقت ختم ہونے میں دیر تھی۔ حالانکہ کوئی پابندی نہیں تھی دفتر سے اٹھنے کی لیکن کوئی اور مصروفیت بھی نہیں تھی اور ابھی گھر بھی نہیں جانا چاہتی تھی چنانچہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے.... پھر رگ شرارت پھڑک اٹھی اور زین یاد آیا۔ چپڑاسی کو بلوایا اور معلوم کیا کہ زین ہے یا نہیں۔

"ہے میڈم....!"

"دو کپ عمدہ سی چائے اور زین....!" اس نے کہا اور چپڑاسی چلا گیا۔ زین منہ پھلائے اندر آ گیا تھا۔

"کیا ہے؟" اس نے کہا۔

"آؤ زین بیٹھو' تمہارے ساتھ چائے پینی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"کام بتاؤ...." زین اسی انداز میں بولا۔

"کوئی کام نہیں ہے بھئی بس چائے پئیں گے۔"

"میرا موڈ نہیں ہے۔"

"زین.... کیسے انسان ہو' چپڑاسی کو بلا کر پوچھ لو' میں نے تمہارے لئے چائے منگوائی ہے۔"

"آپ کی کرم فرمائی بے وجہ نہیں ہوتی۔" زین کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"کوئی کام کہوں تو نہ کرنا... بس..."

"تعجب ہے۔"

"اتنی بے اعتمادی ہے مجھ سے....؟"

"مت دماغ خراب کرو بابا۔ تم پر اعتماد کر کے خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا....!" زین نے کہا۔

"یار زین ایک بات بتاؤ' کیا دنیا میں عشق کے سوا اور کچھ نہیں کیا جاتا۔ دوسری کوئی شے نہیں ہوتی' کیا ہر عاشق کا ایک ہی سطح نگاہ نہیں ہوتا۔ پیار' عشق' محبت' لنگوٹ اور اس

کے بعد شادی' بچے' اس طلب کی انتہا اس کے سوا کچھ ہوتی ہے کہ محبوبہ کو جلد از جلد ماں بنا دیا جائے۔ پھر دو چار آٹھ بچے اس کی گردن پر سوار کر کے خود نیا عشق کیا جائے۔ بھائی مجنوں صحراؤں میں صرف اس لئے "لیلیٰ لیلیٰ" نہیں چیختے پھرتے تھے کہ وہ لیلیٰ کے بچوں کے باپ نہیں بن پائے تھے' حضرت فرہاد کو شیریں کی ضرورت اس لئے ہی نہ تھی کہ وہ شیریں کے پیارے پیارے بچوں کے باپ کہلوانا چاہتے تھے۔ دوست عشق کے لئے صنف کی قید کیوں ہے۔ میں نے کسی عبدالودود کو قمار بیگ کے عشق میں گلا پھاڑ کر چلاتے ہوئے نہیں دیکھا ہے آخر کیوں....؟ محبت تو کسی بھی انسان کو کسی بھی انسان سے ہو سکتی ہے بحیثیت انسان کے۔ لو چائے آ گئی۔"

چپڑاسی نے چائے کے برتن میز پر رکھے اور واپس چلا گیا۔ اس نے دو پیالیاں بنائیں۔ ایک زین کے سامنے سرکا دی اور دوسری خود لے کر کرسی کی پشت سے ٹک گئی۔

"ایک پیش گوئی کروں....!" زین نے کہا۔

"کرو....!" وہ بولی۔

"تمہاری صنف بدل رہی ہے تم کچھ عرصہ کے بعد مرد بن جاؤ گی۔"

"کیوں....؟"

"تمہاری گفتگو زنانہ ہے ہی نہیں۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے تم بیباک سے بیباک تر ہوتی جا رہی ہو۔"

"آہ کاش' ایسا ہو جائے زین پھر میں مرد بن کر تم سے عشق کروں گی اور اس نظریے کو بدل دوں گی۔"

"بکتی رہو' میں سن ہی نہیں رہا۔"

"چلو چھوڑو.... تائی جان کا کیا حال ہے....؟"

"سب ٹھیک ہیں۔"

"اور وہ....؟" شہلا مسکرا کر بولی۔

"میں نے شرط پیش کر دی ہے۔" زین بولا۔

"ویری گڈ.... کیا....؟" اس نے پوچھا۔

"وہ پان کھانا چھوڑ دے تو میں اس سے شادی کر لوں گا۔"

"آہ.... کیا آئیڈیا مارا ہے....!"

"تائی جان کے ہوش گم ہو گئے ہیں۔ پان ان کا خاندانی ورثہ ہے تائی جان کی پشتینی پان کھاتی چلی آئی ہیں نکاح نامے میں ان کے ہاں پاندان کا خرچہ الگ لکھوایا جاتا ہے۔"

"تب تو یہ بیل منڈھے چڑھنا مشکل ہے۔"

"فیصلہ ہو جائے گا۔ دیکھنا کیا ہوتا ہے۔" زین نے کہا۔ پھر بولا۔ "تم کوئی گنجائش نہیں نکال سکتیں۔"

"وہ بھی گنجائش ہے خود پیش گوئی کر چکے ہو۔" شہلا نے کہا اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی شہلا کا فون ڈائریکٹ تھا۔ اس نے ریسیور اٹھالیا.... "ہیلو؟!"

"بھتیجا بول رہا ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ.... بولو بھتیجے.... کیا حال ہیں....؟"

"کیا کر رہی ہو آنٹی....؟"

"چائے پی رہی ہوں۔"

"کتنی پی لی ہے....؟"

"تیسرا گھونٹ ہے۔"

"باقی یہیں چھوڑ دو.... اور رینبو آ جاؤ.... باقی یہاں پی لینا....!"

"او کے....!" اس نے فون بند کیا اور پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ زین سے ایک لفظ کہے بغیر وہ باہر نکل آئی۔ زین چائے کی پیالی ہاتھ میں لئے منہ پھاڑے اسے گھورتا رہ گیا تھا۔

رینبو میں داخل ہوئی تو گل شاہ سامنے ہی نظر آ گیا تھا۔ وہ پرس میز پر رکھ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ "چائے یا کافی....؟"

"کافی....!" وہ بولی.... اور گل شاہ نے ویٹر کو اشارہ کر کے کافی کے لئے کہہ دیا....! "فون کہاں سے کیا تھا....؟"

"رینبو کے کاؤنٹر سے....!"

"میرے آفس میں ہونے کا یقین تھا....؟"

"پولیس والوں سے ایسے سوال نہیں کرنے چاہئیں آنٹی....!"

"گڈ کوئی تیر مار کر آئے ہو....؟"

"توپ چلائی ہے۔ تیر جیسی نازک چیز کیا حیثیت رکھتی ہے۔ گل شاہ نے اکڑتے ہوئے کہا۔

"ویری گڈ۔ کافی کے ساتھ کچھ اسنیکس بھی۔" اس نے آہستہ سے کہا اور گل شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"بچپل کیوں رہی ہو آنٹی....؟"

"اس لئے کہ اب تم اپنا پورا دیوان سناؤ گے تمہارے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے۔"

"پولیس کا مال ہضم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے آنٹی....!"

"چورن اکسیر سلیمانی ہر چیز کو ہضم کر دیتا ہے فکر مت کرو....!"

"ہوں.... دانش گردیزی.... وہ ایک الیکس اسٹور کا مالک ہے۔ الیکس سٹی بہت مشہور ہے۔" گل شاہ نے بتایا۔

"دوسرا بند....؟" وہ بولی۔

"تصویر بنوالی گئی ہے اور میں نے دانش گردیزی کو دور سے دیکھ بھی لیا ہے تمہارا خیال سو فیصدی درست ہے۔ بغیر داڑھی کے وہی چہرہ ہے بالکل وہی عراب سے کچھ کم ہے۔ الیکس سٹی آٹھ سال سے قائم ہے چھ افراد وہاں کام کرتے ہیں۔ اسٹور اچھا چلتا ہے نایاب اشیاء کا اسٹور زیادہ تر غیر ملکیوں کی توجہ کا مرکز رہتا ہے۔ انکم ٹیکس کی ادائیگی باقاعدگی سے ہوتی ہے اور کافی ہوتی ہے جو آمدنی شو کی جاتی ہے اس سے وہ ایک متمول آدمی شمار کیا جا سکتا ہے گویا کوئی پہلو تشنہ نہیں ہے۔"

"ویری گڈ...." شہلا نے کہا۔

"خاک ویری گڈ.... سارے راستے بند ہیں اور تم ویری گڈ کہہ رہی ہو' ویٹر کچھ اسنیکس بھی لے آؤ....!" گل شاہ نے ویٹر کو کافی کے برتن سجاتے دیکھ کر کہا۔

"پھر اب....؟"

"تمہارے پاس جھک مارنے آیا ہوں آنٹی....!"

"میرے پاس....؟" وہ چونک پڑی....

"مطلب....؟"

"جلدی کیا ہے آنٹی۔ پیسٹری کھاؤ پیٹیز کھاؤ۔ رینبو کے سینڈوچز بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ غزل تو اب شروع ہوئی ہے۔" گل شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

شہلا خاموشی سے اسے گھورتی رہی۔ ویٹر نے دوسرا آرڈر بھی سرو کر دیا تھا۔ اس نے سینڈوچز اٹھائے۔

"جی فرمائیے....!"

"کام کرنا پڑے گا آپ کو آنٹی اور وہ جو کہتے ہیں کہ ہر شریف شہری کو پولیس کی مدد کرنا چاہئے تو آنٹی تمہیں میری مدد کرنا ہو گی۔"

"میں کوئی شریف شہری نہیں ہوں۔"

"میں جانتا ہوں تم عام لڑکی نہیں ہو۔ اس تصویر کے حوالے سے ہی اس سے مل سکتا ہوں مگر صرف یہ تصویر اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں بن سکتی وہ انکار بھی کر سکتا ہے اور۔۔

کہہ سکتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی کو نہیں جانتا ہم کیا کر سکتے ہیں اس طرح کام بگڑ جائے گا۔ تم ایک بار اس سے مل چکی ہو۔ دوسری بار بھی ملو گی۔ اور پھر بار بار ملو گی۔ آنٹی تمہارا تعلق پولیس سے نہیں ہے مگر میں جانتا ہوں کہ تم ایڈونچر پسند ہو اور پھر میرے لئے تم یہ کام ضرور کرو گی۔ اس سے دوستی کرنا ضروری ہے تاکہ ہم اسے قریب سے دیکھیں قریب سے جانیں اسی طرح کچھ کیا جا سکتا ہے۔"

"دماغ خراب ہے تمہارا گل شاہ۔ میں اس سے ملوں گی کس حیثیت سے۔"

"تین کمروں کے فرنیچر کے گاہک کی حیثیت سے۔"

گل شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ گل شاہ کو گھورتی رہی.... پھر بولی۔

"نہیں بھئی.... وہ پراسرار آدمی ہی اگر خطرناک نکلا تو.... نہ بابا۔ میرے گھر والوں نے مجھے بس ایک حد تک اجازت دی ہے کیوں میری نوکری چھڑوانا چاہتے ہو۔"

"آنٹی۔ تم اس سے ملو گی.... اس سے دوستی کرو گی.... اس کا راز معلوم کرو گی۔ میں پورے اعتماد سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ اور میرا اعتماد بلاوجہ نہیں ہے۔"

"عجیب آدمی ہو۔" وہ پریشانی سے بولی۔

واقعی گل شاہ عجیب آدمی تھا اور جب وہ یہاں سے اٹھی تو وہ گل شاہ سے وعدہ کر چکی تھی کہ دوسرے دن وہ دانش گردیزی سے ملاقات کرے گی....!"

شام کے جھٹپٹے فضا میں اترنے لگے۔ تقریباً چھ بجے تھے۔ شہلا نے ٹیکسی رکوائی بل ادا کیا اور اس پراسرار عمارت کے صدر گیٹ کے سامنے پہنچ گئی۔ دروازہ کھل گیا تھا اس نے گہری سانس لی اور اندر داخل ہو گئی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس عمارت میں داخل ہوتے ہوئے اس پر ہول طاری ہو رہا تھا لیکن چند لمحات کے بعد اس نے خود کو پرسکون کر لیا اور برآمدے میں داخل ہو گئی۔ وہی خاموشی' وہی سناٹا' ڈرائنگ روم کا دروازہ بھی اسی طرح کھل گیا تھا لیکن اندر داخل ہوتے ہی وہ نیلی روشنیوں میں نہا گئی۔

سامنے صوفے پر وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شہلا نے ایک بار پھر خود کو سنبھالا اور مسکراتی ہوئی بولی۔ "مجھے یقین ہے آپ مجھے پہچان گئے ہوں گے۔"

"آیئے مس شہلا۔" اس کی آواز ابھری۔

"اور آپ نے معمول کے مطابق میری دوبارہ آمد کو پسند کیا ہو گا۔"

"تشریف رکھئے۔" وہ بولا۔

"شکریہ۔ پہچاننے کی بات کا جواب تو یوں مل گیا کہ آپ نے مجھے میرے نام سے پکارا لیکن دوسری بات کا جواب نہیں ملا۔" شہلا نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ کی پہلی بار آمد کو بھی ناپسند نہیں کیا تھا۔ آپ کو بتایا تھا میں نے کہ جس کی آمد مجھے ناپسند ہوتی ہے اس کے لئے یہ دروازے نہیں کھلتے۔"

"اوہ ہاں آپ نے بتایا تھا۔"

"کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔" یہ فرنیچر اور کمرے کا رنگ بدل لیا ہے آپ نے۔"

"جی ہاں' دراصل یہ میرا شعبہ نہیں ہے میری مسز متلون مزاج ہیں۔ انہیں تبدیلیاں پسند ہیں ہر شے سے جلد اکتا جاتی ہیں یہ سب انہیں کا معاملہ ہے۔"

"بیڈ روم بھی تبدیل کر لیتے ہوں گے۔"

"جی۔ جی ہاں۔" وہ کسی قدر تعجب سے بولا۔ یہ سوال شاید اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں لیٹ ہو گئی۔" شہلا نے مایوسی سے کہا۔

"کچھ نا سمجھ ہوں میں۔ میں آپ کی بات سمجھ نہیں پائی۔"

"آپ نے اشتہار دیا تھا اخبار میں' مجھے ڈرائنگ روم کے تو نہیں لیکن بیڈ روم کے فرنیچر کی ضرورت تھی۔ اشتہار پڑھنے کے بعد سے اب تک آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے پروگرام بنا رہی تھی مگر اخبار کی ٹوکری... بس کیا عرض کروں..... نہ پہنچ پائی اور نقصان ہو گیا۔ حالانکہ آپ کے اشتہار سے فوراً اندازہ لگا لیا تھا میں نے کہ یہ آپ ہو سکتے ہیں یہ بھی سوچا تھا کہ کچھ رعایت ہو جائے گی اور یہ بھی سوچا تھا کہ آپ کے ڈرائنگ روم کا فرنیچر اتنا حسین تھا تو بیڈ روم کا فرنیچر بھی اس سے کم نہ ہو گا۔" شہلا بدستور مایوسانہ انداز میں بولی۔

"اسی لئے تشریف لائی تھیں آپ۔"

"جی۔ جی ہاں۔"

"افسوس آپ نے دیر کر دی۔ وہ فرنیچر تو اسی دن صبح کو پہلے آنے والے کے سپرد کر دیا میں نے۔ نیا فرنیچر آ چکا تھا اور مجھے خالی جگہ درکار تھی۔ آپ یقین کریں میں نے اسے کوڑیوں کے مول دے دیا۔ اور جو سودا کرنے آیا تھا وہ اس طرح اسے لے کر بھاگا کہ رسید بھی نہ لی۔ اس نے سوچا کہ کہیں میری دماغی حالت بہتر نہ ہو جائے۔" وہ دھیرے سے مسکرایا اور شہلا نے سوچا کہ اس کی مسکراہٹ بے حد حسین ہے۔

"افسوس میں نہیں مسکرا سکتی کیونکہ میں غمزدہ ہو گئی ہوں۔" شہلا نے کہا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "آپ کہاں رہتی ہیں۔"

جواب میں شہلا نے اپنا پتہ بتا دیا تھا۔ اس نے کہا۔ "اگر آئندہ ایسی کوئی ضرورت پیش آئی تو میں براہ راست آپ کو اطلاع دے دوں گا۔"

"یعنی یہ۔ یہ فرنیچر۔" شہلا نے حیرت سے کہا۔

"ہاں بیگم کے موڈ پر منحصر ہے۔ کسی دن کہہ دیں گی کہ یہ سب کچھ انہیں اچھا نہیں لگ رہا۔"

"دولت کے کھیل ہیں سارے۔"

"دولت۔" وہ آہستہ سے بولا "ہاں دولت۔ جو۔ جو" وہ خاموش ہو گیا۔

"ویسے آپ اپنی بیگم کو بہت چاہتے ہیں۔"

"سوال کچھ عجیب نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"سرے سے سوال ہی نہیں ہے یہ تو میں اپنے آپ کو بتا رہی تھی۔" شہلا نے کہا۔

پھر بولی۔ "ویسے معاف کیجئے اس دن بھی آپ کی بیگم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ بچے بھی ہیں نا آپ کے۔ یہ میں اس دن کے حوالے سے کہہ رہی ہوں جب آپ کا پیکٹ بدل گیا تھا۔"

"میں نے عرض کیا نہ وہ بہت متلون مزاج ہیں۔ بچوں کے ساتھ اندرونی حصے میں رہتی ہیں انہیں لوگوں سے ملنا پسند نہیں ہے۔"

"نوکر بھی نہیں ہیں آپ کے ہاں۔"

"ہاں۔" وہ مختصراً بولا۔

"آپ کے بچے۔" شہلا نے کہا۔

"جی ہاں دو بچے ہیں میرے فرخ' رشنا سے پانچ سال بڑا ہے بہت شوخ بہت نٹ کھٹ۔ رشنا معصوم فطرت ہے اپنی ماں جیسی طبیعت کی مالک۔" اس کے لہجے میں محبت گھل گئی۔

"میں ان سے مل سکتی ہوں' آپ کے بچے بہت خوبصورت ہوں گے۔"

"بے حد خوبصورت' مجھ سے اور نازیہ سے بھی دوگنا حسین۔"

"نازیہ آپ کی بیگم ہیں؟"

"ہاں۔ میری تمام تر محبتوں کی حقدار۔"

"آپ مجھے ان لوگوں سے ملایئے۔"

"میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ۔ کہ۔ نازیہ ذرا الگ فطرت کی مالک ہے اس کی اجازت کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔"

"بچوں سے بھی نہیں مل سکتی۔"

"اس وقت ممکن نہیں ہے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"پھر اجازت چاہتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے' لیکن آپ اگر اسی دن مجھ سے رجوع کر لیتیں فرنیچر کے سلسلے میں تو۔"

"کوئی بات نہیں پھر سہی۔ ویسے آپ سے اس کوٹھی کے علاوہ بھی کہیں ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"میرا ایک چھوٹا سا اسٹور ہے انیلیکس سٹی کے نام سے۔ وہاں بھی ہوتا ہوں لیکن کس۔"

"شہلا ہے میرا نام۔"

"جی ہاں مجھے یاد ہے۔ آیئے میں آپ کو باہر چھوڑ آؤں۔" اس نے کہا اور شہلا ہنس پڑی۔ کسی کو اس طرح گھر سے نکالا جانا اس کے لئے عجیب تھا بہرحال وہ اٹھ کھڑی ہوئی باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"آپ نے لیکن مس' کہا تھا۔ کیا کہنا چاہتے تھے آپ۔"

وہ چند لمحات خاموش رہا لیکن اس کے قدم نہیں رکے تھے اور وہ شہلا کے ساتھ آگے بڑھتا رہا تھا۔ پھر گیٹ کے قریب پہنچ کر وہ بولا۔ "میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ اگر آپ کو کوئی ضرورت پیش آئے تو آپ سٹور پر تشریف لایئے۔ میں بلا ضرورت کسی سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ جہاں تک فرنیچر کی بات رہی تو اول تو ابھی اس کے امکانات نہیں ہیں لیکن اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو میں خود آپ کو رنگ کر دوں گا۔"

گیٹ کھل گیا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر وہ بولا۔ "دوسری بات۔ یہاں آپ دوسری مرتبہ آئی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ تیسری مرتبہ آپ اس عمارت میں داخل ہونے کی زحمت نہ کریں۔ خدا حافظ۔" وہ سخت اور کھردرے لہجے میں بولا۔ اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

شہلا حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی خودکار گیٹ کھل چکا تھا اور اس کے باہر نکلنے کا منتظر تھا شہلا نے باہر قدم رکھا تو دروازہ بند ہو گیا۔

شہلا چند قدم آگے بڑھ کر رک گئی اور پھر وہ اس دروازے کو گھورنے لگی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے دھکے مار مار کر اسے اپنے گھر سے نکال دیا ہو۔

"او کے مسٹر گریزی۔ میں دیکھتی ہوں تم کتنے پراسرار ہو۔" اس کے ہونٹوں سے چڑچڑاہٹ نکلی اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ گئی اس کی نظریں کسی سواری کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں اتفاق سے اس وقت دور دور تک کسی رکشہ یا ٹیکسی کا وجود نہ ملا وہ پیدل چلتی رہی اندھیرا پھیل چکا تھا اور یہ علاقہ دور تک سنسان تھا وہ پریشان ہونے لگی تبھی ایک طرف سے روشنی نظر آئی اور پھر کسی گاڑی کے انجن کی آواز۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ پولیس کی جیپ تھی اور اسٹیرنگ پر گل شاہ کو دیکھ کر وہ حیران ہو گئی۔

"آ جاؤ آنٹی۔ بہت پیدل سفر کر لیا۔" گل شاہ نے کہا اور وہ جیپ میں سوار ہو گئی۔

گل شاہ نے جیپ آگے بڑھا دی تھی۔

"تم نے اس وقت واقعی مجھے حیران کر دیا گل شاہ۔"

"کیوں چاچی جی۔"

"تم ادھر کیسے آ گئے۔"

"اتنا ہی تھا تمہیں کسی خطرے میں تو نہیں جھونکا جا سکتا تھا۔ تم تو حد سے زیادہ بہادر ہو مگر بھتیجے کا بھی کچھ فرض ہے۔"

"اوہ، تو کیا تم۔"

"ہاں چاچی جی اسی وقت سے تمہارے پیچھے تھے جب تم ٹیکسی میں بیٹھ کر ادھر چلی تھیں۔"

"مگر میں نے تمہیں اطلاع تو نہیں دی تھی۔"

"او آنٹی۔ اپنی پولیس پر تمہیں اتنا بھروسہ بھی نہیں ہے۔ اب یہ بتاؤ کہیں چل کر بیٹھیں یا آہستہ آہستہ تمہارے گھر چلیں۔"

"گھر ہی چلو' ویسے بھی کوئی اہم بات نہیں ہے کوئی فائدہ نہیں ہوا یہاں آنے کا۔"

"مل تو گیا وہ۔"

"ہاں۔" شہلا نے کہا اور پھر الف سے ے تک گل شاہ کو اس سے ملاقات کی تفصیل بتا دی۔ گل شاہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"وہ مجبور کر رہا ہے کہ اس کے ساتھ سختی کی جائے۔ اینٹیکس سٹی کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔ کافی عرصے پہلے قائم ہوا تھا۔ چھ آدمی اس وقت ملازم ہوئے تھے اور آج تک موجود ہیں چپراسی سے لے کر منیجر تک خود کو اسٹور کا مالک سمجھتے ہیں او سخت وفادار ہیں اس کی وجہ مالک کا رویہ ہے انہیں یہاں پر آسانی دی گئی ہے اور ان کے خیال میں مالک فرشتہ صفت ہے اینٹیکس اسٹور کی سیل بھی عمدہ ہے اور سارے حالات ٹھیک ہیں مگر۔"

گل شاہ خاموش ہو گیا پھر بولا۔ "آخر اس کے بیوی بچے کہاں ہیں۔"

شہلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گل شاہ بھی دیر تک سوچتا رہا تھا۔ پھر اس نے اچانک کہا۔

"تین سو تیرہ آنٹی جی۔ صرف تین سو تیرہ۔"

"کیا مطلب۔"

"پولیس کی پرسنل لینگویج ہے آنٹی۔ پہلے تین سو تیرہ اور اگر وہ کارآمد نہ ہوئی تو دھڑن تختہ۔"

"دھڑن تختہ؟" شہلا نے پھر حیرت سے کہا۔

"اوئے ہوئے یہ بھی پرسنل لینگویج ہے چاچی جی تمہارا گھر آ گیا ہے۔"

"اس کے بعد کیا ارادہ ہے گل شاہ' بتایا نہیں تم نے۔"

"تمہارے ساتھ تو اس نے اچھا سلوک نہیں کیا آنٹی مگر حالات کہہ رہے ہیں کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اب ذرا ریڈیو کا دوسرا سوئچ گھمانا پڑے گا مگر اس سے پہلے کچھ اور مضبوطیاں کرنی پڑیں گی۔ یوں سمجھ لو آنٹی کہ۔ کہ۔"

"تم شاید کچھ چھپانا چاہتے ہو۔"

"سچ سمجھیں آنٹی جانتی ہو ہم کیا چھپانا چاہتے ہیں۔" گل شاہ نے کہا اور شہلا ہنس پڑی۔ "نہیں سمجھیں۔ او بی بی ہم یہ چھپانا چاہتے ہیں کہ ابھی ہماری کھوپڑی میں بھی کچھ نہیں ہے۔"

"او کے، خدا حافظ۔" شہلا نے کہا اور گل شاہ کی جیپ سے اتر گئی رسمی الفاظ کے بعد وہ اپنے فلیٹ کی طرف چل پڑی۔ گھر کا ماحول باہر کی دنیا سے بالکل مختلف تھا۔ جہاں بھاوج ماں، جن کی زندگی بالکل مختلف تھی سیدھے سادے لوگ زندگی کو بہت آسانی سے گزارنے والے۔ یہ لوگ اس کے راستے نہیں روکتے تھے یہ پیشہ بھی اس نے اپنے شوق کی وجہ سے اختیار کیا تھا۔ وہ بچپن ہی سے خود سر اور ایک طرح سے گھر پر حاوی تھی اور اس کی شخصیت مزید مستحکم اس وجہ سے ہو گئی تھی کہ نوجوانی سے جوانی کی زندگی تک اس کی ذات سے کوئی ایسا قصداً واقعہ نہیں ہوا تھا جو کسی کے لئے باعث پریشانی ہوتا۔ خود سری اس کی پسند کے مطابق قبول کر لی گئی تو اس نے بھی گھر کا احترام کیا اور صرف اتنی اجازت مانگ لی کہ اگر کاروباری فنکشنوں میں دیر ہو جائے تو مجبوری ہے ورنہ گھر کی ذمہ داریاں اور اقدار سر آنکھوں پر۔ اور وہ یہ اقدار بخوبی نبھا رہی تھی اس کے وجود میں بے حد پختگی پیدا ہو گئی تھی اور وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی اس کے علاوہ اس نے دنیاوی اصول بھی اپنائے تھے اچھی طرح جانتی تھی کہ ہر رشتہ اپنی ذات میں مستحکم ہوتا ہے مگر دنیاوی اصول انسانی فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں اور ان کی کچھ طلب ہوتی ہے چنانچہ اپنی محنت کی کمائی کا ایک مناسب حصہ وہ تحفے تحائف میں گھر کی ڈیکوریشن پر خرچ کرتی رہتی تھی خاص طور سے بھابی کو زیادہ ترجیح دیتی تھی کیونکہ اس کی رگوں میں اپنا خون نہیں تھا اور غیر خون کی سرخی کو قائم رکھنا زیادہ مشکل کام ہوتا ہے اس طرح بھابھی کی ملکیت یعنی بھیا جی بھابھی کے پوری طرح قابو میں تھے۔

گھر میں اس کی ہمیشہ ہی پذیرائی ہوتی تھی اور اہل خانہ اس کی آمد کا انتظار کرتے رہتے تھے، کہیں مصروف ہوا، تو دیر ہو گئی اور جلدی آ گئی تو اس کے اعزاز میں محفل جم گئی اور پھر اس محفل میں کسی موضوع کی قید نہیں تھی۔ آج بھی یہی ہوا اور گھر آنے کے بعد وہ سب لوگوں میں گھل مل کر سب کچھ بھول گئی، لیکن جب رات کو فرصت سے اپنے بستر پر

لیٹی تو وہی دانش گردیزی تھا، عجیب و غریب صفات کا حامل تھا حالانکہ وہ ڈرائنگ روم کے فرنیچر تک ہی محدود رہی تھی، آن کی آن میں اس نے ڈرائنگ روم تبدیل کر لیا تھا اور جب وہ اپنی بیوی اور بچوں کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا تو ایک گہری نگاہ رکھنے والی شہلا نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس کی سب سے بڑی کمزوری ہیں اور اس کے لہجے میں محبت کا وہ عنصر ہے، جو ناقابل شکست ہوتا ہے لیکن ان لوگوں سے ملاقات کے سلسلے میں اس نے بڑا عجیب عذر پیش کیا تھا۔ ایک بھرے پرے گھر میں چاہے دو بچے ہی کیوں نہ ہوں، زندگی دوڑتی ہے اور محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ گھر زندگی سے بھرپور ہے، لیکن وہ گھر زندگی سے محروم تھا۔ آخر کیوں۔ دانش گردیزی نے اپنی اتنی چاہنے والی بیوی کے لئے دوسری آسائشیں فراہم کیوں نہیں کی تھیں، کہیں سے تو کوئی آواز ابھرتی، کوئی برتن ہی گرتا، کوئی کرسی ہی کھسکائی جاتی کوئی آہٹ تک نہ تھی اس گھر میں، جیسے کوئی ویرانہ ہو، جیسے اس گھر میں اس شخص کے علاوہ زندگی کا کوئی وجود نہ ہو، آخر اس پراسرار کیفیت کی وجہ کیا ہے!

اپنی زندگی میں اس نے بے شمار کہانیاں لکھی تھیں مختلف داستانیں گھڑی تھیں، لیکن حقیقت کی زندگی داستانوں سے ذرا مختلف ہوتی ہے۔ داستانوں کا کیا ہے جو جی چاہے سوچو، اسے تحریر میں نبھا دو، عملی زندگی اس سے بہت مختلف ہوتی ہے اور عملی زندگی میں جب ایک ایسا لمحہ آیا تو وہ خود بھی حیران رہ گئی، اس کی اور ساری کہانیاں اس کی نگاہوں میں ہیچ ہو گئیں ذہن اس طلسم خانے میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ آخر یہ طلسم خانہ کیا حیثیت رکھتا تھا اور پھر دانش گردیزی نے اپنی شخصیت کو ناقابل فہم کیوں بنا لیا تھا۔ بلاشبہ اس کا آج کا رویہ پچھلے رویئے سے بہتر تھا۔ آج اس نے نرم لہجے اور نرم انداز میں گفتگو کی تھی لیکن اس کے آخری الفاظ نے شہلا کو ذہنی طور پر بہت زیادہ برگشتہ کر دیا تھا۔ اگر وہ شخص کچھ بھی نہیں ہے، گل شاہ کا اس پر شبہ بے معنی بھی ہے تب بھی اس کی اپنی شخصیت کا راز منظر عام پر آنا چاہئے ابتدا یہیں سے ہوئی تھی، شہلا نے اس کے چہرے میں کچھ ایسی انوکھی باتیں پائی تھیں کہ اسے اپنی کہانی کا کوئی کردار بنانے کے بارے میں سوچا تھا اور اب یہ کہانی ایک مضبوط حیثیت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ اگر دانش گردیزی کی شخصیت کا کوئی پوشیدہ پہلو سامنے آ جائے تو یقینی طور پر ایک ایسی کہانی ترتیب پا سکتی ہے جو حقیقت کی شکل رکھتی ہو۔ وہ میری ذات کے لئے ایک چیلنج ہے اس نے سوچا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

زندگی کے شب و روز میں یکسانیت نہیں تھی اور پیشے ہی ایسے ہوتے ہیں جو یکسانیت کی بوریت میں گرفتار نہیں ہوتے جیسے صحافت، نت نئے لوگوں سے ملاقات، نت نئے ہنگاموں سے واسطہ، نئی نئی خبریں، یہ سب کچھ اس کی زندگی میں شامل ہوتا ہے اور یکسانیت

سے نفرت کرنے والے بلاشبہ اس پیشے کو اپنا کر کافی پرسکون رہ سکتے ہیں۔ کچھ ایسے واقعات پیش آ گئے تھے" جن کی رپورٹنگ میں اسے مصروف کر دیا گیا تھا اور اس کام میں تقریباً تین دن لگ گئے' چوتھا دن بھی تقریباً آدھا انہی کاموں میں صرف ہو گیا وہ اپنا کام بخیر و خوبی انجام دے رہی تھی اور اسے فرصت نہیں ملی تھی لیکن آج کے بعد فرصت کے کافی لمحات میسر تھے اور شاید اس کی توجہ ابھی اس سمت نہ جاتی اگر آخری کام کی انجام دہی کے سلسلے میں گل شاہ سامنے آ جاتا گل شاہ سامنے آیا تو وہ سب کچھ یاد آ گیا اور شملا نے مسکراتے ہوئے گل شاہ سے ملاقات کی۔

"ہیلو آنٹی' بہت مصروف ہو آج کل' شکل بھی نظر نہیں آ رہی' لیکن اخبار تمہارے کارناموں سے بھرا پڑا ہے بڑی عمدہ رپورٹنگ کی ہے تم نے ان خاص واقعات کی۔"

"شکریہ گل شاہ تم سناؤ' کیا مصروفیت چل رہی ہے۔"

"بس آنٹی' ہمارا تمہارا فاصلہ تھوڑی رہتا ہے ہم بھی اسی چکر میں پھنسے ہوئے تھے' بس آج ہی فرصت ملی ہے۔" شملا ہنس دی۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔ مگر تم مجھے کہیں نظر نہیں آئے۔"

"بس آنٹی' تم بھی ہمیں نظر نہیں آئیں اس لئے حساب برابر ہو گیا' ارے ہاں ذرا یہ بتاؤ اس دوران یقینی طور پر اپنے ڈی جی صاحب سے تو ملاقات نہیں ہوئی ہو گی۔"

"ڈی جی۔" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"او جی وہی دانش گردیزی۔ ہم کسی ادارے کے ڈائریکٹر جنرل کی بات نہیں کر رہے بلکہ اپنے دانش گردیزی جی کی بات کر رہے ہیں۔"

"نہیں بھلا اس سے کیسے ملاقات ہو سکتی تھی۔" شملا نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"ہم بھی انتظار کر رہے تھے کہ ذرا فرصت مل جائے تو اپنے ڈی جی صاحب کی طرف متوجہ ہوں۔ ویسے آنٹی ایک پروگرام بنایا ہے میں نے' اچھا ہوا تم مل گئیں' ذرا سن لو۔۔۔"

"سناؤ۔ لیکن کافی کے ساتھ۔۔۔"

"تو کمال ہے بھئی' خرچہ ہی خرچہ ہے' چلو جی منگوا لیتے ہیں۔" گل شاہ نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد گرما گرم کافی کے دوران اس نے سلسلہ گفتگو چھیڑ دیا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے آپ سے ترکیب نمبر تین سو تیرہ کی بات کی تھی اور اس کے بعد دھڑن تختہ کا تذکرہ بھی کیا تھا۔"

"ہاں۔ لیکن تم نے کہا تھا کہ ان دونوں الفاظ کا مفہوم پولیس کی اصطلاح میں تو ضرور ہے تمہارے ذہن میں نہیں۔"

"اوہ نہیں آنٹی جی ایسی بات نہیں کہی تھی ہم نے۔ پولیس کی اصطلاح میں وہی بات ہوتی ہے جو پولیس آفیسر کے ذہن میں ہو' خیر چھوڑو کن چکروں میں پڑ گئیں تم۔ کہنے کا مطلب یہ تھا آنٹی جی کہ تھوڑی بہت معلومات ہمیں اس کے بارے میں اور حاصل ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ صبح دس بجے وہ اپنے سٹور "اینٹیکس ٹی" پہنچ جاتا ہے اور اس کے بعد تین ساڑھے تین بجے تک وہیں رہتا ہے پھر اس کے بعد باہر نکلتا ہے' وہاں سے سیدھا گھر چلا جاتا ہے یا کہیں اور جاتا ہے یہ نہیں معلوم ہو سکا' لیکن دس بجے سے لے کر تین بجے تک کا وقت ہمارے پاس ہے اور آنٹی جی اس میں مزید استحکام پیدا کرنے کے لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ گیارہ بجے تک اس کے پاس پہنچ جائیں اور دو ڈھائی بجے تک اسے الجھائے رکھیں اول تو اتنا ٹائم ضروری نہیں ہو گا۔ گیارہ بجے سے لے کر بارہ ایک بجے تک کا وقت کافی ہے اس دوران ہم تمہیں یہ اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم جب بھی اس پروگرام کے مطابق جائیں گے' یہ وقت اس کے ساتھ گزاریں گے۔ آنٹی ویسے تو یہ کام پولیس کا کوئی بھی آدمی کر سکتا ہے لیکن چونکہ ہمارا تمہارا معاملہ ذرا الگ ہے اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک دن دو تین گھنٹے تم اس کی کوٹھی میں گزارو۔" گل شاہ کے ان الفاظ پر شملا بری طرح چونک پڑی تھی۔

"م میں۔ میں سمجھی نہیں۔"

"لوئے ہوئے۔ حالانکہ اس میں نہ سمجھنے والی کوئی بات نہیں ہے آنٹی اس کوٹھی کا راز معلوم کرنا چاہتی ہو نا۔ تمہارے لئے بھی بہت عمدہ ہے اور ہماری معلومات کے لئے بھی۔ گیارہ بجے تم اس کوٹھی پر پہنچ جاؤ' اور بارہ بجے تک اس کوٹھی کی اچھی طرح تلاشی لے ڈالو۔ آنٹی ہم کسی اور کو اس کام میں ابھی شریک نہیں کرنا چاہتے جب تک کہ ہمارے ہاتھ کوئی مضبوط نکتہ نہ آ جائے اس لئے تمہارا اور ہمارا معاملہ ذرا ذاتی سا ہے' تم یہ کام باآسانی کر سکتی ہو۔"

شملا سراسیمہ سی نگاہوں سے گل شاہ کو دیکھتی رہی' پھر اس نے کہا۔

"لیکن گل شاہ اس کوٹھی میں خطرات بھی تو پیش آ سکتے ہیں مجھے۔۔۔"

"لوئے ہوئے کی نا وہی عورتوں والی بات۔ آنٹی تم اگر چنگیز خان منگول بھی ہو جاؤ تم رہو گی آنٹی کی آنٹی' ارے خطرات ہی تو زندگی ہوتے ہیں اور خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔ تم دوبار وہاں جا چکی ہو اس لئے تیسری بار تمہیں وہاں جانے میں کوئی دقت نہیں ہو گی' اگر میں کسی نئے آدمی سے یہ کام کراؤں تو پھر اسے از سر نو ٹرینڈ کرنا پڑے گا ویسے آنٹی تمہاری مرضی ہے میں تمہیں کسی خطرے میں نہیں جھونکنا چاہتا یہ تو میں نے بس ایسے ہی سوچ لیا

تھا تمہارے بارے میں....."

شملا کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ اس نے اپنے ذہن میں جو فیصلہ کیا تھا یہ کارروائی اس فیصلے کے عین مطابق تھی' تجسس کے ساتھ ساتھ دلچسپی بھی شامل تھی اور پھر ایک اندرونی کیفیت بھی اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ دانش گردیزی کے بارے میں ہر بات معلوم کرے۔ چنانچہ چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔ "گل شاہ میرے ذہن میں کوئی خوف نہیں ہے بس ایسے ہی اور پھر خود کار دروازے' یقینی طور پر اس قدر غیر محفوظ نہ ہوں گے کہ کوئی اس کی غیر موجودگی میں بھی اندر داخل ہو سکے....."

"آنٹی میں بھی اس گھر کو دیکھ چکا ہوں دروازوں کو خود کار بنا دینا آسان کام ہے آج کل یہ مسئلہ کوئی مشکل نہیں رہا ہے۔ لیکن دیواریں پھلانگنے والے باآسانی دیواریں پھلانگ جاتے ہیں..... اور پھر میں آنٹی کو خالی آنٹی ہی نہیں' بلکہ بلی خالہ بھی کہتا ہوں اور بلی کے لئے دیواریں کودنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

"چڑھا رہے ہو مجھے گل شاہ....."

"نہ چڑھو جی ہمارا کیا جاتا ہے۔ پولیس والے ہیں ہزار آدمی ہیں ہمارے پاس کام کرنے کے لئے' یہ کام ہم کسی سے بھی لے سکتے ہیں' مگر پھر کیس ہمارے اور تمہارے بیچ نہیں رہے گا' ارے تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ہم یہ سارا راز انٹرپول والوں سے چھپائے ہوئے ہیں' حالانکہ یہ ایک مجرمانہ عمل ہے' ہمیں اپنی معلومات فوراً انٹرپول والوں کو فراہم کر دینی چاہئیں۔ اور اگر ایسا کر دیں تو یقین کرو ہماری گردن چھوٹ جائے۔ مگر چونکہ تم بھی اس میں شریک ہو گئی ہو اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ذرا فقط ہی رہے۔"

"فقط....."

"تو جی پولیس لینگویج ہے۔" گل شاہ نے کہا اور شملا ہنس پڑی۔

"تو پھر یہ پروگرام کب ہے گل شاہ....."

"یہ تم پر منحصر ہے آنٹی۔ اب تو میرا خیال ہے دو چار دن کے لئے فرصت ہی فرصت ہے اور جو کام آج کرنا ہے وہ کل کیوں نہ کر لیا جائے۔" گل شاہ نے محاورے کا بیڑہ غرق کر ڈالا۔ شملا نے ہنستے ہوئے کہا.....

"ٹھیک ہے گل شاہ۔ مگر تم اس سے' میرا مطلب ہے اس کے پاس جا کر تم اس سے کیا گفتگو کرو گے....."

"ساری رپورٹیں بعد میں آنٹی' ہماری تمہاری ملاقات کل چار بجے پولیس اسٹیشن میں ہو گی۔ تم ہی آ جانا۔ بڑھیا قسم کی کافی پلوائیں گے۔ کیا خیال ہے؟؟"

"ٹھیک ہے مگر ایسا نہ ہو کہ وہ کل کسی اور پروگرام میں مصروف ہو جائے....."

"آنٹی جی اگر ایسا ہوا تو تم بے فکر رہو۔ تمہیں اطلاع ضرور دے دی جائے گی اور اگر کام معمول کے مطابق ہوا تو تم بھی معمول کے مطابق اپنا کام کر لینا کل گیارہ بجے کے بعد۔"

"ٹھیک ہے گل شاہ میں اس کام کے لئے تیار ہوں۔" شملا نے کہا اور گل شاہ نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ ایک انتہائی مشکل کام تھا' اس حیرت انگیز کوٹھی میں اس کی غیر موجودگی میں داخل ہونا شملا کے لئے ایک سنسنی خیز تجربے کے مترادف تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو اس تجربے کے لئے مکمل طور پر تیار کر چکی تھی اور بعد کا وقت اس تجربے سے متعلق اونچ نیچ سوچتے ہوئے ہی گزرا تھا۔

دوسرے دن صبح کو بستر پر ہی تھی کہ آج کے پروگرام کا خیال آ گیا اور وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی طبیعت اندر سے کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ دیر تک بیٹھی سوچوں میں گم رہی پھر بستر سے اتر آئی رفتہ رفتہ وہ نارمل ہوتی گئی تھی باقی سارے کام معمول کے مطابق ہی ہوئے تھے مقررہ وقت پر گھر سے نکل کر دفتر پہنچی۔ ابھی گل شاہ کی طرف سے کوئی پیغام موصول نہیں ہوا تھا اس کا مطلب تھا کہ پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ تاہم اس نے احتیاطاً تھانے فون کر لینا مناسب سمجھا تھا۔ گل شاہ کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہاں جی بولو۔" وہی کرخت آواز سنائی دی اور اسے فوراً گل شاہ کے دوسرے نمبر یاد آ گئے سلسلہ منقطع کر کے اسی نے گل شاہ کا نیا نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ گھنٹی دیر تک بجتی رہی اور پھر کسی نے ریسیور اٹھا لیا۔ "ہاں جی بولو۔"

"شاہ صاحب کہاں ہیں؟؟"

"گئے ہوئے ہیں کہیں بولو۔"

"تمہارے علاوہ یہاں کوئی نہیں ہے۔" شملا نے کہا۔

"ہیں جی سولہ کانسٹیبل ہیں دو حوالدار ہیں ایک رجسٹرار ہے اور پانچ ملزم ہیں کس سے بات کرنی ہے۔"

"تمہاری آواز سننے کے بعد کسی سے بات کرنے کو جی کہاں چاہے گا۔" شملا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"او جیو۔ پولیس سٹیشن میں بھی اپنی پسند کی آواز ہی سننا چاہتی ہو۔ او بی بی میرے پاس کٹار نہیں ہے ورنہ میں بھی اچھل اچھل کر تمہیں وہی آواز سناتا..... ہو..... او ہو..... او خدا

کی بندی...... بندے دی پتر بنو۔ کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو۔"
شہلا بے اختیار مسکرا پڑی۔ "آپ ایک گٹار خرید لیجئے گا۔" اس نے لوچ دار آواز میں کہا۔

"پولیس سے مذاق کرتی ہو۔ نتیجہ پتہ ہے۔" غصیلی آواز سنائی دی اور شہلا نے فون بند کر دیا دیر تک مسکراتی رہی۔ زین کو نہ دیکھ سکی تھی جو کسی وقت آ کھڑا ہوا تھا۔

"مسکرا چکی ہو تو اپنے آنے کا مقصد بیان کروں۔" اس نے کہا اور وہ چونک پڑی۔

"ہیلو زین۔ آج بڑا اطمینان ہے۔" اس نے کہا۔

"چہرے سے پتہ چل رہا ہے کسی عبداللطیف سے بات ہو رہی تھی ورنہ یہ مسکراہٹیں چہرے پر چسپاں نہ ہوتیں۔"

"یہ بات نہیں آج سارے لطیفے صبح صبح ظہور پذیر ہو رہے تھے ابھی ایک لطیفے سے فون پر بات ہو رہی تھی کہ دوسرا سامنے آ کھڑا ہوا۔"

"یہ ایک پرانا آرٹیکل پڑا ہوا ہے ذرا ملاحظہ فرما لیجئے کل کی اشاعت میں جانا ہے۔" زین نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"مسکراؤں۔" شہلا نے پوچھا۔

"ضرور مسکراؤ۔ یہاں کسے پرواہ ہے۔"

"تمہارے لئے مسکراؤں یا تم پر مسکراؤں۔"

"اپنے آپ پر مسکرایئے۔ میرا مسئلہ خدا کے فضل سے حل ہو گیا ہے۔" زین نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

"لو زین...... او بولو گل بات تو سن۔ کیا فوزیہ نے پان کھانا چھوڑ دیا ہے۔ مبارک ہو زین بے حد مبارک۔ ارے بات تو سن زین۔" وہ پکارتی رہ گئی لیکن زین باہر نکل گیا تھا۔ وہ ہنسنے لگی تھی۔ پھر اس نے رومال سے آنکھیں خشک کیں اور آرٹیکل دیکھنے لگی جو ایڈیٹر صاحب نے بھیجا تھا۔ اس میں اسے کوئی ترمیم نہیں کرنی تھی چنانچہ صحیح کے دو سرخ نشان ڈال کر اس نے آرٹیکل چپراسی کے ہاتھ ایڈیٹر صاحب کو بھجوا دیا اور پھر سیٹ سے اٹھ گئی۔ حالانکہ ابھی کچھ وقت تھا لیکن دفتر سے نکل آنا ہی بہتر تھا۔ باہر آ کر وہ کچھ دور پیدل چلتی رہی پھر ایک ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ گئی۔ اگلن روڈ پر اتری تو گیارہ بجنے والے تھے۔ ٹیکسی واپس مڑ گئی اور اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے خود پر قابو پایا اور بالآخر کوٹھی نمبر چھ سو ساٹھ کی طرف چل پڑی۔ چند منٹ کے بعد وہ اس کے سامنے تھی کسی خیال کے تحت وہ گیٹ کے سامنے جا کھڑی ہوئی لیکن گیٹ میں جنبش نہ ہوئی تھی تب اس

نے کوٹھی کے اطراف کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ آج کے کام کے لئے اس نے کچھ خاص تیاریاں کی تھیں لباس چست تھا تاکہ رکاوٹ نہ بنے۔ پیروں میں کریپ سول جوتے تھے جن میں فیتے بندھے ہوئے تھے۔ دائیں بائیں کی بغلی دیواریں تو بلند تھیں اور زمین ہموار کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جو اوپر پہنچنے میں مدد دے ایک عقبی حصہ کارآمد تھا۔ عقبی عمارت پر کنسٹرکشن شروع ہو چکی تھی چھوٹا سا احاطہ بنا ہوا تھا جس میں گیٹ لگا دیا گیا تھا اور اندر کافی اینٹیں پڑی ہوئی تھیں یہ احاطہ کارآمد تھا گیٹ اندر سے بند تھا لیکن ہلانے جلانے سے وہ کھل گیا اور وہ گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔ اسے دوبارہ بند کیا پھر گردیزی کے بنگلے کی عقبی دیوار کے پاس پہنچ گئی۔ اس کے بعد اینٹوں کو دیوار کے ساتھ چننا مشکل نہ ہوا اور وہ ہمت کر کے دیوار پر چڑھ گئی عقب میں بنگلے دور دور بنے ہوئے تھے۔ اور سنسان نظر آ رہے تھے پھر یہ احاطہ بھی رکاوٹ تھا اسے دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ چند لمحات کے بعد وہ نیچے کود گئی۔ دل کی دھڑکنیں پھر تیز ہونے لگی تھیں اس جدید عمارت کے تحفظ کے لئے نہ جانے کیا انتظامات کئے گئے ہوں گے کہیں کوئی مصیبت نہ تیار کھڑی ہو۔ بہرحال اب تو یہاں آ ہی گئی تھی جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اصل عمارت کے پاس پہنچ کر اس نے اس کا چاروں طرف سے جائزہ لیا صدر گیٹ کے علاوہ دوسرے دو دروازے بھی اسے نظر آئے پورچ خالی دیکھ کر اسے سکون ہوا تھا اس نے ان دو دروازوں کو اٹھایا لیکن وہ اندر سے بند تھے البتہ ایک جگہ اسے ایک روشندان نظر آیا تھا جو اتنا وسیع تھا کہ اس سے اندر داخل ہوا جا سکتا تھا یہاں کچھ ٹوٹ پھوٹ بھی ہوئی تھی چند لمحات کے بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ یہاں ایگزاسٹ فین لگا ہو گا جو کسی وجہ سے نکال لیا گیا ہے یا تو دوسرا لگوانے کے لئے یا پھر کوئی اور وجہ ہو گی جگہ بھی زیادہ اونچی نہیں تھی اس نے اس روشندان سے اندر داخل ہونے میں بھی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ دوسری طرف ایک کشادہ کچن تھا فرش سے چھت تک سفید ٹائلوں سے مزین الماریاں بڑا سا ریفریجریٹر شاندار اوون' چولہے بند پڑے تھے کسی کی موجودگی کا احساس نہ ہوتا تھا مسز گردیزی اگر اندرونی حصے میں رہتی ہیں تو کہاں رہتی ہیں۔ کچن کا دروازہ البتہ باہر سے بند نہ تھا۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اور بلی کی طرح بے آواز چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ اس کے کان آہٹوں کے منتظر تھے۔ حس سماعت تیزی سے کام کر رہی تھی۔ اگر مسز گردیزی سامنے آ گئی تو کیا کہے گی اس سے۔ بہرحال ایسا ہو تو سہی یہ طلسم تو ٹوٹے۔ کل چھ کمرے تھے اس عمارت میں جن میں ڈرائنگ روم بھی شمار ہوتا تھا۔ اس نے ایک اندرونی کمرے سے آغاز کیا کھلے دروازے سے اندر جھانکا کوئی نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ اندرونی کمرہ یہی ہو سکتا تھا پھر دوسرے تیسرے اور چوتھے کمرے کا جائزہ

بھی لے لیا۔ ایک اندازہ ضرور ہو گیا تھا۔ وہ یہ کہ عمارت میں کوئی متنفس موجود نہیں ہے۔ پانچوں اور آخری کمرے کا جائزہ لینے کے بعد یہ تصور یقین کی شکل اختیار کر گیا۔ بس ڈرائنگ روم باقی تھا۔ مگر اس کا دروازہ بھی بند ملا تھا۔ مسز گردیزی اگر ہیں تو اس وقت گھر میں موجود نہیں ہیں۔ اس کے بعد وہ آخری کمرے کی طرف چل پڑی اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ بنگلے کو خالی پا کر ایک اعتماد سا پیدا ہوا تھا کم از کم کسی کے موجود ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ بال گردیزی کو گل شاہ نے جو کچھ کہا ہے وہ کافی ہے۔

کمرے میں داخل ہو کر اسے ایک عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوا کچھ غیر معمولی سی ٹھنڈک تھی۔ ایک طرف دیوار میں ایئرکنڈیشنر لگا ہوا تھا لیکن بند تھا الماریاں موجود تھیں ایک قیمتی بیڈ پڑا تھا ایک طرف سنگھار میز تھی جس کے شوکیس میں دنیا جہاں کا میک اپ کا سامان بھرا ہوا تھا طرح طرح کے سینٹ تھے اور ہر میک اپ کی دوسری قیمتی ترین اشیاء شہلا کے اندازے کے مطابق صرف یہ سامان اسی نوے ہزار روپے کا ہو گا۔ اس نے شوکیس کھولا اور ان اشیاء کا جائزہ لینے لگی ایک لپ اسٹک کھولی مگر اسے دیکھ کر یہ اندازہ ہو گیا کہ اسے ایک بار بھی استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری تیسری اور چوتھی بھی جوں کی توں تھی ہیئر اسپرے' شیمپو' غازے غرض ہر شے بھری ہوئی تھی مگر ان میں سے کوئی شے ایک بار بھی استعمال نہیں کی گئی تھی۔ یہ کیا اسرار ہے....؟ اس نے سوچا لیکن اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس کے بعد اس نے الماریوں کا جائزہ لیا اور انگشت بدنداں رہ گئی۔ الماریاں اعلیٰ درجے کے لباسوں سے بھری پڑی تھیں۔ شاندار نائٹیاں' گون' بیش قیمت ساڑھیاں' پورے سیٹ کے ساتھ شلوار سوٹ' انتہائی قیمتی جوتوں کے ڈبے بھرے ہوئے تھے کسی خیال کے تحت اس نے ایک ڈبہ کھول کر دیکھا اس میں سیاہ سینڈل تھے لیکن جس خیال کے تحت اس نے یہ ڈبہ کھولا تھا اس کی تصدیق بھی ہو گئی وہ بالکل نیا تھا اور اس کے تلووں میں مٹی کا ایک نشان بھی نہ تھا تلووں کی فنشنگ جوں کی توں تھی دوسرے کئی ڈبے اس نے کھول کر دیکھے اور پھر ایک گہری سانس لے کر انہیں بند کرنے لگی تمام چیزیں اس نے اسی طرح رکھ دی تھیں۔ دماغ چکرانے لگا تھا دل اندر سے الٹ رہا تھا کچن میں آ کر اس نے پانی پیا اور گلاس اسی جگہ رکھ کر پھر کمروں کے پاس آ گئی۔

وقت تیزی سے پرواز کر رہا تھا گھڑی میں تو ایک بج رہا تھا اس دوران وہ پورے بنگلے کا جائزہ لے چکی تھی اور بری طرح تھک گئی تھی یہ تھکن جسمانی نہ تھی بلکہ اس کا ذہن ناکارہ ہو گیا تھا کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی دوسرے کمروں میں بھی اس نے گہرا جائزہ لیا تھا الماریاں لباسوں اور جوتوں سے بھری ہوئی تھیں کھلونوں کے انبار تھے چار سالہ بچی کے بیش

قیمت لباس' فراکیں تولئے سینڈل ایک سے ایک حسین لیکن سب نئے اور غیر استعمال شدہ اسی طرح نو سالہ لڑکے کے لباس تولئے اور ضرورت زندگی کا مکمل سامان اسکول کا کورس۔ نئے کتابوں کو کھول کر بھی نہ دیکھا گیا تھا اردو اور انگریزی کی بے شمار کہانیاں جو شیلفوں میں لگی ہوئی تھیں' ایک کمرہ گردیزی کا بھی تھا بس اس میں زندگی کے آثار تھے کچھ کاغذات بھی دیکھے اس نے لیکن صرف اینٹیکس شی سے متعلق تھے۔

گھڑی دیکھ کر وہ چونک پڑی اب واپسی ضروری تھی۔ دماغ سخت بوجھل ہو رہا تھا عضو عضو ٹوٹ رہا تھا وہ گرتی پڑتی واپس چل پڑی ابھی بہت خطرات تھے لیکن شکر تھا کہ حالات سازگار ہی رہے ورنہ روشندان کے ذریعہ اس کی واپسی ممکن نہ تھی اس میں اس مشقت کی ہمت ہی نہ رہی تھی چنانچہ بس یہی ایک نشان چھوڑنا پڑا یعنی وہ عقبی دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔ دروازہ اس نے باہر سے بند کر دیا احاطے کی دیوار پر اندر سے چڑھنا دوبھر ہو گیا بڑی مشکل سے اوپر پہنچی شکر تھا کہ زیر تعمیر مکان کا احاطہ اسی طرح سنسان پڑا تھا ورنہ مصیبت کھڑی ہو جاتی۔

گیٹ سے باہر نکلی تو جان میں جان آئی کم از کم ایک خطرہ ٹل گیا تھا اس احساس سے اس نے بڑی فرحت محسوس کی تھی اور پھر ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ دیر تک پیدل چلتی رہی۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا کچھ فاصلے پر ایک رکشہ کی آواز سنائی دی تو وہ تیز تیز قدموں سے ادھر چل پڑی عام حالات میں وہ رکشہ میں نہیں بیٹھتی تھی یہ سواری اسے زہر لگتی تھی لیکن اس وقت عام حالات نہ تھے۔

کیا ہے یہ سب....؟ دانش گردیزی کی شخصیت مزید پراسرار ہو گئی تھی۔ خیال تھا کہ عمارت کا جائزہ لے کر کچھ معلومات حاصل ہوں گی اس کے بارے میں لیکن وہ تو عجیب ہی نکلا تھا۔ اس کی بیوی اور بچے کہاں ہیں۔ کیا اس کی بیوی اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ ان کے درمیان کوئی تلخی ہو گئی ہے اور دانش گردیزی اس حادثے سے ذہنی مریض بن گیا ہے۔ کچھ ایسا ہی لگتا تھا۔ تھکن اس طرح غالب ہو گئی تھی کہ اس کے بعد دفتر جانا ممکن نہ رہا اور وہ گھر چلی گئی۔ ساڑھے تین بجے تک گھر میں رہی پھر تیار ہو کر گل شاہ کے پاس چل پڑی۔ گل شاہ میرا انتظار کر رہا تھا اس نے میرا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اردلی سے کافی منگوالی۔

"سناؤ جی آنٹی۔ مہم کامیاب رہی۔"

"اس کے گھر کے بارے میں معلومات کی حد تک کامیاب۔"

"بڑی بات ہے۔ کیا پوزیشن ہے؟"

"وہ ایک پراسرار خالی گھر ہے وہاں نہ اس کے بچے ہیں نہ بیوی لیکن ایک خاندان کا

تمام سامان موجود ہے۔ بچوں کے لباس جوتے اور نہ جانے کیا کیا لیکن سب غیر استعمال شدہ۔ بڑی پاگل کر دینے والی کیفیات کا حامل ہے وہ گھر۔" شہلا نے ایک ایک تفصیل گل شاہ کو سنا دی۔

"آنٹی تمہیں اس گھر میں داخل ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوئی؟"

"میں خود بھی اس بات پر حیران ہوں۔ حالانکہ اس نے وہاں جدید ترین نظام قائم کیا ہے لیکن ناجائز طریقے سے وہاں داخل ہونے والوں کی روک تھام کا کوئی بندوبست نہیں کیا۔"

"حیرت کی بات ہے۔ ویسے آنٹی بڑا پکا اور مضبوط آدمی ہے۔ ایسے لوگ بے حد غیر معمولی ہوتے ہیں۔"

"تم اس سے ملے تھے۔"

"لو جی کیسے نہ ملتے تمہاری حفاظت کا خیال جو تھا مگر آنٹی اس نے ہمیں چت کر دیا اور اچھا ہی ہوا کہ ہم نے انٹرپول کو اس کا حوالہ نہ دیا ورنہ ساری تیس مار خانی بیکار جاتی۔ اس نے تصویر کے معاملے کو ہنسی میں اڑا دیا اور کہا کہ اس نے زندگی میں کبھی ڈاڑھی نہیں رکھی۔ تصویر میں موجود باقی لوگوں کے بارے میں اس نے کہا کہ زندگی میں اس کی ملاقات کبھی ان لوگوں سے نہیں ہوئی۔ اس نے اپنی مکمل ہسٹری چند الفاظ میں سنا دی اور ہمیں دعوت دی کہ ہم جس طرح چاہیں اس کے بارے میں تصدیق کر سکتے ہیں۔ بڑی شے ہے بھئی۔"

"بیوی بچوں کے بارے میں کچھ پوچھا....؟"

"پوچھا تھا اس نے مغرور لہجے میں کہا کہ وہ کسی ایسے سوال کا جواب نہیں دے گا جسے ذاتی سمجھتا ہو....!"

"ہوں۔ پھر تم نے کیا فیصلہ کیا گل شاہ....؟"

"فیصلہ...." گل شاہ پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ "فیصلہ تو کیا کرنا ہے آنٹی مگر... وہ کچھ ہے ضرور۔ کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔ آنٹی کوئی لمبی چھلانگ تو نہیں لگائیں گے ہم۔ پر اس کا پیچھا ضرور کریں گے۔ لمبی چھلانگ نقصان دے جائے گی۔"

گل شاہ کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اسے مایوسی سی ہوئی ہے۔ بہرحال شہلا کو بھی اس سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی بس اس کی شخصیت میں کچھ انوکھا پن تھا جس نے اس کے دل میں کھوج پیدا کر دی تھی اور پھر وہ پراسرار عمارت اس کی اندرونی کیفیت.... بیوی بچوں کی غیر موجودگی اس کا انداز.... یہ سب چیزیں شہلا کی فطرت کو چیلنج کرتی تھیں اور یہ چیلنج نظر

انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ گل شاہ کے پاس سے اٹھ گئی۔

اس کے بعد پھر وہی دفتری مصروفیات' زین کی دلچسپ شخصیت اہم لوگوں سے انٹرویو' شہری ہنگامے' چار پانچ دن سخت مصروفیات رہی تھیں چھٹا دن پرسکون تھا۔ دفتر میں زین سے چونچیں ہوتی رہیں۔ اس نے بتایا کہ فوزیہ نے پان چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

"مبارک..... پھر تمہارے سہرے کے پھول کب کھل رہے ہیں۔"

"دانتوں کی صفائی کے بعد....!" "کیا مطلب....؟"

"اس کے دانت کتھے چونے کی ڈلیاں لگتے ہیں۔ میں نے تائی سے کہہ دیا ہے کہ جب تک اس کے دانت اصلی حالت میں نہیں آ جاتے اور میں ان کا معائنہ نہیں کر لیتا ہاں نہیں کروں گا۔"

"بتیسی بدلوا دو.... اب یہ مشکل نہیں رہا ہے۔" شہلا نے مشورہ دیا اور زین جھلا گیا۔

"تم سے مشورہ مانگا ہے میں نے....!" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

اسی شام وہ دفتر سے نکل رہی تھی کہ وہ مل گیا۔ ٹیکسی کی تلاش میں کھڑی تھی کہ اس نے اپنی کار شہلا کے قریب لا کر روک دی۔ وہ چونک پڑی تھی۔

"مس شہلا....!"

"ہیلو....!" شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ....؟"

"گھر....!"

"آیئے میں چھوڑ دوں....!" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"بے حد شکریہ...." شہلا نے کہا اور اطمینان سے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اس نے سرد انداز میں کار آگے بڑھا دی تھی۔ شہلا کے بدن میں پھریریاں دوڑنے لگی تھیں۔ اپنی بے جھجک فطرت کے تحت وہ بغیر کسی تعرض کے اس کے ساتھ کار میں بیٹھ تو گئی تھی لیکن نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں اب اسے ایک خوف کا سا احساس ہو رہا تھا۔ غلطی تو نہیں ہو گئی۔ کہیں غلطی تو نہیں ہو گئی کار کافی دور نکل آئی شہلا اس سے کوئی بات نہ کر سکی تھی۔ پھر اس نے کار ایک دوسرے راستے پر جاتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"او نہیں مسٹر گردیزی.... میرا گھر اس طرف نہیں براہ کرم...."

"خاموش بیٹھو....!" اس نے سفاک لہجے میں کہا۔ اور شہلا کا منہ کھلا رہ گیا۔

اس سفاک لہجے اور تحکمانہ انداز نے اس کا دماغ ٹھیک کر ڈالا تھا.... شاید غلطی ہو گئی تھی۔

دانش گردیزی کے سفاک لہجے نے چند لمحات کے لئے اسے خوفزدہ کر دیا لیکن رفتہ رفتہ اس کی وہ قوتیں بیدار ہو گئیں جن کی بناء پر اس نے اپنے شعبے میں انفرادیت حاصل کی تھی۔ بے خوفی' جرات اور دلیری جس کی کسی عام لڑکی میں کمی ہوتی ہے البتہ اس جملے کے بعد جو لمحات گزرے تھے ان کا حساب اس پر قرض ہو گیا تھا۔

"آپ کے اس لہجے کو میں کیا سمجھوں مسٹر گردیزی؟"

شملا کی آواز میں کوئی کمزوری نہ تھی۔ شاید اس بات کو اس نے محسوس کر لیا تھا ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اس نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی اور بولا۔

"براہ کرم آپ کچھ دیر خاموش رہیں۔"

"مشکل ہے مسٹر گردیزی' آپ ایک چھوٹا سا جرم کر رہے ہیں آپ نے مجھے میرے گھر چھوڑنے کی پیش کش کی تھی اور اب آپ کی کار کا رخ میرے گھر کی جانب نہیں ہے۔"

"چھوٹا سا جرم ہے نا...؟" وہ بے اختیار مسکرا پڑا۔

"کمال ہے آپ مسکرانا بھی جانتے ہیں۔" شملا بولی۔

"آپ میری پیشکش پر میری کار میں کیوں آ بیٹھی تھیں؟"

"اس لئے کہ ہمارے درمیان شناسائی ہے۔"

"چھوٹی سی نا...؟"

"قطعاً...!" شملا نے کہا۔

"مجھے اس سے اختلاف ہے پہلی ملاقات اتفاقیہ تھی ہو سکتا ہے ایسا نہ بھی ہو اور آپ نے جان بوجھ کر "زیڈ" اسٹور میں میرا پیکٹ حاصل کر لیا ہو' مجھ سے ملنے کے لئے دوسری بار آپ فرنیچر کے بہانے تشریف لائیں۔ آپ کی یہ دوسری کوشش سو فیصدی جعلی تھی جس کا مجھے احساس ہو گیا تھا اور صرف دو اتفاقی ملاقاتوں کے بعد کسی کی ایسی پیشکش قبول کر لینا خطرناک ہے... کیا خیال ہے؟" اس سوال پر اس نے رخ تبدیل نہ کیا تھا۔

"ترجمہ بھی کرتے چلیں..." شملا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"شناسائی کی تردید کر رہا تھا آپ اسے کسی قسم کا لگاؤ کہہ سکتی ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر میرے قریب آنا چاہتی ہیں۔"

"نامعلوم وجوہ۔" شملا نے بدستور طنزیہ لہجہ برقرار رکھا۔

"ہاں تشریح کرتا چلوں اس صنف کا تعین کرنا حماقت ہے کیونکہ آپ ایک نوجوان اور خوبصورت خاتون ہیں اور میں ایک عمر رسیدہ شادی شدہ اور بال بچوں والا آدمی چنانچہ ایک شعبہ تو ختم ہو جاتا ہے لیکن آپ کی دلچسپی اب بھی قائم ہے اور میں بس وجوہ جاننا چاہتا ہوں اسی کے لئے میں نے اس وقت آپ کو زحمت دی ہے۔"

"کیا اسے ایک شریفانہ عمل کہا جا سکتا ہے....!"

"ہرگز نہیں بس ایک چھوٹا سا جرم۔" وہ پھر مسکرا دیا۔

"آپ کا خیال ہے آپ نے مجھے باتوں میں لگا لیا ہے اور آپ کا مقصد پورا ہو رہا ہے۔" شملا نے کہا۔

"نہیں بلکہ میں خوش ہوں کہ آپ مجھ سے مسلسل تعاون کر رہی ہیں ورنہ ہم بھری پری سڑکوں سے گزر رہے ہیں آپ شور بھی مچا سکتی تھیں۔"

"اس کی بھی کچھ وجوہ ہیں مسٹر گردیزی۔"

"بس بس یہی وجوہات میں جاننا چاہتا ہوں۔" اس نے کار کو الگن روڈ پر ٹرن دیتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہے اب آپ اطمینان سے ساری وجوہات جان لیں۔" شملا نے کہا اور کار اس کی رہائش گاہ پر پہنچ گئی گیٹ فوراً کھل گیا اور کار اندر داخل ہو کر پورچ میں رک گئی۔ وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

"آیئے۔" اس نے کہا اور شملا نیچے اتر آئی دل کے کسی گوشے سے خوف کی ایک لہر نے پھر سر ابھارا تھا لیکن اس نے خود پر قابو پا لیا اب دانش کے انداز میں احترام پیدا ہو گیا تھا۔ "پلیز آیئے۔" اس نے صدر دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ نے فرمایا تھا کہ تیسری بار آپ مجھے اس عمارت میں دیکھنا پسند نہ کریں گے۔"

"وہ رکا مسکرایا پھر بولا۔ "آیئے۔"

شملا اندر داخل ہو گئی وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا تھا۔ "تشریف رکھئے اور مجھے چند لمحات کی اجازت دیجئے لباس تبدیل کر کے حاضر ہوا۔"

وہ جواب کا انتظار کئے بغیر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا شملا دوہری کیفیت کا شکار ہو گئی کبھی خوفزدہ ہو جاتی اور سوچتی کہ آئندہ لمحات خطرناک بھی ہو سکتے ہیں پھر خود کو سنبھال

لیتی اب وہ کسی کے لئے نرم چارہ بھی نہیں ہو سکتی۔ البتہ وہ صوفے کی طرف نہیں بڑھی تھی اس کی نگاہیں برق رفتاری سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہی تھیں اگر کوئی خطرناک صورتحال پیش آ جائے تو کونسی شے مدافعت کے لئے استعمال ہو سکتی ہے پتہ نہیں وہ کیا چاہتا ہے اس کی شخصیت اتنی ہلکی تو نہیں ہے کہ وہ کوئی عامیانہ حرکت کرے۔

کسی خیال کے تحت وہ دروازے کی طرف بڑھی اور ایک بار پھر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں دوڑنے لگیں دروازہ اس کے سائے سے نہیں کھلا تھا اس نے دروازے پر زور آزمائی بھی کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا تھا۔ دانش گردیزی کو گئے ہوئے کئی منٹ گزر گئے گویا وہ ایک قیدی تھی اور اب یہ اس کی مرضی پر منحصر تھا کہ وہ کب تک اسے رہائی دیتا ہے۔

وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا اور دانش اندر داخل ہوا ایک ٹرالی دھکیلتا اندر آیا تھا جس پر برتن سجے ہوئے تھے کافی کی سوندھی خوشبو اٹھ رہی تھی اعلیٰ درجے کی بڑی بڑی پلیٹوں میں ڈرائی فروٹس موجود تھے۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ اس نے کافی کی پیالی اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "لیجئے.....!"

"یہ آپ کی فطرت کا اظہار ہے۔" شہلا نے کہا۔

"سمجھا نہیں۔"

"آپ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں ورنہ اس سے قبل....." شہلا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا وہ سرد نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے کہا۔

"مس شہلا میں کچھ نہیں ہوں ایک عام سا آدمی ہوں کاروبار کرتا ہوں آپ کو میرے اسٹور کے بارے میں معلوم ہے یہ چھوٹا سا گھر اور چند افراد۔ کوئی نئی اور اہم بات نہیں ہے مجھ میں۔ بس زندگی گزارنے کا ایک طریقہ اپنایا ہے میں نے شاید ایک بھی شخص ایسا تلاش نہ کر سکیں آپ جسے میرے ہاتھوں کوئی نقصان پہنچا ہو۔ آپ میرے بارے میں نہ جانے کیا سوچ رہی ہیں۔ میں آپ کے الجھے خیالات کی تردید کرنا چاہتا ہوں اور اسی لئے میں نے آپ کو زحمت دی ہے۔"

"کمال ہے اس معصومیت پر، آپ کی ذات سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کافی لیں۔"

"شکریہ میں اس عنایت کو قبول نہ کر سکوں گی۔"

"تب آپ اس معیار کی خاتون نہیں ہیں جو میں نے آپ کے بارے میں قائم کیا تھا۔"

"آپ نے میرا کوئی معیار بھی قائم کیا۔"

"ہاں مس شہلا کوئی ہمارے پاس آئے تو اس کے بارے میں سوچا ہی جاتا ہے زیڈ اسٹور میں جو کچھ ہوا میرے نزدیک اتفاق تھا آپ تشریف لائیں میں دل میں آپ کا شکر گزار ہوا ایک عام سی بات تھی اگر میں اس وقت آپ کی خاطر مدارت کرتا تو آپ ایک خاتون ہونے کی حیثیت سے اسے کوئی دوسرا رنگ بھی دے سکتی تھیں۔ ماحول ایسا ہی ہے کیا کیا جائے دوسری بار آپ تشریف لائیں تو مجھے آپ کے بارے میں کچھ الجھن ہوئی کیونکہ آپ نے اپنی آمد کا جو مقصد بتایا تھا وہ میرے دل کو نہ لگا تھا بہرحال میں نے آپ کی ذات کو کوئی مسئلہ نہ بنایا لیکن" اس لیکن کے بعد وہ رکا تو شہلا کو اپنے ذہن میں ایک سنسناہٹ کا احساس ہونے لگا اس لیکن سے آگے کیا ہے وہ خاموشی سے کافی کے گھونٹ لیتا رہا اس کے بعد اس نے شہلا سے کافی کے لئے درخواست نہیں کی تھی۔

"آپ غالباً سنسنی پیدا کر رہے ہیں۔" شہلا نے کہا۔

"جی ہاں آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں مس شہلا۔"

"فرنیچر۔" شہلا نے کہا اور ہنس پڑی اس نے پلیٹ سے نمکین کاجو اٹھائے اور انہیں دانتوں سے کچلنے لگا۔ اب اس کا چہرہ خشک ہو گیا تھا پھر اس نے کافی کے دو گھونٹ لئے اور بولا۔ "آپ نے ایک چھوٹے سے جرم کی نشان دہی کی تھی آپ کو اس طرح اغوا کر کے لانا تو بہت بڑا جرم ہے آپ میرے مکان میں قید ہیں اور میری مرضی کے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتیں۔ اس کا اندازہ آپ نے ڈرائنگ روم کے دروازے پر قوت آزمائی کر کے لگا لیا ہے۔ اس گھر کا ہر دروازہ آپ سے قوی ہے اور یہ عمارت، عمارت آپ کے لئے جہنم بن سکتی ہے آپ کو اس کا احساس ہے یا اس طرح یہ ایک چھوٹا سا جرم تو نہ ہوا..... لیکن مس شہلا میں نے آپ سے ایک جائز درخواست کی تھی جسے آپ نے قبول نہ کیا۔"

شہلا سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ تیسری بار آپ عمارت میں داخل نہ ہوں لیکن آپ تیسری بار یہاں تشریف لائیں میری غیر موجودگی میں چور راستوں سے آپ نے میرے پورے گھر کی تلاشی لی اور پھر اسی راستے سے آپ کی واپسی ہوئی کیا یہ جرم نہیں ہے کیا اس کی نوعیت میرے اس جرم کی طرح سنگین نہیں ہے۔"

شہلا کے اعصاب کشیدہ ہو گئے اسے ایک بار پھر خوف کا احساس ہونے لگا تھا وہ پھر

بولا۔ "آپ کے اس جرم سے مجھے بھی آپ کو چوتھی بار یہاں لانے کی جرات ہوئی اور جرم کے جواب میں میری یہ کوشش جرم نہیں ہے تاہم میں نے شرافت کے راستے کھلے رکھے ہیں۔ آپ مجھے اپنا مقصد بتا دیں میں آپ کو احترام کے ساتھ باہر پہنچا دوں گا۔"

شہلا بری طرح بوکھلا گئی تھی اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مجھے کیا ضرورت تھی یہاں چھپ کر آنے کی۔" شہلا کے ان الفاظ پر اس کے چہرے پر حقارت کے آثار پھیل گئے۔

"آپ کے ان الفاظ نے آپ کا رہا سہا احترام بھی ختم کر دیا میرے دل سے میں نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ کے جرم کے جواب میں کہا ہے یہ میرا حق ہے اور اس کے بعد جو کچھ میں کروں گا وہ بھی میرا حق ہو گا مس شہلا آپ میری غیر موجودگی میں یہاں آئیں کچن کے راستے اندر داخل ہوئیں آپ نے اس پورے گھر کی تلاشی لی اور پھر یہاں سے واپس چلی گئیں۔ کیوں جواب دیں۔"

"آپ کے پاس اس دعویٰ کا کیا ثبوت ہے؟"

"یہ لیجیے۔" اس نے گون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ نکالا اور اسے شہلا کی طرف اچھال دیا لفافہ کھل گیا اور اس سے چند تصویریں نکل کر سینٹر ٹیبل پر بکھر گئیں۔ شہلا نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان تصویروں کو دیکھا یہ اس کی تصویریں تھیں الماریاں کھولتے ہوئے تلاشی لیتے ہوئے۔ وہ بولا۔

"اس گھر میں ملازم نہیں ہیں لیکن اس کسر کو پورا کرنے کے لئے بہت کچھ ہے۔"

شہلا کے کس بل نکل گئے تھے اس نے صرف لفافے سے نکل پڑنے والی تصویروں کو دیکھا تھا اس سے زیادہ جرات نہ ہوئی وہ بولا۔ "...کیا آپ ان تصویروں کی تردید کریں گی؟"

"نہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"آپ یہاں کیوں آئیں تھیں؟"

"آپ کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔"

"کیا جاننا چاہتی تھیں؟"

"یہی کہ یہ عمارت تنہا کیوں ہے۔ آپ کی چہیتی بیوی اور پیارے بچے کہاں ہیں۔"

"اس تحقیق کا حق کس نے دیا ہے آپ کو....؟"

"میرے پیشے سے میری فطرت میں جستجو ہے میں صرف اخبارات کے لئے کام نہیں کرتی کہانیاں بھی لکھتی ہوں۔ مجھے کرداروں کی تلاش رہتی ہے اور آپ زیڈ اسٹور میں

مجھے کچھ عجیب لگے تھے۔"

"آپ جھوٹی ہیں آپ کا کردار آپ کی ظاہری شخصیت سے مختلف ہے خیر آپ کیا ہیں مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے آپ اس طرح یہاں آئیں تو آپ کے بارے میں میرا تجسس فطری تھا کچھ وقت ضائع کیا آپ پر میں نے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کیں آپ بے شک اخباری نمائندہ ہیں کہانی نویس بھی غیر شادی شدہ ہیں اپنی تحریروں میں منفرد ہیں اور آپ دوسرے بے شمار لوگوں کی طرح اپنی تقدیر کو رگڑ رگڑ کر چمکانے میں کوشاں ہیں آپ کا رابطہ پولیس سے ہے اور آپ نے اسی لئے وہ عامیانہ روی اختیار کی جو اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہر قدرے بے نیاز لڑکی کر سکتی ہے گل شاہ کسی گیری کوپ نامی شخص کے قتل کے سلسلے میں میرے بارے میں تحقیق کر رہا ہے اور آپ اس کی معاونت کر رہی ہیں اس لئے آپ میرے گھر میں داخل ہوئی تھیں اس وقت جب وہ انسپکٹر میرے دفتر میں بیٹھا میرے کان کھا رہا تھا۔"

شہلا کے پاس اب حیرت بھی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "کیا آپ نے گیری کوپ کو قتل کیا ہے؟"

"آپ لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں مجھے خوشی ہو گی۔ ویسے بھی میرے پاس بہت سی دولت بیکار پڑی ہے آپ مجھے بلیک میل کر کے اچھا خاصا کما لیں گی۔ اس سے زیادہ آپ کی پرواز کیا ہو سکتی ہے۔ ہاں اس کوشش میں آپ کچھ ضائع کر بیٹھیں تو مجھ سے شکوہ نہ کریں۔ یا ہو سکتا ہے سرے سے آپ شکوہ ہی نہ کریں۔ کوئی ایسا مرحلہ آپ کے لئے قابل توجہ نہ ہو۔ بہرحال ابھی گنجائش ہے میں آپ کو موقع دے رہا ہوں۔ بہتر ہے یہ کوشش کہیں اور کریں آپ کی تقدیر چمک جائے۔ مجھے اعتراض نہ ہو گا لیکن میرے چند الفاظ سن لیں۔ اس کے بعد' اس کے بعد کسی بھی شکل میں' میں نے آپ کو اپنے قریب پایا تو میں کیا کروں گا یہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ میں آپ کے لئے وہ راستہ اختیار کروں گا جو آپ کو اتنا سیاہ کرے کہ آپ کو اس سیاہی سے خود خوف محسوس ہو۔ سمجھیں آپ۔ اور یہ بھی سن لیں۔ اس عمارت میں آپ کا داخلہ کسی طور ممکن نہیں تھا لیکن میں یہ راستے کھلے رکھتا ہوں ان چوروں کے لئے جو مجھے درکار ہیں۔ مجھے کچھ چوروں کی تلاش ہے اور وہ میرے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ راستے ان کے لئے ہیں۔ سڑکوں پر آوارہ پھرنے والے کتوں کے لئے نہیں۔ آئندہ یہ راستے اتنے سہل نہ ہوں گے اسے آپ نوٹ کر لیں۔ آپ کو اس عمارت میں میری بیوی بچے بھی نہ ملے ہوں گے۔ وہ اس قدر بلند ہیں آپ سے کہ آپ سے ان کے بارے میں گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کرتا مجھے خوشی ہے کہ آپ نے کافی

نہیں پی۔ ان برتنوں کو ہاتھ نہ لگائے۔ ورنہ مجھے انہیں کوڑے دان میں پھینکنا پڑتا۔ آپ کے چھونے کے بعد یہ اس قابل نہ رہتے کہ میں انہیں اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر پھینک بھی سکتا۔ اٹھ جایئے صوفے سے۔" اس کی آواز میں غراہٹ ابھر آئی۔

شہلا بے اختیار کھڑی ہو گئی۔

"گیٹ آؤٹ۔" وہ دروازے کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ شہلا کے قدم نہ اٹھے تو وہ گرج کر بولا۔ "گیٹ آؤٹ۔" وہ لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

سارے دروازے کھلتے جا رہے تھے چند منٹ کے بعد وہ سڑک پر تھی۔

تمام تیزی طراری رخصت ہو گئی تھی۔ دل بیٹھا جا رہا تھا طبیعت اندر سے الٹ رہی تھی۔ پوری زندگی میں یہ سب کچھ نہ سنا تھا جو آج سننے کو ملا تھا۔ وہ حساس تھی فطرت کی شوخی اپنی جگہ کارکردگی کی طراری اپنی جگہ لیکن احساسات کا ایک معیار تھا۔ آج اسے محسوس ہو رہا تھا کہ زبان کیا چیز ہے۔ اس سے مہلک ہتھیار روئے زمین پر دوسرا نہیں ہوتا۔ اس کے لگے ہوئے گھاؤ کتنے اذیت ناک ہوتے ہیں دانش نے اس سے انتقام لے لیا تھا۔ جس شدید نفرت کا اظہار اس نے کیا تھا اس کے بعد نفرت کا تصور بھی ختم ہو جاتا تھا۔ اس نے شہلا کو گندی نالی کے کیڑے سے زیادہ گھناؤنا کر دیا تھا۔ اس سے زیادہ ناپاک شے اور کوئی نہ تھی اس وقت نہ جانے کس طرح وہ اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔ نہ جانے کس طرح وہ اپنے بدن کا بوجھ سنبھالے ہوئے تھی۔ اطراف میں کیا ہے کچھ معلوم نہیں تھا بس چل رہی تھی ان لفظوں کے بارے میں سوچتے ہوئے جو دانش نے اس کے لئے استعمال کئے تھے۔ اسے دانش پر غصہ نہیں آیا تھا بس اس کے الفاظ۔ اس کا انداز۔ پیروں نے ساتھ چھوڑا تو وہ چونکی، حیرت سے ماحول کا جائزہ لیا لیکن اگلن روڈ بہت پیچھے رہ گیا تھا وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی اور جب ٹیکسی مل گئی تو اس میں گر پڑی۔ راستے میں اس نے خود کو سنبھالا۔ سوچ تو اب شروع ہو گی گھر پہنچ جائے۔ غصے کی شدت میں وہ سرخ رنگ کی اس کار کو بھی نہ دیکھ سکی تھی جو دانش کی کوٹھی سے باہر نکلتے ہی اس کے پیچھے لگ گئی تھی۔

ماں سے زیادہ چہرہ شناس کون ہو سکتا ہے۔ اس نے فوراً پوچھا۔ "کیا بات ہے شہلا خیریت تو ہے۔"

"ماں شاید فلو کا اثر ہو گیا ہے۔" وہ بولی۔

"زیادہ طبیعت بگڑ رہی ہے۔"

"نہیں زیادہ نہیں۔"

"غسل نہ کرنا۔ چائے بنواتی ہوں۔"

"دل نہیں چاہ رہا امی۔ رہنے دیں۔" اس نے کہا اور اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ بستر پر لیٹ جانے کے علاوہ کچھ اور حاجت نہ تھی جوتے اتارنے کی زحمت کی تھی اور اس کے بعد بستر پر جا گری تھی۔ دماغ چیخ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک قے ہوئی اور گھر والے پریشان ہو گئے۔ قے ہونے سے طبیعت کچھ ہلکی ہو گئی تھی دماغ سوتا جا رہا تھا اور نیند نے بھرپور مدد کی وہ سو گئی۔ نہ جانے کب آنکھ کھلی تھی آنکھیں کھول کر دیکھا تو ماں سرہانے بیٹھی تھی چھوٹا بھائی کرسی پر بیٹھا کورس کی کتاب دیکھ رہا تھا۔

"کیا وقت ہوا ہے امی۔" اس نے کہا اور ماں چونک پڑی۔

"الٰہی تیرا شکر ہے۔" ماں کے منہ سے آواز نکلی اور وہ اٹھ کر باہر دوڑ گئی۔ شہلا کو حیرت ہوئی کہ ماں نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ چھوٹا بھائی اٹھ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔

"یہ امی کہاں گئی صائم۔"

"کیسی طبیعت ہے باجی۔"

"کیا ہو گیا تم لوگوں کو۔ میری بات کا جواب ہی نہیں مل رہا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بڑے بھیا امی کے ساتھ داخل ہو گئے۔ پیچھے بھابی تھیں۔ بڑے بھیا نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری۔"

"ٹھیک ہوں مگر آپ لوگ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہے ہیں کیا پریشانی لاحق ہے آپ سب کو۔"

"صوفی تم مسی کا جوس نکال لاؤ۔" بڑے بھیا نے کہا اور بھابی باہر چلی گئیں۔ بڑے بھیا پھر بولے۔ "کیا خیال ہے امی میں دفتر چلا جاؤں راستے میں ڈاکٹر صاحب کو کیفیت بتاتا چلا جاؤں گا۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔"

"ضروری ہے ورنہ آج بھی نہ جاتا۔ تم صرف آرام کرو گی شہلا۔ میری بات کا خیال رکھنا۔ اچھا امی میں چلتا ہوں۔"

بڑے بھیا نے کہا اور باہر نکل گئے وہ احمقانہ انداز میں ایک ایک کی صورت دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا عجیب عجیب چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

"بھئی یہ چکر کیا ہے آپ سب لوگ کیا مجھے پاگل کرنا چاہتے ہیں۔" وہ پریشان ہو کر

بولی۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے۔" ماں نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں معمولی سا فلو ہو گیا ہے قیامت تو نہیں آ گئی۔"

"قیامت تو گزر گئی۔ تم پینتالیس گھنٹے کے بعد ہوش میں آئی ہو بخار تھا کہ عذاب جہنم قریب بیٹھنے والے کو تپش محسوس ہو رہی تھی شاید سرسام ہو گیا تھا۔" ماں نے کہا اور وہ ششدر رہ گئی۔

"پینتالیس گھنٹے۔" وہ پاگلوں کی طرح بولی۔

"پرسوں واپس آ کر بستر پر پڑی تھیں پوری رات گزری پورا دن دوسری رات اور اب پونے بارہ بجے ہیں۔"

"او میرے خدا۔" وہ دیوانوں کے سے انداز میں بولی۔ ماں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی وقت بھابی جوس لے کر اندر آ گئی تھیں۔ انہوں نے گلاس بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بغیر حیل و حجت کے پی جاؤ۔"

"بھابی میں پینتالیس گھنٹے کے بعد جاگی ہوں۔"

"کچھ زیادہ ہی ہو گئے۔"

"مگر ہوا کیا تھا مجھے؟"

"بخار۔ ایک سو چھ۔" بھابی نے سکون سے جواب دیا۔ پھر بولیں امی آپ آرام کریں صائم جاؤ دوسرے کمرے میں پڑھو۔ جایئے امی کہیں آپ بیمار نہ پڑ جائیں۔ اب سب ٹھیک ہے۔" ماں اور بھائی باہر نکل گئے تو بھابی نے پھر جوس پینے کا حکم دیا۔ اور وہ غٹاغٹ سارا گلاس چڑھا گئی۔

"اور لاؤں۔" بھابی نے پوچھا۔

"واضح فرمایئے محترمہ۔ میں بیمار ہو گئی تھی اور باقی سارے لوگ پراسرار ہو گئے ہیں میں کچھ عجیب سا محسوس کر رہی ہوں۔"

"تم بیمار کیوں ہو گئی تھیں۔"

"بس غلطی ہو گئی معافی چاہتی ہوں۔"

"وجہ کیا تھی۔" بھابی نے کہا اور وہ چونک گئی۔

"بھابی۔" اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔ لیکن بھابی سنجیدہ رہیں۔ پھر انھوں نے کہا۔

"ڈاکٹر عباس کا کہنا ہے کہ شدید اعصابی دباؤ اس کیفیت کا حامل ہے۔ وہ کیا دباؤ تھا۔"

"اعصابی دباؤ۔" اس کے ذہن میں چھناکا سا ہوا۔ اسے سب کچھ یاد آ گیا تھا لیکن اب

اس احساس میں وہ شدت باقی نہ رہی تھی پھر اس نے کہا ہاں بھابی اعصابی دباؤ ضرور تھا لیکن وہ اس قدر شدت اختیار کر جائے گا مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔"

"وجہ کیا تھی۔"

"ایک شخص سے جھگڑا ہو گیا تھا اس نے کچھ ایسے جملے کہہ دیئے جو مجھ سے برداشت نہ ہو سکے تھے۔"

"دانش گردیزی کون ہے۔" بھابی نے کہا وہ اچھل پڑی۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بھابی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ۔ آپ اسے کیسے جانتی ہیں۔"

"کون ہے وہ۔"

"او بھابی آپ اسے کیسے جانتی ہیں۔"

"سرسام کی کیفیت میں تم ہذیان بک رہی تھیں دانش گردیزی کا نام لے کر قسمیں کھا رہی تھیں کہ تم اسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارو گی۔ بہت زیادہ نفرت کا اظہار کر رہی تھیں تم۔"

"اوہ۔ ہاں۔ ایسا ہو گا مگر میں۔ اتنے زیادہ ذہنی دباؤ میں آ گئی۔ تعجب ہے۔" شہلا نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ بھابی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ دیر تک سوچتی رہی۔ بھابی نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں شہلا۔ برا تو نہیں مانو گی۔"

"کیا بات ہے بھابی۔"

"مجھے اپنی بہن سمجھتی ہو نا۔"

"کیوں نہیں بھابی۔"

"کوئی ایسی بات تو نہیں ہے۔ کوئی حادثہ تو نہیں پیش آ گیا تمہیں۔ تمہاری کیفیت کے پیش نگاہ یہ شک دل میں پیدا ہوا ہے شہلا' خدا کی قسم تمہارے بھائی سخت پریشان ہیں منہ سے تو کچھ نہیں بول سکے لیکن میں نے ان کی آنکھوں کو پڑھا ہے۔ میں شہلا' میں تمہاری اپنی ہوں۔ کوئی بات ہوئی ہے تو مجھے بتا دو۔"

"او میرے خدا۔" وہ متحیر رہ گئی۔ بھابی کیا کہہ رہی ہیں وہ سمجھ گئی تھی۔ اسے بری طرح ہنسی آ گئی پھر اس نے کہا۔

"بھابی میرے ہاتھ دیکھو ایک غیر کاروباری دست شناس نے میرے ہاتھ دیکھے تھے اور بتایا تھا کہ میرے ہاتھ میں قتل کی لکیر ہے۔ خیر دست شناس نے تو جو کچھ کہا ہے جھوٹ ہو یا

بچ لیکن ایک بات میں آپ کو بتا دوں اگر کسی نے ایسی جرات کی بھی تو میں قتل عام کر ڈالوں گی صرف ایک قتل نہیں کروں گی بلکہ اس خاندان کو فنا کر دوں گی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے بھابی یہ شخص جو دانش گردیزی ہے ایک مشتبہ شخصیت ہے میں اس کی کھوج میں لگی ہوئی ہوں اسے علم ہو گیا اور اس نے مجھ سے ایسی تلخ گفتگو کی کہ بھابی۔ میرا دماغ تاریک ہو گیا۔ شدید غصے نے میری حالت اس قدر بگاڑ دی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے بھابی۔"

"اللہ کا شکر ہے بڑا اطمینان ہو گیا۔ تم نے میری بات کا برا تو نہیں مانا۔"

"کسی کی محبت کا احترام کیا جاتا ہے بھابی برا ماننے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری فراخ چشمی سے واقف نہ ہوتی تو مر کر بھی تم سے اس سوال کی جرات نہ کر پاتی۔" بھابی نے اس کے رخسار چومتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ دانش گردیزی کے بارے میں اس سے سوالات کرتی رہیں۔ اس نے اطمینان سے بھابی کو چٹکلو میں ڈرا دیا تھا۔

طبیعت سنبھل گئی لیکن دانش گردیزی کے لئے اس کے دل میں جو زہر بھر گیا تھا اس کی شدت کم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اس کا ایک ایک جملہ تیزاب میں بجھا ہوا تھا۔ اور وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتی تھی لیکن اب اس کی سوچ بدل گئی تھی۔ گل شاہ یا کوئی دوسرا اس معیار کا نہ تھا جو اس کے کام میں معاون ہو سکتا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا خود ہی کرنا تھا۔ لیکن کیا۔ یہ ابھی خود اس کے ذہن میں نہ تھا۔ البتہ اس نے اب خود پر قابو پا لیا تھا۔ اپنا ذہن بگاڑنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ ٹھنڈے دماغ سے کام کرنا ہو گا۔ مسئلہ اسی طرح حل ہو سکتا ہے' گل شاہ پولیس کے انداز میں کام کرے گا' قانونی پہلوؤں کو حد نگاہ رکھے گا' لیکن وہ اس سے کوئی قانونی پرخاش نہیں رکھتی تھی۔ اگر وہ قانون کا مجرم نکل بھی آئے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ وہ اسے کوئی ایسی سزا دینا چاہتی تھی جو اس کے ان الفاظ کا بھرپور بدل ثابت ہو سکے اور اس کا تذکرہ گل شاہ سے کرنا بالکل ہی غیر مناسب ہوتا۔ گل شاہ ان گہرائیوں میں نہ اتر سکے گا۔ جو اب شہلا کے دل میں پیدا ہو گئی تھیں۔

بہرطور دو تین دن تک دفتر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا' گھر والے بھلا اس کی کیا اجازت دیتے' البتہ اسے یہ علم ہو گیا تھا کہ اس کی بے ہوشی کے دوران زین بھی اس کے گھر آیا تھا۔ چیف ایڈیٹر صاحب بھی آئے تھے اور اس کی کیفیت دیکھ کر گئے تھے۔ دوسرے دن فون پر ان لوگوں سے بات بھی ہوئی تھی اور زین نے درخواست کی تھی کہ وہ اس کی عیادت کے لئے آنا چاہتا ہے۔ بہرطور بوریت دور کرنے کے لئے زین کی کچھ دیر آمد

ناخوشگوار ثابت نہ ہوئی۔ زین عیادت گزاروں کی سی شکل بنا کر آیا اور اس نے ڈرامہ شروع کر دیا۔

"بس زین ڈیئر کچھ نہ پوچھو' غالباً مجھے فوزیہ ہو گیا تھا۔" شہلا مسکراتی ہوئی بولی۔

"اس بیماری کے عالم میں بھی مذاق سے باز نہیں آؤ گی۔ فوزیہ کیسے ہو گیا تھا.....؟"

"آہ میں سوچ رہی تھی کہ اگر فوزیہ کے دانتوں کی صفائی ہو گئی تو پھر میرا کیا بنے گا...؟"

"اڑا لیں مذاق میڈم اڑا لیں محبت کرنے والوں کے ساتھ تو یہ سب کچھ ہوتا آیا ہے' آپ کونسا نیا کام کر رہی ہیں۔ بہرحال آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ فوزیہ کے دانت صاف نہیں ہو سکتے۔ کتھے چونے نے اس کے سامنے کے پانچ دانتوں کو گلا دیا ہے اور ان پر کتھے چونے کا رنگ ایسا غالب ہو گیا ہے کہ وہ اب صاف نہیں ہو سکتے۔ بقیہ دانتوں کی صفائی کے امکانات ہیں' لیکن اس سے خدشہ یہ ہے کہ ایک نگاہ دیکھنے سے فوزیہ کے سامنے کے پانچ دانت ٹوٹے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ تجویز بھی پیش کی گئی ہے کہ ان پانچ دانتوں کو نکلوا کر نئے دانت لگوائے جائیں' لیکن آپ غور فرمایئے کہ میری زندگی کا آغاز ایک ٹوٹے ہوئے دانتوں والی لڑکی سے ہو گا۔ خدا کی پناہ میں نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ اب اس بات کے کوئی امکانات نہیں ہیں۔ والدہ صاحبہ اگر اس سلسلے میں زیادہ متاثر ہو گئی ہیں تو متاثر ہوتی رہیں' مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"آہ زین اگر یہ بات تم مجھے پہلے ہی آ کے بتا دیتے تو مجھے اس بیماری سے نہ گزرنا پڑتا۔" شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی نہ جلاؤ شہلا' تمہارے بارے میں تو اب سوچنا بھی حماقت ہے' تم صرف مذاق اڑانا جانتی ہو....." زین سے بہت دیر تک پر لطف باتیں ہوتی رہیں' اس نے دفتر آنے کے بارے میں پوچھا تو شہلا نے کہہ دیا کہ بس گھر والوں کی اجازت کا مسئلہ ہے ورنہ اپنے طور پر تو وہ بالکل ٹھیک ہے۔ پھر پانچویں دن اسے دفتر جانے کی اجازت مل گئی۔ بڑے بھیا کے چہرے سے بھی اطمینان جھلکنے لگا تھا۔ بھابی نے انہیں صورت حال سمجھا دی تھی۔ تاہم بڑے بھیا نے بڑائی سے کام لیا اور اس سے دانش گردیزی کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ بتانا چاہتی تو خود ہی اس کا تذکرہ کر ڈالتی۔ کچھ اور دن گزر گئے اتفاق کی بات ہے کہ گل شاہ سے بھی اس دوران ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اخباری کام جاری تھا کوئی اور تحریر زیر قلم نہیں تھی' چنانچہ معمولات اسی طرح چلتے رہے' اور پھر ایک شام جب وہ دفتر سے نکل کر ٹہلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی' کہ ایک خوبصورت سی تقریباً تیس پینتیس

سالہ عورت نے اس کا راستہ روکا۔ اخروٹی رنگت کے بال، جدید تراش کا لباس اور نقوش میں ہلکی سی اجنبیت لیکن ہونٹوں پر پرتپاک مسکراہٹ اور آنکھوں میں یگانگت کے انداز دیکھ کر وہ رک گئی۔

"ہیلو۔" عورت نے جھکیں لہجے میں کہا۔

"ہیلو فرمایئے۔"

"اس طرح کسی کا راستہ روک کر اسے مخاطب کرنا ایک غیر اخلاقی حرکت ہے، لیکن جو لوگ دوسرے ممالک کی سیاحت کے لئے نکلتے ہیں، ان کے شناسا بھی تو نہیں ہوتے..... اور اگر شناسائی حاصل کرنے کی جرات نہ کی جا سکے تو پھر تنہائی کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔"

"آپ سیاح ہیں؟"

"ہاں۔ میرا نام فرح ہے۔ کافی دنوں سے تمہارے اس شہر میں مقیم ہوں، تمہیں ایک اخبار کے دفتر سے نکلتے دیکھ کر اور گلے میں کیمرہ لٹکائے ہوئے دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ تم اخباری زندگی سے تعلق رکھتی ہو، میرا تعلق بھی اپنے ملک کے ایک بہت بڑے اخبار سے تقریباً آٹھ سال رہا ہے۔ یوں سمجھو کہ میں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اخبار ہی سے کیا تھا۔ چنانچہ ایک اخباری رپورٹر کو دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہیں پا سکی۔"

"میرا نام شہلا حسن زاہد ہے اور آپ کا یہ خیال درست ہے میرا تعلق اخبار سے ہے۔ ویسے میڈم آپ نے اخباری زندگی چھوڑ دی.....؟"

"ہاں کافی عرصہ ہوا، شادی کرنے کے بعد میں نے وہ زندگی ترک کر دی۔ کیونکہ میرے شوہر کاروباری تھے اور میری ملازمت پسند نہیں کرتے تھے۔ اب ان کے ساتھ ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتی ہوں اور سال کے دو ماہ ہم کسی نہ کسی دوسرے ملک میں گزارتے ہیں۔ اگر تم محسوس نہ کرو ڈیئر تو میں تمہیں چائے کی پیش کش کروں؟"

"کوئی حرج نہیں ہے، آپ نے مجھے مخاطب کیا اور ایک بات آپ کے ذہن میں آ گئی تو بھلا میں آپ کے لئے اتنا وقت کیوں نہیں نکال سکتی، لیکن چائے کی پیشکش آپ میری طرف سے قبول فرمایئے....."

"ایک ہی بات ہے آؤ، ہم نے یہاں کی سیر و سیاحت کے لئے کرائے پر گاڑی حاصل کر لی ہے، وہ اس طرف میری گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔"

شہلا نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا، بہت سے خدشات ذہن میں ابھرے تھے، لیکن ایک صحافی کی زندگی تو ایسے ہی خدشات سے پر ہوتی ہے اس نے ہر خدشے کو ذہن سے جھٹک دیا اور اس کے ساتھ اس سرخ رنگ کی کار کی جانب بڑھ گئی جو فٹ پاتھ کے

دوسری طرف کھڑی ہوئی تھی۔ فرح نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور گاڑی چل پڑی۔ ریتبو کافی ہاؤس حالانکہ قریب ہی تھا۔ لیکن شہلا نے ایک اور خوبصورت ریسٹوران کا انتخاب کیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ "بیسو" میں پہنچ گئیں۔ فرح نے اس خوبصورت ریسٹوران کو پسند کیا تھا۔ ایک میز کے گرد بیٹھ کر شہلا نے کافی کے ساتھ کچھ اور لوازمات بھی منگوائے اور اس کے بعد فرح سے گفتگو کرتی رہی۔ شہلا نے اس کے اخبار کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں اور بتایا کہ اس اخبار کی فائلیں اس کے پاس موجود ہیں اور یقیناً ان میں فرح کا نام ہو گا۔

"میرے بہت سے آرٹیکل ان اخبارات میں چھپے تھے تم دیکھنا انہیں....." فرح نے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں انتہائی بے تکلف ہو گئی تھیں، شہلا نے اسے اپنے گھر کے بارے میں بتایا اور فرح اسے اپنی زندگی کے بارے میں تفصیلات بتاتی رہی کافی ختم ہوئی، شہلا نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر محترمہ فرح صاحبہ آپ میرے دفتر تشریف لایئے دوسرے لوگوں سے بھی آپ کا تعارف کراؤں گی.....؟"

"یقیناً کیوں نہیں۔ لیکن مائی ڈیئر تم ایک مصروف انسان ہو۔ ہم سیاح لوگ تو بے کار ہوتے ہیں۔ تمہیں اپنے وقت کے زیاں کا افسوس تو نہیں ہو گا۔"

"آپ جیسی کسی دوست سے مل کر بھلا وقت ضائع ہوتا ہے۔"

"تو پھر یوں کرو کہ کل تم اپنے اہل خانہ سے یہ کہہ کر آنا کہ تم ڈنر کے بعد واپس آؤ گی۔ کوئی پابندی تو نہیں ہے تم پر؟"

"یہاں کے ماحول سے آپ اچھی طرح واقف ہوں گی فرح، لیکن چونکہ میرا پیشہ ایسا ہے کہ بعض اوقات کچھ پروگراموں کی کوریج کے لئے کافی رات گزر جاتی ہے اس لئے مجھے اجازت ملی ہوئی ہے لیکن ڈنر کی زحمت نہ کریں تو کیا حرج ہے۔"

"نہیں، میں شہریار سے تمہاری ملاقات کراؤں گی۔"

"شہریار.....!"

"ہاں شہریار میرے شوہر، گو وہ ایک کاروباری آدمی ہیں، خشک اور سنجیدہ چہرے والے، تمہیں ان سے مل کر زیادہ خوشی نہ بھی ہو تو میری وجہ سے برداشت کر لینا کہ بہرطور وہ میرے شوہر ہیں۔"

شہلا ہنس پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں باہر نکل آئی تھیں۔ فرح نے وعدہ کیا کہ دوسرے دن ساڑھے گیارہ بجے وہ تھوڑی دیر کے لئے اس کے دفتر آئے گی اور اس کے بعد

خوش آمدید کہے گی جہاں ان کی پہلی ملاقات ہوئی شام کو ساڑھے پانچ بجے اسی جگہ اسے چھوڑ گئی تھی۔ اس نے فلیٹ میں آنے کی دعوت تھی۔ بعد میں فرح اسے اس کے فلیٹ پر بھی دیر ہو گئی ہے۔ شملا خود بھی اسے اپنے فلیٹ میں قبول نہیں کی تھی اور کہا تھا کہ اسے باہر کے معاملات کو وہ ہر قیمت پر باہر ہی رکھنے کی عادی تھی۔ تاہم فرح لانا نہیں چاہتی تھی۔ تجسس اس کے ذہن میں نہیں ابھرا تھا' اور کے بارے میں وہ دیر تک سوچتی رہی' کوئی خاص شخصیت سے متاثر ہوئی تھی۔ دوسرے دن ساڑھے گیارہ بجے وہ اپنی فطرت کے مطابق بس فرح اس کے دفتر پہنچ گئی اور شملا نے اسے اپنا دفتر دکھایا۔ چیف ایڈیٹر صاحب سے ملوایا۔ چیف ایڈیٹر نے بھی فرح کی کافی پذیرائی کی تھی اور اپنی اور اپنی یادداشت کی بنا پر کہا تھا کہ یہ نام ان کے لئے اجنبی نہیں ہے اور ان کی نگاہوں سے گزر چکا ہے۔ پھر فرح چلی گئی۔ شملا نے گھر میں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ دوسرے دن اسے کافی دیر ہو جائے گی' گھر کے لوگ فکر نہ کریں۔ ٹھیک ساڑھے پانچ بجے فرح اپنی سرخ رنگ کی خوبصورت کار میں اس کے پاس پہنچ گئی اور شملا کو لے کر ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل چل پڑی۔ فائیو سٹار ہوٹل کی چھٹی منزل پر ایک کمرے کے سامنے رکی اور اس کے بعد اندر داخل ہو گئی۔ یہاں شہریار موجود تھے بھاری جسامت کا ایک دراز قامت آدمی جو چہرے سے ہی کاروباری لگتا تھا..... باری باریک مونچھوں اور چوڑے دہانے کے ساتھ اس کی شخصیت میں ایک نمایاں خوبی نظر آتی تھی۔ تاہم اس نے نہایت پر خلوص انداز میں شملا کا استقبال کیا تھا۔

"فرح اپنی ہم پیشہ خواتین سے مل کر ہمیشہ خوش ہوتی ہے اور مجھے کئی بار صحافی خواتین کا سامنا کرنا پڑا ہے جن سے میں ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہوں۔ بال کی کھال نکالنے میں یہ ماہر ہوتی ہیں۔ معاف کرنا یہ میں اپنے تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں مس شملا' فرح سے شادی کرنے سے پہلے مجھے کسی صحافی لڑکی کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔"

"آپ نے یہ تجربہ کیسا پایا.....؟" شملا نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی صحافی لڑکی کی نگاہ وسیع ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات اتنی دور پہنچ جاتی ہے کہ کم از کم شوہر کو اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

شہریار اور فرح اس سے بہت جلد بے تکلف ہو گئے تھے۔ پر تکلف ڈنر کے بعد شملا نے واپسی کی اجازت مانگی تو فرح نے کہا۔

"شملا ڈیئر بعض اوقات ہم جیسے لوگوں سے ملاقات ہو جاتی ہے جو کافی تکلیف دہ رہتی ہے۔ میں تمہارے مشاغل میں حارج ہونا تو نہیں چاہتی۔ لیکن ابھی کافی دن ہمارا اسی شہر میں قیام ہو گا۔ چنانچہ تم مجھے اجازت دو کہ میں بھی کبھی تم سے ملاقات کر لیا کروں۔"

"کبھی کبھی کا کیا سوال ہے ڈیئر فرح' میں خود تم سے رجوع کر لیا کروں گی اور جب بھی تمہیں فرصت ہو گی۔ تم میرے ساتھ تھوڑی سی سیر و سیاحت کر لیا کرنا۔"

"ہاں یہ ضروری ہے کیونکہ مسٹر شہریار تو یہاں کی صنعتوں کے جائزے میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے لئے راستے تلاش کرتے رہتے ہیں۔"

"میں نے کبھی فرح کو تفریحات سے نہیں روکا' جس کا جو شوق ہوتا ہے وہ تو اسے پورا کرنا ہی ہے۔ اب دیکھ لیجئے نا مس شملا کہ فرح نے آپ ہی کو تاکا اس لئے کہ آپ اس کی ہم پیشہ تھیں میرے پیشے سے تعلق رکھنے والے بھی ہزاروں افراد یہاں موجود ہیں کم از کم مجھے بھی اس کی اجازت تو ملنی چاہئے۔"

دونوں ہنس پڑیں اور اس کے بعد شملا ان لوگوں کے بارے میں بڑے اچھے تاثرات لے کر واپس آ گئی۔ رات کو بہت دیر تک وہ ان کے بارے میں سوچتی رہی کوئی ایسا خیال اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا جو کسی تشویش کا باعث ہوتا۔ اچھے لوگ تھے اور پھر بیرون ملک سے آئے تھے اس لئے ان کی پذیرائی بھی ضروری تھی۔ چنانچہ اس نے ایک پروگرام ترتیب دیا اور کچھ وقت ان لوگوں کے لئے مخصوص کر لیا ایک ہفتے کے اندر دو ایسی تقریبات ہونے والی تھیں جو معیاری تھیں اور فرح کے لئے باعث دلچسپی بن سکتی تھیں اس نے فیصلہ کیا کہ اسے ان تقاریب میں لے جائے گی اس کے علاوہ بھی اس نے کچھ اور پروگرام ترتیب دیئے تھے۔

دوسرے دن ایک بجے تک وہ دفتری معاملات میں مصروف رہی پھر اس نے فرح کو فون کیا اور وہ فون پر مل گئی۔

"مجھے خدشہ تھا کہ تم کہیں نکل نہ گئی ہو۔"

"آج صبح سے کہیں نہیں گئی شہریار نے اپنے چند کاروباری دوستوں کو اچانک لنچ پر بلایا تھا اور مجھے بھی ان کی پذیرائی کرنی پڑی تھی۔"

"اب کیا کیفیت ہے؟"

"لنچ سے نمٹ چکے ہیں اور اب وہ کاروباری گفتگو کریں گے۔ مجھے آزادی ہے۔"

"تب میں آ رہی ہوں تمہارے پاس۔"

"کہاں سے بول رہی ہو؟"

"دفتر سے۔"

"تب تم اپنے دفتر کے باہر میرا انتظار کرو' میں آ رہی ہوں یہاں آؤ گی تو کچھ وقت فضول برباد کرنا پڑے گا۔"

"او کے میں انتظار کر رہی ہوں۔" شہلا نے کہا فرح صرف پندرہ منٹ میں وہاں آ گئی تھی دونوں چل پڑیں شہلا نے اس سے اس شہر کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ فرح ہر قابل ذکر جگہ دیکھ چکی ہے بعد میں شہلا نے اسے ان تقاریب کے بارے میں بتایا تو فرح خوش ہو گئی۔

"یہ ہوئی نا کام کی بات میں بے چینی سے انتظار کروں گی۔" فرح نے کہا اور وہ سڑکیں ناپتی رہیں پھر اتفاق سے ہی اینٹیکس شی کے سامنے سے گزر ہوا تو فرح نے وہاں کار روک دی۔

"آؤ ذرا اس شہر کی سیر کریں۔" شہلا دھک سے رہ گئی تھی وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائی کہ کیا کرے تاہم اسے اترنا پڑا تھا پھر اس نے نفرت بھرے انداز میں سوچا کہ یہ ایک دکان ہے ہر گاہک کے لئے کھلی۔ یہاں اسے کون روک سکتا ہے۔ آہ کاش یہاں دانش گردیزی مل جائے۔ آہ کاش۔ اور اس کی یہ دعا پوری ہو گئی دانش باہر ہی موجود تھا اور اپنے منیجر سے بات کر رہا تھا۔ فرح اسٹور کی اشیاء کا جائزہ لیتی رہی شہلا نے دیکھا کہ دانش اسے دیکھ کر چونکا ہے اور اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ وہ اسٹور کی اشیاء کو اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔ فرح بھی ان اشیاء میں بے حد دلچسپی لے رہی تھی اس نے کئی چیزوں کی قیمت بھی پوچھی تھی۔ پھر دانش ان کے پاس آ گیا اور اس نے مسکراتے ہوئے فرح کو مخاطب کیا۔

"ہیلو.... خاتون اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو آپ سیاح ہیں۔"

"جی فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔" فرح اس مداخلت پر حیران ہو کر بولی۔ "میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں میں اس اسٹور کا مالک ہوں۔"

"اوہ آپ نے یہ شہر خوب سجایا ہے بے حد شکریہ میں چند چیزیں ضرور خریدوں گی اگر آپ مجھے کچھ رعایت دیں۔"

"خریدنے کی زحمت نہ کرنا فرح ابھی جب ہم اسٹور سے باہر نکلیں گے تو کچھ چیزیں باہر پھینک دی جائیں گی ہم اٹھا لیں گے۔ بس تم مجھے بتا دو کونسی اشیاء تمہیں پسند ہیں۔" شہلا نے کہا۔

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔" فرح نے کہا۔

"یہ کیسی دکان ہے کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہم ہر شے دیکھ سکتے ہیں آپ اپنا کام کریں مسٹر، ہمیں جو خریدنا ہو گا خرید لیں گے۔ ہمارے سر پر کھڑے نہ ہوں۔" شہلا نے کرخت لہجے میں کہا اور دانش اسے دیکھتا رہ گیا پھر اس نے شانے ہلائے اور وہاں سے چلا گیا۔

"ساری باتیں سمجھ میں نہ آنے والی تھیں۔" فرح نے کہا۔
"سمجھا دوں گی فرح تمہیں واقعی کچھ پسند آیا ہے تو خرید لو۔ پھر یہاں سے چلتے ہیں۔"
شہلا بولی۔
"آؤ ایسی جلدی بھی نہیں ہے پھر سی فرح نے کہا وہ اسٹینکس سٹی سے باہر نکل گئیں
فرح بولی۔ "کیا وہ تمہارا شناسا ہے؟"
"ہاں پھر کبھی بتاؤں گی اس کے بارے میں ویسے بھی کوئی خاص بات نہیں۔" شہلا نے
اسے ٹال دیا شام تک وہ ساتھ رہی' فرح نے شہلا کو اس کے فلیٹ کے پاس چھوڑا اور
دوسرے دن کا پروگرام بنا کر چلی گئی۔ لیکن شہلا اپنی بلڈنگ کے دروازے تک بھی نہ پہنچی
تھی کہ تیز بریکوں کی چرچراہٹ کے ساتھ ایک گاڑی اس کی طرف بڑھی اور شہلا اچھل پڑی
اسے یوں لگا تھا جیسے گاڑی اسے کچل دینا چاہتی ہے اس کے حواس معطل ہو گئے اور وہ اس
دوسرے لمحے کا انتظار کرنے لگی جب ایک دھماکہ ہو گا اس کا بدن فضا میں اچھلے گا اور......
اور۔

دماغ میں دانش گردیزی کا خیال تھا۔ ایلیکس سٹی سے نکلنے کے بعد کافی وقت فرح کے ساتھ گزرا تھا لیکن دماغ دانش میں ہی الجھا رہا تھا۔ بے حد افسوس تھا اسے' وہ مل گیا تھا۔ مگر شہلا نے اسے جو کچھ کہا تھا وہ کچھ بھی نہ تھا۔ آہ اسے دوسرے الفاظ کیوں نہ ملے تھے تیزاب میں ڈوبے' دھواں دیتے ہوئے الفاظ جو دانش کے وجود کو خاکستر کر دیتے۔ اس طرح جلاتے اسے کہ وہ راکھ ہو جاتا۔ زبان کیوں ساتھ نہ دے سکی تھی یہ موقع تو بہت اچھا تھا۔ وہ اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا مگر اور کچھ سوجھا ہی نہیں تھا۔ اور وہ چلا گیا تھا۔

مگر اسی وقت' گاڑی کے بریکوں کی چرچراہٹ اس کے لئے اعصاب شکن ثابت ہوئی تھی۔ دانش اس کے ذہن کے کسی گوشے میں سرسرایا تھا۔ ایک ہیولا اسے اپنی طرف بڑھتا نظر آیا اور وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ دھماکہ نہ ہوا' گاڑی سے ایک آواز ابھری۔

"او آنٹی جی' رکو تو سہی۔ سارا دن ہو گیا تمہاری چوکیداری کرتے ہوئے کمال ہے بھئی۔"

کانوں نے جو کچھ سنا دماغ کو منتقل کیا' دماغ نے خوف کے سائے سمیٹے اور بینائی کا شعبہ بحال کر دیا۔ پرائیویٹ گاڑی تھی اور ڈرائیونگ سیٹ پر گل شاہ نظر آ رہا تھا۔

"خدا تمہیں سمجھے گل شاہ۔" وہ بڑبڑائی۔

"کیا سمجھے خدا۔ ابھی تم چوتھے آسمان پر چلی جاتیں اور ہمارے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہوتا کہ کیا کریں۔"

"کیسے ہو گل شاہ۔"

"آنٹی تمہیں ہماری صورت پر پھٹکار پڑتی نظر نہیں آ رہی کیا۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بی بی اب یا تو گاڑی میں آ بیٹھو اور ہمارے ساتھ کسی ریستوران چلو یا آج اپنے دولت کدے میں چائے پلا دو۔"

"آؤ۔ گاڑی پارک کر دو۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ گل شاہ نے گاڑی ت

بانچ کے ساتھ روک دی تھی۔ شہلا بلڈنگ کے دروازے پر رک کر اس کا انتظار کرنے لگی پھر گل شاہ آ گیا تو وہ اس کے ساتھ فلیٹ کی طرف چل پڑی۔

"سناؤ کیا حال ہے۔" اس نے پھر کہا۔

"بس آنٹی تمہاری بے مروتی کے بارے میں سوچتے ہیں اپنے علاقے میں کوئی کیس نہ ہو تو تمہارا فون تک نہیں آتا۔ دنیا ہی ایسی ہے ایک تم ہی کیا۔"

"فون۔" وہ ہنس پڑی۔ پھر اس نے کہا۔ "بس ایک منٹ میں ڈرائنگ روم کھولتی ہوں۔" گھر میں داخل ہو کر اس نے چائے اور کچھ دوسری چیزوں کے لئے کہہ کر ڈرائنگ روم کھولا اور گل شاہ کو اندر بلا لیا۔

"یہ فون کوئی لطیفہ ہے جو تم ہنس پڑیں آنٹی۔" گل شاہ نے کہا۔

"تمہارے تھانے کا فون تو واقعی لطیفہ ہے دوسرے فون پر کون ہوتا ہے تمہارے اپنے آفس میں تو نیا فون لگ گیا ہے۔"

"اوئے ہوئے۔ وہ اپنا گھنگھور ہے۔ ہیڈ محرر گھنگھور۔" گل شاہ نے بتایا۔

"گھنگھور۔"

"رجب علی گھنگھور فلموں میں ولن بننے کے لئے گھر سے نکلا تھا محکمہ پولیس میں بھرتی ہو گیا اس وقت دنیا سے ناراض ہے ہیڈ محرر ہوتا ہے اپنے ہاں لوگ اسے جالینوس کہتے ہیں۔"

"مزے کی چیز ہے ہاں یہ بتاؤ کیا حال ہے تمہارا ڈی جی چھ سو ساٹھ کا۔"

"ڈبے میں پیک ہو گیا ہے جی گولی مارو۔"

"کیا مطلب۔"

"انٹرپول والے ڈیل کر رہے ہیں۔ کیس اپنا تھا ہی نہیں بلا وجہ گلے آ پڑا تھا۔ مگر تم پھر بازی مار گئی آنٹی۔"

"بازی۔"

"ہم تمہارے پیچھے لگے لگے کیوں پھر رہے ہیں آنٹی۔"

"میرے پیچھے لگے لگے کیوں پھر رہے تھے۔" شہلا حیرت سے بولی۔

"ہاں جی۔ ہوٹل' گولڈن گرل پھر اینٹیکس سٹی' بیوٹی پارلر' اور کہاں کہاں کے بارے میں بتائیں آنٹی۔"

"لو مائی گاڈ' کیا آج کل تم میرے بارے میں کسی قسم کی تفتیش کر رہے ہو' یہ میرا پیچھا کیوں کیا جا رہا تھا۔" شہلا نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"اوہ چچی، تمہارے بارے میں بھلا کیا تفتیش کرنی بھتیجے سے تمہاری کون سی بات چھپی ہوئی ہے، اور تم ہمیشہ لمبا ہی ہاتھ مارتی ہو اور اس کے بعد بیچ میں چھوڑ جاتی ہو، ویسے آنٹی اے۔لیک سٹی کیوں گئی تھیں؟"

"کوئی خاص بات تو نہیں تھی، میری ایک غیر ملکی دوست ہے فرح، وہ اپنے شوہر کے ساتھ سیاحت کے لئے آئی ہوئی ہے، بہت اچھی طبیعت کی مالک ہے بس آج کل تھوڑا سا وقت اسے دے رہی ہوں، چند روز قیام کرے گی اور چلی جائے گی، اے۔لیکس سے اسے دلچسپی ہے چنانچہ اے۔لیک سٹی میں داخل ہو گئی تھی۔" شہلا نے جواب دیا۔

"لوئے ہوئے، سب سے بڑا مسئلہ تو وہی تمہاری غیر ملکی دوست فرح ہے آنٹی۔" گل شاہ نے کہا اور شہلا حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی، گل شاہ نے جن جگہوں کا نام لیا تھا آج کا دن انہیں جگہوں پر گزرا تھا لیکن گل شاہ کے تعاقب کی وجہ اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے گل شاہ کو دیکھتی رہی، تب گل شاہ نے کہا۔

"بھتیجے کی قسم کھا کر بتاؤ آنٹی، کیا تم اس لڑکی سے واقف نہیں ہو اور تمہارا اور اس کا ساتھ بس اتفاق ہے۔"

"گل شاہ اب تم کوئی سنسنی خیز انکشاف کرنے جا رہے ہو، یہ آخر تمہارا محکمہ پولیس میرے ذریعے ہی مجرموں کی کھوج کیوں لگانے پر تل گیا ہے۔"

"نہیں آنٹی بلکہ محکمہ پولیس کو شاید یہ شکایت ہے کہ تم کسی اخبار میں کام کیوں کر رہی ہو اور محکمہ پولیس ہی میں کیوں نہیں آ جاتیں۔ اگر تمہیں سچ مچ اس بارے میں نہیں معلوم تو پھر لو جی ہم بتاتے ہیں۔ جن خاتون کو تم فرح کے نام سے پکار رہی ہو وہ فرح نہیں ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"شیرازیمان، کچھ عرصے پہلے تمہارے ہی ایک اخبار میں اس کا تذکرہ تھا اب بتاؤ آنٹی یہ نام یاد آتا ہے یا نہیں۔"

"شیرازیمان۔" شہلا نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی پھر بولی۔

"نہیں یہ نام میرے ذہن میں نہیں ہے، مگر فرح کا شیرازیمان سے کیا تعلق ہے؟"

"روح کا تعلق ہے آنٹی روح کا تعلق....."

"گل شاہ پلیز سنجیدگی سے بتاؤ....."

"وہ فرح نہیں، شیرازیمان ہے، ایک خطرناک اسمگلر عورت، جس کا ریکارڈ بھی انٹرپول کے پاس موجود ہے اور ہمارے ہاں بھی دو تین چکر چلا کر جا چکی ہے وہ۔" شہلا کی آنکھیں

پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ دیر تک وہ شدت حیرت سے گل شاہ کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"گل شاہ تم ایسی ہی کوئی نہ کوئی کہانی لے کر آ جاتے ہو۔ دانش گردیزی سے میری ملاقات ہوئی تو تم نے اسے ڈی جی چھ سو ساٹھ بنا دیا۔ اور اس کے بعد بے چاری فرح۔ نہیں گل شاہ غلط فہمی ہوئی ہے کوئی۔ کم از کم اس عورت کے بارے میں.....میں کہہ سکتی ہوں کہ وہ کوئی غلط عورت نہیں ہے۔ بہت ہی نرم و نازک مزاج کی مالک اور بس کھ سی عورت ہے۔"

"اوئے ہوئے..... جتنے غلط کام کرنے والے ہوتے ہیں نا۔ وہ پہلے اپنا اخلاق سنوارتے ہیں، اب تم دیکھو نا۔ گل شاہ کو لوگ جنگلی کبوتر کہتے ہیں کسی کی سنتا ہی نہیں۔ آنٹی اگر واقعی یہ بات تمہیں نہیں معلوم تو یہ تمہاری تقدیر ہے کہ مجرم تمہارے ہی ذریعے پولیس سے روشناس ہوتے ہیں، ہم تو کبھی بھی ڈی جی چھ سو ساٹھ تک نہ پہنچ پاتے، مگر تم نے اس کا نشان بھی دے دیا۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ یا تو وہ بندہ بہت پکا ہے یا پھر ہم نے غلط راستے اختیار کئے ہیں، اس پر تو ہمارا ہاتھ نہیں پڑ سکا۔ کوئی ثبوت ہی نہیں ملتا کہیں سے بھی، مگر یہ شیرازیمان اس کا ریکارڈ بھی موجود ہے، تصویر بھی موجود ہے، فنگر پرنٹ بھی ہیں اس کے۔ یہ نہیں پتہ چل سکا کہ اس کا تعلق کسی باقاعدہ گروہ سے ہے یا اپنے طور پر ہی کام کرتی ہے، مگر یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ یہاں دو تین دفعہ کاریگری دکھا کر چلی گئی ہے۔ ایک بہت بڑے آدمی نے اس کی نشاندہی کی ہے اور یہ بہت بڑا آدمی بھی اسمگلروں کے چکر میں رہ چکا ہے۔ خصوصی طور پر اس نے شیرازیمان کو دیکھ کر محکمہ پولیس سے رجوع کیا تھا اور اس کی نشاندہی کی تھی، بس جی قرعہ فال ہمارے نام نکل آیا اور ہمیں لگا دیا گیا اس کے پیچھے۔ دیکھا تو اپنی آنٹی بھی ساتھ ہی تھیں۔ چنانچہ آنٹی آج دوسرا دن ہے کہ ہم اس کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں اور ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مال لائی ہے تو چھپا کہاں رہی ہے، ویسے آنٹی اے۔لیک سٹی میں کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" شہلا نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اسی وقت شہلا کا بھائی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر لے آیا جس پر چائے کے ساتھ تازہ تلے ہوئے کباب اور دوسری اشیاء موجود تھیں جنہیں دیکھ کر گل شاہ چٹخارے بھرنے لگا۔ پھر اس نے ٹرالی اپنی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"معاف کرنا آنٹی، اگر ہمیں یہ یاد نہ رہے کہ ہم یہاں کس لئے آئے تھے تو مائنڈ مت کرنا بلکہ ہمیں یاد دلا دینا۔"

شملا نے مسکراتے ہوئے اس کے لئے پلیٹ میں ٹماٹو ساس نکالی تھی اور گل شاہ کھانے پینے میں مصروف ہو گیا تھا واقعی وہ تھوڑی دیر کے لئے ساری باتیں بھول گیا۔ شملا ہنستے ہوئے اسے کھاتے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے لئے بھی چائے کی ایک پیالی بنا کر اپنے قریب کھسکا لی۔ گل شاہ دیر تک مصروف رہا تھا اور اس دوران اس نے کوئی بات نہیں کی تھی، لیکن شملا چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے شیراز یمان کے بارے میں سوچتی رہی۔ کیا واقعی ایسی کوئی بات ہے یا یہ بھی پولیس کی کوئی غلط فہمی ہے، فرح کسی بھی طور ایسی کوئی شخصیت نہیں معلوم ہوتی تھی، بہت ہی خوش مزاج اور تفریح پسند عورت تھی وہ شیراز یمان کیسے ہو سکتی ہے۔

گل شاہ تھوڑی دیر کے بعد کھانے پینے سے فارغ ہو گیا، تو اس نے شملا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہیلو آنٹی جی، کیسی ہیں آپ، سنایئے کیسے مزاج ہیں بہت دن سے آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔" شملا ہنس پڑی پھر اس نے کہا۔

"نہیں گل شاہ سنجیدگی اختیار کرو، سنجیدگی، تم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ وہ جو میرے ساتھ دیکھی گئی تھی، فرح نہیں شیراز یمان ہے۔"

"ہاں، ہاں آنٹی یاد آ گیا، بالکل آنٹی بالکل، بھلا اس کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار ہوں، پولیس ریکارڈ موجود ہے اس وقت تو ساتھ نہیں لائے، کل حکم کرو گی تو پیش کر دیں گے۔ اب ذرا آنٹی اپنے اور اس کے بارے میں کچھ تفصیل بتا دو۔ تمہاری اس سے شناسائی کیسے ہوئی؟"

"بس اتفاق ہے گل شاہ، یوں سمجھ لو، سر راہ ملاقات ہو گئی، وہ پہلے ایک اخبار کی رپورٹر رہ چکی ہے، یہ بات تو مجھے بھی معلوم ہے، لیکن شیراز یمان....."

"آنٹی ہمارا یہ بیان بالکل جھوٹ نہیں ہے۔ مگر یہ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اس نے تم سے شناسائی کیوں حاصل کی۔ اتفاق تھا یا کوئی گہری بات....؟"

"نہیں گل شاہ اس میں کوئی گہری بات نہیں ہے۔ یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں۔"

"ہاں ہاں ہو سکتا ہے آنٹی ہو سکتا ہے۔ لیکن اب ہم تمہیں ہوشیار کر رہے ہیں۔ ایسے لوگ مقامی لوگوں سے دوستی ضرور گانٹھتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے فائدہ بھی اٹھا لیتے ہیں۔ مگر آنٹی کام دکھانا ہو گا، یہ کہہ کر الگ مت ہو جانا کہ تمہارا ان واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ اگر اس نے اپنے کسی کام کے لئے کسی مقامی

شخص کا انتخاب کیا ہے اور وہ ہماری آنٹی ہے، تو پھر ہماری تو پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں۔ آنٹی جی یہ کام تو تمہیں کرنا ہی ہے۔"

"گل شاہ میں پچھلے دنوں بیمار رہ چکی ہوں اور کوئی بھی ایسا سخت کام کرنے کو تیار نہیں ہوں، دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی ہیں، یقین کرو ان دنوں بڑی نقاہت محسوس کر رہی ہوں۔"

"اوہ نہیں آنٹی، ذرا ہمت کرو ہماری مدد کرو اس سلسلے میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا ہے۔ ویسے اس کے بارے میں کوئی اور تفصیل بھی معلوم ہوئی ہے آنٹی....؟"

"ابھی میں نے اس نظریئے سے اسے دیکھا ہی نہیں، وہ اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہے اور اس کے شوہر کا نام شہریار ہے۔"

"اوہو ہو، شہریار ہے تو پھر اپنا بھی یار ہے، ہمیں اس کا دیدار نہیں کراؤ گی آنٹی....؟"

"تمہاری مرضی ہے، دیکھنا چاہو تو دیکھ لینا۔"

"نہیں آنٹی، اس طرح سرسری انداز میں نہیں، کام تو شروع ہو چکا ہے اور آنٹی جی ہماری چیف ہیں۔ ہیلو چیف ہاؤ آر یو۔" گل شاہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سیلوٹ مارا اور شملا مسکرانے لگی۔ مگر اس مسکراہٹ میں الجھن نمایاں تھی، پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ہو سکتا ہے گل شاہ تمہارا کہنا ہی درست ہو، مجھے بتاؤ، مجھے کیا کرنا چاہئے ویسے تم اس ہوٹل کے بارے میں معلوم کر چکے ہو جہاں ان دونوں کا قیام ہے؟"

"اوہ آنٹی آپ کے پیچھے پیچھے لگے لگے وہاں تک پہنچے تھے اور بعد میں آپ کے ساتھ ساتھ ہی باہر نکل آئے تھے۔"

"شہریار ایک کاروباری آدمی ہے حالانکہ وہ لوگ تفریحی دورے پر نکلے ہیں لیکن شہریار یہاں کاروباری لوگوں سے ملاقات کر رہا ہے۔"

"خوب کر رہا ہے، ہو سکتا ہے وہ بھی اس کا شریک کار ہی ہو اور ہو سکتا ہے، یقیناً ہو گا، آنٹی بات بہت دلچسپ ہو گئی ہے، پہلے ہمیں اس کے دیدار کرا دو۔"

"ہاں۔" گل شاہ نے کہا اور شملا کچھ سوچنے لگی پھر اس نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تم چاہو اگر گل شاہ، تو تمہارے خرچ پر میں کل اسے کسی اچھے ہوٹل میں ڈنر دے سکتی ہوں۔"

"مروا دیا آنٹی۔ سچ مچ اپنی ہی جیب کا خرچ ہو گا مگر ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔ کون

سے ہوٹل میں ڈنر دے رہی ہو؟"

"کسی بھی اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں نام تم خود بتا دو۔" شہلا نے کہا اور گل شاہ کی سوچ میں ڈوب گیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، کل اسے گرین پارک میں بلا لو آنٹی، پارک ہی میں پروگرام بھی رکھنا، شامیں بڑی خوب صورت ہوتی ہیں وہاں کی، کچھ فوٹوگراف وغیرہ بھی بنانے ہوں گے ہمیں۔"

"فوٹوگراف۔" شہلا نے چونک کر کہا۔

"اوہ تم اس کی فکر مت کرو آنٹی۔ جو پولیس کا کام ہے، وہ ہم خود کر لیں گے۔"

"کیا تم بھی اس ڈنر میں شریک ہو گے؟"

"اوئے ہوئے۔۔۔ اپنی ایسی تقدیر کہاں آنٹی اور پھر ایک آدمی کا خرچہ بچے گا۔۔۔ ہم آپ کے ساتھ نہیں ہوں گے بس آپ لوگ کھائیں پئیں جی عیش کریں، ہم آس پاس گھومتے پھریں گے۔ لیکن آپ ہمیں مخاطب کرنے کی کوشش مت کرنا، کیا خیال ہے۔۔۔؟"

"میں نے کہا نا جیسی تمہاری مرضی، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے آنٹی پروگرام طے، کل ہم اپنے شہریار کا بھی دیدار کر لیں اور اس کے بعد فیصلہ کریں گے کہ آگے کیا کرنا ہے۔ مگر آنٹی ایک بات ذہن نشین رکھنا وہ یہ کہ وہ عورت فرح نہیں بلکہ شیراز ماں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ مگر آنٹی تم اس کی طرف سے مشکوک مت ہو جانا۔ اس نے اگر تمہارا انتخاب کیا ہے تو پھر اس کا کام بھی کر کے ہی دکھا دو۔ آنٹی دی گریٹ، چیف دی گریٹ۔" گل شاہ پھر مسخرے پن پر اتر آیا اور پھر تھوڑی دیر تک وہ لوگ کل کے پروگرام کے بارے میں طے کرتے رہے۔ ان دونوں سے بھی بات کرنی تھی، ہو سکتا ہے شہریار اس کے لئے تیار نہ ہو، اس نے گل شاہ سے اس کا تذکرہ کیا تو گل شاہ نے کہا کہ یہ اس کی صلاحیتوں پر منحصر ہے۔ ٹھیک سات بجے گل شاہ کو اطلاع دے دی جائے تاکہ وہ تیار رہے اور اگر کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے تب بھی گل شاہ کے لئے اطلاع ضروری ہے شہلا نے اس کا وعدہ کر لیا تھا، تھوڑی دیر کے بعد گل شاہ رخصت ہو گیا، لیکن شہلا کے لئے سوچوں کا انبار چھوڑ گیا تھا وہ ایک ایک لمحے کا حساب کر رہی تھی۔ کیا واقعی فرح جیسی عورت کوئی اسمگلر ہو سکتی ہے، بات سمجھ میں نہیں آتی تھی، ویسے تو دانش گردیزی بھی ایک نگاہ دیکھنے سے کوئی برا آدمی نہیں لگتا تھا، لیکن، لیکن آخری بات شہلا نے یہ سوچی کہ آج کل اس کے گرد پراسرار لوگوں کا بسیرا ہو گیا ہے۔ اگر واقعی فرح جیسی حسین عورت اسمگلر نکلتی ہے، تو پھر تو شاید اپنے تجربے کو صفر ہی کا درجہ دینا ہو گا،

کیونکہ شہلا کو اس میں کوئی بات نظر نہیں آئی تھی۔

دوسرے دن معمولات جوں کے توں تھے، دفتر پہنچ گئی۔ فرح کے بارے میں گل شاہ کے خیالات یاد آئے اور دیر تک وہ سوچوں میں ڈوبی رہی، دفتری امور پر کام کرنا شروع ہو گیا تھا۔ دوپہر تک سر اٹھانے کی مہلت نہ ملی، کام کچھ زیادہ تھا کئی آرٹیکل مکمل کرنے تھے جو کئی دن سے پینڈنگ میں پڑے ہوئے تھے۔ انہیں مکمل کر کے چیف ایڈیٹر صاحب کے پاس روانہ کر دیا اور پھر وہ تھکے تھکے انداز میں انگلیاں چٹخانے لگی۔ اسی وقت اس کے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو دوسری جانب فرح کی آواز سن کر چونک پڑی۔

"ہیلو۔۔۔ میں مس شہلا سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہیلو فرح، میں ہی بول رہی ہوں۔"

"اوہ شہلا مائی ڈیئر، کہو کیسی ہو۔۔۔؟ ڈھائی بجے میرے پاس پہنچنا تھا، یاد ہے نا؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ بالکل یاد ہے۔"

"ایک دقت پیش آ گئی ہے، یعنی اگر تم مائنڈ نہ کرو تو تم سے کہوں؟"

"ضرور ضرور اس میں مائنڈ کرنے کی کیا بات ہے۔"

"دراصل شہریار کی ایک اپائنٹمنٹ ہے، چھ بجے تک ہم لوگ مصروف رہیں گے، چھ بجے کے بعد ہم دونوں بالکل فری ہیں۔ تم یوں کرو کہ آج شام کا کھانا تم ہمارے ساتھ کھاؤ، شہریار کو بھی خوشی ہو گی انہوں نے خود اس کی پیش کش کی ہے۔"

"تو پھر ایک درخواست میں بھی کرنا چاہتی ہوں تم سے فرح۔۔۔"

"درخواست، کیسی درخواست کہو۔"

"آج تم ڈنر میرے ساتھ کرو، میں بھی تمہاری میزبانی کرنا چاہتی ہوں۔" جواب میں فرح کا قہقہہ سنائی دیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ ہم لوگ۔۔۔"

"نہیں۔ کیا تم لوگ میری یہ دعوت قبول نہیں کرو گے؟" شہلا نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ نہیں نہیں، کیوں نہیں، دراصل شہریار کو تمہارے آنے کے بارے میں علم تھا اور یہ مصروفیت اچانک ہی نکل آئی تو انہوں نے مجھ سے خصوصی طور پر یہ بات کہی کہ میں تمہیں ٹیلی فون کروں اور اپنا پروگرام بتا دوں، انہوں نے رات کے کھانے کے لئے بھی خود ہی کہا تھا۔"

"گویا تم لوگوں کو، کوئی ایسی مصروفیت نہیں ہے جو ہمارے شام کے پروگرام میں رکاوٹ

بن سکے۔"

"نہیں چھ بجے کے بعد کوئی مصروفیت نہیں ہے۔"

"تو پھر میں تمہارا سات بجے یا ساڑھے سات بجے ہوٹل گرین پارک میں انتظار کروں گی بلکہ یوں کروں گی کہ ساڑھے چھ بجے تک تمہارے پاس آجاؤں گی۔ تھوڑی دیر تک ہم لوگ باتیں کریں گے اور اس کے بعد ہم گرین پارک چل دیں گے لیکن ایک بات اور بھی ہے۔"

"وہ کیا....؟"

"کیا مسٹر شہریار کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہو سکتا ہے؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تم ان کے بارے میں نہیں جانتیں۔ بہت ہی مصروف انسان ہیں، لیکن بہت ہی ملنسار اور خوش اخلاق۔ تمہارے بارے میں بہت اچھے خیالات رکھتے ہیں میں ان کی طرف سے تمہاری یہ دعوت منظور کرتی ہوں تم اطمینان رکھو، اور یہ تم پر منحصر ہے اگر تم چاہو تو ہم لوگ ساڑھے سات بجے گرین پارک پہنچ جاتے ہیں اور اگر تم یہاں آنا چاہو تو جیسی تمہاری مرضی۔"

"نہیں نہیں۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم گرین پارک پہنچ جاؤ میں تو صرف اس لئے کہہ رہی تھی کہ تمہیں کوئی دقت نہ ہو۔"

"نہیں ڈارلنگ ہمیں کوئی دقت نہ ہوگی۔ تو پھر ساڑھے سات بجے گرین پارک کے مین گیٹ کے سامنے ہم تمہارا انتظار کریں؟"

"میں خود تمہارا انتظار کروں گی ڈارلنگ فرح۔" شہلا نے کہا۔

"او کے تھینک یو۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور فون بند کر دیا گیا۔ شہلا نے سکون کی ایک گہری سانس لی تھی گویا اس کا کام باآسانی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ضروری نہیں تھا کہ گل شاہ کا اطلاع دینے کے لئے ساتھ بجے ہی کا انتظار کیا جائے۔ اس نے ایئرپورٹ تھانے کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے فون گل شاہ ہی نے اٹھایا تھا۔ اس کی آواز پہچان کر شہلا نے کہا۔

"شہلا بول رہی ہوں۔"

"ہیلو بچی جان کیسے کیسے مزاج ہیں؟"

"کام ہو گیا ہے گل شاہ۔ آج ہم لوگ ٹھیک ساڑھے سات بجے گرین پارک میں مل رہے ہیں۔"

"کہو تو آنٹی، کو تو بل کی رقم ایڈوانس بھجوا دوں یا بعد میں حساب کتاب کر لیں گے۔"

"تم پہنچ رہے ہو نا وہاں۔"

"آنٹی بس تم نے ہمیں یہ اطلاع دے دی۔ کافی ہے ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے، تم پر نگاہ رکھیں گے، بس ہمیں تلاش نہ کرنا۔" گل شاہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شہلا نے فون بند کر دیا اور اس کے بعد نجانے کب تک وہ ان لوگوں کے گورکھ دھندے میں گم رہی۔ اگر فرح واقعی شیرازیمان ہے تو یہ میری زندگی کا سب سے بڑا دھوکا ہوگا۔

پانچ بجے دفتر سے اٹھ کر گھر آ گئی.... گھر والوں کے ساتھ تھوڑی بہت دیر تک گپیں رہیں اور اس کے بعد اس نے تیاریاں شروع کر دیں۔ ہوٹل گرین پارک میں وقت سے پہلے پہنچ کر ریزرویشن وغیرہ کا بندوبست کرنا تھا اور کم از کم ایک صحافی ہونے کی حیثیت سے اس کے اتنے شناسا ضرور تھے کہ ایسی جگہوں پر اسے ان کاموں کے لئے وقت نہ ہو۔ چنانچہ وہ پونے ساتھ بجے گرین پارک پہنچ گئی، اور اس نے لان پر اپنے لئے ایک ڈبل میز ریزرو کرا لی اس سے پورا پورا تعاون کیا گیا تھا۔ ساڑھے سات بجے وہ گرین پارک کے گیٹ پر آ کھڑی ہوئی اور سات بجے وہ گرین پارک کے گیٹ پر آ کھڑی ہوئی اور سات بج کر اکتیس منٹ پورے بھی نہ ہو پائے تھے کہ وہی سرخ رنگ کی کار گرین پارک کے سامنے آ رکی اور شہلا نے ان لوگوں کو خوش آمدید کہا۔ شہریار بے حد اسمارٹ نظر آ رہا تھا، حالانکہ اچھی خاصی عمر کا آدمی تھا اور فرح اس کی نسبت کافی کم عمر نظر آتی تھی، لیکن شہریار خود بھی بے حد اسمارٹ آدمی تھا۔ جسمانی طور پر بالکل فٹ اور چہرے مہرے سے بھی اچھا انسان نظر آتا تھا۔

اس نے بڑی خوش اخلاقی سے شہلا سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد شہلا انہیں اس میز کی جانب لی آئی، جو اس نے ریزرو کرائی تھی۔ شہریار نے اس ہوٹل کو بہت پسند کیا تھا اور شہلا کا شکریہ بھی ادا کیا تھا...... وہ کہنے لگا۔

"ایک بات باعث افسوس ہے مس شہلا، وہ یہ کہ یہاں خواتین خوش اخلاقی میں مردوں پر فوقیت حاصل کر گئیں۔ میرا کوئی بھی دوست ایسا نہیں ہے اس شہر میں، جو میری بیوی کو اس طرح ڈنر دے۔ جبکہ میری بیوی کی دوست نے ہمارے لئے یہ اہتمام کر ڈالا اس کے لئے میں بے حد شکر گزار ہوں۔"

"آپ ہمارے مہمان ہیں، مسٹر شہریار، اصولی طور پر تو آپ کے لئے بہت کچھ ہونا چاہئے اور میں کوشش کروں گی کہ اس دوران آپ کی بیگم ہی کو نہیں آپ کو بھی اس شہر کی مختلف ثقافتی اور سماجی تقریبات میں شرکت کی دعوت دوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ اپنی مصروفیات کی وجہ سے انہیں قبول کریں نہ کریں۔ لیکن میری دوست فرح ان میں

میرے ساتھ شرکت ضرور کریں گی۔"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں، کیوں نہیں.... کیوں نہیں۔"

ویٹر نے ان کے سامنے مشروبات لا کر رکھ دیئے اور شہلا ان کی ابتدائی مدارت کرنے لگی۔ پارک میں کافی رونق ہوتی جا رہی تھی۔ بہت ہی خوبصورت انتظامات کئے جاتے تھے یہاں، اوپن ایئر میں بیٹھنے والوں کے لئے آرکسٹرا مدہم مدہم موسیقی کی دھنیں بکھیر کر رہا تھا اور ماحول پر ایک خواب آگیں کیفیت طاری تھی۔ شہلا نے اس دوران ایک بار بھی ادھر ادھر نہیں دیکھا تھا بلکہ انہی لوگوں سے مصروف گفتگو رہی تھی۔ شہریار شہلا کو اس کے شہر میں اپنی مصروفیات بتانے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"میں اتنا خشک آدمی نہیں ہوں مس شہلا لیکن کیا کیا جائے..... ذاتی دلچسپی کا مرکز تو یہ محترمہ ہیں، کبھی کسی زمانے میں کچھ ذاتی دلچسپیاں بھی تھیں۔ مجھے اینٹیکس سے بہت لگاؤ رہا ہے اور زندگی کا ایک بڑا حصہ میں نے اپنے اس مشغلے میں گزارا ہے۔ بلکہ میرے پاس ایسی ایسی نادر اشیاء موجود ہیں کہ کبھی آپ کو فرصت ملے تو ہمارے ہاں تشریف لایئے اور میرا نوادر خانہ دیکھئے۔"

"لو ڈارلنگ ہم ایک مقامی اینٹیک اسٹور میں گئے تھے اس کا نام اینٹیکس سٹی ہے وہاں میں نے بلاشبہ ایسی ایسی نادر اشیاء دیکھیں کہ میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں..... تم اگر انہیں دیکھو گے تو اپنی دلچسپیوں کو نہ روک پاؤ گے۔"

"اینٹیکس سٹی..... نام بہت خوبصورت منتخب کیا ہے کس علاقے میں واقع ہے یہ۔"

"وہ تو خیر میں تمہیں بتا دوں گی۔ ایک اور دلچسپ بات بتاؤں۔ اینٹیکس سٹی کے مالک سے ہماری مس شہلا کی بڑی اچھی دوستی ہے بلکہ شاید ان کے درمیان کوئی ایسا چکر بھی موجود ہے جس کی وجہ سے یہ ایک دوسرے پر طنز کرنے سے باز نہیں آتے۔ پتہ نہیں کیا قصہ ہے۔"

"لو مس شہلا اگر ایسی بات ہے تو پھر ہم آپ کی اس دوستی سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے....." شہریار نے کہا اور شہلا کسی قدر ناک چڑھا کر بولی۔

"مگر بدقسمتی یہ ہے کہ آپ لوگوں نے میرے اور اس شخص کے تعلقات کا غلط تعین کیا ہے۔ ہمارے درمیان دوستی کی نہیں بلکہ دشمنی کی شناسائی ہے۔"

"گڈ ویری گڈ ایک اور دلچسپ بات..... مگر ایسا کیوں ہے؟"

"وہ شخص انسان کے نام پر ایک بدنما داغ ہے، اپنے آپ میں مست اور اپنی ذات میں گم رہنے والا، اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے والا، میں ایسے لوگوں سے انتہائی نفرت کرتی

ہوں۔"

"یقینی طور پر کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو گا جو آپ کے اور اس کے درمیان نفرت کا باعث بنا۔"

"ہاں..... بس ایک چھوٹا سا واقعہ ہی تھا لیکن میں اس شخص کو انتہائی ناپسند کرتی ہوں۔"

"یہ تو ہمارا نقصان ہو جائے گا شہلا..... بھئی کیا خیال ہے فرح، کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ اس شخص کے اور مس شہلا کے درمیان ہم دوستی کرائیں..... دیکھو فائدے کی کوئی بھی بات نظر انداز نہیں کرنی چاہئے، ایک بزنس مین کا یہی اصول ہوتا ہے۔"

"بالکل ایسا ہی ہو گا سو فیصدی ایسا ہی ہو گا اور اس کام میں، میں بڑی مہارت رکھتا ہوں۔ مس شہلا، آپ کو اس سے ہماری ملاقات کرانا ہو گی اور اس کے لئے ہم کوئی مناسب پروگرام طے کر لیں گے، کوئی ایسا پروگرام جس کے ذریعہ ہم اس تک پہنچ پائیں..... لیکن کوئی ایسا ہی پروگرام ہونا چاہئے جس میں کچھ لطف بھی آئے..... کیا خیال ہے تمہارا فرح.....؟"

"بالکل ٹھیک اس کے لئے ہم کوئی اچھا پروگرام بنالیں گے۔" فرح نے پراعتماد لہجے میں کہا..... جیسے اس کے لئے شہلا کی منظوری لینا ضروری نہ ہو۔ شہلا البتہ ان کیفیات کا بھرپور جائزہ لے رہی تھی۔ اگر گل شاہ اس بات کی نشاندہی نہ کر دیتا کہ فرح ایک اسمگلر ہے تو شہلا کے ذہن کے کسی گوشے میں شبہ کا کوئی تصور نہ جاگتا..... لیکن اب ان لوگوں کی ایک ایک بات اس کے لئے شبہ کا باعث بنی ہوئی تھی، جہاں تک دانش گردیزی..... کا معاملہ تھا تو شہلا نے ان لوگوں کو تفصیل نہیں بتائی تھی لیکن دل ہی دل میں یہ ضرور سوچا تھا کہ بھلا اس بات کے کیا امکانات ہیں کہ کسی کے لئے وہ اپنی نفرت کی اس دیوار کو گرا دے۔ دانش گردیزی کو تباہ کرنے کے لئے تو سب کچھ کیا جا سکتا تھا..... بھلا اس سے دوستی کا کیا تصور باقی رہ گیا تھا۔ مگر یہ دونوں اسی انداز میں گفتگو کر رہے تھے جیسے بآسانی اس کے لئے تیار کر لیں گے۔ شہلا نے اس موضوع کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"اینٹیکس سٹی، مجھے تو نام ہی بے حد پسند آیا۔ اس شہر میں، میں نے بہت کچھ دیکھا ہے اگر ہمارا تعارف کسی ایسے شخص سے ہو جائے جو اتنے اعلیٰ پیمانے پر یہ کام کرتا ہو تو میں اس کاروبار کو بے حد فروغ دے سکتا ہوں۔ کیا تم نے وہاں ایسی نایاب اشیاء دیکھی تھیں فرح جو ہمارے مطلب کی ہوں۔"

"ہاں اسی لئے میں نے تذکرہ کیا تھا۔"

"ویسے معاف کیجئے مس شہلا نفرت کے بارے میں بھی اتنی ہی کہانیاں مشہور ہیں جتنی محبت کے بارے میں۔"

"جی یقیناً....." شہلا بے خیالی میں بولی۔

"اور دانشوروں کا کہنا ہے کہ نفرت محبت کا دوسرا روپ ہے۔"

"جی.....!" شہلا چونک پڑی۔ اس کی نگاہوں نے سرسری انداز میں اس وقت پورے لان کا جائزہ لیا تھا۔ گل شاہ اسے کہیں نظر نہ آیا تھا نہ جانے وہ کہاں ہے۔

"اس سے نفرت، محبت کی کوئی بگڑی ہوئی شکل تو نہیں ہے؟"

"میں سمجھی نہیں.....!" شہلا نے کہا۔

"ڈارلنگ تم بتاؤ..... کیا مس شہلا اس سے محبت تو نہیں کرتی تھیں؟" شہریار نے پوچھا۔

"افسوس میں نے اس نگاہ سے اس کا جائزہ نہیں لیا۔ وہ ہمارے سامنے زیادہ دیر نہیں رہا تھا۔"

"لوہ آپ لوگ خیالی عمارت بنا رہے ہیں۔ میری اس سے چند ملاقاتیں ہوئی ہیں اور بس، میں نے اسے ایک ناپسندیدہ انسان قرار دے دیا۔ اس موضوع سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" شہلا نے کہا۔ رات کو دیر تک وہ وہاں رکے اور اس کے بعد ان دونوں نے شہلا کو اس کے فلیٹ کے سامنے چھوڑا تھا۔

گل شاہ نے کمال کیا تھا اس کی جھلک بھی نہیں نظر آئی تھی۔ اس بات کا تو ایک فیصد امکان نہیں تھا کہ گل شاہ وہاں نہ پہنچا ہو۔ بہرحال اس سلسلے میں اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ دوسرے دن اسے ایک حادثے کی کوریج کرنی پڑی اور دوپہر ایک بجے تک زین اور مخمور کے ساتھ جائے حادثہ پر کام کرتی رہی واپس آ کر بھی ایک ڈیڑھ گھنٹے مصروف رہنا پڑا تب کہیں جا کر فراغت ہوئی۔ چائے پیتے ہوئے اسے گل شاہ کا خیال آیا اور اس نے ٹیلیفون سامنے سرکا لیا۔ نمبر ملائے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ پھر یکدم اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسری طرف سے آواز ابھری۔

"ہاں جی.....؟"

"مسٹر گھنگھور بول رہے ہیں۔"

"ایں کون ہے بھئی؟"

"مجھے مسٹر جالینوس سے ملنا ہے۔"

"او کون ہو بی بی۔ تم تو ہمارے شجرۂ نسب سے بھی واقف ہو۔ ہم ہی بول رہے ہیں۔"

"آپ سے ایک بہت ہی ضروری کام ہے مسٹر گھنگھور.....!"

"ہم دفتر میں ہی ہیں آ جاؤ۔ فون پر ملاقات آدھی ہوتی ہے۔ مگر تم ہو کون جی۔ ہم پہچانے نہیں۔"

"مجھے آپ سے فون پر ہی کام ہے مسٹر جالینوس۔"

"او تو بتاؤ بھئی.....!"

"ذرا انچارج صاحب سے بات کرا دیں۔"

"کیا....."

"جی گل شاہ صاحب موجود ہیں.....؟"

"او تمہیں ہم سے کام ہے یا شاہ جی سے.....؟"

"آپ سے یہی کام ہے کہ آپ شاہ جی سے بات کرا دیں۔"

"تو اس کے لئے ہمارا شجرہ کیوں کھنگال رہی تھیں۔"

"فون پر آپ جو بول رہے تھے؟"

"او پولیس سے مذاق کرتی ہو۔ شرم نہیں آتی۔ خطرہ نہیں محسوس ہوتا تمہیں نام بتاؤ.....!"

"شہلا ہے میرا نام....."

"اخبار کی شہلا....."

"ہاں؟"

"او بی بی عقل نہیں ہے تمہارے اندر شاہ جی ہوتے تو خود فون ریسیو کرتے ہم بے وقوف ہیں جو اتنی دور سے اٹھ کر اس فون پر آئے۔ ہیں جی، ناک میں دم کر دیتے ہو تم لوگ۔"

"ناراض نہ ہوں مسٹر گھنگھور۔" گل شاہ صاحب جس وقت بھی آئیں ان سے کہئے مجھے فون کر لیں۔"

"او کہہ دیں گے بی بی۔ اب جان چھوڑو۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور فون بند ہو گیا۔ شہلا نے مسکراتے ہوئے ریسیور رکھ دیا تھا۔ دیر تک اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چپکی رہی تھی۔

گل شاہ نہ جانے کہاں مصروف تھا ہو سکتا ہے اس کی غیر موجودگی میں گل شاہ نے فون کیا ہو۔ بہرحال ابھی شام دور پڑی تھی۔ آج ان لوگوں سے ملاقات طے نہیں ہوئی تھی وہ

کچھ مصروف تھے۔ وہ ایک بار پھر اپنے لکھے ہوئے کاغذات میں گم ہو گئی۔ پھر فون کی گھنٹی سن کر چونکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ گل شاہ کا فون ہو گا مگر ریسیور میں ایک اجنبی آواز سنائی دی تھی۔

"میں شملا حسن زاہد سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بول رہی ہوں' فرمایئے آپ کون صاحب ہیں؟"

"جن چیزوں کو آپ نے ہاتھ لگایا تھا وہ میں نے سڑک پر پھینک دی ہیں مگر وہاں ...... اسی طرح پڑی ہوئی ہیں۔"

"جی....؟ ایک لمحے کے لئے شملا سمجھ نہ سکی تھی۔"

"احقر کو دانش گردیزی کہتے ہیں۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور شملا گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ "ہیلو۔" آواز دوبارہ آئی۔

"جی جی آپ پر غور کر رہی ہوں۔ انسانوں کی مختلف اقسام کا تجزیہ کیا ہے میں نے اس میں آپ کو تلاش کر رہی تھی۔"

"جو سب سے گھٹیا قسم ہوتی ہے نا بس مجھے اس میں ہی تصور فرما لیجئے۔ زیادہ چھان بین نہیں کرنی پڑے گی۔" اس نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"شاید آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ فرمایئے کیا خدمت کر سکتی ہوں آپ کی؟"

"ٹیلیفون ایک عمدہ ایجاد ہے ہم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے بھی روبرو نہیں ہوتے اور اس طرح نگاہیں ملائے بغیر دل کی بھڑاس نکل جا سکتی ہے آپ کچھ اور نہ کہیں گی مجھے۔"

"اپنی تحقیق تو آپ نے پیش کر دی ہے میرے بارے میں بھی اتنا جان لیجئے کہ میں آپ سے گھن کھاتے ہوئے بھی آپ کو اخلاقی گالیاں نہیں دے سکتی!"

"آپ کے بارے میں میرا بھی یہی اندازہ ہے۔"

"فون پر زحمت کی وجہ جان سکتی ہوں۔"

"وہ کچھ فرنیچر برائے فروخت ہے۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا اس لئے فون کیا ہے۔"

"اس عمارت کی طرف سے چلنے والی ہواؤں سے مجھے نفرت ہے آپ فرنیچر کی بات کر رہے ہیں۔"

"تو میں اسے فروخت کر دوں۔"

"ہاں مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کمال ہے۔ وجہ جان سکتی ہوں۔"

"اس دن جو زیادتی ہو گئی تھی اس کی معافی بالمشافہ مانگنا چاہتا ہوں میری رہائش گاہ پر نہ سہی کسی بھی جگہ سہی۔ دراصل آپ سے کچھ فائدے کی امید ہو گئی ہے۔"

"فائدہ۔"

"جی ہاں آپ کچھ غیر ملکی گاہک لائی تھیں ہمیں ایسے ہی لوگوں کی تلاش رہتی ہے۔"

"اوہ تو یہ بات ہے۔ بہرحال آپ بہت باہمت ہیں کہ آپ نے مجھے فون کر لیا میں آپ کی بروکر نہیں ہوں۔"

"میں نے کب کہا کہ میں آپ کو کمیشن دینا چاہتا ہوں۔ مس شملا میں واقعی آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ اہم گفتگو کرنی ہے آپ سے۔ اس دن میں نے آپ سے جو کچھ کہا اس کے لئے معافی چاہتا ہوں مجھے آپ سے ایک اہم کام ہے۔"

"مسٹر دانش آپ سے ملاقات کے بعد مجھے دانش نام کے ہر شخص سے نفرت ہو گئی ہے۔ اور شاید عمر کے آخری حصے تک بھی اس نام سے نفرت کرتی رہوں گی بھلا آپ اس سے زیادہ کیا کہوں۔"

"کوئی گنجائش نکل سکیں تو براہ کرم جلد ملاقات کر لیں' خدا حافظ..." اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ شملا ہاتھ میں ریسیور لئے بیٹھی رہ گئی تھی یہ کیوں ہوا اس خواہش کا پس منظر کیا ہے ادھر فرح اور شہریار بھی اس سے ملنے کے خواہاں ہیں اور ادھر "وہ" کیا یہ کوئی.....

زیادہ سوچ نہ پائی تھی کہ گل شاہ کسی اجازت کے بغیر اندر گھس آیا اور آتے ہی سلام داغ دیا۔

"ارے ارے یہ کیا طریقہ ہے آنے کا گل شاہ؟" وہ چونک کر بولی۔

"گرم چائے آنٹی' بڑا تھکا ہوا ہوں معاف کرنا کسی اخبار میں نوکری دلا دو تو شاید کچھ عادتیں بدل جائیں۔"

"فون کیا تھا میں نے تمہیں..."

"تھانے گیا ہی نہیں۔ چائے ملے گی؟"

"ضرور ملے گی۔" شملا نے کہا اور پھر چپڑاسی کو بلا کر چائے طلب کر لی۔ "کل کی رپورٹ ہے آنٹی۔ کل تو بڑا کام ہوا ہے جانتی ہو کیا۔"

"بتاؤ....."

"تو لو پھر۔ نو' اور دیکھو' لڑکی شیراز عمان ہے اسمگلر دی گریٹ اور وہ شہریار' وہ پانچواں

سوال.... جو تصویر ہمیں حاصل ہوئی ہے نا آنٹی گیری کوپ کی محبوبہ سے اس میں ایک جگہ ہاتھ تریا ٹھی ہے۔ مقتول‘ دوسرا لائڈنس ہے مقتول‘ تیسرا گیری کوپ مقتول تھا چوتھا دانش گردیزی اور پانچواں شہریار‘ لو جی تم خود دیکھ لو۔ گل شاہ جیب میں ہاتھ ڈال کر شاید تصویر نکالنے لگا پھر بولا۔ ”اور دھماکہ خیز خبر یہ ہے کہ آنٹی پتہ نہیں تم واقف ہو یا نہیں۔ رات کو گرین پارک میں دانش گردیزی بھی موجود تھا۔“

شہلا آنکھیں پھاڑے گل شاہ کو دیکھ رہی تھی۔ پے در پے کئی دھماکے ہوئے تھے اور وہ غور کر رہی تھی کہ جو کچھ گل شاہ نے کہا ہے وہی سچ ہے یا اس کی سماعت کو دھوکا ہوا ہے۔

گل شاہ نے تصویر نکال کر شہلا کو دے دی اور شہلا کی نظریں تصویر کا جائزہ لینے لگیں۔ یہ تصویر اس نے پہلے بھی دیکھی تھی مگر غیر متعلق لوگوں کے خد و خال اس کے ذہن میں نہیں تھے۔ گل شاہ جھک کر بولا۔

"دیکھو جی ذرا غور سے دیکھو یہ جگن ناتھ ترپاٹھی ہے یہ لائڈنس یہ گیری کوپ اور یہ اپنا ڈی جی چھ سو ساٹھ' اب اسے دیکھو یاروں کا یار شہریار۔"

شہلا بغور اس تصویر کو دیکھنے لگی۔ سو فیصدی شہریار تھا بس اتنا ہی فرق تھا جتنا دانش گردیزی میں اب میں اور جب میں تھا۔ مگر چہرہ آسانی سے پہچانا جاتا تھا۔

"میں نے کام جاری کر دیا آنٹی کل تمہیں یہ چہرہ بھی الگ سے دکھا دوں گا۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے آنٹی۔"

"سو فیصدی وہی ہے۔" شہلا نے بے اختیار کہا۔

"جیو آنٹی سب تمہاری برکت ہے۔"

"اور وہ لڑکی تمہارے بیان کے مطابق شیراز یمان ہے۔"

"اس پر تو پہلے بھی کوئی شک نہیں تھا۔ دراصل ایک شخصیت ہے آنٹی نام لینا کچھ اچھا نہیں لگتا اپنی یاری ہے اس سے اس نے نشاندہی کی تھی اس اسمگلر لڑکی کی ہمیں حیرت اس وقت ہوئی جب ہم نے اسے تمہارے ساتھ دیکھا۔"

شہلا سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر اس نے ایک دم چونک کر کہا۔ "گل شاہ تم نے کہا کہ گرین پارک میں دانش گردیزی بھی موجود تھا؟"

"ہاں آنٹی تھا۔"

"حیرت ہے میری نگاہ نہ تم پر پڑی نہ اس پر۔"

"یہی تو خاص بات ہے آنٹی۔ ہم تو پھر احتیاط کر رہے تھے۔ تھوڑا سا حلیہ بھی بدلا ہوا

تھا مگر اپنا یار بھی اتنا ہی محتاط تھا اور یوں لگتا تھا جیسے خود کو چھپا رہا ہو۔"

"اوہ...." شہلا ایک لمبی سانس لے کر بولی۔ بہت سے شیشے اس کے دماغ میں ٹوٹ رہے تھے ایک الگ احساس دل میں جنم لے رہا تھا۔ فرح کا اس سے مخاطب ہونا اور پھر باتوں ہی باتوں میں رابطہ بڑھالینا۔ اسے شہریار سے ملانا اینٹیکس سٹی جانا اور اس کے بعد خصوصی طور پر دانش گردیزی کا تذکرہ اور اینٹیکس سٹی سے دلچسپی۔ ان کے تعلقات استوار کرانے کے لئے منصوبہ بندیاں یہ ایک زنجیر محسوس ہو رہی تھی سب کچھ منطقی طور پر ملتا جلتا جا رہا تھا۔ اور.... اور پھر دانش گردیزی کا فون۔ "او مائی گاڈ۔" اس کے منہ سے نکل گیا۔

"آ گیا نا انگریزی میں خدا یاد۔"

"یہ سب کیا ہے گل شاہ۔"

"کچھ نہیں چاچی جی بس تمہارے بھتیجے کے شانے پر کوئی نیا پھول کھلنے والا ہے۔" گل شاہ نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"میں کچھ اور سوچ رہی ہوں۔"

"کیا عظیم الشان چچی جان....! کیسا قافیہ ہے؟"

"میرا قافیہ بگڑنے والا ہے۔"

"او کیسی باتیں کرتی ہو آنٹی گل شاہ جیسے نصف درجن بھتیجے آپ پر سے قربان آپ کا قافیہ کون تنگ کرے گا۔"

"حالات؟"

"فکر ہی نہ کرو سارے حالات لاک اپ کر دوں گا۔"

"نہیں گل شاہ معاملہ بہت سنجیدہ ہو گیا ہے میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ میں ان ہنگاموں میں کیوں شامل کی جا رہی ہوں۔ بھئی معاف کرنا گل شاہ میں نہ تو ایجنٹ زیرو زیرو سیون ہوں اور نہ ہی ہنٹر والی کہ خالہ نہ مجھے مارشل آرٹ آتا ہے اور نہ پستول چلانا جانتی ہوں۔ اگر میں ان قاتلوں اور اسمگلروں میں گھر گئی تو میرا کیا ہو گا۔"

"او آنٹی کیسی باتیں کرتی ہو۔ تمہاری کہانیاں تو بڑی جوشیلی ہوتی ہیں وہ پیپل کی ٹوٹی شاخ.... اور ڈاکٹر ڈاگ۔"

"کہانیاں....؟ ان کی بات نہ کرو گل شاہ' وہ میں کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے لکھتی ہوں اور اگر ایسے لمحات میں کسی کے ہاتھ سے چمچہ گر جاتا ہے تو ڈر کے مارے اچھل پڑتی ہوں۔"

"او نہیں آنٹی' مذاق میں بھی یہ بات نہیں مان سکتا۔ وقت برباد مت کرو آنٹی میں تو جوش میں غبارے کی طرح پھولا ہوا ہوں اور تم میرا تاگا کھولے دے رہی ہو۔"

"گل شاہ سنجیدگی سے سوچو' واقعی میرا ان حالات سے کیا تعلق ہے اور ایسا کیوں ہوا ہے؟"

"یہ بعد میں سوچیں گے آنٹی پہلے کہانی اسٹارٹ تو کر دیں۔ تمہارا کوئی کام تو حرج نہیں ہو رہا آنٹی۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر نکالو کوئی گلابی رنگ کا پیڈ اور نیلے رنگ کا بال پوائنٹ۔ نقشہ واردات بن جائے۔"

"گلابی پیڈ ضروری ہے؟" شہلا نے مسکرا کر کہا۔

"ضروری تو نیلا بال پوائنٹ بھی نہیں ہے جو ہے نکالو....!" گل شاہ نے کہا اور شہلا نے پیڈ اور قلم گل شاہ کو دیدیا۔ "کھیل شروع ہوا آنٹی گیری کوپ کے قتل سے نمبر ایک وہ مرتے وقت ایک راز کی بات ہمارے کان میں کہہ گئے یعنی ڈی جی سکس سکس زیرو... یہ ہوئی نمبر دو' آنٹی نے دکھایا اینٹیکس سٹی اور بتایا دانش گردیزی کے بارے میں وہ بندہ نکل آیا گیری کوپ کی تصویر کے ساتھ۔ نمبر تین اور نمبر چار یہ آنٹی جی کہ تصویر سے ڈائمنڈ لائنز کے کچھ گمشدگان اور یہ ڈائمنڈ لائنز بزرگوں کے کہنے کے مطابق پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ اور آنٹی جی کھیل کامیابی سے آگے بڑھ رہا ہے پبلک تالیاں بجا رہی ہے۔ ڈائمنڈ لائنز پانچ افراد پر مشتمل تھا یعنی جگن ناتھ ترپاٹھی' لائڈنس' گیری کوپ' دانش گردیزی اور شہریار.... اور آنٹی دی گریٹ مل گیا ایک پھول بھتیجے کو۔ آنٹی دو پیس رہ گئے ڈائمنڈ لائنز گروپ کے یعنی ڈی جی چھ سو ساٹھ اور اپنا یار شہریار.... اب یہاں سے جنکشن بدل دیتے ہیں آنٹی' گروپ ٹوٹ گیا۔ جگن ناتھ ترپاٹھی مارا گیا' لائڈنس مارا گیا اور گیری کوپ بھی چل بسا' رہ گئے یہ دو.... اگر اس گروہ کی دوستی دشمنی میں بدل گئی ہے تو یہ دونوں بھی ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ دوستی ہوتی تو دونوں ساتھ نظر آتے۔ اور آنٹی جی اب ساری توجہ ان دونوں پر لگانی پڑے گی' کون کب کس پر وار کرتا ہے اور یہ وقت ہماری کامیابی کا وقت ہو گا آنٹی....!"

"کیا خیال ہے؟"

"اچھا تانا بنا ہے تم نے گل شاہ۔"

"او چچی جان تانا شاہ سے کم ہیں کیا!" گل شاہ اکڑ کر بولا۔

"مگر پیارے بھتیجے یہ تمہاری چچی کیوں آ گئی ہیں ان خطرناک لوگوں کے درمیان' چلو مان لیتی ہوں یہ بات کہ دانش گردیزی سے میری ملاقات اتفاقیہ تھی اور بعد میں یہ اس شناسائی کا باعث بن گئی لیکن فرح نے اس سلسلے میں مجھے ہی کیوں تاکا۔"

"ہاں آنٹی۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔"

"کیا....؟"

"کسی طرح ان لوگوں نے میری مراد شیرازیمان اور شہریار سے ہے تم دونوں کے درمیان کسی ربط کے بارے میں معلوم کر لیا۔"

"اول تو میرے اور اس کے درمیان کیا ربط ہے.... اور پھر.... اوہ یہ ہو سکتا ہے کہ.... کہ....؟" شہلا خاموش ہو گئی۔ بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ ممکن ہے اس دن اسے دانش کی کار میں دیکھ لیا ہو جس دن وہ اسے اپنے گھر لے گیا تھا یا پھر اسے دانش کی کوٹھی سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا گیا ہو.... ان دونوں میاں بیوی کا انداز بھی کچھ ایسا ہی تھا جیسے وہ اس کے اور دانش کے درمیان ربط کو جاننا چاہتے ہوں۔ گل شاہ خاموشی سے کاغذ پر قلم کھٹکھٹا رہا تھا۔

"نمبر پانچ گل شاہ.... یہ شیرازیمان اس گروہ میں کہاں سے آ گھسی....؟"

"تو یہ کیا بات ہوئی آنٹی.... خربوزہ کسی رنگ کا ہو خربوزہ ہوتا ہے آخر گیری کوپ کی بھی ایک محبوبہ تھی۔ اور بقول تمہارے دانش گردیزی بھی بیوی کا شوہر اور بچوں کا باپ ہے۔"

"مگر وہ اسمگلر....؟"

"تو آنٹی.... وہ ڈائمنڈ گروپ ٹوٹنے کے بعد اس سے ملی ہو گی اب دیکھو نا آنٹی کمہار کمہارن سے شادی کرنا پسند کرتا ہے ڈاکٹر ڈاکٹرنی سے شادی کرنا چاہتا ہے تاکہ کلینک اور میٹرنٹی ہوم ایک ساتھ ہوں اسی طرح اسمگلر اور اسمگلرنی مل گئے تو کیا قیامت آ گئی۔" گل شاہ نے کہا اور شہلا ہنس پڑی۔

"ہماری تو دعا ہے کہ اپنا انکل بھی کوئی صحافی ہو۔ صحافی اور صحافن مل جائیں تو پو بارہ آنٹی...."

"گڈ اس دعا کا شکریہ.... خدا کا شکر ہے تم نے کسی پولیس والے کے بارے میں نہ کہا۔" شہلا نے ہنس کر کہا۔

"اوئے ہوئے آئیڈیا تو یہ بھی برا نہیں ہے آنٹی۔" گل شاہ ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"کام کی بات کرو گل شاہ۔" شہلا سنجیدہ ہو کر بولی۔

"ہاں آنٹی تو کام کی بات ہو رہی تھی کہ شیرازیمان بعد میں بھی اس کی ساتھی بن سکتی ہے دونوں کا پروفیشن ایک ہے۔ اگر ہمارا آئیڈیا درست ہے آنٹی تو فیصلہ یہ ہوا کہ یہ پانچوں اسمگلروں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتے ہیں گروہ نہ صرف ٹوٹ گیا بلکہ ان کے درمیان آپس میں دشمنی بھی چلی گئی۔ انہوں نے دولت کما کر اپنے الگ الگ ٹھکانے بنا لئے مگر وہ دشمنی کی بنیاد ایسی تھی کہ وہ اسے نہ بھول سکے اور ایک دوسرے کی تاک میں لگ گئے۔ اور تم رائٹر بھی ہو چاچی آگے کیا ہوا تم بھی بھیجہ لگاؤ۔"

"تاتا شاہ بہت عمدہ جا رہا ہے۔ جاری رہو۔" شہلا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آداب عرض.... تو آنٹی جگن مارا گیا۔ لائڈنس مارا گیا اور وہ گیری کوپ بھی مارا گیا۔ رہ گئے دو پیس' یعنی شہریار اور دانش گردیزی ہو سکتا ہے آنٹی ان دونوں میں سے کوئی باقی لوگوں کا قاتل ہو' ہم دانش ہی کی گردن پر چھری کیوں رکھیں یہ کارروائی شہریار کی بھی ہو سکتی ہے۔"

"کیسے....؟" شہلا نے پوچھا۔

"یوں سوچو آنٹی کہ گیری کوپ یہاں آیا۔ ہو سکتا ہے اسے گردیزی نے بلایا ہو۔ مگر وہ گردیزی کے پاس نہ پہنچ پایا اور راستے ہی میں شہریار نے اس کا کام تمام کر دیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ شہریار کافی عرصہ سے یہاں موجود ہے۔"

"یہ کوئی تعجب کی بات تو نہیں ہے۔ اس کی آمد کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"گڈ.... عمدہ آئیڈیا ہے۔ تو تمہارے خیال میں اب وہ دانش کے چکر میں ہو سکتا ہے۔"

"ہاں آنٹی آخری مہرہ وہی ہے یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ان دونوں میں تجسس پایا جاتا ہے۔ کسی طرح انہوں نے تمہیں دانش کے ساتھ دیکھ لیا وہ یہ جاننے میں لگ گئے کہ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔ شیرازیمان تمہیں اینٹیکس ٹی لے گئی پھر بقول تمہارے اس بارے میں بات چیت ہوئی۔ وہ تمہارے ذریعے اس تک پہنچنا چاہتے ہیں۔"

"دانش شیرازیمان کو نہیں جانتا کیونکہ اینٹیکس ٹی میں اس نے اسے دیکھا تھا۔"

"ضروری نہیں ہے آنٹی کہ وہ اسے بھی جانتا ہو۔"

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔"

"بات اس طرح پختہ ہو رہی ہے آنٹی کہ وہ فرح بنی ہوئی ہے جبکہ وہ سو فیصدی شیرازیمان ہے اور اس کی تصدیق میں کر د[illegible]۔"

"ہم دوسرے پہلو پر بھی کیوں نہ غور کریں گل شاہ۔"

"دوسرا پہلو۔"

"قاتل دانش گردیزی بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں آنٹی اب یہ تو بال کی کھال نکالنا پڑے گی۔ ان دونوں میں سے کوئی قاتل ضرور ہے۔"

"تم شہریار کے اس ملک میں داخلے کی تاریخ معلوم کرو۔ موجودہ حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب دانش گردیزی بھی شہریار کی موجودگی سے ناواقف نہیں رہا ہے جیسا کہ تم کر چکے ہو کہ پچھلی رات وہ گرین پارک میں موجود تھا اور یہ ناممکن ہے کہ اس نے شہریار کو نہ دیکھا ہو اور نہ پہچانا ہو جبکہ تم۔۔۔ او مائی گاڈ۔۔۔۔!"

"اوئے ہوئے انگریزی میں خدا یاد آیا۔ مطلب کوئی خاص بات ہے۔"

"بہت خاص بات۔۔۔!" شہلا نے کہا۔

"او آنٹی بول دو۔۔۔ تمہارا بھتیجا پھٹ جائے گا۔"

"دانش نے آج ہی مجھے فون کیا ہے مسئلہ حل ہو گیا۔"

"پانی۔۔۔ آنٹی ایک گلاس پانی۔" گل شاہ مسخرے پن سے بولا۔ پھر پانی کے دو گلاس چڑھا کر اس نے کہا۔ "آگے بڑھو آنٹی۔۔۔ آگے بڑھو۔۔۔!"

"اس نے بہت بدلے ہوئے انداز میں مجھے فون کیا تھا اور مجھ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔" شہلا نے اس فون کے بارے میں پوری تفصیل گل شاہ کو بتا دی اور گل شاہ دیر تک حیرانی سے اسے دیکھتا رہا۔۔۔ پھر اس نے کہا۔

"معمہ حل ہو گیا آنٹی۔ ظاہر ہے اس نے تمہیں شہریار کے ساتھ دیکھا ہو گا۔ مگر آنٹی کچھ کرنا ہو گا۔ مجھے تم سے اختلاف ہے۔"

"کیا گل شاہ۔۔۔؟"

"آنٹی اس سے ملنا ضروری ہے۔ اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

"میں بیچ میں نہ ماری جاؤں گل شاہ۔"

"دیکھو چچی جان عظیم الشان۔۔۔ زندگی موت تو مالک کے ہاتھ میں ہے یہ ایک بات بھتیجے کی بھی سن لو۔ دونوں میں سے کوئی تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔ میں ہزار آنکھوں سے تمہاری نگرانی کروں گا۔ آنٹی یہ کرنا ہے ضرور کرنا ہے میرے لئے اپنے اکلوتے بھتیجے کے لئے۔" گل شاہ گڑگڑانے لگا۔

"اس سے تم کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔۔۔؟"

"دیکھنا چاہتا ہوں اگر ہمارے اندازے درست ہیں تو اب دانش گردیزی تم سے کیا چاہتا ہے کم از کم پتہ تو چل جائے۔"

"مگر کیا میں خود اس سے۔۔۔۔؟" شہلا نے کہا۔ اور گل شاہ کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"جو کچھ تم نے بتایا آنٹی اس کے بعد اس کی گنجائش تو نہیں رہی ہے کہ تم خود اس سے ملو مگر اب دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہے۔"

"کیا۔۔۔؟"

"آنٹی۔۔۔ یہ دونوں اگر اس چکر میں ہیں تو تمہارا سہارا ضرور حاصل کریں گے اور اگر وہ بھی تمہارا ہی سہارا چاہتا ہے تو پھر بات بن جائے گی تم اپنا رویہ درست رکھنا مطلب یہ کہ تم خود سمجھدار ہو ان دونوں کو قریب لاؤ اور پھر ان کا کھیل دیکھو۔"

"اور اگر کوئی مسئلہ ہو گیا تو۔۔۔؟"

"صرف ایک بار بھتیجے پر بھروسہ کر لو۔۔۔!"

"او کے گل شاہ۔۔۔ میں تیار ہوں۔" شہلا نے کہا اور گل شاہ نے خوش ہو کر گردن ہلائی۔

"اس دفتر سے نکلنے کے بعد ایک ایک لمحہ تمہاری حفاظت ہو گی آنٹی فکر نہ کرنا۔۔۔!" گل شاہ چلا گیا اور شہلا فکر مند ہو گئی۔ خطرناک کھیل تھا جس سے بچا بھی جا سکتا تھا لیکن اول تو اپنی فطرت۔۔۔ اور پھر گل شاہ کا اصرار' وعدہ کر لیا تھا اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اس نے سوچا اور اس فیصلے کے بعد اسے باقی پروگرام ترتیب دینا تھا اور بہت ذہانت سے دینا تھا۔ بلکہ گل شاہ پر اعتماد کیا جا سکتا تھا لیکن وہ پولیس والا تھا مرد تھا اگر کہیں چوک گیا تو لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ اس سلسلے میں جو بھی قدم اٹھانا تھا سوچ سمجھ کر اٹھانا تھا۔ تجسس اسے اپنی ذات میں بھی ملا تھا وہ خود بھی ان انوکھے واقعات کی چھان بین چاہتی تھی لیکن کوئی ہولناک خطرہ مول لے کر نہیں۔۔۔۔ نہ جانے کب تک وہ اس سلسلے میں غور کرتی رہی تھی۔ بقول گل شاہ کے وہ بھی اسمگلروں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ظاہر ہے خطرناک آدمی ہو گا۔ اس کے علاوہ اگر شہریار اس کا دشمن ہے اور اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ اس کی معاون ہے۔۔۔! بڑا خوفناک سوال تھا حالانکہ دانش گردیزی سے اسے بے پناہ نفرت تھی۔ لیکن۔۔۔۔ لیکن۔

پھر اچانک ہی اس کے اندر ایک لہر سی اٹھی۔ میں اس قدر خوفزدہ کیوں ہو گئی ہوں۔ کیا اس بزدلی کے ساتھ میں اپنا یہ پیشہ جاری رکھ سکتی ہوں کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گئی ہوں ان واقعات سے۔۔۔ اس احساس نے اسے ایک نئی قوت بخشی تھی اور اس کے بعد اس نے بہت

سے منصوبے بنائے تھے۔

شام کو دفتر سے اٹھنے سے قبل اس نے فرح کو فون کیا اور اس سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"ہیلو شہلا....؟"

"تم نے فون نہیں کیا....؟"

"تمہارے فون کا انتظار کرتی رہی....!"

"کیوں....؟"

"بس.... ایک اندرونی احساس نے مجھے روکے رکھا۔"

"کیا احساس تھا....؟"

"بعض اوقات ہم اپنی محبت میں دوسروں کے معاملات فراموش کر دیتے ہیں ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم.... ہم ہر وقت ساتھ رہیں لیکن دوسروں کو بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہوتی ہیں اور میں تمہیں خود سے متنفر کرنا نہیں چاہتی میں نے سوچا فرصت ہو گی تو تم خود مجھے یاد کرو گی....!"

"اوہ فرح ڈارلنگ" میں آ رہی ہوں، میرا انتظار کرو" شہلا نے کہا اور فرح ہنسنے لگی، پھر بولی۔

"آ جاؤ، ہم دونوں لان پر تمہارا انتظار کریں گے۔"

شہلا نے ٹیلی فون بند کیا اپنا مختصر سا سامان سمیٹا، اور پرس سنبھال کر باہر نکل آئی، گو ابھی دھوپ باقی تھی، لیکن آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے اور موسم ناخوشگوار نہیں تھا۔ ایک ٹیکسی نے اسے مطلوبہ ہوٹل پر اتار دیا۔ ہوٹل کے لان پر البتہ چھاؤں پھیلی ہوئی تھی درختوں کے جھنڈ کے نیچے کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، مین گیٹ سے کچھ فاصلے پر ہی فرح اور شہریار نے اس کا استقبال کیا۔

شہریار ایک عمدہ سے سوٹ میں ملبوس تھا اور بہت اسمارٹ نظر آ رہا تھا، فرح نے بھی ایک خوب صورت لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ اسے ساتھ لے کر کرسیوں کی جانب بڑھ گئے۔

"تو سنائیے مس شہلا، کیسی جا رہی ہے آپ کی صحافت....؟"

"صحافت کا دنیا بھر میں انداز بدل چکا ہے مسٹر شہریار آپ کو اس بات کا اندازہ ہو گا....؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں.... لیکن وقت کے ساتھ قدم بڑھانا بھی ایک ضرورت ہوتی ہے۔" کرسیوں پر بیٹھ کر شہریار نے ایک ویٹر کو اشارہ کیا اور ان لوگوں سے پوچھے بغیر کولڈ کافی منگوالی۔

"فرح بتا رہی تھی کہ فون پر اس کی تم سے کیا گفتگو ہوئی ہے مس شہلا۔ میں نے خود بھی انہیں سمجھایا کہ مس شہلا ایک ذمہ دار خاتون ہیں اور انہیں ان کے مشاغل سے الگ کرنا مناسب نہیں ہو گا، یہ بات صاف صاف کر لی جائے گی کہ جب تک ہم لوگ یہاں موجود ہیں۔ شہلا صاحبہ سے ان کی فرصت کے اوقات میں ملاقات کی جائے گی اور ہاں مس شہلا آپ نے شاید فرح سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ آپ اسے یہاں کی کسی تقریب میں لے جائیں گی، ویسے بھی فرح یہاں کی ثقافتی تقریبوں سے بہت متاثر ہے اور مجھے اس لئے انتظار ہے کہ میرے کچھ دوست مجھے اپنی غیر ثقافتی تقریبوں میں مدعو کرنا چاہتے ہیں جن میں شاید پوری راتیں ہی گزر جائیں، آپ اگر اس کا وعدہ کریں کہ فرح کو اپنے ساتھ مصروف کر لیں گی تو میں ان لوگوں سے یہ وعدہ کر لوں۔"

"منہ دھو رکھو شہریار، ساری رات کے لئے نہ میں کہیں جاؤں گی اور نہ تمہیں کہیں جانے دوں گی۔" فرح نے مسکراتے ہوئے کہا اور شہریار سینے پر پھونکیں مارنے لگا۔

"انسان شادی شدہ ہو کر کتنا مجبور ہو جاتا ہے اس کا اندازہ شادی سے پہلے نہیں کر پاتا۔" دونوں ہنسنے لگی تھیں پھر فرح اس سے اس کی مصروفیت کے بارے میں پوچھنے لگی اور شہریار نے اچانک ہی گفتگو کا رخ مطلب کی باتوں کی جانب موڑ دیا۔

"وہ میں، مس شہلا آپ کے اینٹیکس ٹی گیا تھا اور اسے دیکھ کر واقعی میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی ہیں۔ میں اپنے شہر میں بھی ایک اتنا ہی خوبصورت "اینٹیکس اسٹور" قائم کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے میں نے آپ کی دلچسپی دلانے کے بعد شہر کے دوسرے بہت سے اینٹیکس سٹور بھی دیکھے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں بہت سی ایسی خوب صورت اشیاء موجود ہیں، جنہیں نوادرات میں شمار کیا جا سکتا ہے، لیکن اینٹیکس ٹی میں جس طرح بندوبست کیا گیا ہے وہ بے مثال ہے، کاش اس شخص سے میری دوستی ہو سکتی جس سے آپ نے دشمنی باندھ رکھی ہے۔"

"اوہ آپ اینٹیکس ٹی گئے تھے۔" شہلا نے بے اختیار پوچھا....؟"

"ہاں بھئی میرے مطلب کی چیز تھی میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔"

"فرح تم بھی گئی تھیں....؟"

"نہیں بھئی میں نے معذرت کر لی تھی، مجھے کچھ اور بھی کام تھے۔" فرح نے جواب دیا۔ شہریار کہنے لگا۔

"مکمل کی ترتیب دی گئی ہے اور بلاشبہ دنیا بھر سے نادر اشیاء جمع کی گئی ہیں، کم از کم میں اس شخص کے اس ذوق کا بھی قائل ہوں، بے شک وہ دکاندار ہے، لیکن کوئی دکاندار

اپنی دکان میں یہ سب کچھ جمع کر لے' یہ بھی کمال کی بات ہے میں نے اس سے ملنے کی کوشش کی' لیکن افسوس وہ موجود نہیں تھا اور آج مس شہلا میں آپ سے یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکوں گا کہ آپ کی دشمنی کی بنیاد کیا تھی' ہم نے بہت سی باتیں سوچی ہیں' اور ہم ان سوچوں کے لئے آپ سے معافی بھی مانگ لیں گے۔ میں نے ایک سوال تو آپ سے براہ راست کر دیا تھا وہ یہ تھا کہ کہیں یہ نفرت' محبت کی پیداوار تو نہیں ہے' بعد میں مجھے احساس ہوا کہ یہ سوال میں نے ذرا جلدی کر دیا تھا۔ کم از کم آپ کو اور اس کو دیکھنے کے بعد مجھے یہ بات کرنی چاہئے تھی' خیر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم نے اپنا منصوبہ ترک نہیں کیا' میں اس شخص سے کاروباری معاملات چاہتا ہوں اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اس کا ذریعہ آپ ہی بنیں گی اور اگر مجھے اس میں ناکامی ہوئی تو میں اس کا سارا سارا حساب فرح سے وصول کروں گا' کیونکہ اس نے آپ کی دوستی کے بارے میں بڑے دعوے کر رکھے ہیں۔"

شہریار مسلسل بولے جا رہا تھا اور شہلا مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی' اپنے نئے منصوبے کے تحت اسے اپنی ذات پر بے پناہ اعتماد پیدا ہو گیا تھا اور شہریار کے ان الفاظ نے اسے کسی الجھن کا شکار نہ ہونے دیا تھا۔ البتہ وہ ان الفاظ کی گہرائیوں میں شہریار کی خواہشوں کا اندازہ لگا رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"لیکن کاروباری گفتگو کے لئے کسی شناسائی کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے مسٹر شہریار....؟"

"آہ خواتین یہ بات کبھی نہیں سمجھتیں اور نہ ہی میں انہیں سمجھا سکتا ہوں۔ بارہا اس سلسلے میں بھی میری بحث ہو چکی ہے۔ فرح کہتی ہے کہ یہ طریقہ گھٹیا ہے لیکن میرا خیال ہے دنیا کے بڑے بڑے دولت مند اس طریقہ کار سے بڑے فوائد حاصل کر چکے ہیں اور میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ تم نے سوچا ہو گا ڈیئر فرح کہ میں نے فوراً ہی اپنے مطلب کی باتیں شروع کر دیں۔ بھئی میں تم لوگوں کو موقع دیتا ہوں کہ تم اپنی پسند کی باتیں کر لو۔"

"نہیں میرا خیال ہے کہ میری اور تمہاری پسند میں کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے شہریار۔ شہلا سے ملاقات کرنا چاہتی تھی' بس وہ میرے سامنے آ گئی۔ تم اپنی گفتگو جاری رکھو۔"

"ایک بات بتایئے مسٹر شہریار' کیا میں اس سے ملاقات کر کے اس بات کا اظہار کر دوں کہ میرے ایک دوست اس سے کاروباری معاملات طے کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہرگز نہیں' ہرگز.... اس سے جب بھی ملاقات کی جائے گی' ہم لوگ مشترکہ طور پر ہی ملاقات کریں گے۔ بلکہ میں اس پر یہ احسان رکھنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس کے لئے مصالحتی فضا پیدا کی....!"

"اور اگر وہ ہی نقصان پہنچانا چاہتا ہو تو...."

"اس کا فیصلہ تو کر لیا جائے گا مس شہلا' کیونکہ اس کے بعد میں آپ سے جو سوال کرنے والا ہوں وہ یہی ہے کہ اس کے اور آپ کے درمیان بنائے مخاصمت کیا تھی۔" شہریار نے چالاکی سے کہا اور شہلا گہری گہری سانس لینے لگی۔ دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ واقعی یہ شخص حرفوں کا بنا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"دراصل میں سب سے پہلے تو آپ کو یہ بتا دوں کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی شناسائی تھی ہی نہیں۔ ہماری ملاقات ایک حادثے کے تحت ہوئی اور حادثہ یہ تھا' کہ زیڈ ڈیپارٹمنٹ اسٹور نامی ایک جگہ سے میں کچھ خریداری کر رہی تھی اس نے بھی خریداری کی اور ہم دونوں کے خریدے ہوئے پیکٹ تبدیل ہو گئے' اس کا پتہ مجھے گھر جا کر چلا۔ بہرحال میں نے کسی نہ کسی طرح اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں اور دوسرے دن اس کا پیکٹ لے کر اس کے گھر پہنچ گئی اور وہ گھر مجھے انتہائی عجیب و غریب لگا' کیونکہ وہاں میں نے کسی انسان کو نہیں دیکھا تھا سوائے اس کے گھر کے دروازے خود کار ہیں اور وہ تنہا تھا' جبکہ جو پیکٹ میں نے کھول کر دیکھا تھا اس میں بچوں کے کپڑے بھرے ہوئے تھے بہرحال یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی اس نے نہایت خشک مزاجی سے میرا پیکٹ مجھے واپس کیا اور شکریہ ادا کرنے کے بعد مجھے سیدھے سیدھے ٹرخا دیا۔ لیکن اس کے گھر کی عجیب و غریب کیفیت مجھے ذرا حیران کن معلوم ہوئی تھی اور میں اپنے تجسس کو نہ دبا سکی' میں جاننا چاہتی تھی کہ اس شخص کی پراسرار شخصیت کا راز کیا ہے اور آپ جانتے ہیں مسٹر شہریار کہ یہ تجسس میرے پیشے سے منسلک ہے۔"

"سو فیصدی' سو فیصدی۔" شہریار نے تائیدی انداز میں کہا۔

"البتہ میں نے اس کے لئے ذرا غلط طریقہ کار استعمال کر لیا۔ میں اس کے مکان کے عقبی حصے سے ایک ایسی جگہ سے اندر داخل ہوئی' جو عام راستہ نہیں تھا بلکہ ایک چور راستہ کہا جا سکتا ہے۔ میری نیت میں ذرہ برابر کھوٹ نہیں تھا' میں نے اس گھر کی تلاشی لی اور یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ بلاشبہ وہاں اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں تھا وہ گھر میں موجود تھا۔ اس نے مجھے کسی طرح دیکھ لیا تھا۔ میرا اس طرح داخلہ واقعی ایک جرم تھا لیکن میں نے اس سے معذرت کرتے ہوئے سب کچھ سچ سچ بتا دیا اور اس کے جواب میں اس نے مجھ سے اتنی زہریلی گفتگو کی کہ۔ کہ......" شہلا خاموش ہو گئی۔ اس نے نہایت چالاکی سے جال پھینکا تھا اور اب اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

شہریار کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "واقعی وہ ایک پراسرار انسان ہے۔"

"اور اب تم اس پراسرار انسان کے لئے دیوانے ہو جاؤ گے۔ شہریار مجھے تمہاری ان حرکتوں سے شدید اختلاف ہے۔" فرح نے فوراً کہا اور شہریار مسکرانے لگا۔

"ڈارلنگ تم سے پہلے زندگی میں نہ جانے کیا کیا مشاغل تھے۔ تمہارے بعد میں نے خود کو محدود کر لیا ہے ایک آدھ ہی دلچسپی رہ گئی ہے اس کی دشمن کیوں بن گئی ہو۔"

"شہلا اب یہ تمہارا قصور ہے۔ تم نے یہ کہانی سنا کر ایک مصیبت مول لے لی ہے اب خود بھگتو۔"

"میں سمجھی نہیں۔" شہلا نے کہا۔

"شہریار پراسرار کہانیوں کے عاشق ہیں اور تم نے ایک پراسرار شخصیت کا ذکر کر دیا ہے۔"

"مس شہلا' کیا آپ صرف فرح کی دوست ہیں میرا کوئی رشتہ نہیں ہے آپ سے۔"

"لو۔ کیوں نہیں مسٹر شہریار۔"

"اس عورت کو سمجھاؤ۔ اور پھر ہم تو تمہارے مہمان ہیں اگر تھوڑی بہت ہماری پذیرائی ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

"میں ایک بار پھر وہی عرض کروں گی کہ میں سمجھی نہیں۔"

"اوہ شہریار۔ شہلا کو مجبور نہ کرو۔" فرح نے کہا۔

"مس شہلا۔ بلا تکلف یہ بتا دیں کہ کیا آپ ایک بار صرف ایک بار مجھے وہ گھر دکھا سکتی ہیں۔ اسی راستے سے مجھے اندر لے جا سکتی ہیں جن سے آپ اندر داخل ہوئی تھیں۔"

شہلا کے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگی تھیں۔ چند لمحات غور کرنے کے بعد اس نے کہا۔ "اگر میں وہ راستہ آپ کو بتا دوں تو....."

"کام نہیں بنے گا۔"

"کیوں....؟"

"ہم وہاں مختصر وقت صرف کریں گے اور میں آپ کی رہنمائی میں وہ پورا گھر دیکھ لوں گا۔"

"کیا اس کی موجودگی میں۔" شہلا نے ایک بے تکا سوال کیا اور شہریار اچھل پڑا۔

"ایسا خوفناک مذاق کر کے مجھے خوفزدہ نہ کریں مس شہلا۔"

"کیا یہ خطرناک نہ ہو گا مسٹر شہریار۔"

"میں آپ کو مجبور کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ مگر میرے تجسس کو اپنے تجسس سے کم نہ سمجھیں جس طرح آپ نے تجسس سے مجبور ہو کر وہ خطرناک حرکت کی تھی اسی طرح مجھ پر

بھی جنون طاری ہو گیا ہے اگر آپ ساتھ دیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔"

"کیا فرح بھی ساتھ ہو گی۔" شہلا نے پوچھا۔

"فرح میرے دم کے ساتھ ہے۔"

"ہم سب شہریار کو نہیں روک سکتے شہلا لیکن ہم دونوں کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔"

"او کے' لیکن اس کے لئے انتظار کرنا ہو گا۔"

"جب تم فرصت نکال سکو۔" فرح نے کہا۔

"بات میری فرصت کی نہیں ہے ہمیں اس وقت کا تعین بھی کرنا ہو گا جب وہ یقینی طور پر گھر سے باہر ہو۔"

"یقیناً۔ اس کے لئے طریق کار متعین کرنا ضروری ہے۔"

"ویسے مجھے تعجب ہے مسٹر شہریار آپ تو اس سے کاروباری ملاقات کرنا چاہتے تھے اچانک ہی....."

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کاروبار تو ہم کریں گے۔ یہ اضافی معاملہ ہے اسے پتہ کہاں چلنے دیا جائے گا۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔"

"ہم آپ کا انتظار کریں گے۔" شہریار نے کہا پھر شہلا ان سے رخصت ہو کر چلی آئی۔

وہ گہری سوچوں میں گم تھی ایک طرح سے وہ پولیس کے لئے کام کر رہی تھی اور اسے یقیناً قانون کا تحفظ حاصل ہو گا لیکن اندر سے کچھ عجیب خیالات ابھر رہے تھے۔ گل شاہ نے اظہار کیا تھا کہ گیری کوپ کا قاتل شہریار بھی ہو سکتا ہے اور انداز یہی لگ رہا تھا' شہریار نے یہ واقعہ سننے کے بعد فوری فیصلہ تبدیل کیا تھا اب وہ اس کے ذریعہ دانش سے ملاقات کرنے کے بجائے اس کا گھر دیکھنا چاہتا تھا۔ اگر کوئی خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی تو۔ اگر شہریار دانش گردیزی کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو..... کیا میرا ضمیر مجھے معاف کر دے گا کہیں میں دانستہ طور پر اس فعل میں شریک نہ ہو جاؤں مگر گردیزی..... وہ اس قابل ہے..... کیا میری توہین کی قیمت اس کی زندگی ہے۔ گل شاہ..... کیا گل شاہ بروقت اقدام کر سکے گا..... دل لرزنے لگا۔ بات اس قدر آسان بھی تو نہیں تھی اس نے شہریار کو ان کیمروں کے بارے میں نہیں بتایا تھا جو تصویریں بنا لیتے تھے تصویریں تو دوبارہ بھی بنیں گی اور۔ اور۔"

رات کو غیر متوقع طور پر گل شاہ کا فون آ گیا۔ "ہیلو آنٹی۔ کیسے مزاج ہیں کیا کر رہی ہو؟"

"تمہارا فون سن رہی ہوں۔"

"کہو۔ ملاقات کیسی رہی۔ کیا باتیں ہوئیں۔"

"کن سے۔"

"نہیں دونوں کی بات کر رہا ہوں۔ تم اب تک میری باتوں کو مذاق سمجھ رہی ہو اور چچی جان میں ترقی کے چکر میں ہوں اور تم مذاق ہی سمجھ رہی ہو۔ تم ان سے ملی تھیں آپ لوگ لان پر بیٹھے تھے کولڈ کافی پی گئی تھی اپنا یار پانچ بار ہنسا تھا دو بار اچھلا تھا شیراز یمان نے تین بار اسے گھورا تھا پھر تم ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر آئی تھی ڈرائیور چپکے ہوئے گالوں والا بوڑھا آدمی تھا۔ اور کچھ بتاؤں آنٹی جی۔"

"نہیں گل شاہ کافی ہے۔" شہلا نے ہنس کر کہا۔

"صرف کافی ہے یا ہاٹ کافی ہے۔"

"اچھا ہوا تم نے فون کر لیا گل شاہ' تھوڑی سی پریشان ہوں۔"

"کیوں آنٹی۔"

"شہریار نے مجھ سے پوچھا کہ میرے اور دانش کے درمیان اختلاف کیوں ہوا تھا اور میں نے تھوڑی سی رد و بدل کے ساتھ اسے داستان سنا دی۔"

"رد و بدل کیا تھا آنٹی....." گل شاہ نے کہا اور شہلا نے اسے مختصر تفصیل بتا دی.... بالکل ٹھیک۔ پھر کیا ہوا۔"

"اب شہریار میرے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے۔"

"اس کی وجہ....."

"اسے اس پراسرار گھر سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔"

"تم وقت کے گھوڑے سے زیادہ تیز رفتاری سے دوڑ رہی ہو آنٹی لگتا ہے بھتیجے کے کندھے پر ایک پھول اور کھلا کر رہو گی۔"

"کہیں میرے پھول نہ مرجھا جائیں گل شاہ.....!"

"بھروسہ نہیں ہے آنٹی گل شاہ پر۔"

"بھروسہ تو ہے گل شاہ۔ مگر مسئلہ سنگین نوعیت کا ہے شہریار کے بارے میں تم خود بتا چکے ہو کہ وہ خطرناک آدمی ہے اگر کوئی حادثہ ہو گیا تو کیا میں خود کو اس سے الگ سمجھ سکوں گی۔"

"تمہارا مطلب ہے قتل وغیرہ۔"

"ہاں امکانات تو ہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ دونوں میں سے کون قاتل ہو!"

"آنٹی ہمارا مطلب تو یہی ہے کہ قاتل کو پکڑ لیں۔ اور قتل ہونے سے قبل پکڑ لیں ویسے آنٹی شہریار تمہارے ساتھ اس گھر میں کیوں داخل ہونا چاہتا ہے۔"

"خدا جانے۔"

"اس کی موجودگی میں جانا چاہتا ہے۔"

"نہیں۔"

"ہوں..... یہ نکتہ قابل غور ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔" گل شاہ پرخیال لہجے میں بولا۔ پھر کہنے لگا۔ "تم نے کیا فیصلہ کیا آنٹی۔"

"سوچ رہی ہوں اور پریشان ہوں۔"

"او نہیں آنٹی..... سوچو ضرور مگر پریشان نہ ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں کوئی ایسا حادثہ نہ ہونے دوں گا۔ اطمینان رکھو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے گل شاہ۔ ضمیر کا معاملہ بھی تو ہے۔"

"پھر ایک بات کہہ سکتا ہوں آنٹی۔ پولیس کی مدد بھی ضمیر کا معاملہ ہی ہوتی ہے باقی تمہاری مرضی کیس ادھورا رہ جائے گا۔" گل شاہ کے لہجے میں مایوسی چمک رہی تھی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا گل شاہ۔"

"اگر یہ مطلب نہیں ہے آنٹی تو تھوڑا سا رسک لے لو میرے حساب میں درج رہے گا۔" گل شاہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ شہلا ایک بار پھر ساکت رہ گئی تھی گل شاہ بہت اچھا دوست تھا۔ ہر موقع پر کام آنے والا اور پھر معاملہ دو مجرموں کا تھا۔

رات کے نہ جانے کون سے پہر تک وہ جاگتی رہی تھی۔ سوچتے سوچتے دماغ دکھ گیا تھا۔ دوسرے دن معمول کے مطابق جاگی غسل وغیرہ کیا اور تیار ہو کر دفتر چل پڑی۔ دماغ پر ان سوچوں کے سائے تھے مگر اس نے ذہن جھٹک کر خود کو نارمل کیا اور دفتر پہنچ گئی۔ سب ایڈیٹر صاحب نے ایک پروگرام کی کوریج کے لئے کہا جس کے لئے اسے ایئر پورٹ جانا تھا زین کو ساتھ لے کر چل پڑی۔ ایک اہم غیر ملکی شخصیت آ رہی تھی اس سے کچھ اہم سیاسی امور پر گفتگو کرنی تھی ایئر پورٹ پہنچ کر وہ اپنے کام میں لگ گئی اور وقت مقررہ پر اس شخصیت سے ملاقات کی۔ اس کام میں مصروف ہو کر ساری باتیں بھول گئی تھی۔ بالآخر اس سے فراغت حاصل ہو گئی۔ زین نے کہا۔

"مس شہلا میں کچھ دیر رکوں گا یہاں۔ آپ چلی جائیں۔"

"کہیں باہر جا رہے ہو۔" اس نے ازراہ مذاق پوچھا۔

"ہاں۔ آج ہی میرے ایک دوست کو آنا ہے۔ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اس کی فلائٹ ہے

دوبارہ کہاں آتا پھروں گا یہیں رک جاتا ہوں۔"

"او کے زین میں چلتی ہوں۔" اس نے کہا اور ایئر پورٹ سے نکل آئی۔ یہاں سے ٹیکسی ملنا عموماً دشوار ہوتا تھا البتہ کوئی ڈیڑھ فرلانگ پیدل چل کر ہی روڈ آ جاتا تھا اور وہاں سے ٹیکسی مل جاتی تھی چنانچہ یہاں سر کھپانے کے بجائے اس نے یہ پیدل سفر مناسب سمجھا۔ وہ سست روی سے سفر کرتی رہی تبھی ایک کار اس کے قریب آ رکی اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر دفعتہ اس کا خون رگوں میں چٹخنے لگا ڈرائیونگ سیٹ پر دانش گردیزی موجود تھا۔

"ہیلو مس شملا۔" اس نے کہا۔ شملا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی وہ پھر بولا۔ " چند منٹ لینا چاہتا ہوں۔"

"فرمایئے۔"

"یہ سامنے ہوٹل ہے۔"

"ہاں ہے۔"

"ایک پیالی چائے پلا دیں۔"

"آپ گریٹ ہیں مسٹر گردیزی۔"

"یہ نئی گالی سنی ہے میں نے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"ہاں آپ اسے گالی ہی تصور کریں۔ میں نہیں سمجھتی کہ اب میرے اور آپ کے درمیان کوئی ربط ہے۔"

"فرنیچر کے رشتے سے سہی۔ آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے دیں۔"

"آپ پر مزاح ہیں۔ کیا عمدہ گفتگو کرتے ہیں۔"

"مس شملا پلیز۔ اس کے بعد زندگی بھر آپ سے کوئی درخواست نہیں کروں گا۔" اس نے انتہائی لجاجت سے کہا۔

"آخر آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"آپ کے کچھ لمحات۔"

"اس قدر کراہیت اور نفرت کے باوجود۔"

"مس شملا پلیز یہ سڑک ہے ایک انسان کی حیثیت سے آپ مجھے تھوڑا سا موقع ضرور دیں۔"

"تشریف لایئے شملا نے کہا اور ہوٹل کی جانب چل پڑی۔ دانش گردیزی نے کار آگے بڑھا دی۔ اسے تھوڑا سا گھوم کر پارکنگ پر آنا تھا شملا ہوٹل کے گیٹ پر کھڑی ہو کر اس کا

انتظار کرنے لگی۔ وہ دور سے دانش کو کار پارک کرتے دیکھ رہی تھی۔ موتیا کلر کے سوٹ میں وہ بے حد اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔ پھر وہ متانت سے چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ ایئر کنڈیشن ہوٹل کا ہال پر سکون تھا۔ اس نے شملا کے لئے ایک کرسی سرکائی تھی اس کے بیٹھنے کے بعد وہ خود بھی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ انتہائی مہذب نظر آ رہا تھا۔ شملا نے بھی خود کو سنبھال لیا بہت کچھ سوچ رہی تھی وہ اس وقت کی ملاقات کے بارے میں۔ دانش نے ویٹر سے چائے کے لئے کہا پھر بولا۔

"طویل عرصے سے میں نے دنیا کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا مس شملا لیکن آپ نے مجھے اپنے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔"

"خوب۔" شملا نے آہستہ سے کہا۔

"آپ تسلیم کر لیں کہ آپ نے میری غیر موجودگی میں میرے گھر میں داخل ہو کر بداخلاقی کی تھی۔"

"اس کے بعد کیا ہو گا......" شملا نے کہا۔

"میں اب اپنے الفاظ پر مذمت کروں گا۔"

"اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"بس دل نہیں مانا۔ بہت عرصہ سے مس شملا' بہت عرصہ سے میں نے دنیا سے رابطے توڑ دیئے ہیں۔ جو لوگ میرے ارد گرد موجود ہیں میں ان سے تعاون کرتا ہوں کون کیا کرتا ہے کچھ نہیں پوچھتا اس لئے جہاں اسے میری ضرورت ہوتی ہے۔ تو میں ضرور پوری کر دیتا ہوں آپ کسی دن اینٹیکس شی کے ملازموں سے ملاقات کریں۔"

"دانش صاحب۔ میرا آپ سے کیا تعلق ہے۔ صرف ایک اتفاق تھا کہ آپ سامنے آ گئے کچھ عجیب باتیں تھیں جنہیں جاننے کا شوق جنون کی صورت اختیار کر گیا آپ نے جو کچھ کہا وہ بہت زیادہ تھا۔ یہ بات پرانی ہو گئی۔"

"لیکن آپ بدستور میری دشمن بنی ہوئی ہیں۔"

"دشمن۔" شملا نے خود کو سنبھالنے میں بڑی محنت کی تھی۔

"ہاں آپ نے میرے الفاظ کا جو اثر لیا مجھے معلوم ہے آپ شدید بیمار ہو گئی تھیں۔"

"اوہ کمال ہے بہترین معلومات ہیں آپ کی۔"

"آپ نے اس کے لئے مجبور کر دیا تھا۔"

"میں نے۔ وہ کیسے۔" شملا نے کہا۔ اس دوران ویٹر نے چائے سرو کر دی تھی۔ شملا نے برتن سرکائے اور چائے بنانے لگی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا ہے مس شہلا یوں سمجھ لیں سب کچھ۔"

"باکمال ہیں آپ۔" شہلا نے کہا اور چائے اس کے سامنے سرکا دی وہ پیالی اٹھا کر بے نیازی سے چائے کے گھونٹ لینے لگا۔ پھر اس نے پوری پیالی خالی کر کے نیچے رکھی تھی حالانکہ چائے گرم تھی وہ کرسی سرکا کر پیچھے ہٹا پھر بولا۔

"میں نے آپ سے اپنے الفاظ کی معافی مانگ لی ہے آپ کے دل میں جو کچھ بھی ہو میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ مجھے۔ مجھے اپنی زندگی کے بہت سے اہم مسئلے میں آپ کی مدد درکار ہے۔ اگر دل قبول کرلے تو میری مدد کر دیں۔ آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔ چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔" وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔ شہلا بھونچکی رہ گئی تھی۔ بڑا ڈرامائی انداز تھا اس کا بے حد سنسنی خیز۔

دماغ کے تار دیر تک جھنجھناتے رہے۔ شہلا نے ابھی تک اپنی چائے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ وقت ہی کتنا ہوا تھا عجیب بات تھی وہ اتنے اہتمام اور اصرار سے اسے اندر لایا اس کے انداز سے قطعی یہ احساس نہ ہوتا تھا کہ وہ جلدی میں ہے۔ بیٹھنے کے انداز سے بھی عجلت کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ پھر یہ کیا ہو گیا؟

چند لمحات وہ اسی طرح بیٹھی دروازے کو گھورتی رہی پھر طویل سانس لے کر اس نے چائے کی پیالی اٹھالی۔ دفعتہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کمبخت چائے کا بل بھی ادا کر کے نہیں گیا تھا۔ اس کے الفاظ' طویل عرصہ سے میں نے دنیا کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ میں نے دنیا سے رابطے توڑ دیئے ہیں۔ مجھے اپنی زندگی کے سب سے اہم مرحلے میں آپ کی مدد درکار ہے۔ اگر دل قبول کرے تو..... کیا مدد چاہتا ہے وہ مجھ سے۔ دل کے کچھ گوشے نرم ہونے لگے وہ' شاید وہ اپنی زندگی کے لئے خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ ثبوت تو مل رہے تھے اس بات کے' وہ گرین پارک میں موجود تھا گویا اس کی نگاہ شہریار پر ہے اپنے دشمن پر' اور..... اور وہ مجھ سے مدد چاہتا ہے۔

لیکن پھر دل کے ان نرم گوشوں سے چھن چھن کی آواز ابھرنے لگی یوں محسوس ہوا جیسے تپتے ہوئے لوہے پر کسی نے پانی کے کچھ قطرے پھینک دیئے ہوں۔ پانی ابل کر ایک لمحے میں خشک ہو گیا تھا۔ گردیزی کے الفاظ ایسے نہ تھے جو اتنی جلدی اپنے نقوش کھو بیٹھتے۔ آپ اپنی کالی تقدیر کو رگڑ رگڑ کر چمکانے میں کوشاں ہیں۔ آپ مجھے بلیک میل کر کے اچھا خاصا کما لیں گی۔ اس سے زیادہ آپ کی پرواز کیا ہو سکتی ہے۔ آپ اس قابل بھی نہیں کہ میں آپ کو آپ کی نسوانیت کے نام پر کوئی دھمکی دوں۔ یہ ایسے سڑکوں پر آوارہ پھرنے والے کتوں کے لئے رہتی ہیں۔ آپ کے جھوٹے برتن اس قابل بھی نہیں کہ میں انہیں اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر بھی پھینک دوں۔

اف..... آہ۔ شہلا کے وجود سے کراہیں ابھرنے لگیں اور یہ شخص مجھ سے معافی مانگ کر مجھے اپنی مدد پر آمادہ کرنا چاہتا ہے اور میں نے اس کے ساتھ اس ہوٹل تک آنا پسند کیا۔ لعنت ہے مجھ پر۔ کیا سمجھتا ہے وہ خود کو۔ مجھے میری نسوانیت کے نام پر دھمکی نہیں دینا چاہتا

وہ کیوں۔ اس نے اتنے داغ دیکھ لئے میرے کردار پر۔ دانش تو نے میرے دل کے سفید کاغذ پر اتنے سیاہ دھبے لگائے ہیں کہ میرے وجود سے نچڑنے والے خون کا ایک ایک قطرہ انہیں صاف نہیں کر سکتا۔ ایک ایک قطرہ۔ اور میں کتنی بے وقوف ہوں کہ شہریار اور شیرازیمان کو نظرانداز کئے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو جو مجھ سے میرے انتقام کے لئے ہتھیار کی قیمت رکھتے ہیں۔ میں یہ ہتھیار بھول رہی ہوں۔ ہاں دانش تو ذہن کا بوجھ ہے تو نے اتنا زہر پلا دیا ہے مجھے کہ اب میں صرف زہر اگل سکتی ہوں۔ اب میرے پاس تیرے اس زہر کی واپسی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ آہ غلطی کی ہے گل شاہ سے رابطہ کر کے میں نے۔ اگر شہریار اور شیرازیمان اسے قتل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے ان سے بھرپور تعاون کرنا چاہئے۔

وہ چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی رہی اور پھر اس نے مزید چائے منگوا لی ابھی اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ سوچوں نے نڈھال کر دیا تھا۔ گل شاہ نے کہا تھا کہ وہ نگرانی کرے گا کیا واقعی وہ اتنی مستعدی سے کام کر رہا ہے اسے گل شاہ سے امید تو یہی تھی مگر اب کیا کرنا چاہئے۔ شہریار اگر میری وجہ سے کامیاب ہو گیا تو ضمیر ملامت تو نہیں کرے گا۔ دانش نے مجھے کیا ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اور پھر..... اور پھر وہ میرے بارے میں معلومات بھی حاصل کرتا رہا ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ اس نے مجھے شہریار کے ساتھ دیکھ لیا ہے۔ آہ۔ اس کی مکاری ہے یہ۔ وہ شہریار کے خلاف میرا سہارا لینا چاہتا ہے مگر جذباتی ہو کر کام کرنا مناسب نہ ہوگا۔ میں اس مسئلے میں فریق نہیں ہوں لیکن دانش سے نفرت ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ گل شاہ کا ساتھ دینا تو جرم نہیں ہے کم از کم میری قانونی حیثیت بحال رہے گی اور کوئی الجھن نہ پیدا ہو گی۔ دانشمندی سے کام کرنا ہی سود مند رہے گا۔

○

فرح نے منہ بنا کر شہریار کو دیکھا اور شہریار ہنسنے لگا۔ "میں تمہاری ناراضگی کی وجہ جانتا ہوں شیرا۔"

"مجھے خطرہ ہے کہ میں بیمار نہ ہو جاؤں۔"

"تمہاری یہ عادت خطرناک ہے سوئٹی۔"

"مگر یہ میری عادت ہے بلکہ اس بار اس میں خوف بھی شامل ہے۔" اس نے کہا اور شہریار چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"خوف؟"

"ہاں شہریار' میں نے جو زندگی گزاری ہے اس میں تیزی ہے' تندہی ہے' کام کر گزرنے کی داستانیں ہیں اور نتائج میں ہمیشہ بعد ہی میں دیکھتی ہوں' یہ میری فطرت رہی ہے

اور اب تم سے منسلک ہو کر میں دو آتشہ ہو جانا چاہتی ہوں' میری خواہش ہے شہریار کہ ہم طوفانی انداز میں کام کریں اور اپنے ارد گرد دولت کے انبار لگا لیں اور پھر میں اپنے پسندیدہ ملک میں اپنے لئے ایک رہائش گاہ تلاش کروں اور اس کے بعد ہم اپنے ماضی کو بھول جائیں اور ایک ایسی زندگی کا آغاز کریں کہ ہماری نسلیں تک محفوظ رہیں' کون جانے گا کہ ماضی میں ہم کیا تھے' شہریار میں نے تم سے اپنی ملاقات کی ابتداء کے وقت ہی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا' جرائم کی دنیا بہت وسیع ہے اور یہ کاروبار ختم نہ ہونے والا ہوتا ہے' لیکن انسان کی اپنی ذات میں کچھ ایسے پہلو پوشیدہ ہوتے ہیں کہ بالآخر وہ کسی بھی کام سے اکتاہٹوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت کچھ کیا ہے اتنا کچھ جو شاید دوسرے کرنے کا تصور نہ کر سکیں اور اب میں نے تمہارا ساتھ صرف اس لئے حاصل کیا ہے کہ ہم تم مل کر جرم کی دنیا سے دور ہو جائیں' اور اس کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز کریں یہ زندگی ہمیں بہت دلکش لگے گی اور شہریار اور میں یہی چاہتی ہوں۔"

"تو میں تم سے کب اختلاف کرتا ہوں ڈارلنگ' لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ صورتحال کیا ہے' جس کی بناء پر میں نے اپنے تمام معمولات ترک کر دیئے ہیں' جگن ناتھ ترپاٹھی کی موت اتفاق قرار دی جا سکتی تھی' لائیڈنس بھی اسی انداز میں مر گیا میں اسے بھی اہمیت نہیں دیتا لیکن اب گیری کوپ کی موت کے بعد مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ یہ تمام کارروائیاں خود دانش گردیزی نے کی ہیں اور وہی ان کے پس پشت ہے۔ میں تمہیں اس کے جنون کی تفصیلات بتا چکا ہوں' وہ ایک ہوشمند دیوانہ ہے' ہمارے گروہ کے ٹوٹنے کی وجہ تمہارے علم میں آ چکی ہے' اس بات کے امکانات تھے کہ دانش گردیزی خاموش بیٹھ جائے لیکن اس کے ذہن میں انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا اور بالآخر وہ طویل عرصے کے بعد اپنے منصوبے کی تکمیل میں کامیاب ہو گیا۔ میں تمہیں یہ بھی بتا چکا ہوں شیرا کہ میں قتل و غارتگری پر یقین نہیں رکھتا' اور اپنی تمام تر زندگی میں..... میں نے بحالت مجبوری ایک بار صرف پولیس مقابلے کے دوران دو پولیس آفیسروں کو قتل کیا تھا' لیکن یہ انسانی زندگی کا زیاں مجھے ستا رہا تھا اور میں طویل عرصے تک بے سکون رہا تھا۔ میں فنکاری کا قائل ہوں جسمانی قوت کے سہارے کام کرنا مجھے پسند نہیں ہے۔ لیکن یہ بات بھی' میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر میں نے دانش گردیزی کو قتل نہیں کیا تو وہ مجھے قتل کر دے گا' شیرا یہ معاملہ زندگی اور موت کا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم اس صورتحال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اس نازک وقت کو نظرانداز کر دو گی۔"

"مگر شہریار' مجھے اور بھی تو خوف ہیں۔ جب وہ اس قدر سفاک ہے اور تم اپنے ہی

معیار کے لوگوں کو ہلاک کر سکتا ہے تو کیا وہ تم تک نہیں پہنچ جائے گا۔"

"میں نے اس امکان کو نظر انداز کب کیا ہے شیرا، لیکن ہم اس کے گرد اتنا مضبوط جال بنائے بغیر اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے کہ وہ اس جال سے نکل نہ سکے۔ میں اس کی صلاحیتوں کو بھی جانتا ہوں اور اس کی کارکردگی کا بھی مجھے علم ہے یوں سمجھو لائنز گروپ میں سب سے زیادہ باعمل وہی تھا باقی لوگ صرف پلانر تھے۔"

"آہ اس طرح تو میرا خدشہ خوف کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے تم نے شہریار بلاوجہ اتنا لمبا جھگڑا پھیلایا ہے اس صحافی لڑکی کا سہارا لینے کی کیا ضرورت تھی، بہتر یہ نہیں تھا کہ ہم کوشش کر کے انتہائی خفیہ طریقے سے اپنا کام کر ڈالتے اور یہاں سے نکل جاتے۔ تم نے اس لڑکی کو اپنا سہارا بنا کر غلطی نہیں کی ہے؟"

"ابتدا میں، یہ مسئلہ دوسری حیثیت رکھتا تھا، اس دن جب ہم نے اسے دانش گردیزی کی کوٹھی سے نکلتے دیکھا تھا تو یہی سوچا تھا کہ وہ کوئی اس کی قریبی دوست ہے اور اس طرح ہمیں دانش گردیزی کے یہاں کے معمولات کا علم ہو جائے گا" یہ دوسری بات ہے کہ شہلا بھی اس کی دوست نہیں بلکہ دشمن نکلی۔ تاہم، ہم اس کی دشمنی کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ظاہر ہے وہ اس حد تک جانا پسند نہیں کرے گی۔"

"تمہارا خیال تھا کہ تم شہلا کے ذریعے دانش کو منظر عام پر لاؤ گے اور اسے ہلاک کر دو گے۔ تمہارا یہ منصوبہ کیوں تبدیل ہوا؟"

"میں بے وقوف نہیں ہوں، فوراً ہی اس تک پہنچ جانا اتنا آسان کام نہیں ہے اور جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ مجھ سے زیادہ باعمل ہے، میں نے اس بات سے انحراف تو نہیں کیا۔ اپنے آپ کو موت کے منہ میں جھونکنے کی بجائے میں ذہانت سے کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس کی غیر موجودگی میں اس کی کوٹھی میں داخل ہو کر تم کیا فائدہ حاصل کرو گے....؟" شیرا نے سوال کیا۔

"حالات سے باخبر ہونا چاہتا ہوں کہ اس نے وہاں کیا کچھ کر ڈالا ہے اپنے تحفظ کے لئے، کوئی بھی صحیح جگہ منتخب ہو جائے شیرا، بس اس کے بعد میں اپنا کام کر ڈالوں گا۔"

"یہاں مجھے تمہارے عمل میں قنوطیت نظر آتی ہے اور میں قنوطیت کو ناپسند کرتی ہوں۔ میرا نظریہ تو یہ ہے کہ عمل کرو اور اس کے بعد نتائج کا انتظار۔" شہریار ہنسنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

"تمہارے نظریات اس وقت سے شروع ہو جائیں گے جب تم میرے لئے دنیا کی سب

سے بڑی شخصیت کی حیثیت اختیار کر جاؤ گی اور ہم ایک خوبصورت سے گھر میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے، میں نے تم سے انکار تو نہیں کیا؟"

"بہرطور پلیز شہریار جلدی کرو، جو کچھ کرنا ہے جلدی کر ڈالو، لڑکی سے اس گھر میں داخلے کے راستے کیوں نہیں پوچھ لیتے، اسے ساتھ لینا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"یہاں بھی تم میرے اس خوف کو محسوس کرو۔ میں اسے اپنی ڈھال کے طور پر ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ دانش کو اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کوئی ایسی صورت پیش آ جائے کہ ہمیں اس لڑکی کی ضرورت پیش آ جائے۔"

"کچا کام ہے شہریار۔ تاہم تم ناراض ہو جاؤ گے۔ میں اگر کوئی عام سی لڑکی ہوتی تو شاید تمہارے پیچھے پیچھے تمہارے قدموں کے نشانات پر چلنا پسند کرتی۔ لیکن چونکہ میں خود بھی اپنی زندگی میں باعمل رہی ہوں اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہارا ساتھ حاصل کیا ہے اس بنیاد پر میرا اپنا نظریہ ہے کہ تم کچھوے کی چال چل رہے ہو۔ بعض اوقات بہت زیادہ دانشمندی بھی گلے میں اٹک جاتی ہے، دشمن کو سوچنے کا موقع نہ دو۔ عمل کر ڈالو۔ اگر اسے سوچنے کا موقع مل گیا تو پھر وہ بھی کچھ نہ کچھ عمل کرے گا۔ میرا یہی نظریہ ہے، مگر کیا کیا جائے، تم اس سے اختلاف رکھتے ہو۔"

"میرا خیال ہے اب بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا" شہلا کو اس بات کے لئے تیار کر لو کہ وہ ہمیں اس چور راستے سے اس مکان میں لے چلے۔"

"اس کے بعد کیا کرو گے؟"

"تم محسوس کرو گی کہ میں نے جو منصوبہ بنایا ہے وہ بہت کارآمد ہے۔ شہریار نے جواب دیا اور شیرا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے شانے ہلا کر کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"شیرا ڈارلنگ، بس یوں سمجھ لو کہ اس سلسلے میں یہ ہمارا آخری قدم ہے۔ اس کے بعد میں جس طرح اپنے آپ کو ذہنی طور پر آزاد سمجھوں گا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ پھر ہم اپنی ذہانت کے کرشمے دکھائیں گے اور بالآخر تمہاری پسند کے مطابق زندگی کا آغاز کر دیں گے۔

شیرا زمان ایک گہری سانس لے کر مسکرانے لگی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"او کے.... اب ہمیں فوری طور پر شہلا سے ملاقات کا بندوبست کرنا چاہئے تاکہ میں اسے وہاں تک جانے پر آمادہ کر سکوں۔"

"یقیناً یقیناً تم اپنی اس ذمہ داری کو بخوبی نبھاؤ گی۔" شہریار نے کہا اور شیرا گردن ہلا کر

کچھ سوچنے لگی۔

○

ایئرپورٹ ہوٹل سے وہ باہر نکل کر تھوڑی دور ہی پیدل چلی تھی کہ عقب سے پولیس جیپ اس کے نزدیک آ کر رک گئی۔ اور اس نے اس میں گل شاہ کو دیکھ لیا۔ شہلا مسکراتی نگاہوں سے گل شاہ کو دیکھنے لگی تھی جیپ کے اسٹیئرنگ پر وہ تنہا ہی بیٹھا تھا۔

"آ جاؤ آنٹی' انتظار کس بات کا ہے۔" اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور شہلا جیپ میں بیٹھ گئی۔

"اتنی محنت نہ کیا کرو آنٹی کہ بیمار پڑ جاؤ۔ کب سے یہاں مصروف ہو' جبکہ اس وقت دوسرا کوئی پریس رپورٹر اس علاقے میں موجود نہیں ہے۔"

"تو تم میری نگرانی کر رہے تھے گل شاہ......"

"تو بھی کمال کرتی ہو آنٹی' گل شاہ خالص مرد ہے اور مردوں کی زبان ایک ہوتی ہے۔ تم ہمارا کام کرو یا نہ کرو لیکن جب تک تم ان الجھنوں میں دانستہ یا نادانستہ الجھی ہوئی ہو ہم پر تمہاری ذمہ داری فرض ہے۔"

"اوہو اس کا مقصد ہے کہ تم نے دانش گردیزی کو بھی دیکھ لیا ہو گا؟"

"اب سے آنٹی' وہ تو بہت دیر سے تمہاری نگرانی کر رہا تھا اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ وہ اپنے کسی کام سے یہاں نہیں آیا تھا۔"

"اوہ مائی گاڈ' اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی باقاعدہ میرا پیچھا کر رہا ہے۔" شہلا نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"انگریزی میں خدا یاد آئے تو انسان کی پریشانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بہرطور آنٹی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم دانش گردیزی کی نگاہوں کا مرکز بن گئی ہو مگر مجھے یہ امید نہیں تھی کہ وہ تم سے مل بیٹھے گا اور پھر بھاگ بڑی جلدی گیا۔ میرا خیال ہے آنٹی تم نے اسے لک آؤٹ کر دیا ہو گا۔"

شہلا خاموشی سے نگاہیں جمائے رہی۔ جیپ سست رفتاری سے سڑک کا فاصلہ طے کر رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"یوں لگتا ہے گل شاہ کہ یہ کمبل مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا یہ حالات واقعی کمبل بن گئے ہیں۔"

"اس میں کسی کا قصور نہیں ہے آنٹی اور پھر ہم تمہیں مجبور نہیں کر سکتے کہ تم ہماری مدد ہی کرو' یہ بات تو ہم نے تم سے پہلے ہی کہہ دی تھی کہ اگر اچھے شہری کی حیثیت سے

تم پولیس کی مدد کرنا چاہتی ہو تو یہ سنہری موقع ہے۔ چلو ہم اپنے تعلقات کی بات چھوڑ دیتے ہیں لیکن انسانی ضمیر بھی کوئی چیز ہے آنٹی' معاملہ قتل کا ہے۔ خیر تم گھر جا رہی تھیں ہم اس وقت صرف اس لئے یہاں رک گئے تھے کہ واپسی میں تمہیں پریشانی ہو گی۔ ٹیکسی وغیرہ ویسے ہی مشکل سے ملتی ہے۔"

"کچھ ناراض ہو گئے ہو گل شاہ۔" شہلا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں آنٹی بس پتہ نہیں کیوں تم اس وقت اتنی شاندار نظر نہیں آ رہی ہو جتنا شاندار ہم نے تمہیں دیکھا ہے۔"

"اچھا بابا' تو میں کیا کروں؟"

"آنٹی اتفاق کی بات ہے کہ فضا میں تین پتنگیں اڑ رہی ہیں اور تینوں کی ڈور تمہارے ہاتھ میں ہے جسے چاہو کاٹ دو' جسے چاہو اڑا دو۔ دانش گردیزی ہے' شہریار ہے اور گل شاہ یعنی مقامی پولیس ہے۔ اب آگے فیصلہ کرنا تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

شہلا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "نہیں گل شاہ میں بھی برائیوں کا خاتمہ چاہتی ہوں بس کچھ ایسی الجھنوں کا شکار ہو گئی ہوں کہ کوئی بات سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ دیکھو نا دو دشمن میرے دونوں بازو پکڑے ہوئے ہیں اور میرے بازو کا سہارا لے کر ایک دوسرے کے قتل کے خواہاں ہیں۔ میں یہ سوچتی ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی کامیاب ہوا میں اپنے بازو کے سہارے کو تو نہیں بھول سکوں گی۔"

"اور وہ دونوں جرائم پیشہ ہیں آنٹی' دونوں میں سے ایک نے تین افراد کو کم از کم قتل کیا ہے اور آنٹی دونوں ہی سمگلنگ گروپ سے تعلق رکھتے ہیں اگر وہ اچھے شہری ہوتے تو پریشانی کی بات تھی۔ اچھے انسان ہوتے تو الجھن کی بات تھی' مگر تم الجھ رہی ہو آنٹی....؟"

"نہیں نہیں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے میرے لئے کہ کس کو کس پر فوقیت دے ڈالوں۔"

"ایسا بالکل مت کرو' کم از کم میرے سامنے تو لے آؤ آنٹی' کم از کم یہ تو پتہ چلے کہ اصل مجرم کون ہے۔"

"مگر یہ بات تو واضح ہے گل شاہ کہ دونوں ہی ایک دوسرے پر وار کریں گے۔"

"اوہ آنٹی پولیس جلیبیاں نہیں بیچتی' ہم بھی تو ہیں آخر۔ تم دیکھ لو کونسا لمحہ تمہیں تنہا چھوڑا ہے۔ اب بار بار یہ بات کہلوا کر شرمندہ مت کرو۔"

"ہوں' ٹھیک ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ شہریار خاموشی سے اس کے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ وہ یہ بات نہیں جانتا کہ اس گھر میں داخل ہونے والے کا علم دانش

گردیزی کو ہو جاتا ہے اور دانش گردیزی وہ اس وقت مجھ سے ملا تھا تو مجھ سے معافی مانگ رہا تھا۔"

"اوئے ہوئے انکشاف' دھماکہ' سنسنی خیز دھماکہ۔" گل شاہ نے کہا۔

"ہاں اسے دھماکہ ہی سمجھ لو۔ کافی نرم نظر آ رہا تھا وہ اور کہہ رہا تھا کہ اس کا ضمیر مجرم ہے اور وہ اپنے مجرم ضمیر کو تسکین دینے کیلئے مجھ سے معافی مانگنا چاہتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے ایک بات اور بھی کہی گل شاہ جو یقیناً تمہارے لئے کارآمد ہو گی۔"

"ہو ہو ضرور ہو گی آنٹی' ذرا جلدی سے بتاؤ۔"

"اس نے کہا کہ اپنی زندگی کے ایک اہم مسئلے میں اسے میری مدد کی ضرورت ہے۔ اگر میرا دل گواہی دے تو اس کی مدد کروں اور اس سے رابطہ قائم کر لوں۔"

"اوئے سبحان اللہ' آنٹی تم ہو ہی اعلیٰ پائے کی شخصیت' بڑے بڑے تمہارا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مگر اب یہ فیصلہ کرنا ہے تمہیں کہ تم کس کی مدد کرنے پر آمادہ ہو؟"

شہلا نے ہنستے ہوئے گل شاہ کی طرف دیکھا اور بولی۔

"صرف اور صرف گل شاہ کی' صرف پولیس کی۔"

"گریٹ آنٹی زندہ باد۔ پوزیشن تو ہمارے پاس تحریری طور پر موجود ہے۔ اہم پوائنٹ یہ ہے کہ شہریار تمہارے شانے پر سوار ہو کر گردیزی کے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے اور شاید گردیزی بھی شہریار کی گردن ناپنے کے لئے تمہارا ہی سہارا چاہتا ہے تو پھر آنٹی قباحت کیا ہے۔"

"صرف ایک۔"

"کیا آنٹی؟" گل شاہ نے کہا۔

"دونوں میں سے کون مجرم ہے' کہیں کوئی بے گناہ میری وجہ سے نہ مارا جائے۔ بس یہ اندازہ ہو جائے کہ باقی لوگوں کا قاتل گردیزی ہے یا شہریار۔"

"آنٹی مجرم تو دونوں ہیں۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کا تعلق اسمگلروں سے ہے بلکہ وہ خود اسمگلر ہیں۔ مجرم تو وہ ہوئے۔ باقی رہی قتل کی بات تو یہ میرا وعدہ ہے کہ دونوں کو کسی کے ہاتھوں قتل نہ ہونے دوں گا۔ انہیں عدالت ہی سزا دے گی۔"

"اب یہ بتاؤ گل شاہ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"ان لوگوں کو گردیزی کی کوٹھی میں لے جاؤ۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"تو یوں کرو آنٹی تھوڑی سی لچک کے ساتھ اس سے بات کر لو' چاہے فون پر ہی کیوں نہ سہی۔ معلوم کرو وہ کیا چاہتا ہے فیصلہ اس کی روشنی میں کریں گے۔"

"تمہیں فون پر بتاؤں کہ اس سے کیا بات ہوئی۔"

"ضروری ہے آنٹی' ویسے میں دن رات تمہارے ساتھ ہوں تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا۔"

"ہاں تمہیں بلاوجہ میری وجہ سے پریشان ہونا پڑ رہا ہے۔"

"الٹی بات کہہ رہی ہو آنٹی۔ یوں کہو کہ میں خواہ مخواہ تمہیں پریشان کر رہا ہوں جبکہ یہ سارا کام پولیس کا ہے۔"

"خیر گل شاہ میں خود بھی ان حالات کو نظر انداز نہیں کر سکتی میں تمہاری ہدایات پر عمل کروں گی۔" گل شاہ نے جیپ کی رفتار تیز کر دی تھی۔

رات کو شہلا نے اپنی خواب گاہ سے دانش گردیزی کے گھر فون کیا نمبر ملا کر وہ انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف سے کچھ توقف کے بعد فون اٹھایا گیا تھا۔

"دانش گردیزی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"مس شہلا؟"

"اوہ آپ نے میری آواز پہچان لی۔"

"جی۔" وہ مختصراً بولا۔

"کیا کر رہے ہیں؟"

"آپ کو یاد کر کے آہیں بھر رہا ہوں۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"اس عمر میں بھی آپ آہیں بھرتے ہیں۔" شہلا اپنی طراری سے باز نہ رہ سکی تھی۔

"یہی عمر تو آہیں بھرنے کی ہوتی ہے مس شہلا۔ جوانی ذرا مختلف چیز ہوتی ہے۔"

"بیگم کیسی ہیں آپ کی؟"

"میں صرف اپنے بارے میں گفتگو کرنا پسند کروں گا۔"

"آپ بہت دلچسپ انسان ہیں۔"

"شکریہ' میں نے ان الفاظ کو سینے پر لکھ لیا ہے۔"

"رات کے وقت آپ کافی مختلف گفتگو کرتے ہیں شاید۔"

"میں آپ کی باتیں پسند کر رہا ہوں۔ آپ نے ابتدا یہیں سے کی تھی۔ میں نے آپ کو مخاطب کیا تو آپ نے حیرانی سے کہا کہ میں نے آپ کی آواز کیسے پہچان لی۔ آپ کا خیال ہے کہ آپ کی آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی ہو گی۔ چلئے ایسا ہی سہی۔"

شہلا کو اس کے الفاظ کچھ عجیب سے محسوس ہوئے۔ عجیب جنگلی آدمی تھا تاہم اس نے سنبھل کر کہا۔

"کل کے ڈرامے کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔"

"ڈرامہ۔"

"جی ہاں آپ بڑے ڈرامائی انداز میں میرے سامنے آئے ہوٹل میں چائے کی دعوت دی۔ اپنی چائے پی اور بل میرے سر ڈال کر وہاں سے فرار ہو گئے۔"

"ہاں اس کا افسوس ہے بل ادا کرنا بھول گیا تھا۔ حساب میں درج کر دیجئے۔ اکٹھا ادا کر دوں گا۔"

"شکریہ۔"

"جی ہاں۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو۔ فرمایئے کیا آج نیند نہیں آ رہی۔"

اس کا لہجہ حیران کن تھا' شہلا حیران رہ گئی' وہ سوچنے لگی کہ کیا یہ اس کی سماعت کا دھوکہ ہے یا وہ اس کے الفاظ سمجھ نہیں پا رہی یا پھر وہ اس پر مسلسل طنز کئے جا رہا ہے۔ تاہم اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"آپ کے الفاظ پر غور کر رہی ہوں' آپ کا ضمیر شاید کبھی کبھی تھوڑی بہت دیر کیلئے جاگتا ہے اور پھر سو جاتا ہے' یا پھر آپ خود اس وقت سو رہے ہیں' کیونکہ آپ کے الفاظ مجھے بے ربط محسوس ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے دل میں آپ کے لئے کوئی گنجائش پیدا ہو سکے تو میں آپ کی مدد کروں آپ کو اپنی زندگی کے ایک اہم مسئلے میں میری مدد کی ضرورت ہے۔"

جواب میں چند لمحے دوسری طرف خاموشی رہی پھر اس کی آواز ابھری۔

"ہاں مس شہلا میں نے یہ عرض کیا تھا آپ سے۔"

"آپ کی زندگی کا وہ کونسا اہم مسئلہ ہے جس میں آپ میری مدد کے طلبگار ہیں۔"

"میری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے مس شہلا کہ میں دنیا کے بارے میں آج تک اندازے لگانے سے قاصر رہا ہوں' مجھے یہ تمیز نہیں ہے کہ چھوٹا انسان کون ہے اور بڑائی کس کی فطرت میں ہے۔ میں آپ کے ذریعے اس کی شناخت چاہتا تھا۔"

"میرے ذریعے؟"

"جی ہاں۔ بہت سے چھوٹے اور بڑے لوگوں سے ملا ہوں اور ان کے بارے میں مختلف تجزیئے کئے ہیں' لیکن انسانیت اتنی گھٹیا ہوتی ہے اس پر یقین کرنے کو کبھی جی نہیں چاہا' آپ کی صورت میں مجھے ایک ایسی شخصیت ملی ہے مس شہلا کہ جس کا تجزیہ شاید پوری

کائنات کا تجزیہ ہو سکے۔ آخر آپ ہیں کیا شے' آپ ایک باعزت پیشے سے منسلک ہیں' لیکن کیا ایسے باعزت پیشوں میں اس قسم کی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں' میری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ یہی ہے مس شہلا کہ میں آپ کے ذریعے اس گھٹیا پن کی شناخت چاہتا ہوں' جو چہروں پر نظر نہیں آتا۔ شخصیتوں سے جس کا اندازہ نہیں ہوتا۔ لیکن وہ ہوتا ہے' کیا آپ خلوص دل سے اپنی شناخت کرا سکتی ہیں' یہ بتا سکتی ہیں کہ آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔ دولت یا اس کے پس پردہ آپ کے ذہن میں میرے لئے کوئی اور جذبہ بھی ہے؟؟"

"آپ شاید شراب بھی پیتے ہیں' نشے میں معلوم ہوتے ہیں مسٹر گردیزی؟؟"

"نہیں مس شہلا میں نشے میں نہیں ہوں' بس الجھنوں کا شکار ہوں' آپ جیسی گھٹیا خاتون کے بارے میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ کیا برائی اتنے پردوں میں پوشیدہ ہوتی ہے۔"

"اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟؟"

"یہی کہ دنیا سے بہت زیادہ ناواقف انسان ہوں' اتنا ناواقف کہ ہونا نہیں چاہیے۔"

"میرا بھی کچھ تجزیہ ہے آپ کے بارے میں' سننا پسند کریں گے۔" شہلا نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

"جی' جی فرمایئے۔"

"میرا خیال ہے آپ ایک ایسے پاگل ہیں جو بظاہر ہوشمند نظر آتا ہے' آپ سے تو ہر شخص کو خطرہ ہو سکتا ہے' میں نے خود تو آپ سے رجوع نہیں کیا تھا اس کے بعد میں نے آپ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کیا۔ آپ خود ہی ضمیر جاگنے کا افسانہ لے کر مجھ تک آئے اور اپنی بے ضمیری کا ایک اور اظہار کر گئے۔ گردیزی صاحب غلط فہمیاں دل سے نکال دیجئے' آپ جیسے پچاس دولت مند میری نگاہوں کے سامنے آتے ہیں' اگر ان کی شخصیت میں کچھ ہوتا ہے تو میرے قلم کی زینت بن جاتا ہے' ورنہ میں ان پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی' سمجھے آپ؟؟"

"یقیناً' یقیناً' آپ کا اپنا معیار کافی بلند ہے مس شہلا میں جانتا ہوں کہ آپ کے تعلقات کیسے کیسے لوگوں سے ہیں۔ میں تو ذرا بہت ہی بعد کے لوگوں میں شمار ہوتا ہوں اور یقیناً آپ کے معیار پر پورا نہیں اتروں گا۔ کیونکہ میرا ایک گھر ہے' بچے ہیں۔ میری اپنی ایک زندگی ہے جس کے لئے میں نے ایک طریقہ کار منتخب کیا ہے اور کسی کی مداخلت قطعی طور پر ناپسند کرتا ہوں' مس شہلا آپ میرا مطلب سمجھ گئی ہوں گی' آپ کے لئے میرے گھر کی دہلیز تک کوئی گنجائش نہیں ہے' خیر چھوڑیئے ان باتوں کو' اب یہ بتائیں کیا محسوس کر

رہی ہیں' آپ نے تو شاید بہت ہی سوچنے سمجھنے کے بعد یہ فون کیا ہو گا یہ سوچ کر کہ بس میں آپ کی یاد میں آہیں بھر رہا ہوں گا اور آپ کی آواز سنتے ہی بے اختیار ہو جاؤں گا بے وقوف لڑکی میری زندگی میں اب اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے' مگر تمہارے بارے میں یہ سوچنا بھی حماقت ہے' کیونکہ تم ایک پست ذہنیت کی مالک لڑکی ہو' بس اس کے بعد مجھے فون نہ کرنا' میرا خیال ہے تمہیں خاطر خواہ خوراک مل گئی ہے۔"

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا اور شہلا خاموشی سے ٹیلی فون کا ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی۔ ایک بار پھر دانش گردیزی نے اس کے وجود میں آگ لگا دی تھی' لیکن آج وہ اس آگ سے مضطرب نہیں ہوئی بلکہ اسے ذہنی طور پر بے حد سکون محسوس ہوا' فیصلہ کرنے میں بے حد آسانی ہو گئی تھی کہ کس کا ساتھ دیا جائے اور کس کا نہیں۔ دانش گردیزی نے اپنے تابوت میں آخری کیل ٹھونک لی تھی اور شہلا کو اب شہریار کی مدد کرنے میں کوئی الجھن نہیں پیش آ رہی تھی۔ دانش گردیزی اس قابل تھا ہی نہیں اور جو کچھ اس نے کہا تھا وہ اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر بھی بہت گھٹیا آدمی ہے۔ ریسیور رکھتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"تھینک یو دانش گردیزی' تھینک یو۔ تم نے مجھے اس الجھن سے نکال لیا جو نجانے مجھے کب تک پریشان رکھتی۔ تاہم اپنے ذہن کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وہ غسل خانے میں داخل ہو گئی' اور پھر اس نے منہ ہاتھ دھونے کے بعد گل شاہ کا نمبر ڈائل کیا۔ گل شاہ اس وقت اپنے گھر پر ہی ملا تھا اس کی آواز سن کر بولا۔

"ہیلو آنٹی۔"

"ہیلو گل شاہ..... میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"گڈ ویری گڈ۔"

"کل میں شہریار کو لے کر دانش گردیزی کی کوٹھی میں جاؤں گی اور پوری طرح شہریار کا ساتھ دوں گی۔"

"یہ بعد میں پوچھوں گا آنٹی کہ آپ نے یہ فیصلہ کیسے کیا لیکن جو فیصلہ آپ نے کیا ہے' وہ غلط نہیں ہے' بات کو بہر طور آگے بڑھنا چاہئے۔"

"لیکن گل شاہ تم نے وعدہ کیا ہے کہ میرا تحفظ کرو گے اور بھرپور طریقے سے کام کرو گے' ہو سکتا ہے دانش گردیزی مجرمانہ کارروائیوں پر اتر آئے۔"

"اوہ آنٹی جی گل شاہ کو درجن بھر گالیاں دے لو' مگر اسے کبھی نکما مت کہنا' بس اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

"او کے گل شاہ تمہاری طرف سے کچھ اور ہدایت ہیں۔"

"تم اطمینان سے اپنے حالات کے مطابق کام کرو آنٹی۔ میں ہر لمحہ تمہارے ساتھ ہوں۔" گل شاہ نے کہا مزید کچھ گفتگو کے بعد شہلا نے فون بند کر دیا۔

○

شیراز یمان اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ اس نے شہلا سے پرجوش معانقہ کرتے ہوئے کہا "اس وقت تم بالکل غیر متوقع آئی ہو۔"

"ہاں آج دفتر سے چھٹی کر ڈالی تھی۔"

"تب خواتین۔ آج کا دن میرے نام۔" شہریار نے فوراً کہا۔

"اوہ شہریار۔ تم ہمیشہ درمیان میں ٹانگ اڑا دیتے ہو۔"

"فرح ڈارلنگ۔ میری ایک چھوٹی سی آرزو پوری کرنے میں تم لوگ کتنے عذر کر رہے ہو حالانکہ ہم مرد تمہاری خوشی کے لئے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔" شہریار نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"آسمان تک۔"

"ہاں راکٹوں کے ذریعہ۔ ہر عاشق جوش و جذبات میں اپنی محبوبہ کی مانگ میں ستارے ٹانکنے کا وعدہ کرتا چلا آیا ہے۔ عاشقوں کی انجمن میں ایک بار اس جھوٹ کا تذکرہ چل نکلا اور عاشقوں کو بڑی شرمندگی ہوئی اس شرمندگی میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنا یہ قول بھی سچا کر دکھائیں گے بس اس دھن میں لگ گئے اور چاند پر جا اترے ہیں اب چند روز میں کوئی عاشق اس جیسے ستارے لے کر آنے والا ہے۔"

"اوہ شہریار تم۔" شیراز یمان ہنستی ہوئی بولی۔ پھر اس نے شہلا سے کہا "شہلا ڈارلنگ کب یہ کام کر ہی ڈالتے ہیں۔"

"گردیزی کی کوٹھی میں داخل ہونے کا۔"

"جیسا تم پسند کرو فرح۔" شہلا نے شانے ہلا کر کہا اور شہریار اچھل پڑا۔

"اوہ مائی گاڈ' اوہ مائی گاڈ' تم نے مجھے سنسنی کا شکار کر دیا۔ مس شہلا' تو پھر فرح مجھے تھوڑی دیر کے لئے اجازت دو ذرا سی تیاریاں کر لوں' اس دوران تم لوگ آرام کرو' میں بس زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں واپس آتا ہوں' شہریار نے کہا اور فرح نے گردن ہلا دی۔ شہریار تو چلا گیا۔ لیکن فرح' شہلا سے اس بارے میں دیر تک گفتگو کرتی رہی' شہلا نے اپنے طور پر بے نیازی کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ صرف دوستی کی بنیاد پر وہ یہ خطرہ مول لے رہی ہے۔ ورنہ بات بہر طور کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے۔" شیرا کہنے لگی۔

"شہریار میں یہ خرابی ہے' جس چیز کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جنون کی حد تک پڑ جاتے ہیں۔"

شہریار ایک گھنٹے کے اندر واپس آ گیا تھا اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "دانش گردیزی الیکس سٹی میں موجود ہے اور بالکل نارمل ہے' بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابھی اس کے گھر واپسی کے کوئی امکانات نہیں ہے۔ چنانچہ ہمیں دیر کئے بغیر چلنا چاہئے۔" شیرا فوراً ہی تیار ہو گئی۔ شہلا نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔

سرخ رنگ کی کار بالآخر کچھ دیر کے بعد دانش گردیزی کی رہائش گاہ سے کچھ فاصلے پر اس جگہ رک گئی۔ جہاں سے عقبی سمت اختیار کی جا سکتی تھی۔ شکر تھا کہ عقبی حصہ ویسے ہی ویران پڑا ہوا تھا اور وہاں کسی قسم کے کام کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ شہلا نے ساری پچویشن سمجھائی' البتہ وہ دل ہی دل میں یہ سوچ رہی تھی کہ شہریار کو یہ بتائے یا نہ بتائے کہ اس عمارت میں کیمرے بھی نصب ہیں۔ اور بہرطور پر ان کی آمد یہاں چھپی نہ رہ سکے گی۔ اندر داخل ہونے کے لئے وہی راستہ اختیار کیا گیا تھا۔ شہلا نے اس کشمکش سے بھی نجات پانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور آہستہ سے کہا۔

"ایک بات میں آپ کو بتانا بھول گئی تھی مسٹر شہریار۔"

"کیا مس شہلا۔" شہریار نے چونک کر کہا۔

"اس عمارت میں شارٹ سرکٹ کیمرے نصب ہیں' جو یہاں داخل ہونے والے کی تصویر محفوظ کر لیتے ہیں۔" شہریار عجیب سی نگاہوں سے شہلا کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"آپ کو اس بات کا اندازہ کیسے ہوا مس شہلا؟"

"بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ صرف اتفاق ہی تھا کہ یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی۔ جب میں یہاں داخل ہوئی تھی تو اس شخص نے مجھے ثبوت کے طور پر وہ تصاویر پیش کی تھیں' جو میرے یہاں داخل ہونے کی تھیں۔" شہریار نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر سنسنی خیز نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"بہرطور آئیے مس شہلا اس مسئلے سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔"

اندر داخل ہونے کے لئے وہی تمام راستے اختیار کئے گئے تھے' جو شہلا نے پہلی بار یہاں داخل ہونے کے لئے استعمال کئے تھے۔ کسی بھی راستے پر کوئی بندش نہیں تھی۔ شہلا کو دانش گردیزی کے وہ الفاظ بھی یاد تھے۔ جن میں اس نے کہا تھا۔ کہ یہ چور راستے کچھ چوروں کے لئے کھلے چھوڑ دیئے گئے ہیں' ورنہ اس عمارت تک رسائی ممکن نہ ہوتی۔ ایک لمحے کے لئے شہلا کے اعصاب میں تشنج سا پیدا ہوا لیکن پھر اس نے خود کو نارمل

کر لیا۔ اور شہریار کے ساتھ اس عمارت کے مختلف حصوں کا جائزہ لینے لگی۔ شہریار نے وہ کیمرے بھی تلاش کرنے کی کوشش کی جن سے تصاویر لی جا سکتی تھیں۔ لیکن ابھی تک وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"میری نگاہیں بھی کمزور نہیں ہیں مس شہلا' لیکن یہاں مجھے ایک بھی ایسا کیمرہ نصب نظر نہیں آیا۔ جو یہاں داخل ہونے والے کی تصاویر لے سکے۔ شہلا خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی تھی۔ بلاشبہ اس کی کیفیت اس وقت بہتر نہیں تھی۔

دل و دماغ خوف کا شکار تھے۔ حالانکہ دانش گردیزی کی شخصیت اب اس کے لئے صرف ایک نفرت کا احساس رکھتی تھی۔ اگر اس کا سامنا بھی ہو جاتا تو اسے کوئی شرمندگی نہ ہوتی۔ جہاں تک دوسرا معاملہ تھا۔ تو وہ پولیس کے ایما پر یہ سب کچھ ایک مجرم کے خلاف کر رہی تھی۔ پھر بھی ایک انجانے سے خوف کا احساس اس کے اعصاب پر طاری تھا۔ شہریار عمارت کے ایک ایک گوشے کی تلاشی لیتا رہا۔ وہ شہلا سے سوالات بھی کرتا جا رہا تھا۔ پوری عمارت کا جائزہ لینے کے بعد وہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ تمام دروازے خود کار سسٹم سے کام کر رہے تھے۔ اور ہر دروازہ ان کے لئے کھل رہا تھا۔ کہیں کوئی دقت نہ ہوئی تھی۔ شہریار نے کہا۔

"بلاشبہ احتشام ایک ذہین ترین انسان تھا اور خاص طور سے الیکٹرانک سسٹم پر عبور رکھتا تھا اور۔" اچانک شہریار خاموش ہو گیا۔ شہلا نے چونک کر کہا۔

"کس احتشام کی بات کر رہے ہیں مسٹر شہریار۔"

"وہ میرا ایک دوست تھا۔ ان خود کار دروازوں کو دیکھ کر مجھے وہ یاد آ گیا۔" شہریار نے جلدی سے کہا۔

"میرے خیال میں ہمیں کافی وقت لگ گیا ہے۔ اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہئے کیا فرج؟"

"نہیں مس شہلا۔ ہم اس کا انتظار کریں گے۔" شہریار نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شہلا حیرت سے بولی۔

"آج تو آپ نے چھٹی کی ہے۔ کوئی ضروری کام نہ ہو گا آپ کو' ہمیں ہمارا کام ختم کر لینے دیں۔ مس شہلا اس کی واپسی کے بعد ہی ہم یہاں سے چلیں گے۔"

"گویا آپ اس کا سامنا کریں گے مسٹر شہریار۔ یہاں اس مکان میں اس طرح داخل ہو کر؟"

"اسی میں تو لطف آئے گا۔ مس شہلا۔ اس سے ملاقات کے لئے اس سے عمدہ جگہ

اور کونسی ہو سکتی ہے؟" شہریار نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ "ویسے مس شہلا آپ کے ذہن میں کچھ اور سوالات ہیں۔ براہ کرم اطمینان سے بیٹھ جائیں۔ شیرا تم نے کچن تو دیکھا ہے؟" شہریار نے فرح کو پہلی بار شیرا کے نام سے مخاطب کر کے کہا۔

"ہاں کیوں؟"

"عمدہ سی کافی اور کچن میں تمہیں کافی ضرور مل جائے گی۔ کیونکہ وہ کافی کا دیوانہ ہے۔ اس کا پسندیدہ ترین مشروب ہے۔"

"ہو کے میں لاتی ہوں۔" فرح نے کہا اور باہر نکل گئی۔ شہلا کے اعصاب پھر کشیدہ ہونے لگے تھے۔ شہریار نے کہا۔

"مجھے شبہ ہے مس شہلا کہ آپ دانش گردیزی کے بارے میں اس سے زیادہ جانتی ہیں جتنا اظہار کرتی ہیں۔"

"گویا میں نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔"

"میرا اندازہ ہے۔ ممکن ہے غلط ہو۔"

"مسٹر شہریار، میں اب یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔ آپ چاہیں تو یہاں رک کر اس کا انتظار کریں۔ میرے لئے اب یہاں رکنا ممکن نہیں ہے۔"

"آپ کا یہاں رکنا ضروری ہے مس شہلا مجھے خدشہ ہے کہ باہر نکلتے ہوئے آپ اسے ہماری یہاں موجودگی کی اطلاع دیں گی۔"

"میں اب یہاں ایک لمحہ نہ رکوں گی۔" شہلا نے متوحش لہجے میں کہا۔

"میں آپ کو روکنے کی سکت نہیں رکھتا لیکن یہ۔" اچانک شہریار نے کھلی ہولسٹر سے پستول نکال کر اس کا رخ شہلا کی طرف کر دیا۔ "اس کا مزاج مجھ سے مختلف ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ شہلا کا سانس بند ہو گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ریوالور دیکھنے لگی۔ بمشکل تمام اس کے منہ سے نکلا۔

"آپ۔ مسٹر شہریار آپ؟"

"صورت حال چونکہ آخری موڑ اختیار کر چکی ہے مس شہلا۔ اب اگر آپ چاہیں تو مجھے شہریار کے بجائے طاہر یزداں کہہ سکتی ہیں۔ کیوں نہ آج فرح کو شیراز یمان اور مسٹر گردیزی کو ہم احتشام اصغر کہہ کر مخاطب کریں۔" ابھی شہریار کا جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ ایک دلخراش چیخ سنائی دی جو یقیناً شیراز یمان کی تھی۔ شہریار اچھل پڑا تھا۔ دوسری چیخ ابھری اور شہریار نے اچانک دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ شہلا نے اپنی جگہ سے جنبش کرنا چاہی لیکن اس کے پاؤں جواب دے گئے تھے۔

شہریار کے باہر نکلتے ہی خودکار دروازہ بند ہو گیا تھا۔ شہلا چند لمحات گم صم دروازے کو دیکھتی رہی۔ کم بخت اعصاب ہی شل ہو گئے تھے کہ دماغ کے علاوہ اور کوئی عضو متحرک نہ ہو پا رہا تھا۔ اسے اس اعصابی کمزوری پر شدید غصہ آیا اور اس نے دانت بھینچ کر بمشکل تمام خود کو ایک دروازے تک لے جانے کی کوشش کی۔ اس ہیجانی کیفیت نے اعضاء کو متحرک ہونے میں مدد دی تھی اور وہ کسی نہ کسی طرح ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچ گئی تھی۔ یہ خودکار دروازے صرف جسم کا سایہ پڑ جانے سے کھل جاتے تھے، لیکن شہلا کو اس وقت ایک اور شدید ذہنی جھٹکے کا سامنا کرنا پڑا جب وہ دروازے تک پہنچی اور دروازہ نہ کھلا، حالانکہ جب شہریار نے دروازے پر چھلانگ لگائی تھی تو دروازہ انتہائی برق رفتاری سے کھل گیا تھا اور وہ باہر نکل گیا تھا لیکن شہلا دروازے کے بالکل قریب پہنچ گئی لیکن دروازہ نہ کھلا، اس نے مجنونانہ کیفیت کا شکار ہو کر دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا، کئی بار پیچھے ہٹی اور دروازے کو ٹکریں ماریں لیکن دروازہ نہیں کھلا، اس بات کا تو امکان نہیں ہو سکتا تھا کہ شہریار نے اس طرح باہر نکلتے ہوئے دروازے کے میکنزم پر کوئی کارروائی کی تھی۔ پھر.... پھر یہ سب کچھ.... شہلا کے پورے بدن نے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوڑ دیا۔ اسے دانش گردیزی کے وہ الفاظ یاد آ گئے جن میں اس نے کہا تھا کہ یہ دروازے صرف ان کے لئے کھلتے ہیں، جن کے لئے وہ چاہتا ہے۔ دانش گردیزی، دانش گردیزی.... شہلا کا ذہن چیخنے لگا۔ وہ متوحش نگاہوں سے اس خوبصورت ڈرائنگ روم کی ایک ایک شے کو دیکھنے لگی۔ یہ دروازہ کیوں بند ہو گیا۔ ایک بار پھر اس نے ڈرائنگ روم کے دروازے پر قوت آزمائی کی، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا، شہلا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، اسے اپنی اس کمزوری پر بھی شدید غصہ آ رہا تھا، عجیب سی جذباتی کیفیت طاری ہو گئی تھی اس پر۔ چند لمحات وہ اس طرح دروازے کے سامنے کھڑی رہی، پھر آہستہ آہستہ پلٹ کر ایک صوفے پر آ بیٹھی، اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا، خیالات کی یلغار ہو گئی تھی، ذہن پر.... نجانے کیا کیا تاثرات دماغ میں ابھر رہے تھے، یہ سب کچھ، یہ سب کچھ بے حد ہنگامہ خیز تھا اور وہ اپنے آپ کو پرسکون کرنا چاہتی تھی۔ یہ تمام باتیں اس کے لئے غیر متوقع بھی نہیں تھیں، شہریار، شیراز یمان، دانش

گردیزی، مجرموں کا ایک گروہ تھا جو سرگرم عمل تھا اور وہ بلاوجہ اپنی ٹانگ ان ہنگاموں میں پھنسا بیٹھی تھی، لیکن اس تصور کے ساتھ ہی گل شاہ کا تصور بھی ذہن میں ابھرا، جو ہر قیمت پر یہ چاہتا تھا کہ شہلا ان کارروائیوں میں حصہ لے اور اس نے دعویٰ کیا تھا وہ لمحہ لمحہ شہلا کی نگرانی کرے گا، یقینی طور پر اس وقت بھی گل شاہ ان حالات سے ناواقف نہ ہو گا، اعصابی کشیدگی کو دور کرنے کے لئے یہ تصور کافی تھا اور پھر شہلا بہت زیادہ کمزور اعصاب کی مالک نہیں تھی۔ بے شک وہ اس قسم کی ہنگامہ آرائیوں سے دور رہی تھی لیکن اپنے پیشے کے لحاظ سے وہ عام لڑکیوں سے زیادہ مضبوط دل رکھتی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو سہارا دیا، اگر حالات ضرورت سے زیادہ خراب ہو گئے تو گل شاہ پولیس کی مدد سے یقیناً کوئی نہ کوئی ایسی کارروائی کرے گا، جس کی بنا پر یہ دونوں مفلوج ہو جائیں گے۔ یہ صرف تین افراد ہیں جبکہ گل شاہ کے ساتھ پولیس کی بہت زیادہ نفری ہے۔ خواہ مخواہ ہراساں ہونے سے کیا فائدہ، صورتحال کا انتظار کیا جائے۔ بس یہ اندازہ ہو جائے کہ ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کیسے ہو گیا کیا دانش گردیزی ہم لوگوں کی یہاں آمد سے واقف ہو چکا ہے یا پھر یہ صرف ایک اتفاق ہے وہ بار بار ڈرائنگ روم کے دروازے کو دیکھنے لگتی تھی کئی بار اس نے کوششیں بھی کیں اور صوفے سے اٹھ کر دروازے تک پہنچی۔ لیکن دروازہ ٹس سے مس تک نہیں ہو سکتا تھا باہر مکمل خاموشی طاری تھی اور اب کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک سوچوں میں گم رہی۔ شہریار کم بخت نے کس طرح چولا بدل لیا تھا ہے ہی مجرم اور......

اور...... وہ شہریار کے بارے میں سوچتے سوچتے اس کے ان الفاظ میں گم ہو گئی، جو اس نے آخری لمحات میں ادا کئے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ اسے ظاہر یزداں کہا جا سکتا ہے، فرح کو شیرازمان اور دانش گردیزی کو احتشام اصغر، اس نے بے خیالی میں یہ الفاظ بھی منہ سے ادا کئے تھے کہ احتشام بلاشبہ ایک ذہین ترین انسان تھا اور جب شہلا نے اس سے احتشام کے بارے میں پوچھا تو شہریار ان الفاظ کو گول کر گیا تھا اس کا مقصد ہے کہ شہریار کا نام ظاہر یزداں ہے اور دانش گردیزی احتشام اصغر...... یہ لوگ بدلے ہوئے ناموں سے زندگی گزار رہے ہیں، گل شاہ کے الفاظ شہلا کو یاد آئے جس میں اس نے کہا تھا کہ اس بات کے امکانات ہیں کہ یہ ڈائمنڈ لائنز ہی کے گروپ کے افراد ہوں اور اب اس بات میں شہلا کو کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا۔

بہت سے سنسنی خیز خیالات اس کے دماغ کو چکراتے رہے۔ ایک بار پھر وہ بے چین ہو کر اٹھی اور ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچ گئی۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اب اس کے انداز میں پھر اضطراب پیدا ہونے لگا تھا۔ دیر ہوتی جا رہی ہے اور وقت گزرتا جا رہا ہے، اگر

دروازہ دانش گردیزی کے ایماء پر بند نہیں ہوا تو پھر کیا ہو گا...... وہ واپس آ جائے گا اور...... اور اس کے بعد، شہلا کا سانس پھولنے لگا، پھر اسے شیرازمان کی چیخ یاد آئی اور ایک بار پھر وہ اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور ہو گئی۔ شیرازمان کی چیخنے کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔ کیا اس عمارت میں کوئی خونریز کارروائی ہو چکی ہے، شہریار بھی مسلح تھا اور اس کے پاس پستول دیکھ چکی تھی۔ کیا دانش گردیزی نے ان لوگوں کے لئے اس عمارت میں کوئی جال بچھایا تھا......

ذہنی رو پھر بھٹکی اور اسے دانش گردیزی کے وہ الفاظ یاد آئے، جن میں اس نے کہا تھا کہ یہ چور دروازے پتہ نہیں کس کے لئے کھلے رکھے گئے ہیں...... آہ...... یہ سب کیا ہے۔ کیسا عجیب ہنگامہ ہے یہ، کیا گل شاہ یہاں میری حفاظت کرنے میں کامیاب ہو جائے گا، شہلا نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔

وقت گزرتا رہا، اسے اس طرح بیٹھے بیٹھے بھی بہت دیر ہو گئی تھی۔ ڈرائنگ روم کی ہر شے خاموش تھی اور ایک پراسرار سکوت ماحول پر چھایا ہوا تھا۔

شہلا کو یہاں اس عالم میں بیٹھے ہوئے ڈیڑھ گھنٹے کے قریب گزر گیا، اس کے اندر بار بار اضطراب پیدا ہوتا اور وہ دروازے تک جاتی، لیکن یہ سب کچھ بے مقصد ہی رہا تھا، ابھی تک گل شاہ کی طرف سے بھی کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ پھر شہلا کا دل ڈوبنے لگا...... اگر گل شاہ اتنی دیر تک اس کی اس قید کے بارے میں معلوم نہیں کر سکا تو بھلا وہ اس کی کیا مدد کر سکتا ہے اندر سے آواز ابھری اور اسے یہ احساس ہوا کہ وہ بری طرح پھنس گئی ہے اور اب اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے، یہ دیکھنا تھا۔

بار بار وہ اپنے آپ کو سنبھالنے اور حالات سے نمٹنے کے لئے تیار کر رہی تھی۔ لیکن اندرونی طور پر ایک خوف تھا جو مسلسل ابھرتا ہی آ رہا تھا۔

وہ ڈرائنگ روم کی ایک ایک شے کو دیکھ چکی تھی کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو اس کی معاونت کر سکے۔ دانش گردیزی اگر یہاں آ گیا اور اس نے شہلا سے یہاں اس کی موجودگی کے بارے میں سوالات کئے تو پھر اس کے پاس کہنے کے لئے کیا ہے، سوائے اس کے کہ وہ مجرمانہ ڈھٹائی اختیار کر لے اور اس کے نتیجے میں دانش گردیزی اس کے ساتھ نجانے کیا سلوک کرے گا۔ دانش کے الفاظ شہلا کو یاد آئے اور اس کے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی۔ لیکن دفعتہ ہی ایک ہلکی سی آہٹ نے شہلا کو بری طرح چونکا دیا...... اور وہ پھٹی پھٹی نظروں سے سامنے والی دیوار کو دیکھنے لگی جس پر ایک قد آدم روغنی تصویر لگی ہوئی تھی۔ تصویر اپنی جگہ سے کھسک رہی تھی اور کسی پراسرار ذریعے سے یہ حرکت عمل میں آئی تھی...... لیکن اس کے عقب میں نمودار ہونے والے دروازے کو دیکھ کر شہلا بری طرح چونک پڑی اور پھر

وہ اپنے آپ کو اس دروازے کی جانب دوڑنے سے نہ روک سکی تھی۔ قد آدم تصویر کی سلائیڈنگ سسٹم کے زیر اثر اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی اور اس کے عقب میں ایک چوکور دروازہ نمودار ہو گیا تھا' جو دوسری جانب سے تاریک نہیں تھا۔

شہلا نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا' اور دوسرے لمحے وہ غڑاپ سے اس دروازے کے اندر داخل ہو گئی۔ ایک روشن راہداری تھی جس کی لمبائی چوڑائی صرف اتنی ہی تھی کہ ایک آدمی اس میں گزر سکے۔ دونوں طرف دیواریں ایستادہ تھیں' شہلا سوچے سمجھے بغیر آگے بڑھتی رہی۔ آگے جا کر راہداری ایک موڑ مڑ گئی تھی اور اس کے بعد ایک دوسرا دروازہ نظر آیا تھا۔ شہلا اس دروازے سے گزر کر اندر پہنچی تو اسے ایک اور کمرہ نظر آیا جو ہر قسم کے فرنیچر وغیرہ سے بے نیاز تھا۔ سپاٹ اور ننگی دیواریں سامنے نظر آ رہی تھیں۔ چھت میں ایک دائرے کی شکل میں ٹیوب روشن تھی اور اس کے علاوہ وہاں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ شہلا وحشت کے عالم میں چاروں طرف دیکھنے لگی اور پھر دفعتہ اسے احساس ہوا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ ڈرائنگ روم میں ایک اجنبی دروازہ نمودار ہوا اور وہ دوڑتی ہوئی یہاں تک چلی آئی کہیں اس کے پس پردہ کوئی مقصد تو نہیں ہے' اس نے عقب میں گھوم کر اس راہداری کے دروازے کو دیکھا' جس سے گزر کر وہ یہاں آئی تھی' اور ایک بار پھر اس کا سر گھوم کر رہ گیا کیونکہ اب وہ دروازہ اس دیواز میں موجود نہیں تھا جس سے گزر کر وہ اس کمرے تک آئی تھی۔

شہلا کے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ یہ سارا طلسم خانہ پہلے بھی اس کے لئے ناقابل یقین تھا' لیکن موجودہ کیفیت بے حد خوفناک تھی' وہ دروازہ ہی گم ہو گیا تھا جس سے وہ یہاں تک پہنچی تھی۔ لیکن کمرے میں ایک اور دروازہ موجود تھا جو نجانے کس سمت کھلتا تھا' شہلا چند لمحات دیوانوں کی مانند کھڑی اس کمرے کا جائزہ لیتی رہی اور پھر اس دروازے کی طرف بڑھ گئی اس نے سوچا کہ شاید یہ دروازہ خود کار نہ ہو۔ چنانچہ اس نے اسے کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن دروازہ باہر سے بند تھا۔ اور کسی بھی طور اس کے کھلنے کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے..... اب وہ اس کمرے کی قیدی تھی بڑی پریشان کن بات تھی' ڈرائنگ روم ہی کیا کم تھا کہ اب یہ چھوٹا سا کمرہ...... وہ اس کی سپاٹ دیواروں کو دیکھنے لگی ایک سوئچ بورڈ نظر آ رہا تھا سوئچ بورڈ پر تین بٹن لگے ہوئے تھے۔ چوتھا بٹن سیاہ رنگ کا تھا جو دور ہی سے نمایاں تھا۔ شہلا کے ذہن میں کوئی خاص بات نہ ابھری۔ بس وہ یونہی کھڑی احمقوں کی طرح چاروں طرف دیکھتی رہی۔ پھر نجانے اس کے ذہن میں کیا خیال آیا کہ وہ آگے بڑھی اور اس نے کالے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

یہ ایک فطری عمل تھا' کیونکہ کالا بٹن بہت نمایاں تھا.... لیکن اس عمل کا رد عمل بھی بہت ہی نمایاں ہوا اور شہلا نے سامنے کی سادہ اور سفید دیوار میں سرسراہٹ محسوس کی اور اس کے فوراً ہی بعد ایک سلائیڈ اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔

قد آدم دروازہ نمودار ہو گیا تھا' اور اس کے دوسری جانب ایک تاریک خلا نظر آ رہا تھا۔ شہلا دھڑکتے دل سے اس نمودار ہو جانے والے دروازے کو دیکھتی رہی' یہاں جو کچھ بھی ہو جاتا کم تھا' چند لمحات وہ سوچتی رہی۔ پھر اس نے سوچا کہ کم از کم ان نمودار ہو جانے والے دروازوں کا راز تو معلوم کیا جائے' اگر یہ راستے اس کے لئے بن رہے ہیں تو وہ ان راستوں کی آخری حد تک پہنچ جانا چاہتی تھی۔ جونہی اس نے اندر قدم رکھا۔ اچانک ہی روشنیاں جل اٹھیں اور شہلا کو ایک عجیب و غریب ہال نظر آیا۔ ایک انتہائی نفیس اور ہال نما کمرہ جس کے فرش پر ایک بہت ہی قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ چھت میں آرائشی اشیاء سجی ہوئی تھیں ایک طرف دیوار کے پاس ایک عجیب سی میز نظر آ رہی تھی جس کی سطح کئی حصوں میں تقسیم تھی۔ اسی میز پر ایک کمپیوٹر ٹائپ کی مشین نصب تھی' جس کی یہاں موجودگی کا بظاہر کوئی جواز نہیں تھا۔ لیکن بہرطور وہ اس کمرے میں نصب تھی۔ کمرے یا ہال کی دیواروں پر لکڑی سے کام کیا گیا تھا اور وہ انتہائی خوبصورت نظر آ رہی تھیں۔ دانش گردیزی کی نفاست پسندی کی تو وہ پہلے ہی سے قائل تھی۔ اس کمرے کو دیکھ کر اسے ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا اور پھر یہ تصور کر کے وہ اور زیادہ حیران ہوئی کہ کمرہ انتہائی خفیہ تھا۔ کیا اسے اس خفیہ کمرے تک لانا مقصود تھا اس نے دل ہی دل میں سوچا اور اسے اپنا یہ خیال پختہ ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

ابھی وہ کمرے کا جائزہ ہی لے رہی تھی کہ اچانک کمرے کی دیوار میں لگا ہوا ایک چوڑا تختہ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ نیچے اترنے لگا' اور اندر کا منظر نمایاں ہو گیا ایک خوبصورت کرسی کھسکتی ہوئی آگے بڑھی اور بچھے ہوئے تختے کے ایک حصے پر آ کر رک گئی۔

شہلا نے سحر زدہ نگاہوں سے دیکھا کہ دانش گردیزی اس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' ایک نفیس سوٹ میں ملبوس' اس کے جسم سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں اور اس کا چہرہ بے حد شگفتہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے روشن اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے شہلا کو دیکھا' پھر آہستہ سے بولا۔

"ہیلو مس شہلا...؟ براہ کرم تشریف رکھئے۔" اس نے سامنے کی سمت اشارہ کیا اور اسی وقت شہلا کو اپنے پیچھے بھی آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے زمین سے ایک صوفہ اوپر ابھرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ تمام چیزیں اس کے لئے ایک خواب کی سی کیفیت رکھتی تھیں'

لیکن دانش گردیزی کا چہرہ دیکھ کر اسے اس کے الفاظ یاد آئے اور دوسرے لمحے اسے اپنے اندر ایک عجیب سی قوت ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ دانش گردیزی کے الفاظ کی چنگاریوں نے اعصاب کی کشیدگی دور کر دی تھی' وہ تلخ نگاہوں سے دانش کو دیکھنے لگی' تو پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"براہ کرم تشریف رکھیے مس شہلا۔۔۔!"

"شکریہ بیٹھ جاؤں گی ذرا تمہارے ان کارناموں سے لطف اندوز ہو لوں' میرا خیال ہے تم آئین فلیمنگ کی فلموں سے بہت زیادہ متاثر ہو جن میں اس قسم کی چیزیں بہت زیادہ دکھائی جاتی ہیں۔ پھر تمہاری ایک طرح ایک باس نمودار ہوتا ہے۔ جیمز بونڈ کے سامنے اور اس کے بعد وہ بتاتا ہے کہ کس طرح اس نے دنیا کو اپنی مٹھی میں لیا ہوا ہے۔ اور بہت جلد وہ اس دنیا کو تباہ کر دے گا۔"

دانش گردیزی بے اختیار ہنس پڑا تھا' پھر اس نے کہا۔

"نہیں مائی ڈیئر' مسٹر جیمز بانڈ آپ تشریف رکھیے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی اس دنیا کو بالکل تباہ نہیں کروں گا۔ آپ تشریف تو رکھیے' بیٹھ کر ذرا اطمینان سے باتیں ہو جائیں گی۔ آج تو بڑی فرصت ہے' پوری زندگی میں اتنی فرصت کبھی نہیں ملی مجھے' کتنا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں میں اپنے آپ کو۔"

شہلا صوفے پر بیٹھ گئی تو دانش گردیزی نے بھی اپنی کرسی سنبھال لی۔ اس کے عضو عضو میں بجلیاں تڑپ رہی تھیں' واقعی شہلا کو وہ بہت بدلا بدلا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس کے ذہن میں چند تصورات ابھرے۔ دانش گردیزی بہت چالاک ہے۔ شاید شہریار سے بھی زیادہ جو مطمئن ہو گیا تھا کہ گردیزی اے لیکس سٹور میں مصروف ہے اور اسے ان لوگوں کے بارے میں کچھ علم نہیں ہو گا۔ لیکن وہ یہاں موجود ہے اور ڈرائنگ روم کا دروازہ خود بخود جام نہیں ہو گیا تھا۔ شیرا کی چیخ بے مقصد نہیں تھی۔ مگر وہ دونوں۔۔۔؟

"آپ کی یہ دنیا سلامت رہے مس شہلا آپ زندگی کی تمام خوشیوں سے بہرہ ور ہوں' میں آپ کی اس دنیا کو کیا تباہ کروں گا میں تو خود تباہ شدہ ہوں۔ آپ کی یہ دنیا تو بہت عرصے قبل مجھے تباہ کر چکی ہے۔" دانش نے کہا۔ شہلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جلتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ اسے خاموش پا کر وہ بولا۔

"آپ مجھ سے باتیں نہیں کریں گی مس شہلا یقین کریں آپ سے بہت باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔"

"مسٹر گردیزی۔" شہلا نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔"

"نہایت عزت و احترام سے میں آپ کو یہاں سے رخصت کروں گا۔ ایک احسان مند شخص کی حیثیت سے۔ میری محسن' آپ اپنی مرضی سے یہاں تشریف لائی ہیں۔ کچھ دیر کے لئے مجھے اپنا میزبان تصور کر لیں' میں آپ سے اپنے ہر لفظ کی معافی مانگنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے اس انوکھے طنز کو سمجھ نہیں پا رہی مسٹر گردیزی' شاید یہ طنز کی کوئی نئی صنف ہے۔"

"ہرگز نہیں' اپنے محسنوں پر کوئی طنز نہیں کر سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ' آپ مجھے برا بھلا کہیں' اتنا برا کہیں مجھے کہ دنیا میں کسی نے کسی کو اتنا برا نہ کہا ہو' میرے زہریلے الفاظ کا جو زہر آپ کے وجود میں اتر گیا ہے وہ سارے کا سارا مجھ پر اگل دیں' مس شہلا انسان کتنا ہی برا کیوں نہ ہو انسان ہی کہلاتا ہے بشرطیکہ وہ جانور نہ ہو۔ اگر آپ مجھے انسان تصور کرتی ہیں تو میں بحیثیت انسان آپ سے ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھ پر تھوک دیں مس شہلا' میری فطرت میں نفاست پسندی اس وقت سے ہے جب میں ایک بہت غریب اور پسماندہ انسان تھا۔ میں نے اپنے بوسیدہ لباس پر گندگی کی کوئی چھینٹ کبھی نہ برداشت کی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی نفرت کا نشان اپنے چہرے سے صاف نہیں کروں گا تاکہ آپ میرے چہرے کو دیکھ کر طمانیت حاصل کر سکیں۔"

شہلا ہنس پڑی۔

"کمال ہے دانش صاحب۔ ادیب میں ہوں' لفظوں کی گردش میں آپ ماہر ہیں۔ اس وقت بھی آپ نے اپنے جاگ جانے والے ضمیر کی کہانی سنائی تھی اور مجھے ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ ایک غریب صحافی ایسے ہوٹلوں کے بل ادا کرتے ہوئے بڑی دقت محسوس کرتا ہے۔ شاید آپ کو علم نہ ہو۔ بعد میں آپ کا ضمیر پھر سو گیا تھا۔ ویسے معاف کیجئے گا آپ کے ضمیر کے سونے اور جاگنے کے اوقات مقرر نہیں ہیں کیا۔ پتہ چل جائے تو اچھا ہے۔"

"اب یہ کبھی نہیں سوئے گا مس شہلا وعدہ کرتا ہوں۔" اس کے لہجے میں عاجزی تھی۔ شہلا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"آپ مجھ پر ناراض نہیں ہوئے۔"

"کیوں؟"

"ایک بار پھر میں چور راستے سے آپ کے گھر میں داخل ہو گئی ہوں۔"

"آہ۔ اس مبارک آمد کا تو میں کب سے انتظار کر رہا تھا۔ ایک انکشاف کروں آپ

پڑے۔"

"ضرور۔"

"آپ کو اس بات پر حیرت نہیں ہوئی کہ میں نے ایک ایسی مخدوش جگہ کیوں چھوڑ دی جہاں سے میرے گھر میں داخل ہوا جا سکے جبکہ میں نے بیرونی طور پر اس کے تحفظ کے لیے اتنی رقم خرچ کی ہے۔"

"میں نے غور نہیں کیا۔ ویسے آپ نے کہا تھا کہ آپ کو ناجائز ذرائع سے اندر آنے والوں سے کافی دلچسپی ہے بلکہ آپ اس کا ثبوت میری تصویروں کی شکل میں دے چکے ہیں۔"

"ہاں مس شملا۔۔۔ یہ عقبی مکان ایک شخص بڑے چاہت سے بنوا رہا تھا۔ اچانک میں نے اسے پیشکش کی کہ وہ یہ نامکمل مکان میرے ہاتھ فروخت کر دے اور اس کے لیے میں نے اسے اتنی رقم پیشکش کی کہ وہ حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا۔ میں نے وہ رقم اسے ادا کر دی اور وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ اسے زندگی میں مجھ سے بڑے بے وقوف کے ملنے کی توقع کبھی نہ ہو گی کیوں کہ میں نے اس کا یہ نامکمل گھر چار گنا قیمت پر خرید لیا تھا۔"

"نامکمل انسان ہیں آپ مسٹر گردیزی۔" شملا نے کہا اور وہ پھر ہنس پڑی۔

"آپ کہہ سکتی ہیں اور میں بے حد خوش ہوں کہ آپ میرے سلسلے میں نرم ہوتی جا رہی ہیں۔"

"شملا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ اندازہ میں نے کیسے لگایا بتاؤں آپ کو۔"

"بتا دیجیے آپ واقعی فرصت میں معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو زیادہ وقت نہیں دے سکتی۔"

"اپنے قیمتی وقت کے یہ لمحات مجھے دے دیجیے مس شملا۔ بھیک کے طور پر ہی سہی۔ میں اپنی خوشی میں آپ کی شرکت کا خواہشمند ہوں یقین کریں اس کے بعد آپ پر میری ذات سے کوئی بوجھ نہ پڑے گا۔ قطعی آخری ملاقات ہو گی یہ۔ اس کے بعد میں آپ کو بالکل پریشان نہ کروں گا۔ آپ کی نرمی کا اندازہ مجھے اس بات سے ہوا کہ پہلے آپ مجھے نفرت بھرے لہجے میں تم کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں۔ نفرت کا غلبہ کم ہوا اور صرف طنز باقی رہ گیا تو آپ نے مجھے آپ کہہ کر مخاطب کیا۔ اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے۔"

"بے حد ذہین انسان ہیں آپ مسٹر گردیزی۔"

"ہاں مس شملا۔ بہت سے لوگوں کا یہی خیال تھا اور میں اپنی ذہانت پر نازاں تھا لیکن

غلط ہے یہ۔ میں ذہین ہوتا تو۔۔۔۔تو۔" وہ رک گیا شملا اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

"مس شملا ایک بات بتائیے۔ یہ گھر یہ ماحول' میں۔۔۔۔ اور مجھ سے متعلق لوگ یہ سب کچھ آپ کو عجیب نہیں لگتا؟"

"لگتا ہے۔" شملا نے کہا۔

"آپ اس کے بارے میں جاننا پسند کریں گی؟"

"آپ بتائیں گے مجھے؟"

"ہاں میں بتانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کی خواہش ہو۔"

"ان حالات میں جب کہ میں اس خفیہ جگہ آپ کی قیدی ہوں اور میرے اور آپ کے درمیان خوشگوار روابط بھی نہیں ہیں مجھے اپنا شوق ترک دینا چاہیے تھا لیکن مسٹر گردیزی میں نرم چارہ نہیں ہوں مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے لیکن نہایت مشکلات سے گزرنا ہو گا آپ کو۔ اگر آپ مجھے یہ سب کچھ بتا دیں تو۔۔۔۔"

"آپ نے وہ لمحات مجھے مہیا کر دیئے ہیں مس شملا کہ اب میری ذات کو راز رہنا ضروری نہیں ہے۔ آپ جرنلسٹ ہونے کے علاوہ کہانی نویس بھی ہیں آپ کے بارے میں چھان بین کرتے ہوئے مجھے یہ بات معلوم ہوئی۔ مس شملا ہر انسان اپنی ذات سے منسوب واقعات کو دنیا کی سب سے انوکھی کہانی سمجھتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا مگر انسانی فطرت ہے۔ میری زندگی کی کہانی اگر آپ کے معیار کی ہو تو آپ اسے اپنے قلم کی زینت ضرور بنائیں۔ ویسے مس شملا زیڈ اسٹور میں ہماری ملاقات اتفاقیہ ہی تھی نا؟"

"آپ یقین کر لیں گے؟" شملا نے کہا۔

"ہاں مس شملا۔ آپ کے منہ سے نکلے ہوئے ہر لفظ پر میں یقین کروں گا یہی طریق سپاس گزاری ہو گا۔"

"تو پھر یقین کریں کہ وہ کچھ اتفاق تھا۔ پیکٹ بدل گیا میں نے اسے محسوس کر کے فوراً ہی آپ کا تعاقب کیا۔ آپ کی کار آگے بڑھ گئی تھی اور میں نے اس کا نمبر دیکھ لیا تھا بس اسی سے میں نے آپ کا پتہ چلایا۔ یہاں کے ماحول کو دیکھ کر بیدار ہونا فطری عمل تھا۔ اسی بنا پر میں آپ کی کوٹھی میں داخل ہوئی تھی۔"

"مجھے یقین ہے اور پھر میری تلخ کلامی پر آپ بیزار ہو گئیں۔"

"آپ نے مجھ پر بہت رکیک حملے کیے تھے۔"

"ہوٹل میں' میں نے آپ سے جو کچھ کہا تھا مس شملا' وہ سچائی پر مبنی تھا آپ کے

بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے شدت سے احساس ہوا تھا کہ مجھ سے زیادتی ہو گئی۔ مس شہلا میں بہت برا انسان ہوں لیکن جس دن سے مس شہلا میری بینائی نے مجھے دھوکا دیا اسی دن سے میں نے دنیا سے سمجھوتہ کر لیا۔ میں نے اپنی ذات کی ساری سختیاں نچوڑ ڈالیں۔ مجھے احساس ہوا کہ میں نے آپ سے بہت بدتمیزی کی ہے۔ میں نے خلوص دل سے آپ سے ملی مانگی تھی۔ مس شہلا میں نے آپ کو اپنے مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنانا چاہا تھا۔"

"اور جب میں نے آپ کے مقصد کی تکمیل کے لئے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا تو آپ نے ایک بار پھر میرے بخیے ادھیڑ دیئے۔" شہلا کے لہجے میں تلخی آگئی۔

"ہاں مس شہلا میری آخری کوشش تھی، میں نے ایک بار پھر اپنے آپ کو مکاری کے راستے پر چلا دیا تھا لیکن میں آپ کو اس کی تفصیل ضرور بتاؤں گا" یہ انتہائی ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے مس شہلا کہ یہ تفصیل بتاتے ہوئے ہم بے دھڑک ان کرداروں کا بھی ذکر کریں، جو ہماری اس کہانی میں شامل ہو گئے ہیں، جیسے شہریار، جیسے فرح، جیسے گل شاہ اور شاید جیسے گیری کوپ۔" دانش گردیزی نے کہا اور شہلا ایک بار پھر سے جھرجھری لے کر رہ گئی۔

دانش گردیزی واقعی اپنی ذات کے پردے اٹھانے پر تل گیا تھا۔ یہاں شہلا کی اپنی فطرت ابھر آئی اور وہ سب کچھ بھول کر اپنے مقصد کی تکمیل کی بابت سوچنے لگی۔ اس نے ایک لمحے میں یہ سوچا کہ دانش گردیزی سے اب انحراف مناسب نہیں ہے اس نے جو انداز اختیار کیا ہے اسے برقرار رکھنے کے لئے تھوڑی سی مکاری سے کام لینا ہو گا وہ سوالیہ نگاہوں سے دانش گردیزی کو دیکھتی رہی، دانش تھوڑی دیر کے بعد پھر بولا۔

"کیوں مس شہلا کیا ہم ان کرداروں پر گفتگو کر سکتے ہیں؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

"تو آیئے کہانی کو پھر وہیں سے جاری کر دیتے ہیں یعنی آپ کہانی کا آغاز ویڈ اسٹور سے کر سکتی ہیں۔ جہاں میری آپ سے ملاقات ہوئی اور جہاں میں نے آپ کو اپنی جانب متوجہ دیکھا، میں اس توجہ کو کوئی خاص نام نہیں دوں گا، آپ پیکٹ لے کر مجھ تک آئیں اور میں نے سادگی سے آپ کو رخصت کر دیا۔ اس وقت میرے ذہن میں آپ کے لئے کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی جس پر میں غور کرتا، اور پھر مس شہلا معاملات دوسری شکل اختیار کر گئے، گیری کوپ قتل ہوا اور کسی طرح انسپکٹر گل شاہ کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ میں بھی ان معاملات میں تھوڑا بہت ملوث ہوں۔ ظاہر ہے وہ ایک پولیس آفیسر ہے اور پولیس کے اپنے تفتیش کے ذرائع ہوتے ہیں۔ میں آپ سے قطعی یہ سوال نہیں کروں گا کہ گل شاہ کو میرے بارے میں یہ معلومات کیسے حاصل ہو گئیں، اس کے بعد آپ میری اس عمارت میں داخل ہوئیں، مس شہلا آپ وہ نہیں تھیں، جن کے داخلے کے لئے میں نے اپنے مکان کے عقبی حصے میں زیر تعمیر مکان خریدا تھا، تاکہ میرے مطلوبوں کو میری اس عمارت میں داخلہ ہونے میں کوئی دقت نہ ہو، مجھے آپ کی اس طرح آمد پر شدید غصہ آیا، بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ وہ وقت تھا، جب میں اپنے ذہنی بحران کا شکار تھا میرے منہ میں جو کچھ آیا، میں نے آپ سے کہہ دیا۔ اس کے بعد میری ملاقات انسپکٹر گل شاہ سے ہوئی اور انسپکٹر گل شاہ نے جس انداز میں مجھ سے تفتیش کی اس نے مجھے پریشانی کا شکار کر دیا، میرے وسائل زیادہ نہیں ہیں، لیکن مس شہلا میں ایک ایسی زندگی سے متعلق رہ چکا ہوں جس میں اپنے دوستوں اور دشمنوں پر پوری نگاہ رکھنی پڑتی ہے، چنانچہ میں نے اپنے طور پر بھی کام شروع کر دیا اور یہ جائزہ لینے کی کوشش کی کہ آخر وہ کون سے ذرائع ہیں جنہوں نے مجھے انسپکٹر گل شاہ کی نگاہوں میں مشکوک کر دیا۔ اور مس شہلا آپ مجھے انسپکٹر گل شاہ کے ساتھ بار بار نظر آئیں...... ایک جرنلسٹ ہونے کی حیثیت سے ایک کرائم رپورٹر ہونے کی حیثیت سے آپ کا اور گل شاہ کا گٹھ جوڑ کوئی حیرتناک بات نہیں تھی لیکن مسئلہ میرا بھی درمیان میں آگیا تھا، اس لئے آپ کے بارے میں معلومات حاصل ہونا ضروری تھیں اور اسی معلومات کے دوران مجھے علم ہوا کہ آپ اس دن کے واقعہ کے بعد شدید بیمار ہو گئی تھیں، نجانے کیوں مجھے یقین ہو گیا مس شہلا کہ یہ سب کچھ میری ہی وجہ سے ہوا ہے، اور پھر آپ کے بارے میں، میں نے مزید معلومات حاصل کیں تو اچانک ہی میری نگاہوں میں ایک اور شخص آگیا۔ یہ شہریار تھا۔ شہریار کی ساتھی لڑکی جسے آپ فرح کے نام سے جانتی ہیں، اس کا اصل نام شیراز یمان ہے، وہ اسمگلروں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتی ہے اور اپنے طور پر بھی سمگلنگ کرتی رہی ہے، شہریار اور اس کے گٹھ جوڑ کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں تھا، لیکن رفتہ رفتہ بہت سی باتیں مجھ پر ظاہر ہوتی چلی گئیں اور ایک بار پھر آپ کی شخصیت مجھے اپنے درمیان نظر آئی۔ میں نے بہت سوچا، بہت غور کیا، آپ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے یہ علم تو مجھے ہو چکا تھا کہ آپ ذاتی طور پر ان تمام معاملات میں ملوث نہیں ہیں نا ہی میرے دشمنوں سے آپ کا کوئی تعلق ہے۔ آپ صرف تجسس کی بنیاد پر اور اس کے بعد نفرت کی بنیاد پر میرے خلاف صف آراء ہو گئی تھیں۔ مس شہلا میں نے بہت غور و خوض کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اپنے مسئلے میں اپنی ایک شدید ترین آرزو کی تکمیل کے لئے میں آپ کا ہی سہارا لوں۔ میں آپ سے ہوٹل میں اس لئے ملا تھا مس شہلا کہ اب [illegible]

مدد کریں۔ پھر میں وہاں سے واپس آگیا' کچھ جذباتی ہو گیا تھا' بعد میں مس شہلا کچھ ایسے معاملات میرے سامنے آئے جن کی بنا پر میں نے آپ سے مدد لینے کا فیصلہ ترک کر دیا.... میں آپ کی فطرت کو جان چکا تھا آپ میری باتوں سے اتنی زیادہ متاثر ہوئی تھیں کہ شدید بیمار ہو گئیں۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اگر آپ کی نفرت برقرار رہے تو آپ اپنی نفرت کے ساتھ وہ کام کر ڈالیں گی جو میری ازلی خواہش تھی۔"

"مس شہلا یقینی طور پر میری باتوں کا مقصد آپ کی سمجھ میں آ رہا ہو گا' میں شہریار اور فرح یا پھر بالفاظ دیگر ظاہر یزداں اور شیرازیمان کو اپنی اس عمارت میں لانا چاہتا تھا اور جب مجھے یہ علم ہوا کہ وہ لوگ اس کا ذریعہ آپ کو بنا رہے ہیں تو..... تو مس شہلا میں نے ٹیلیفون پر آپ سے ایک بار پھر ویسی ہی تلخ گفتگو کی۔ دل پر انتہائی جبر کر کے مقصد یہی تھا کہ کہیں آپ مروت کا شکار نہ ہو جائیں اور ان لوگوں کو میری کوٹھی تک پہنچانے سے گریز کریں' سمجھیں مس شہلا دوبارہ ٹیلیفون پر آپ سے تلخ گفتگو کرنے کا مطلب صرف یہی تھا کہ آپ وہ کام کر ڈالیں جو آپ صرف نفرت کے درمیان رہ کر ہی کر سکتی تھیں۔"

گفتگو اتنی دلچسپ رخ اختیار کر گئی تھی کہ شہلا اپنی تمام سنسنی بھول گئی' اور اسے تجسس اور شوق نے آگھیرا۔ دانش گردیزی واقعی اپنی تمام داستان سنانے پر تل گیا تھا' اور شہلا بہرطور اس داستان سے دلچسپی رکھتی تھی چنانچہ باقی تمام باتیں پس منظر میں چلی گئیں اور اسے دانش گردیزی کے الفاظ سے دلچسپی محسوس ہونے لگی' اس نے گہری نگاہوں سے دانش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

پہلے میں آپ سے یہ سوال کرنا چاہتی ہوں مسٹر دانش گردیزی کے وہ دونوں کہاں ہیں' کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ وہ دونوں بھی میرے ساتھ ہی اس عمارت میں داخل ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں.... وہ میری تحویل میں ہیں اور بہت جلد میں آپ سے ان دونوں کی ملاقات کراؤں گا۔"

"گڈ' سوالات تو بہت سے درمیان میں آ رہے ہیں' لیکن ہمیں ترتیب برقرار رکھنی چاہئے' میں آپ سے یہ سوال کر سکتی ہوں مسٹر گردیزی کہ آپ کو شہریار کی موجودگی کا کیسے علم ہوا؟"

"اس زمانے میں مس شہلا' جب میری زندگی کے رخ بدلے ہوئے تھے۔ میری ایک ہی خوبی تھی اور وہ یہ کہ میں اپنے اطراف سے باخبر رہتا تھا۔ شیرازیمان ایک سمگلر کی حیثیت سے میرے علم میں تھی' ظاہر یزداں اس کے بارے میں نہیں جانتا تھا پھر میں نے اسے آپ

کے ساتھ "اینٹیکس شی" میں دیکھا اور پہچان لیا کہ وہ شیرازیمان ہے' مجھے یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ شیرازیمان' ظاہر یزداں' میرا مطلب ہے شہریار جس کا اصل نام ظاہر یزداں ہی ہے' کے ساتھ شامل ہو چکی ہے۔ شیرازیمان کی یہاں موجودگی کا مطلب یہ تھا کہ ظاہر یزداں بھی یہیں کہیں آس پاس ہی ہے اور پھر آپ کو اس کے ساتھ دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی تھی۔ غرض یہ کہ میں ظاہر یزداں تک پہنچ گیا' اور اس کے بارے میں مجھے تمام معلومات حاصل ہو گئیں' مس شہلا میں آپ کے ایک سوال کا جواب ابھی آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک گوشے کی جانب بڑھ گیا۔ دیوار کے ایک حصے پر انگلی رکھی اور دیوار میں ایک خانہ نمودار ہو گیا اور اس نے اس خانے میں ہاتھ ڈال کر ایک ٹیپ ریکارڈر نکال لیا۔ ٹیپ ریکارڈر کو شہلا کے سامنے رکھ کر اس نے شاید اس میں لگا ہوا کیسٹ ریوائنڈ کیا اور چند ہی لمحات کے بعد اس سے ایک آواز ابھرنے لگی شہلا بغور اس آواز کو سن رہی تھی۔

"مجھے خطرہ ہے کہ میں بیمار نہ ہو جاؤں۔" ایک نسوانی آواز ابھری اور شہلا نے اسے پہچان لیا۔ یہ شیرازیمان کی آواز تھی۔

"تمہاری یہ عادت خطرناک ہے سوئٹ۔" دوسری آواز شہریار کی تھی اور اس کے بعد ایک عجیب و غریب کہانی شہلا کے سامنے لفظ بہ لفظ آنے لگی۔ شیرازیمان اور ظاہر یزداں گفتگو کر رہے تھے اور یہ گفتگو اس معاملے سے متعلق تھی۔

"آہ اس طرح تو یہ خدشہ خوف کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے' تم نے شہریار بلاوجہ اتنا جھگڑا پھیلایا' اس صحافی لڑکی کا سہارا لینے کی کیا ضرورت تھی۔ بہتر یہ نہیں تھا کہ ہم کوشش کر کے اپنا کام کر ڈالتے اور یہاں سے نکل جاتے۔"

"ابتدا میں یہ مسئلہ دوسری حیثیت رکھتا تھا' اس دن جب ہم نے اسے دانش گردیزی کی کوٹھی سے نکلتے دیکھا تھا تو یہی سوچا تھا کہ وہ کوئی اس کی قریبی دوست ہے' اور اس طرح ہمیں دانش گردیزی کے یہاں کے معمولات کا علم ہو جائے گا' یہ دوسری بات ہے کہ شہلا بھی اس کی دوست نہیں بلکہ دشمن نکلی تاہم ہم اس کی دشمنی کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ظاہر ہے وہ اس حد تک جانا پسند نہیں کرے گی۔"

"تمہارا خیال تھا کہ تم شہلا کے ذریعے دانش کو منظر عام پر لاؤ گے اور اسے ہلاک کر دو گے۔ تمہارا یہ منصوبہ کیوں تبدیل ہوا۔" شیرازیمان کی آواز تھی۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں۔ فوراً ہی اس تک پہنچ جانا اتنا آسان کام نہیں ہے اور جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ مجھ سے زیادہ باعمل ہے' میں نے اس بات سے انحراف

تو نہیں کیا' اپنے آپ کو موت کے منہ میں جھونکنے کی بجائے میں ذہانت سے کام لینا چاہتا ہوں' کیسٹ کی گفتگو آگے بڑھتی رہی۔ شہلا کے چہرے پر خون سمٹ آیا تھا' وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر یہ گفتگو سن رہی تھی' شہریار کی آواز ابھری۔

"میرا خیال ہے کہ اب بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا' شہلا کو اس بات کے لئے تیار کر لو وہ ہمیں اس چور راستے سے اس مکان میں لے چلے۔"

"اس کے بعد کیا کرو گے۔"

"تم محسوس کرو گی کہ میں نے جو منصوبہ بنایا ہے وہ بہت کارآمد ہے۔"

شہلا خاموشی سے یہ سب کچھ سنتی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد کیسٹ ختم ہو گیا۔ دانش گردیزی کہنے لگا۔

"اور اس طرح مس شہلا ایک بار پھر مجھے آپ سے گستاخی کا مرتکب ہونا پڑا۔ میں نے ایک بار پھر آپ کے دل میں اپنے لئے نفرت کا بیج بویا اور یہ صرف اس لئے تھا کہ کسی طرح آپ ان دونوں کو یہاں تک لے آئیں۔ میں نے آپ سے ملاقات کر کے یہی چاہا تھا کہ ان دونوں کو یہاں تک لانے میں آپ کا سہارا حاصل کروں' لیکن اس سے پہلے یہ گفتگو میرے علم میں آ گئی اور میں نے اپنا منصوبہ تبدیل کر دیا۔ آپ کی عزت' آپ کا احترام اس وقت سے میرے دل میں ہے جب سے میں نے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کیں' مس شہلا' لیکن یہ الفاظ جو میں نے آپ سے ٹیلی فون پر ادا کئے میری ایک ضرورت تھی اور انسان بہرطور اپنی ضرورتوں کو ترجیح دیتا ہے آپ اسی گفتگو کی روشنی میں مجھے معاف کر سکتی ہیں۔"

"لیکن لیکن یہ آوازیں آپ نے کہاں سے ریکارڈ کیں۔" شہلا نے متحیرانہ انداز میں کہا اور دانش گردیزی مسکرانے لگا۔

"شہریار کے بارے میں علم ہونے کے بعد مس شہلا مجھے ایک ایک لمحہ اس کی نگرانی کرنا پڑی ہے' اس کے معمولات سے آگاہ رہنا پڑا ہے' وہ کیا کر رہا ہے اس بارے میں بھی معلومات ضروری تھی۔ گرین پارک میں بھی جب آپ اسے لیکر گئی تھیں تو میں وہیں موجود تھا اور اس کے بعد سے اس وقت تک جب آپ اسے یہاں لائیں' میں نے ایک لمحہ آپ کو اور اسے نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔" دانش گردیزی نے کہا اور شہلا عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی' پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"لیکن یہ گفتگو۔"

"ہاں مس شہلا' ڈکٹو فون کے ذریعے ریکارڈ کی ہے میں نے۔" دانش گردیزی نے

جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے مسٹر گردیزی کہ آپ بے حد ٹیکنیکل مائنڈڈ ہیں۔" دانش گردیزی ایک غمزدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ہاں مس شہلا میری زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہے یہ کہ میں بہت سی چیزوں سے واقف ہونے کے باوجود وہ سب کچھ نہ کر سکا جو میں نے ابتدا میں سوچا تھا۔"

"تعجب ہے' واقعی مجھے تعجب ہے۔" شہلا پرخیال انداز لہجے میں بولی۔ وہ ظاہر یزداں اور شیرازمان کے بارے میں سوچ رہی تھی جنہوں نے بڑی چالاکی سے اسے اپنے دام میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ کسی طرح انہوں نے اسے' اس وقت دانش گردیزی کی کوٹھی سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا جب دانش گردیزی نے اسے برا بھلا کہا تھا' شیرازمان' فرح کی حیثیت سے اس سے ملی' اور اب سے تھوڑی دیر پہلے شہریار نے اپنے آپ کو اس پر عیاں کر دیا' اگر شیرازمان کی چیخ نہ سنائی دیتی تو نجانے شہریار اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا' وہ کیا چاہتا تھا اس کوٹھی میں داخل ہو کر' یہ بات شہلا کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی' سامنے دانش گردیزی پرخیال نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا' شہریار نے بھی اپنا نام ظاہر یزداں ہی بتایا تھا۔ شیرازمان کا نام تو گل شاہ کے ذریعے علم میں آ چکا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی شہریار نے اسے ایک اور نام بھی بتایا تھا یعنی احتشام اصغر' شہلا نے سوالیہ نگاہوں سے دانش گردیزی کو دیکھا تو دانش گردیزی آہستہ سے بولا۔

"میرا نام احتشام اصغر ہے مس شہلا۔" شہلا ایک لمحے کے لئے بھونچکی رہ گئی' دانش گردیزی کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ وہ اس وقت اس کے نام کے بارے میں سوچ رہی ہے لیکن یہ اتفاق ہی تھا کہ دانش گردیزی نے بھی اس وقت ہی اپنی گفتگو کا آغاز کیا تھا جب یہ سوال شہلا کے ذہن میں آیا تھا' دانش گردیزی پرخیال نگاہوں سے ایک دیوار کو گھور رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"میری زندگی کی ابتدا اسی انداز میں ہوئی مس شہلا جس انداز میں معصوم بچے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنی زندگی کی ابتدا کو محسوس کرتے ہیں اور انتہا۔" دانش گردیزی ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ شہلا اپنی کنپٹیاں چٹختی محسوس کر رہی تھی۔ ایک پراسرار داستان چند لمحات کے بعد اس کے علم میں آنے والی تھی۔ ایک ایسی کہانی جس کے بہت سے پہلو ناقابل یقین معلوم ہوتے تھے۔

نہ جانے کیوں شملا کو آج دانش گردیزی کا چہرہ بالکل بدلا بدلا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ تیکھا پن وہ سخت گیری اس کے چہرے پر بالکل نہیں تھی جو اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔ شملا اسے دیکھتی رہی۔ وہ طویل خاموشی کے بعد اچانک بول پڑا جیسے خاموش رہ کر اس نے خیالات اپنے ذہن میں مربوط کرلئے ہوں۔

"زندگی کا وہ حصہ جو نا سمجھی کا ہوتا ہے کیسا گزرا۔ مجھے یاد نہیں اتنا جانتا ہوں کہ اچھی گزری تھی کیونکہ معصوم خواہشات تشنہ نہ رہی تھیں۔ ہاں ہوش سنبھالا تو ماں کو مظلوم اور باپ کو سخت گیر پایا۔ ڈیڈی خاندانی دولت مند تھے لیکن انسان برے تھے۔ کسی زمانے یا کسی نسل میں اس خاندان کے لوگ اچھے ہوں گے ورنہ دولت بہت پہلے ختم ہو چکی ہوتی لیکن ڈیڈی یا ان سے پہلے کے اس خاندان کے سربراہ دولت کی برائیوں کے شکار تھے۔ خاص طور سے ڈیڈی جنہیں میں نے دیکھا بہت ہی برے تھے۔ شراب' ریس اور عورت۔ تینوں کا ان کی زندگی سے گہرا تعلق تھا اور ماں کی مظلومیت کے یہی سبب تھے۔ ماں سے زیادہ وہ کسی اچھی نسل کی گھوڑی کی عزت کرتے تھے۔ کسی رقاصہ کے گھنگروؤں کی چھنک انہیں ماں کی ہنسی کی کھنک سے زیادہ بھلی لگتی تھی۔ گھر میں گھوڑوں اور بری عورتوں کے دلالوں کا راج تھا۔ بالآخر اس راج نے ہم سے ہمارا راج پاٹ چھین لیا۔ گھوڑے ٹریک سے نکل بھاگے۔ رقاصائیں اپنے بالاخانوں پر جا بجیں۔ شراب نے کچھ عرصہ ساتھ دیا جو کچھ بھی تھا وہ شراب کو سونپ کر وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ پھر قبر نشیں' اسی گوشے میں ان کی لاش پائی گئی تھی۔ حریم اس وقت تین سال کی تھی میں چودہ سال کا فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا اور ذہین گردانا تھا۔ مگر اس کے بعد کوئی میری ذہانتوں کا خریدار نہ تھا۔ ہر چیز بک چکی تھی سوائے ماں اور بہن کے شاید انہیں بیچنے کا خیال ڈیڈی کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ گھر چھوڑنا پڑا ماں کے کچھ رشتے داروں نے ساتھ دیا مگر اس حد تک کہ سر چھپانے کی جگہ دے دی اسی کو غنیمت جانا۔ چودہ سال کی عمر میں نوکری کرلی اور ماں بہن کو بھوک کے عذاب سے نجات دلا دی۔ یہ نوکری چھ سال تک جاری رہی پڑھنے کا شوق تھا پڑھتا بھی رہا تاکہ ترقی کے راستے طے کرتا رہوں۔ ماں اور حریم نے بھی ساتھ دیا کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھیں سب کی کوششوں

نے ایک چھوٹے سے فلیٹ کا آسرا کر دیا اور ہم اس میں منتقل ہو گئے۔ جو زندگی گزاری تھی اس کا ایک ایک لمحہ دل پر نقش تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ زندگی عارضی ہے جو گزارنی پڑ رہی ہے۔ بالآخر ایک دن ہم اپنی اس حسین دنیا میں لوٹ جائیں گے تنہا راتوں کے جاگتے خوابوں میں یہی سب کچھ ہوتا تھا۔ لیکن روشنی کی دنیا ان خوابوں کی نفی کرتی تھی۔ دن رات وقف کر دیئے تھے تعلیم ختم کر کے الیکٹرانک فیلڈ میں آ گیا نوکری بھی کی اور بہت کچھ سیکھ لیا لیکن کوئی راستہ نہیں مل سکا تھا کوششوں میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن تقدیر ساتھ نہ دے رہی تھی۔ ماں قناعت پسند تھی اور دولت سے سخت نفرت کرتی تھی۔ ماں کی یہ نفرت حق بجانب تھی کیونکہ دولت نے اسے ہمیشہ بے سکون رکھا یہاں تک کہ شوہر بھی چھین لیا مگر میں ماں سے متفق نہیں تھا مجھے مستقبل تاریک نظر آتا تھا۔ حریم بھی ماں کی ساتھی تھی اور ماں کی باتوں سے متفق تھی۔

"نہیں بھیا ہمیں دولت کا تجربہ ہو چکا ہے بس اتنا کافی ہے کہ ضرورت پوری ہو۔ اس سے زیادہ نہیں۔" میں مسکرا دیا۔ بے وقوف کو دنیا کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ پھر ایک اور تازیانہ تھا ہمارے برابر والے فلیٹ میں قدیر صاحب رہتے تھے دل کے مریض بے سہارا۔ ایک بیٹی کے علاوہ دنیا میں کوئی نہ تھا دل کا دورہ پڑا اور انتقال کر گئے۔ نازیہ تنہا رہ گئی۔ یاور صاحب کی بیوی نے نازیہ کو اپنے ہاں رکھ لیا لیکن یاور صاحب بدکار انسان تھے۔ ایک دوپہر جب ان کی بیوی باہر گئی ہوئی تھی یاور صاحب نے نازیہ کے معصوم چہرے پر کالک ملنی چاہی لیکن وہ عزت بچا کر ہمارے فلیٹ میں آ گھسی۔ اس نے رو رو کر بتایا کہ یاور صاحب اس طرح کی کوششیں کئی بار کر چکے ہیں ماں کو اس بے سہارا لڑکی پر ترس آگیا اور اس نے ایک فیصلہ کیا۔ پھر کچھ اس طرح حریم اور ماں نے مجھے کہا کہ میں نازیہ کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہو گیا۔ یہ سب کچھ میرے پروگرام میں شامل نہیں تھا میں حریم کے لئے سب کچھ کرنا چاہتا تھا اپنی شادی کا کوئی تصور میرے ذہن میں نہ تھا۔ مگر تقدیر کا یہی فیصلہ تھا۔ البتہ نازیہ ایسی بیوی ثابت ہوئی کہ اس نے ہم سب کو اپنا مطیع کر لیا۔ وہ کرشمہ صفت تھی اور اس نے میرے گھر کو ایک نئی زندگی دی تھی اتنا تعاون اتنا خیال کہ ہم سب شرمندہ ہونے لگتے تھے نازیہ بھی ماں اور حریم کی ہم خیال تھی مگر میرا نظریہ نہیں تبدیل ہوا تھا بلکہ اب تو اس انداز فکر میں اور تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔ نازیہ تھی' حریم تھی' ماں تھی اور میری محدود آمدنی تھی میں ماضی کو یاد کرتا تھا کیا زمانہ تھا ہماری عیش و عشرت میں زندگی بسر ہوئی تھی۔ یہاں تو اپنے نقصان سے خوف زدہ تھی اور حریم ماں سے تعاون کرتی تھی مگر نازیہ کا کیا قصور تھا وہ اس مفلوک الحال خاندان میں شامل ہو کر کیا پا لے گی۔ زندگی کی لطافتوں کا کیا علم ہو گا۔ اسے کیا

بانے گی وہ کہ ہم کیا تھے اور اس کے بعد حریم کا مستقبل' میں اپنی بہن کی شادی کسی اپنے جیسے سے نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ میری خواہش تھی کہ ہمارا جو خاندانی وقار ہے ہم اسے دوبارہ حاصل کریں۔ حریم کے لئے کوئی بہتر رشتہ ہو اور نازیہ کے لئے کوئی اعلیٰ مستقبل' آنے والے وقت میں ہو سکتا ہے ہماری زندگی میں کچھ اور افراد کا اضافہ ہو پھر مفلوک الحالوں کا یہ خاندان بڑھتا چلا جائے گا۔ حریم کسی کلرک کی بیوی ہو گی اور نازیہ بچوں کو کوستی پیٹتی رہے گی۔ میری یہ محدود آمدنی کبھی اتنی نہ ہو گی کہ ہم زندگی کے پرسکون لمحات کے ساتھ مسکرا سکیں بعض اوقات میرا ذہن بحران کا شکار ہو جاتا تھا۔ مجھ میں بے پناہ صلاحیتیں تھیں میں نے بارہا یہ صلاحیتیں دنیا کے سامنے کھول کر رکھیں لوگ تحسین آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے اور پھر معذرت کے انداز میں کہتے کہ میری ان صلاحیتوں کے لئے ان کے پاس کوئی جگہ نہیں ہے۔ دوست تعریف کرتے اور کہتے کہ تمہیں تو کوئی بہت بڑا آدمی ہونا چاہئے اس سے زیادہ وہ بے چارے اور کیا کر سکتے تھے۔ وہی ہوا میں اور کچھ تو نہ کر سکا لیکن ہماری زندگی میں فرخ شامل ہو گیا میرا بیٹا۔ میں پہلے سے بھی زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔ یہ میری اپنی قوت تھی کہ اپنی پریشانیوں میں' میں ماں' نازیہ یا حریم کو شریک نہیں کرتا تھا اپنے دل کی حالت سے خود ہی نمٹ رہا تھا۔ فرخ پانچ سال کا ہوا تو رشنا نے اس دنیا میں آنکھ کھولی اور میری قوت برداشت بالکل ہی جواب دے گئی۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکا تھا اب تک اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا مستقبل میری نگاہوں میں تاریک سے تاریک تر ہوتا جا رہا تھا۔ حریم کے لئے کوئی رشتہ نہیں مل سکا تھا۔ کون اس معمولی سے خاندان کی جانب توجہ دیتا اور جو لوگ توجہ دینے والے تھے وہ اس قدر خستہ حال تھے کہ ان کے درمیان حریم کو جھونکنا اسے جہنم کے دہانے میں دھکیل دینے کے مترادف تھا۔ ذہنی بحران بالآخر اپنی آخری منزلوں تک پہنچ گیا اور میں نے ایک فیصلہ کیا کہ ملک سے باہر نکل جاؤں اور اس کے لئے میں کوششیں کرنے لگا۔ اتفاق سے ایک موقع نصیب ہو گیا اور میں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ تمام معاملات طے کر لئے تھے میں نے اور پھر جب تمام کاموں کی تکمیل ہو گئی تو میں نے ماں کو دل کی بات بتائی ماں' حریم اور نازیہ نے میرے اس فیصلے کی سخت مخالفت کی تھی لیکن اس دن میں نے ان کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ وہ عورتیں ہیں میں اس دنیا سے لڑ رہا ہوں مجھے میری لڑائی لڑنے دیں۔ وہ نہیں جانتیں کہ دنیا کیا چیز ہے نازیہ نے رو رو کر کہا کہ اس زندگی سے اسے کوئی شکوہ نہیں ہے وہ تو اپنے آپ کو جنت میں محسوس کرتی ہے بس جو کچھ ہے ہمارے لئے کافی ہے حریم کے سلسلے میں بھی اس نے کہا کہ تقدیر ہی مناسب فیصلہ کرے گی مجھے اتنا زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہئے لیکن جب میں نے ان لوگوں کو

بتایا کہ دوسرے دن میری فلائٹ ہے اور میں آخری تیاریاں مکمل کر چکا ہوں تو بالآخر سب نے گردنیں جھکا لیں ان کے چہروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ قطعی اس بات کے لئے تیار نہیں ہیں کہ میں ملک چھوڑوں لیکن میں نے انہیں تسلیاں دیں اور کہا کہ اب میں اس وقت ان کے درمیان آؤں گا جب کچھ بن چکا ہوں گا۔ ماں نے روتے ہوئے کہا کہ اسے اس دولت سے نفرت ہے جو انسانوں سے سب کچھ چھین لیتی ہے پیار محبت اپنائیت سب اس دولت کے سیلاب میں بہ جاتے ہیں اسے دولت نہیں چاہئے تو میں نے ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ اس دولت کا وہ مصرف نہیں ہو گا جو ڈیڈی نے کیا کیونکہ یہ ان کی خاندانی دولت تھی جب کہ میں اپنے طور پر کوشش کرنے کے لئے نکل رہا ہوں بے چارے یہ لوگ کیا کرتے میں فرخ' رشنا' حریم' نازیہ اور ماں کو چھوڑ کر ان کی دنیا سے بہت دور چلا آیا۔ ایک ایسا تصور ذہن میں بسائے جس میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں لیکن خوشیوں کا آغاز اسی وقت سے ہو گیا جب ایک اپاہج مسافر نے مجھے اپنا تھوڑا سا سامان سنبھالنے کے لئے کہا اس کی ٹانگوں کی معذوری دیکھ کر میں نے اس کا وہ بیگ سنبھال لیا تھا لیکن جب کسٹم ہاؤس میں داخل ہوا میرے سامان کی تلاشی ہوئی تو وہ بیگ کسٹم حکام کی نظر میں آ گیا اور اس بیگ میں منشیات بھری ہوئی تھیں۔ میری اس سنہری زندگی کا آغاز جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری سے ہوا معذور مسافر جو پہلے ہی باہر نکل گیا تھا غالباً اس چانس میں کہ اگر میں وہ بیگ باہر نکال لاؤں تو وہ اس کی ملکیت ہو گا اور پکڑا گیا تو مجبوری ہے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری سے میں نے اپنے سنہرے دنوں کا آغاز کیا تھا اور مس شہلا اس کوٹھری میں مجھے سب سے پہلا آدمی لائڈسن ملا' لائڈسن ایک غیر ملکی اسمگلر جو یہاں سزا بھگت رہا تھا۔ لائڈسن نے مجھے بہت سے راستے دکھائے اس نے کہا کہ اگر دولت کمانی ہے تو یہ راستہ بالکل درست ہے جس کے سہارے میں اس جگہ تک آیا ہوں۔ وہاں سے نکلنے کے بعد وہ میری مدد کرے گا میرے ذہن میں بغاوتیں جنم پا رہی تھیں دنیا نے جتنا مجھے پیسا تھا جس طرح میری شخصیت کی نفی کی گئی تھی اس کے بعد اس دنیا میں اچھا بن کر رہنا میرے لئے ممکن نہ رہا تھا میں جس سنہرے مستقبل کی آس میں نکلا تھا اس میں مزید تاریکیاں پھیل گئی تھیں اور ان تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں آنے کا ایک ذریعہ مل رہا تھا تو میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے لائڈسن سے معاہدہ کیا۔ لائڈسن بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے مجھے اپنے بارے میں ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی البتہ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اسمگلنگ کرتا ہے' جیل سے ہماری رہائی ساتھ ساتھ ہی ہوئی۔ میری سزا کے تو کچھ دن اور باقی تھے لیکن لائڈسن مجھ سے گفتگو کر کے کچھ اس طرح متاثر ہو گیا تھا کہ اس نے میری رہائی کے لئے بھی شدید

کوششیں شروع کر دیں اور نجانے کیا کیا جتن کر کے بالآخر مجھے بھی رہا کرا لیا اور اس کے بعد لائڈسن مجھے وہاں سے بھی لے کر چل پڑا۔ بہت زیادہ تفصیلات میں نہیں جاؤں گا مسٹر شہلا۔ لائڈسن کے ساتھ میں نے زندگی کا وہ رخ دیکھا جس کا میں خواہش مند تھا۔ لائڈسن معمولی شخصیت کا مالک نہیں تھا اس نے اپنی اصل شخصیت کو چھپائے رکھا تھا مجھے تو اب اس کی حیثیت کا پتہ چلا جب میں اس کے ساتھ فرانس میں داخل ہوا کلیسائے نوٹریڈم کے ایک پراسرار اور پر خطر حصے میں اس کا اپنا ہیڈ کوارٹر تھا اور اس کے ساتھ تین اور افراد شامل تھے یہ لوگ خصوصاً ہیروں کی ناجائز تجارت کرتے تھے اور ان کا گروپ ڈائمنڈ لائنز گروپ کہلاتا تھا۔ اس گروپ میں یہ چار افراد تھے جن میں سے ایک کا نام جگن ناتھ ترپاٹھی تھا دوسرا گیری کوپ تھا اور تیسرا ظاہر یزداں جو ایرانی نژاد تھا۔ ان تینوں نے میرا خیر مقدم کیا تھا لائڈسن نے انہیں میرے بارے میں تفصیلات بتائیں اور انہوں نے مجھے اپنے ساتھی کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ چنانچہ ڈائمنڈ لائنز کا یہ گروپ پانچ افراد پر پھیل گیا اور میں نے اس گروپ کے ساتھ مل کر کارروائیاں شروع کر دیں۔ میری ذہانت لائڈسن اور اس کے تمام ساتھیوں کو سخت متاثر کرتی تھی اور لائڈسن میری شمولیت سے پھولا نہیں سماتا تھا اس کا خیال تھا کہ اس نے میری شکل میں ڈائمنڈ لائنز کے لئے ایک انتہائی کارآمد شخصیت پالی ہے میں بھی اپنی تمام تر ذہانتوں کے ساتھ ایسے ایسے طریقے ایجاد کرتا تھا کہ لائڈسن اور اس کے ساتھی حیران رہ جاتے تھے۔ میں نے ہیروں کی ترسیل کے لئے اس قسم کے انتظامات کئے تھے کہ جس ملک میں بھی ہم لوگ جاتے وہاں کی پولیس کو شدید ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس سلسلے میں میری الیکٹرانک میں مہارت بھی کام آتی تھی اور میں نے ان تمام آلات کو دھوکہ دے دیا تھا جو اسمگلروں کے پاس موجود ناجائز اشیاء کی جانچ پڑتال کے لئے نصب کئے جاتے تھے میں نے ایسی ایسی ایجادات کی تھیں کہ کوئی انہیں سمجھ نہیں پاتا تھا اس طرح رفتہ رفتہ ڈائمنڈ لائنز کا کنٹرول خود بخود میرے ہاتھوں میں آتا جا رہا تھا کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ انہیں اپنے کام کا تحفظ حاصل ہوا تھا۔ میری صلاحیتیں تعمیر میں کام نہ آ سکی تھیں مجھے ہر جگہ ٹھکرا دیا گیا تھا لیکن تخریب کی دنیا میں میری ایسی پذیرائی ہوئی کہ میری تمام مشکلات کا حل مل گیا۔ ڈھائی سال تک پورے ڈھائی سال تک میں نے سخت محنت سے کام کیا اور اتنی دولت جمع کر لی کہ میں مطمئن ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں کچھ روز کی چھٹی چاہتا ہوں۔

"چھٹی۔" لائڈسن نے حیرت سے کہا۔ "کیسی چھٹی ہماری مصروفیات ہی کیا ہیں۔ دنیا کا ہر ملک ہمارا ہے۔ کام کے کچھ لمحات پھر عیش و عشرت۔ پیرس کے ہوٹل ہانگ کانگ کے ہوٹل، جاپان کے پرفضا مقامات۔ سوئٹزرلینڈ کی حسین وادیاں سب کچھ تو ہمارے قبضے میں ہے پھر کونسی چھٹی کی بات کر رہے ہو ڈیئر احتشام۔"

"میرا ایک گھر ہے میرے دوست۔ میرے کچھ اپنے ہیں جو ڈھائی سال سے میری واپسی کا انتظار کر رہے ہوں گے شاید انہوں نے مجھے مردہ تصور کر لیا ہو گا نہ جانے وہ کس حال میں ہوں گے۔"

"یقین نہیں آتا مسٹر احتشام، تم جیسا طوفانی انسان ان فرسودہ خیالات کا حامل ہو گا۔ کوئی اپنا نہیں ہوتا۔ ہر شہر میں ہمارے اپنے موجود ہیں۔ ہوٹل کے وہ بیرے جو ہمیں کھانا کھلاتے ہیں وہ سب جو معاوضہ لے کر ہمارے لئے آسائشیں مہیا کرتے ہیں بھانت بھانت کی دلکش حسینائیں یہ سب اپنے ہیں پھر کچھ لوگوں کو مخصوص کیوں کہا جائے کوئی کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے ممکن ہے تم نے کچھ لوگوں سے وعدہ کیا ہو تم وعدے پر نہ پہنچے ہو گے وہ تمہیں بھول گئے ہوں گے کہاں وقت ضائع کرو گے احتشام چلو جاپان چلتے ہیں وہاں بہت سے اپنے ہمارے منتظر ہوں گے۔"

"ہماری دوستی اپنی جگہ لائڈسن، لیکن ذاتی معاملات میں، میں کسی کی تبصرہ آرائی برداشت نہیں کروں گا۔ آئندہ احتیاط کرنا۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"تمہارا بدلا ہوا لہجہ ہمیں سوچنے پر مجبور کر رہا ہے احتشام۔" لائڈسن نے کہا۔

"کیا سوچنے پر مجبور کر رہا ہے؟"

"یہی کہ تم ڈائمنڈ لائنز کے حالات کے خلاف بھی جا سکتے ہو۔"

"یہ اندازہ کیسے لگا لیا تم نے؟"

"ہماری سوچ یکساں ہوتی ہے۔ ہماری کارکردگی ایک جیسی ہوتی ہے۔ پانچ افراد کا یہ گروپ ہر جگہ ہوتا ہے ہم میں سے کوئی ایک لمحہ جدا نہیں ہوتا۔ اگر ہم چند گھنٹوں چند روز یا چند ماہ کیلئے جدا ہو جائیں تو باقی سب آس پاس موجود ہوتے ہیں یہ ہمارا معاہدہ ہے بہت عرصہ قبل ظاہر یزداں نے ایران چھوڑا تھا۔ گیری کوپ نے سویڈن چھوڑا تھا ترپاٹھی نے ہندوستان چھوڑا تھا اس کے بعد یہ لوگ ان جگہوں پر واپس بھی گئے مگر انہیں وہاں کوئی اپنا پایا نہ سکا ہم نے کام کیا اور آگے بڑھ گئے تمہارے لئے بھی یہی مناسب ہے دراصل ہماری بقا اسی میں ہے کہ ہم یکجا رہیں ہم میں سے کوئی ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے تو ہم اسی وہمے کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اب ہماری قبریں کھدنا شروع ہو گئی ہوں گی۔"

"گویا بد اعتمادی کا آغاز ہو جاتا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہی سمجھو میرے دوست۔"

"ایک تو ہماری دوستی بے حد پائیدار ہے اتنے دن کی رفاقت میں ہم ایک دوسرے سے اس قدر مشکوک رہیں تو یہ دوستی نہ ہوئی۔"

"ہر پیشے کے کچھ اصول ہوتے ہیں بلکہ بعض پیشے تو صرف اصولوں پر ہی ہوتے ہیں ہم میں سے کوئی ایک دوسرے سے جدا ہو گیا تو ڈائمنڈ لائنز ٹوٹ جائے گا۔ پھر اس کا برقرار رکھنا جان کھونا ہے یہ ہمارا متفقہ معاہدہ ہے اور ہم سب اس پر ٹھوس عمل کرتے ہیں۔"

"میں اس معاہدے کو مسترد کرتا ہوں اور میں ایک ہفتے کے اندر اندر اپنے وطن جا رہا ہوں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ترپاٹھی بولا۔

"کسی چھوٹے سے مسئلے کو تلخیوں تک لے جانا مناسب نہیں ہے لائڈسن اس کا حل دریافت کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا حل ہو سکتا ہے۔"

"ہم سب بھی احتشام کے ساتھ اس کے وطن چلتے ہیں۔ یہ جن سے ملنا چاہتے ہیں ملیں اس کے بعد ہماری واپسی ہو جائے گی۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔" لائڈسن تیار ہو گیا۔

"وہاں میں تمہیں اپنا مہمان نہ بنا سکوں گا۔ تم سے مل بھی نہ سکوں گا سوائے اس وقت جب ہم واپس ہوں گے۔"

"ہمیں اعتراض نہیں ہے۔" ترپاٹھی نے کہا اور مسئلہ حل ہو گیا لیکن میں کچھ بددل ہو گیا تھا میں نے سوچا کہ میں نے ان لوگوں کا کام کتنا آسان بنا دیا ہے کتنی محنت کی ہے ان کے لئے لیکن یہ کتنی فضول باتیں کر رہے ہیں اس کا مطلب ہے کہ یہ صرف برے لوگ ہیں ان میں دوستی کے جذبے نہیں ہیں۔ ان کے افکار بہت گھٹیا ہیں۔ انہیں میرا مطمح نگاہ کیا معلوم۔ یہ کیا جانتے ہیں کہ میں نے خود کو ان راستوں پر کس لئے ڈالا ہے انہیں کیا معلوم کہ ان ڈھائی سالوں نے مجھ پر کیا قیامتیں توڑی ہیں۔ مگر میں ان کے سنہرے مستقبل کے لئے خود کو بھلا رہا تھا میں نے صرف ان کے لئے یہ شعلوں کا حصار اپنایا تھا۔ صرف ان کے لئے۔ حریم' نازیہ' فرح' رشنا اور ماں یہ تو میری حیات کے ستون تھے ان سے انحراف۔ دیوانے ہیں سرے کالے دلوں کے لوگ کالی دنیا کے باسی۔ اس عالم میں' میں نے سوچا کہ میں اپنا ٹارگٹ پورا کر لوں اس کے بعد انہیں دھتکار دوں گا۔ اپنے بچوں پر توجہ دوں گا فرخ کو اعلیٰ تعلیم دلاؤں گا حریم کی شادی کروں گا اور جان سے پیاری رشنا کے لئے ایک محفوظ مستقبل تعمیر کروں گا۔

بہرحال ڈھائی سال کے بعد مس شملا' ڈھائی سال کے بعد میں وطن آیا وہ لوگ میرے

ساتھ نہ تھے لیکن مجھے معلوم تھا کہ وہ سائے کی طرح میرے پیچھے ہیں۔ مگر مجھے کوئی یاد نہ تھا میں ان سب کے تصور میں کھویا ہوا تھا۔ مجھے اپنی دنیا آباد ملی۔ نازیہ نے کسی کو بددل نہ ہونے دیا تھا۔ حریم میرے بچوں کی آپا بنی ہوئی تھی۔ دونوں شدید محنت کر رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے اپنے ذہن میں زندہ رکھا تھا ان کا دعویٰ تھا کہ میں واپس آؤں گا بچے میرے گھر تھے سب کو شادی مرگ ہو گیا سب مجھے دیکھ کر سکتے میں رہ گئے اور میں نے انہیں اپنے وجود میں بھر لیا۔ نازیہ نے شکوے کیے۔ حریم ناراض ہوئی ماں نے آنسو بہائے پھر مجھے سب نے معاف کر دیا میں ان کے خوابوں کی تعبیر لے آیا تھا۔ ان کے بیچ آ کر میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ مجھے یاد نہ رہا تا کہ میں کیا ہوں' میں شوہر تھا' بیٹا تھا باپ تھا بھائی تھا۔ اور میں نے ان کے لئے ایک حسین مستقبل تلاش کیا تھا۔ میں نے ایک خوبصورت مکان خریدا اور انہیں اس میں محفوظ کر لیا۔ دونوں بچوں کو بہترین اسکول میں داخل کیا۔ تمام انتظامات کر دیئے ان کے لئے میں سب کچھ بھول گیا۔ دو ماہ سکون سے گزر گئے تب مجھے میرے نئے گھر میں لائڈسن کا فون موصول ہوا۔

"ہیلو.... میں لائڈسن بول رہا ہوں۔"

"اوہ تم آ گئے۔"

"آ گئے کیا مطلب۔ ہم تو تمہارے ساتھ ہی آئے تھے۔"

"میں جانتا ہوں' مگر تم اب تک یہاں ہو۔"

"ہاں اور لاکھوں روپے کا نقصان کر چکے ہو۔"

"مطلب۔"

"پورے دو ماہ ہو گئے۔ کیا اب بھی تمہارا دل نہیں بھرا احتشام اصغر اب یہ تاخیر ناقابل برداشت ہے۔ کیا ارادہ ہے تمہارا۔"

"اگر میں تم سے کہوں کہ اب میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ تو۔"

"نا سمجھی کی باتیں مت کرو۔ تم ایسا نہیں کر سکتے اگر تم ہمارے درمیان سے نکل گئے تو ڈائمنڈ لائنز ٹوٹ جائے گا۔ ہم یہ رسک نہیں لے سکتے کہ اسے پھر سے چار آدمیوں کے درمیان چلائیں۔"

"تم لوگ مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔"

"ہم تم سے دوستی کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ ایسا مت کرو۔"

"ہاں اس اپیل پر غور کیا جا سکتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ اور پھر میں دوبارہ ان کا ساتھ دینے پر تیار ہو گیا۔ میں نے اپنی واپسی کا ارادہ گھر والوں پر ظاہر کیا تو سب رو پڑے۔

"اب اور کیا چاہئے آپ کو۔ ہم نے تو کچھ نہ ہونے پر بھی خود کو آپ کے لئے زندہ رکھا۔ بچوں کو، مجھے، حریم کو ماں کو آپ کی ضرورت ہے۔"

"چند روز اور میری جان فقط چند ہی روز....." میں نے نازیہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں اس سب کچھ کی بجائے آپ کی ضرورت ہے۔"

"اس بار واپس آؤں گا تو ہمیشہ کے لئے۔ پھر نہیں جاؤں گا وعدہ کرتا ہوں۔"

"بیٹا نہ جاؤ۔ بیٹا اب کیا کرو گے۔ یہی سب کچھ ہے ابو آپ کہیں نہ جائیں۔" اپیلیں کی گئیں مگر مجھے جانا پڑا۔ سب کو روتا چھوڑ کر میں چل پڑا اور اب میں نے طوفانی انداز میں کام شروع کر دیا۔ سوئزر لینڈ کا ڈائمنڈ بلور لوٹ کر ہم نے کروڑوں ڈالر کے ہیرے چرا لئے اور انہیں بین الاقوامی منڈی میں فروخت کیا دنیا کے بیشتر ممالک میں شاندار بزنس کیا اور ایک سال میں میرا ٹارگٹ پورا ہو گیا۔ تب میں نے لائڈسن سے کہا۔

"تم لوگوں کو اپنی اس مختصر زندگی کے لئے اب مزید کتنی دولت کی ضرورت ہے۔"

"دولت۔ اس کی ضرورت تو آخری سانس تک رہتی ہے۔ کیوں یہ سوال کیوں کیا تم نے۔"

"اس لئے کہ میں اب گوشہ نشین ہونا چاہتا ہوں اب میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہوں گا۔"

"تم پر پھر وحشت سوار ہوئی۔"

"بکواس مت کرو۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"گویا ڈائمنڈ الائنز ختم۔"

"تم لوگ اسے قائم رکھو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"اور ہر وقت تمہارے خوف کا شکار رہیں۔"

"یہ تمہاری جہالت ہے۔ میں خود بھی اس کا کارکن رہا ہوں اسے کوئی نقصان پہنچا تو میری گردن بھی گرفت میں آ جائے گی۔ اس لئے یہ خیال دل سے نکال دو۔"

"مگر تم ہمارے وجود کا سب سے اہم حصہ ہو احتشام۔"

"میرے لئے کوئی گنجائش مشکل ہے۔"

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔"

"قطعی۔"

"او کے احتشام۔ لیکن ہم کوشش کریں گے کہ تم ہم میں واپس آ جاؤ۔" لائڈسن نے کہا اور میں ان سے رخصت ہو کر چل پڑا۔ میرا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ بالآخر میں نے

وہ مقام پھر سے بنا لیا تھا جسے ڈیڈی نے کھو دیا تھا مس شہلا۔ میں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ بس اب ایک گھریلو انسان بن چکا تھا۔ میں نے ایک ایک کے لئے تحائف خریدے۔ میرا دل ان کے پیار سے پھٹ رہا تھا میں ان کے لئے خوشخبری لے کر جا رہا تھا کہ میں اب ان کے ساتھ رہوں گا۔ بہت سے فیصلے کئے تھے میں نے انہی میں اینٹیکس شی بھی تھا۔ میں نے یہ کاروبار سوچا تھا اپنے مستقبل کے لئے۔ اور مس شہلا میں اپنے وطن واپس آ گیا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے اپنے گھر میں قدم رکھا۔ میں انہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا مگر وہ مجھ پر سبقت حاصل کر گئے۔ انہوں نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ سب گھر کے آخری کمرے میں موجود تھے۔ ایک جگہ جمع تھے وہ۔ سب جاگ رہے تھے مگر سو رہے تھے مگر سو رہے تھے۔ موت کی ابدی نیند ہاں وہ سب سو رہے تھے۔"

"او مائی گاڈ۔" شہلا کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا۔ "م۔ موت کی نیند۔" بمشکل تمام اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں شہلا۔ لائڈسن نے اس کے ساتھیوں نے مجھ سے علیحدگی کا انتقام لیا تھا لائڈسن نے کہا تھا کہ ہم کوشش کریں گے تم ہم میں واپس آ جاؤ۔ اس نے سمجھا تھا کہ ان لوگوں سے جدا ہو کر میں بالآخر ان ہی میں واپسی کا فیصلہ کروں گا۔ اور پھر کوئی خدشہ نہ رہے گا..... مگر مس شہلا۔ آپ جانتی ہیں آپ سب کچھ جانتی ہیں۔ مجھے دولت کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو ان کے لئے سنہرے مستقبل کی تلاش میں نکلا تھا۔ اور جب میں ان کے لئے سنہرا مستقبل لایا تو وہ جا چکے تھے۔ سب کے سب ایک ساتھ چلے گئے تھے۔ سب مجھ سے ناراض ہو گئے تھے۔"

شہلا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس کا دل زخمی چڑیا کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ یہ دل سوز داستان سن کر وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔ دانش گردیزی کا چہرہ پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"نہیں لائڈسن نے مار دیا تھا۔ ایک زہریلی گیس کے ذریعہ جسے وہ میرے سامنے بھی استعمال کر چکا تھا اور ان کی موت کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا میں ان لوگوں سے جدا ہو کر ان کے لئے تحائف خریدنے میں مصروف رہا تھا اور وہ سیدھے یہاں آ گئے تھے۔ وہ میرے لئے ان کی لاشوں کا تحفہ چھوڑ گئے تھے۔ مگر مس شہلا یہ ناممکن تھا بھلا یہ بھی اس کہانی کا اختتام ہو سکتا تھا مجھے یہ اختتام قبول نہ تھا۔ میری کائنات اس طرح کیسے فنا ہو سکتی تھی۔ میں نے تو سب سے کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی وہ مجھے معاف کر دیں۔ حریم بولی۔

"ہم نے آپ کو روکا تھا بھیا۔"

"تم نے ہمارے لئے غلط راستے اپنائے۔ یہ بہتر نہ تھا۔"
ماں نے کہا۔

"ہم مر گئے احتشام۔ ہمارے بچے بھی مر گئے۔ کیا ہی حسین مقتل تلاش کیا تھا تم نے ہمارے لئے۔" اس نے شرمندگی سے کہا۔
نازیہ نے کہا۔

"نہیں نازیہ تم سب زندہ ہو۔ میں مر گیا ہوں تم سب زندہ رہو گے اور مس شہلا میں مر گیا میں نے مر کر سوچا کہ میں کیا کروں۔ اور میری سمجھ میں ایک تدبیر آ گئی۔ اپنی زندگی میں مجرمانہ سرگرمیوں کے دوران میری ملاقات ایک مصری نوجوان سے ہوئی تھی جو ماہر حنوط تھا یہ اس کا خاندانی پیشہ تھا اور وہ اس میں کمال رکھتا تھا۔ میں نے تار دے کر اسے فوراً طلب کر لیا اور وہ آ گیا۔ میں نے اسے ان سب سے ملایا اور اس سے کہا کہ وہ انہیں دائمی زندگی دے دے۔ میں ان کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا میں نے اس کے سامنے دولت کے انبار لگا دیئے۔ یہ دولت انہی کے لئے تو تھی مس شہلا مجھے بھلا اس کا کیا کرنا تھا۔ بہر طور میں نے اسے تیار کر لیا اور وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اسے مصروف کر کے میں نے ان کے لئے مناسب آرام گاہ کا بندوبست شروع کر دیا میں پوری طرح باعمل تھا اور ڈائمنڈ لائنز کے لوگ یہ بات جانتے تھے کہ میں ایک ذہین آدمی ہوں انہوں نے بارہا اس کا اعتراف کیا تھا چنانچہ مس شہلا اس مکان کی تشکیل ہوئی یہ گھر تعمیر ہوا میں نے ان لوگوں کو ایک سنہرا مستقبل دینے کا وعدہ کیا تھا میری بساط بس اتنی ہی تھی مس شہلا کہ میں نے انہیں یہ گھر دے دیا میرے مصری نوجوان دوست نے انہیں دائمی زندگی دے دی اور اس کے بعد مس شہلا میں ان کے درمیان زندگی بسر کرنے لگا۔ میں نے ان ہی میں دنیا بسا لی ان کے علاوہ اس کائنات میں میرا اور تھا بھی کون۔ میرے بچے میری بیوی' میری ماں' میری بہن میرا گھر یہ سب میری کائنات ہے۔ شہلا اور میں اس کائنات میں جی رہا ہوں۔ پھر یوں ہوا کہ کچھ دن گزر جانے کے بعد جب میں نے ان لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے میں آخر اپنے تمام معمولات سے فارغ ہو چکا تھا اور زندگی کو ایک ڈھب پر لانے کے لئے مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا چنانچہ میں نے ان سب کے مشورے سے الیکس سٹی قائم کیا اور اپنے کاروبار کا آغاز کر دیا میں جب بھی ان سے ملتا ان کی آنکھوں میں میرے لئے شکایت کے آثار نظر آتے۔ میں نے ایک دن حریم سے یہ سوال کر ڈالا تو حریم ناراضی سے بولی کہ ان لوگوں کو میں نے معاف کر دیا جنہوں نے میرے اور ان کے درمیان زندگی کا رشتہ ختم کر دیا ہے میں نے واقعی شرمندگی محسوس کی اور دل میں سوچا کہ یہ بات تو درست ہے بھلا وہ لوگ زندہ کیوں ہیں میں نے حریم سے وعدہ کیا' ماں سے وعدہ کیا کہ میں انہیں بدترین موت ماروں گا اور یہ بدترین موت یہ تھی ڈیئر شہلا کہ میں انہیں زندہ جلا دوں اور تم جانتی ہو بلکہ

جان چکی ہو گی کہ میری ذہانت میں کوئی کمی نہیں ہے میں نے اس دنیا سے ہر قسم کے جھگڑے ختم کر دیئے تھے۔ بھلا ایک ایسا آدمی جس کے اردگرد اس کا ماں' بہن' اور بچے پھیلے ہوئے ہوں کہیں جنگ و جدل کر سکتا ہے لیکن میں نے اپنا فرض پورا کرنا ضروری سمجھا تھا ان لوگوں کو واقعی زندہ نہیں رہنا چاہئے تھا۔ البتہ یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ جرائم پیشہ ہیں اور ان کی موت اتنی آسان نہیں ہو گی تاہم اتنا عرصہ ساتھ رہنے کے بعد میں نے ان کی ذہنی پہنچ کے اندازے بھی لگا لئے تھے اور اپنے آپ کو اتنا بے بس نہیں سمجھا تھا مس شہلا میں پلاننگ کرنے لگا اور میں نے ایک طویل ترین پلاننگ کر ڈالی میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کو فنا کرنے کے لئے مجھے کیا طریقہ کار اختیار کرنا ہو گا ادھر اینٹیکس سٹی دانش گردیزی کے نام سے شروع ہو گیا میں نے اپنا نام تبدیل کر لیا تھا اپنی اس نئی پلاننگ کے تحت اور اس کے بعد جب میں یہاں کے معاملات سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر میں نے ان کی تلاش شروع کر دی لائڈسن نے یہ بات بالکل درست کہی تھی کہ ایک آدمی کے اپنے درمیان سے ہٹ جانے کے بعد وہ ڈائمنڈ گروپ کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے غالباً یہ ان کا خوف تھا اور انہیں یہ احساس تھا کہ کوئی بھی ان سے علیحدہ ہو جانے والا آدمی ان کی نشاندہی کر سکتا ہے اور وہ گرفتار ہو سکتے ہیں اسی لئے میری معلومات کے نتیجے میں مجھے یہ پتہ چلا کہ ڈائمنڈز لائنز کا اب کوئی وجود نہیں ہے تمام لوگ علیحدہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے اپنے لئے نئے نئے راستے اختیار کر لئے ہیں خوش قسمتی سے سب سے پہلے مجھے جس شخص کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں وہ جگن ناتھ ترپاٹھی تھا جو اب اپنے ملک میں ایک نیتا کی حیثیت سے مشہور ہو رہا تھا کم بخت الیکشن میں حصہ لے رہا تھا اور اپنے وطن کی حکومت میں نمایاں مقام حاصل کرنا چاہتا تھا اس سلسلے میں اس کی تصاویر وغیرہ بھی شائع ہو رہی تھیں بس میرے لئے آسانی ہو گئی وہ بہترین پوزیشن حاصل کر چکا تھا تین دن کے بعد الیکشن ہونے والا تھا کہ میں اس تک پہنچ گیا اور مائی ڈیئر مس شہلا میں نے جگن ناتھ ترپاٹھی کو اس کے کمرے میں بند کر کے پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی میں نے اسے زندہ جلا دیا تھا وہ جل کر کوئلہ ہو چکا تھا اور اس کا جسم ایسا نہیں رہا تھا کہ اسے محفوظ کیا جا سکے چنانچہ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے دوسرے لوگوں کے بارے میں معلومات شروع کر دیں' لائڈسن کے بارے میں مجھے پتہ چلا کہ وہ ان دنوں لندن میں ہے اور میں لندن پہنچ گیا۔ میں لائڈسن کی مصروفیات کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر ایک دن جب وہ لندن کے ایک نائٹ کلب میں اپنی کار میں بیٹھ کر واپس چلا تو اس کی کار کے دروازے جام ہو چکے تھے میں نے اپنی ذہانت اور مہارت سے کام لے کر یہ عمل کیا تھا پر ایک ہیوی گاڑی سے اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ

ہوا۔ پیٹرول کا ٹینک پھٹا اور گاڑی میں آگ لگ گئی۔ لائڈسن کا بدن بہت ٹکڑوں کی شکل میں گاڑی سے نکلا گیا تھا وہ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ یوں مائی ڈیئر مس شہلا دو آدمی ہلاک ہو گئے تیسرا آدمی گیری کوپ غائب تھا اور چوتھا آدمی شہریار یعنی ظاہر یزداں وہ بھی لاپتہ تھا۔ میں طویل عرصے تک ان لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا تو مجھے پتہ چلا کہ گیری کوپ اس وقت ہانگ کانگ میں ہے اور عیش کی زندگی گزار رہا ہے اس نے بھی ایک کاروبار شروع کر دیا ہے چنانچہ میں نے دانش گردیزی کی حیثیت سے گیری کوپ کو اس کے کاروبار کے سلسلے میں طلب کر لیا اور اسے کچھ ایسے حوالے دیئے کہ وہ یہاں تک آنے کے لئے مجبور ہو گیا میں نے ڈی جی کی حیثیت سے اس سے اپنا تعارف کرایا تھا اور گیری کوپ بالآخر یہاں پہنچ گیا۔ اور مائی ڈیئر مس شہلا جیسا کہ وہ انسپکٹر تمہارا گل شاہ ہی نام ہے نا اس کا تو جیسا کہ اس انسپکٹر کا کہنا ہے کہ آخر گیری کوپ کو اس طرح جلا کر ہلاک کیوں کیا گیا تو اب تم سمجھ گئی ہو گی کہ اس سے میرا مقصد تھا بھئی معاف کرنا سب لوگوں سے وعدہ کیا تھا وعدے کی تکمیل تو انتہائی ضروری ہوتی ہے نا میں نے اپنی بہن ماں بیوی اور بچوں سے ہمیشہ وعدے نبھائے ہیں ان کے لئے میں نے ایک سنہرا مستقبل تلاش کیا اور انہیں زندگی کی ہر خوشی بخش دی تو اس کے بعد میں بھلا وعدہ خلافی کیسے کر سکتا تھا چنانچہ گیری کوپ کا بھی کام تمام ہو گیا باقی رہ گیا تھا ظاہر یزداں تو ظاہر یزداں کے سلسلے میں واقعی میری معلومات بڑی ناقص رہیں اور بالکل پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں ہے اور اس کی وجہ آپ جانتی ہیں مس شہلا اس کم بخت نے بھی اپنا نام تبدیل کر لیا تھا اور اپنے آپ کو شہریار کے نام سے روشناس کرایا تھا اسی دوران شہریار کی ملاقات شیرازیمان سے ہو گئی جو اسمگلر لڑکی تھی دونوں میں دوستی ہو گئی اور پھر شاید شادی بھی لیکن شہریار کو شادی نہیں کرنی چاہئے تھی اس نے ایک ایسا جرم کیا تھا جو بالآخر اس کی موت بننے والا تھا۔ غالباً اسے بھی یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ تین آدمی اس طرح جل کر کیوں ہلاک ہوئے ہیں اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی چنانچہ ایک سمت میں اس کی تاک میں تھا دوسری طرف وہ کم بخت میری تاک میں لگ گیا اور بالآخر اس نے میرا پتہ چلا لیا وہ میرے بارے میں معلومات حاصل کر کے مجھے ہلاک کر دینے کا خواہشمند تھا اور یہ کام اس کے لئے مشکل نہیں تھا کیونکہ ایلیکس سٹی کا تذکرہ ایک بار اس سے ہو چکا تھا اور میں نے یونہی رواداری میں اسے بتایا تھا کہ اگر زندگی میں کبھی سکون حاصل کیا تو میں ایک ایلیک سٹور کھولوں گا چونکہ یہ میری پسندیدہ چیز ہے۔ شہریار یا ظاہر یزداں کو ایلیکس سٹی سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ میں کہاں ہوں اور اتفاق کی بات یہ ہے مس شہلا کہ اس دن جب آپ میرے گھر سے باہر نکل رہی تھیں ظاہر یزداں یہیں آس پاس موجود

تھا اس نے آپ کو ٹریس کیا اور یہ سمجھا کہ آپ کا مجھ سے گہرا تعلق ہے چنانچہ شیرازیمان نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کے ذریعے مجھ تک پہنچنے کا منصوبہ بنایا وہ لوگ یہ کام کر رہے تھے اور اپنے طور پر کامیابیاں حاصل کرتے جا رہے تھے لیکن ان کی بدبختی کہ مجھے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ظاہر یزداں یہاں موجود ہے میں نے اسے دیکھ لیا تھا ایک دن وہ ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ مجھے نظر آ گیا اور ظاہر ہے میں اس کو نہ پہچانتا تو پھر اس دنیا میں کسی اور کو کیسے پہچان سکتا تھا چنانچہ میں نے ظاہر یزداں کا تعاقب شروع کر دیا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ کہانیاں میرے علم میں آتی رہیں یہ دیکھ کر مجھے حیرانی ہوئی کہ آپ اس کے ساتھ ہیں اور میں نے تمام معلومات حاصل کر لیں کہ کس طرح شیرازیمان نے آپ کو اپنے دام فریب میں پھانسا ہے' مس شہلا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس دن میں پورے خلوص کے ساتھ آپ کے پاس پہنچا تھا آپ کے بارے میں یہ معلومات حاصل کر کے کہ میری اس دن کی گفتگو کس طرح آپ پر اثر انداز ہوئی تھی مجھے بہت دکھ پہنچا تھا میں آپ سے چاہتا تھا کہ آپ ظاہر یزداں کو کسی طرح میرے پاس لے آئیں اور نہ جانے کیوں مجھے آپ سے یہ توقع ہو گئی تھی۔ مس شہلا میرے دل میں آپ کے لئے کوئی برائی نہیں تھی بس بعض اوقات میں شدید جھنجلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہوں۔ نہ جانے کیا کیفیت ہو جاتی ہے میری بہرحال ظاہر یزداں کے معیار کو نہیں پا سکتا تھا میری دور اندیشی نے تو اس کے لئے یہ چور راستہ بھی رکھا تھا جس سے آپ پہلی بار اندر آئیں مجھے یقین تھا کہ اسے ان تینوں کی موت سے ضرور احساس ہو جائے گا اور یہی ہوا میں نے ڈکٹوفون پر اس کی پلاننگ سنی اور آپ کو پھر اشتعال دلا دیا تاکہ آپ اسے لے آئیں اور مس شہلا سب کچھ' سب کچھ میری پلاننگ کے لحاظ سے ہوا آپ نے مجھ پر یہ احسان کر ڈالا۔ مس شہلا آپ کا شکریہ' بے حد شکریہ' وہ بے حد ممنون نظر آ رہا تھا اور شہلا اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ انوکھی داستان تھی یہ بھی ایک قاتل اس کے سامنے تھا ایک اسمگلر اس کے سامنے تھا لیکن اس کا دل اس سے شدید ہمدردی محسوس کر رہا تھا وہ اس کالی دنیا کا انسان نہ تھا۔ وہ مظلوم تھا اس نے جن لوگوں کے لئے تمام عمر جدوجہد کی تھی انہیں اس سے چھین لیا گیا تھا یہ پاگل ہو چکا تھا ہوش مند کہاں تھا وہ۔ اور اس دیوانے کے لئے شہلا کا دل رو رہا تھا۔ وہ یکایک بول پڑا۔

"آپ نے بارہا میرے گھر والوں کے بارے میں پوچھا مس شہلا اور اس دن شاید آپ انہی کی تلاش میں یہاں آئی تھیں۔ مجھ سے ایک بار غلطی ہو چکی تھی۔ میں ان کے تحفظ میں ناکام رہا تھا۔ بار بار تو ایسا نہیں ہو سکتا تھا اب وہ بالکل محفوظ ہیں۔ ملواؤں ان سے..... سب آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ ایک منٹ' میں آپ کو ان سے ملاتا ہوں۔" وہ

اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ شہلا پتھرائی ہوئی نظروں سے اس کی کارروائی دیکھتی رہی پھر دیواروں کے تختے سیدھے ہوئے اور شہلا کے حلق سے پھر ایک بے معنی آواز نکل گئی۔ تابوتوں میں لیٹے ہوئے حنوط شدہ اجسام اس کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ ایک خوبصورت نو سالہ لڑکا' ایک معصوم گڑیا جیسی بچی' ایک نوجوان لڑکی' ایک خوب صورت عورت اور ایک ضعیف العمر عورت وہ سب سکون کی نیند سو رہے تھے۔

"فرخ..... مائی ڈیئر فرخ..... دیکھو بھئی کون ہے۔ یہ شہلا آنٹی ہیں اخبار میں کام کرتی ہیں۔ ہیلو کو بیٹے۔ مس شہلا یہ میرا بیٹا ہے بے حد شریر مگر بہت ذہین اور یہ میڈم رشنا ہیں۔ رشنا جان آنٹی کیسی لگیں آیئے مس شہلا پہلے آپ کو اپنی ماں سے ملاؤں۔ زمین پر خدا کا عکس میری ماں' ماں یہ بہت اچھی انسان ہیں شہلا ہے ان کا نام۔ حریم دیکھو بیٹے کون آیا ہے تم ان سے اخبار میں اپنا انٹرویو چھپوا دو تصویر بھی چھپے گی تمہاری اور تصویر دیکھ کر شاید کوئی شہزادہ تمہاری تلاش میں آ جائے۔" وہ ہنس پڑا..... شہلا بے اختیار رو پڑی تھی مگر وہ شہلا سے بے نیاز تھا' پھر اس نے کہا۔

"اور یہ ہیں ہماری بیگم نازیہ..... بس ان کے بارے میں کیا کہیں..... یوں سمجھ لیں مس شہلا یہ..... ارے..... آ رو رہی ہیں..... شاید آپ انہیں مردہ تصور کر رہی ہیں نہیں جناب یہ اجازت نہیں دی جا سکتی آپ کو..... یہ سب..... زندہ ہیں..... بس یہاں آرام کرتے ہیں یہ لوگ..... سب اپنی اپنی فرمائشیں پوری کراتے ہیں' باقاعدہ سالگرہ ہوتی ہے ان کی..... ایک بار لاپروائی ہو جائے تو پھر ان کی ناراضگی دیکھو توبہ توبہ..... یہ اکثر مجھ سے ناراض ہو جاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ میں ان سے دور چلا جاتا ہوں۔ اب کچھ مجبوریاں بھی تو ہوتی ہیں..... مگر خیر..... یہ بھی کیا یاد کریں گے۔ مس شہلا آج آپ کی گواہی میں ہم ان کی یہ ناراضگی بھی دور کر دیں گے۔ مگر نازیہ شہلا جی کا یہ احسان نہ بھولنا۔ انہوں نے ہماری بہت مدد کی ہے۔ ہاں مس شہلا..... آپ کے ذہن میں ظاہر یزداں ضرور ہو گا۔ میں اس کی ایک ایک جنبش سے واقف تھا جس وقت آپ لوگ یہاں کے لئے چلے میں آپ کے پیچھے تھا۔ آپ عقبی راستے سے اندر داخل ہوئے میں سامنے سے آیا۔ اور پھر میں نے آپ کی تمام کارروائی دیکھی وہ بے وقوف یہاں رک کر میرا انتظار کرنا چاہتا تھا تاکہ مجھے ہلاک کر سکے۔ آپ کو وہ یرغمال بنا کر رکھنا چاہتا تھا تاکہ اگر اسے کوئی مشکل پیش آئے تو آپ کو ڈھال بنا لے۔ مگر میں نے اسے چھوٹ کر دیا۔ شیرازمان کو میں نے کچن میں پکڑ لیا اور اسے بھاگنے کا موقع دیا تاکہ وہ دوڑا چلا آئے اور ایسا ہی ہوا۔ میں اسے اس کمرے تک لے آیا جہاں میں نے اس کے استقبال کا بندوبست کیا تھا۔ یہ کمرہ بھی خفیہ ہے مس شہلا

سامنے کے حصے سے جو تیسرا کمرہ ہے نا..... اس میں ایک ایسا ہی سیاہ بٹن ہے آپ اسے دبائیں گی تو کمرہ کھل جائے گا۔ وہاں ظاہر یزداں کی لاش کوئلے کی شکل میں آپ کو مل جائے گی۔ شیرازمان بھی وہیں بے ہوش پڑی ہے میں نے اسے کچھ نہیں کہا ظاہر ہے اس بے چاری سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے وہ طاہر کی موت کے منظر سے بے ہوش ہو گئی ہے۔ امید ہے آپ کا سارا تجسس دور ہو گیا ہو گا اور یہ کہانی کیسی ہے مس شہلا کچھ مزا آیا نا..... آپ اسے ضرور لکھ دیں میری طرف سے اجازت ہے اور پھر ذکر ہمارا ہماری بیگم کا اور یہاں ہماری وجہ سے رو رہی ہیں ہم سب تو خوش ہیں دیکھئے حریم مسکرا رہی ہے۔ وہ ہنس پڑا..... پھر بولا۔

"محترمہ شہلا صاحبہ..... ڈرائنگ روم کا پورا فرنیچر آپ تحفہ میں قبول فرمائیں اس کے عوض ہمارا ایک کام کر دیں' کر دیں گی نا وعدہ کریں۔ بتاؤں کیا کرنا ہے آپ کو.....؟"

شہلا کی سسکیاں جاری تھیں وہ بولا..... "لالہ زار کے قبرستان میں ایک زمین خریدی ہوئی ہے میں نے' گورکن کے پاس رجسٹر میں آپ اسے احتشام اصغر کے نام سے تلاش کر سکتی ہیں۔ ہم سب کی تدفین آپ اسی جگہ کرا دیں۔ آپ کا احسان ہو گا۔ یہ کام کر دیں گی مس شہلا.....؟"

شہلا چونک پڑی۔

"آپ..... مسٹر دانش..... مسٹر احتشام.....؟"

"سارے کام ہو گئے مس شہلا۔ اب گھر جانا ہے۔ ہم سب ساتھ رہیں گے آپ ہماری خوشیوں میں شریک ہو جائیں..... یہ احسان آپ کو ضرور کرنا ہو گا مس شہلا..... آپ کو خدا کا واسطہ..... گل شاہ کا کام بھی ختم ہو گیا۔ مگر وہ بے چارا....." وہ پھر ہنس پڑا۔ "آپ کو ایک بات بتاؤں مس شہلا۔ انسپکٹر گل شاہ زبردست پولیس فورس کے ساتھ پوری عمارت میں چکراتا پھر رہا ہے۔ وہ پریشان ہے کہ یہاں داخل ہونے والے کہاں غائب ہو گئے۔ آپ کے پیچھے سائے کی طرح لگا آیا ہے۔ ویسے اچھا انسان ہے بے چارہ آپ کو باہر مل جائے گا۔ واپسی کا راستہ آپ کو کھلا ملے گا یہ سارے جھگڑے آج تک کے لئے تھے اب سارے دروازے کھل گئے ہیں۔ اس لئے ان کا تمام میکنزم ناکارہ کر دیا ہے۔"

"آپ..... آپ میرے ساتھ باہر چلئے مسٹر احتشام....." شہلا نے بمشکل کہا۔

"ارے رے رے..... ان لوگوں کو دیکھیں آپ..... سب ناراض ہو رہے ہیں آپ کی اس بات پر..... یہ دیکھئے..... یہ کیا ہے.....؟" اس نے جیب سے ایک گولی نکال کر شہلا کے سامنے کر دی۔ "جانتی ہیں یہ کیا ہے.....؟ نہیں جانتی ہوں گی۔ یہ سائنائٹ ہے۔ اس کے

خواص جانتی ہوں گی۔ ایک منٹ میں اس کا مظاہرہ کرتا ہوں۔" وہ آگے بڑھ کر اس میز پر لیٹ گیا جو ایک سمت پڑی تھی۔

"لیٹنا ضروری ہے کیونکہ اس کے زبان پر پہنچنے کے بعد دوسری کوئی جنبش ناممکن ہوتی ہے۔ اوکے مس شملا.... خدا حافظ.... خدا آپ کو خوش رکھے۔"

اس نے سائنائٹ کی گولی منہ میں ڈال کر آنکھیں بند کرلیں.... اور شملا اپنی آنکھوں میں آنسو بھرے جانے کتنی دیر تک اسے کھڑی دیکھتی رہی۔

* * * * * * * * * *

نیلا سورج

حاذق دانیال ایک بڑے تاجر تھے اور نہایت دولت مند تھے۔ تجارت کی دنیا میں وہ ایک بااصول صاف ستھرے تاجر تسلیم کیے جاتے تھے۔ انہوں نے یہ نظریہ غلط کر دکھایا تھا کہ تجارت میں ہیرا پھیری کے بغیر کامیابی نہیں حاصل کی جا سکتی۔ طارق دانیال ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ گیارہ سال کا تھا جب زہرہ طرب اسے حاذق دانیال کے حوالے کر کے راہیٔ ملک عدم ہوئیں۔ حاذق دانیال نے زندگی کے چھ سال یہ تجربہ کرتے ہوئے گزارے کہ تنہا زندگی گزارنا ممکن ہے یا نہیں۔ تجربے نے بتایا کہ نصف بہتر کے بغیر زندگی کا نصف گزارنا ممکن نہیں۔ چنانچہ انہوں نے پہلے بیٹے کو امریکہ روانہ کیا اس کے بعد فردوس جہاں سے شادی کر لی۔ سترہ سالہ طارق دانیال نے تعلیم کو زندگی بنا لیا۔ باپ صرف مالی معاونت کرتے تھے لیکن ہوسٹن یونیورسٹی نے اس ہونہار طالب علم کی علمی کاوشوں کے اعتراف میں ایک مناسب وظیفہ جاری کر دیا جس کے بعد طارق نے باپ کو لکھ دیا کہ اب اسے ان کی کسی کفالت کی ضرورت نہیں ہے۔ طارق نے کبھی باپ پر یہ ظاہر نہ کیا کہ دوسری شادی کر کے اسے سایہ شفقت سے محروم کر دینا ایک ظالمانہ عمل تھا اور اسے اس کا دکھ ہے لیکن بے اندازہ دولت کے مالک باپ کے بیٹے نے صرف یونیورسٹی کے وظیفے پر گزارہ کر کے باپ کو یہ احساس دلا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے سائنس کی دنیا میں اپنی عظیم فتوحات کی اطلاع کبھی خود باپ کو نہ دی' ہاں اخبارات خاموش نہ رہتے تھے۔ باپ مبارک باد کے خطوط لکھتا تو وہ کبھی ان کے جواب نہ دیتا۔ کئی بار اسے بلایا گیا لیکن اس نے تعلیمی مصروفیات کا ذکر کر کے معذرت کر لی۔ یہاں تک کہ اسے جب باپ کی موت کی اطلاع ملی تو وہ چند لمحات خاموشی اختیار کر کے اپنے تجربے میں مصروف ہو گیا۔ بعد میں سوتیلی ماں کو تعزیتی خط لکھتے ہوئے اس نے وضاحت کر دی کہ وہ اپنی بقیہ زندگی جائداد کی تقسیم کے اضطراب میں نہ گزارے۔ یہ خط تمام جائداد سے دستبرداری کی دستاویز بھی ہے جسے عدالت میں پیش کر کے وہ سب کچھ اپنے نام کرا سکتی ہے۔ عجیب سیر چشم انسان تھا اور اس کی وجہ بھی تھی۔ اس کی نگاہ بیکراں خلاء پر تھی۔ بھلا یہ چھوٹی سی دولت اس کی نگاہ میں کیا سماتی۔ علم فلکیات میں وہ اپنی برتری منواتا جا رہا تھا اور بہت سی تقاریب میں اس کے مقالوں پر ملنے والے گولڈ میڈل عموماً" اسے تجب

گاہوں میں پہنچا دیے جاتے تھے۔ کیونکہ ہر بار وعدے کے باوجود وہ ایک بار بھی کسی تقریب میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ اسپیس شپس کے لئے اس کے بنائے ہوئے "ٹیلی پورٹرز" نے بڑے بڑے ماہرین کو ششدر کر دیا تھا۔ اٹھارہ سیاروں پر مشتمل آئنز کی وسیع و عریض مملکت کو "ہیلیو سسٹم" کا نام اسی نے دیا تھا اور انکشاف کیا تھا کہ ان کا سورج نیلے رنگ کا ہے۔ اور اندازہ ہوتا ہے کہ "سکس" نامی سیارے کو ہیڈ کوارٹر بنایا گیا ہے جہاں کوئی پراسرار کارروائی زیر عمل ہے۔ اس انکشاف نے سائنسی دنیا کو تھرا دیا تھا۔ پھر اس نے ایسے "مائیکرو ایلیمنٹس" تیار کر کے خلائی تحقیقاتی اداروں کے حوالے کیے تھے جنہیں اسکائی پیس کو روانہ کرنے کے بعد ان کے ذریعے اس کے انکشافات کی تصدیق ہو گئی۔

اب اسے دو کرداروں کا ذکر ضروری ہے۔ جن میں سے ایک کا تعلق طارق دانیال کی زندگی سے مختصر اور دوسرے کا طویل رہا۔ لیکن دونوں کردار اس کی زندگی کے سفر کو کامیابی سے آگے بڑھانے میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ نمبر ایک روتیرا ہانز.......جو حسین اور پرکشش تھی لیکن صرف شکل و صورت کی حد تک۔ اس کی گفتگو نہایت خشک اور طرز تکلم اس قدر بے حواس ہوتا کہ لمحوں میں اس کی شخصیت کی کشش ختم ہو جاتی۔ عمر رسیدہ لوگوں کا کہنا تھا کہ اس کی عمر کے نوجوان اور اس سے بے تکلف ہونے کے خواہشمند اصل میں اس کے سامنے احساس کمتری کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کس طرح ڈھب پر لائیں۔

روتیرا ہانز بحیرہ کریبین کے ساحل پر آباد جمیکا کے شہر کنگسٹن کی رہنے والی تھی۔ اس کا ماضی تاریک تھا۔ ہاں ہیوسٹن میں اس کا واحد دوست طارق دانیال تھا اور یونیورسٹی کے ہوشمندوں نے انہیں بیشتر کئی کئی گھنٹے ایک دوسرے کے سامنے خاموش بیٹھے دیکھا تھا یا پھر آبزرویٹریز میں خلائی دور بینوں سے خلا میں جھانکتے ہوئے دونوں کے درمیان ایک پراسرار رابطہ تھا۔ اس رابطے کو بہت سے نام دیئے گئے تھے پھر روتیرا ہانز ہوسٹل چھوڑ کر طارق دانیال کے اس چھوٹے سے فلیٹ میں چلی گئی تھی جو شہر کے ایک گوشے میں واقع تھا۔ اس قربت پر بہت سی کہانیاں اور فقرے وجود میں آئے۔ لیکن دونوں میں سے کوئی اس سے کبھی متاثر نہیں ہوا۔

دوسری شخصیت پروفیسر میڈلینو کی تھی جو ہیوسٹن یونیورسٹی کی ناک کا بال تھے۔ انہیں خلائی انسان کہا جاتا تھا اور یہ خلائی انسان ان دونوں سے دلی انسیت رکھتا تھا۔

اسپیس پورٹ سے سکس کا جائزہ لینے کے لئے جو تجاویزی مقالہ طارق دانیال نے تیار کیا تھا۔ وہ آخری مراحل میں تھا کہ اچانک پروفیسر میڈلینو ان کے فلیٹ میں پہنچ گیا۔

"ذرا یہ مقالہ مجھے دکھاؤ......" اس نے خشک لہجے میں کہا اور دانیال نے مقالہ احترام سے پروفیسر کے حوالے کر دیا۔ مقالہ پڑھنے کے بعد اس نے کہا..... "میں اسے پھاڑ دینا چاہتا ہوں"۔

اگر اس میں کوئی ترمیم ممکن ہو تو......؟ طارق دانیال نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں یہ عظیم ہے...... لیکن ....." استاد منتظر تھا کہ کوئی اس سے اس لیکن سے سوال کرے۔ مگر دونوں نظریں جھکائے خاموش کھڑے رہے۔ تب پروفیسر نے کہا "کیا تمہیں دانیال کی زندگی عزیز ہے۔ روتیرا"......روتیرا نے اس انوکھے سوال پر چونک کر اسے دیکھا سوال سمجھا..... اور سہم کر بولی "ہاں"

"تو میرا مشورہ ہے کہ تم دونوں ہیوسٹن چھوڑ دو......!"

"ہاں بہت ہو چکا۔ اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ وہ یا تو تمہیں اغواء کر لیں گے یا ہلاک کر دیں گے"۔

"کون؟" روتیرا نے دہشت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بہت سے بد خواہ لوگ جو تمہاری ذہانت کو تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ تمہارے اہم انکشافات کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ یہ سب کچھ چھپانا چاہتے ہیں۔ اگر انہوں نے تمہیں اغواء کر لیا تو پھر تمہیں زندگی کا آخری لمحہ تک ان کی قید میں گزارنا پڑے گا۔ دوسری صورت میں وہ تم سے نجات حاصل کر لیں گے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"۔

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔" روتیرا ہانز نے پوچھا۔

"تمہیں رک جانا چاہیے...... اس مقالے کی جگہ ایک ایسا بیہودہ مقالہ لکھنا چاہیے جسے ......ن کر یا پڑھ کر لوگ پہلے حیران ہوں، پھر ہنسیں پھر تمہارا مذاق اڑائیں اور بعد میں تم پر ...ت بھیجیں۔ میرے بچے......جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی مناسب ہے۔ سنو...... میں تمہارا ...ہوں......جو کچھ تم کر رہے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے البتہ میں نے سب سے پوشیدہ رکھا ہے اور رکھنا چاہتا ہوں۔"

ان الفاظ پر دونوں کے چہرے دھواں ہو گئے تھے۔ اور دونوں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ "لیکن وہ دیگر بات ہے اور اس کے اظہار سے میں تمہیں باور کرانا چاہتا ہوں کہ میں نے تم پر گہری نگاہ رکھی ہے۔ یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ میں ...ویلیٹ نہیں ہوں اور تمہارا بہترین مددگار ہوں۔ صرف ایک مشفق استاد کی حیثیت سے۔ اپنے ہونہار شاگردوں کے لئے"......پروفیسر میڈلینو نے کہا۔

"ہمیں کیا کرنا چاہئے پروفیسر" اس بار روتیرا کی آواز بھرا گئی تھی۔ پروفیسر نے اسے بغور دیکھا...... پھر مسکرا کر بولا "ایک نجی سوال پوچھوں......؟"

"ضرور پروفیسر......؟"

"کیا تم دونوں میاں بیوی بن چکے ہو...... میرا مطلب ہے کسی بھی شکل میں"

"میاں......بیوی......" طارق دانیال نے سوالیہ انداز میں روتیرا بانز سے پوچھا روتیرا بانز بھی الجھی ہوئی نگاہوں سے طارق کو دیکھنے لگی' پھر اس نے کہا...... "نہیں"۔

"خیر میں اس بارے میں تم سے مزید کوئی سوال نہیں کروں گا۔ لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے وہ تم دونوں کے لئے از حد ضروری ہے بشرطیکہ تمہارے دل میں کچھ اور نہ ہو۔"

بعد میں روتیرا نے کہا "میڈلینو کے الفاظ نے مجھے لرزا دیا ہے تم کیا سمجھتے ہو' کیا اس کا اشارہ ہمارے مشن کی طرف نہیں تھا۔"

"اس نے وضاحت نہیں کی۔ ممکن ہے اس نے کچھ اندازہ لگا لیا ہو۔ کاش وہ اس بارے میں کچھ کہہ دیتا۔ البتہ میں بڑی بے بسی محسوس کرتا ہوں کاش ہمیں کچھ اور وسائل حاصل ہو سکتے۔ میرا خیال ہے روتیرا ہم اس طرح نہ تو اپنا مشن راز میں رکھ سکیں گے اور نہ اسے آگے بڑھا سکیں گے"۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کیا پروفیسر کو رازدار نہ بنا لیا جائے......؟ وہ ایک اچھا انسان معلوم ہوتا ہے۔" روتیرا کچھ سوچنے لگی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ "اس کی باتیں میرے دل کو لگتی ہیں۔ یقیناً" کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو ہمیں اس مقام پر دیکھنا پسند نہ کرتے ہوں گے۔ آہ اب تو یہ جگہ بھی مجھے مشکوک لگنے لگی ہے۔ میں خوفزدہ ہوں۔ اور سنو طارق ......پروفیسر نے ہمارے میاں بیوی ہونے کی بات بھی کی تھی۔ کچھ دوستوں نے مجھ پر ایسے فقرے بھی کسے تھے لیکن اس وقت میں نے ان پر غور نہیں کیا تھا۔"

"اپنے مشن کو مشترک طور پر جاری رکھنے کے لئے ہمیں اب غور کرنا پڑے گا......؟"

"ہاں ضروری ہے۔"

آدھی رات کو طارق دانیال نے روتیرا کی خواب گاہ کے دروازے کو زور زور سے بجایا تو وہ خوفزدہ ہو کر باہر آ گئی۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے طارق کے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کون ہے؟ کیا وہ اندر آ گئے ہیں؟"

"نہیں میں تم سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اندر آنے کا راستہ دو" اندر ایک کرسی پر بیٹھ کر وہ بولا "واقعی ہمیں اب تک شادی کر لینی چاہئے تھی کیا تم نے اس

بارے میں کبھی سوچا......؟"

"افسوس کبھی نہیں"۔

"معاشرہ کبھی اس پر یقین نہیں کرے گا کہ ہمارے درمیان صرف کہکشاں کا رشتہ ہے ہم نے کبھی ایک دوسرے کی صنف پر غور بھی نہیں کیا اور صرف دوستوں کی طرح رہ رہے ہیں پروفیسر کا آخری جملہ مجھے اس کا احساس دلا رہا ہے۔"

"آخری جملہ؟...... میں سمجھی نہیں؟"

"اس نے کہا تھا کہ کیا تم دونوں میاں بیوی بن چکے ہو...... میرا مطلب ہے کسی بھی شکل میں...... یہ کسی بھی شکل میں کیا ہے...... اصل میں ان الفاظ سے میرا مذہبی وقار مجروح ہوا ہے۔ مجھے اچانک اس کا احساس ہوا ہے"

"ہمیں شادی کر لینی چاہئے"

"اس میں ایک مشکل ہے۔"

"کیا..............؟"

"کیا تم مسلمان ہو سکتی ہو.........؟

"یہ ممکن ہو گا......؟ میرا مطلب ہے یہ سب کیسے ہو گا؟"

"بہت آسانی سے یہاں کئی مذہبی ادارے موجود ہیں۔ میں ان سے رابطہ کر لیتا ہوں۔ لیکن مذہب تبدیل کرنا تمہاری خوشی پر منحصر ہے۔ ہمارے درمیان یہ رشتہ اسی شکل میں قائم ہو سکتا ہے۔"

"میں تیار ہوں......؟ روتیرا بانز نے کہا۔

مولانا قادری نے روتیرا بانز کو مشرف بہ اسلام کیا۔ اس کا نام عالیہ تجویز کیا۔ اور روتیرا بانز عالیہ دانیال بن گئی۔ دنوں سوتے سوتے جاگ اٹھے تھے پھر جو تجاویزی مقالہ طارق دانیال نے پیش کیا۔ اس پر بڑی لے دی ہوئی۔ ڈاکٹر کینتھم کرٹ نے اسے لغو اور احمقانہ قرار دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے بعد طارق دانیال پر تبصرے ہونے لگے۔ اس کے بارے میں کہا گیا کہ شاید وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے اسے قطعی طور پر کوئی منصب نہیں سونپا جا سکتا۔ اس طرح طارق دانیال کے درجے کم سے کم ہونے لگے اور وہ ایک عام آدمی رہ گیا۔ تب پروفیسر میڈلینو نے کہا۔

"اب تمام کیفیت اطمینان بخش ہے۔ تم نے میری تجویز پر یہ قربانی دی ہے میں اب اس مرحلے کا آغاز چاہتا ہوں کیا تم ہیوسٹن چھوڑنا پسند کرو گے۔"

"ہم ہیوسٹن چھوڑنا چاہتے ہیں۔"

"کوئی ٹھکانہ متعین کر لیا ہے؟"

"ابھی تک نہیں۔"

"میں تمہیں سالومن آئر لینڈ چلنے کی پیشکش کرتا ہوں۔ میں نے جزیرہ سان کرسٹوبل پر اپنے وسائل کے مطابق ایک آبزرویٹری قائم کی ہے جو ایک پر سکون جگہ واقعہ ہے اور تم وہاں اپنا کام بخوبی کر سکتے ہو۔ اس طرح تمہیں از سر نو جدوجہد کی ضرورت نہیں پیش آئے گی اور تمہارا وقت بھی ضائع نہیں ہو گا۔"

"ڈاکٹر میڈلینو نے خود بھی اپنا عہدہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ سالومن جزائر ہی کا رہنے والا تھا جو جنوب مغربی بحرالکاہل میں "گوادل کینال...... سینٹا ایسابل، ملائٹا، سان کرسٹوبل اور دوسرے گیارہ جزائر پر مشتمل ہے۔ دارالحکومت ہونیارا سے نو سو چوالیس کلومیٹر دور سان کرسٹوبل میں ڈاکٹر میڈلینو نے وسیع و عریض قطعہ زمین پر اپنا گھر اور اسی میں اپنی آبزرویٹری قائم کر رکھی تھی۔

وہ ہونہار طارق دانیال سے اتنا متاثر تھا کہ اس نے نہ جانے کتنے برسوں کی محنت سے قائم شدہ یہ آبزرویٹری مکمل طور سے اس کے حوالے کر دی۔

"میں نے سوچا تھا کہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد میں اپنے وطن واپس آ جاؤنگا اور پھر زندگی کی آخری سانس تک یہاں سے کہکشاں کا تجزیہ کرتا رہوں گا۔ یہ آبزرویٹری میں نے آہستہ آہستہ بنائی ہے اور جس قدر وسائل حاصل ہو سکتے تھے وہ استعمال کر لئے ہیں۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ اسے مجھ سے زیادہ ذہین اور میری پہنچ سے بھی بڑے مقصد کے لئے کام کرنے والے استعمال کر رہے ہیں۔"

"آپ نے ہمارے سفر کو اتنا آسان کر دیا ہے پروفیسر کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیا آپ کو علم ہے کہ ہم ابتداء سے کس نظریئے پر کام کر رہے ہیں اور ہمارے درمیان وہ پر اسرار رابطہ کیا ہے جس کے تذکرے اکثر لوگ کرتے رہے ہیں......" طارق دانیال نے کہا۔

"ہاں اب مجھے اپنے اس نادانستہ جرم کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں ہے......" میڈلینو نے کہا۔

"نادانستہ جرم......؟"

"اس رات میں بھی یونیورسٹی کی آبزرویٹری میں موجود تھا جب مختلف مدارج میں اسکائی لیبس کو تمہارے مائیکرو ایلیمنٹس ٹرانسمٹ کئے جا رہے تھے اور کچھ پر اسرار "فیکس" کسی پر اسرار منزل کو روانہ کئے گئے تھے جن کا سفر ملیو سسٹم کی طرف نہیں

تھا۔ اس وقت میں شدت حیرت سے چیخ پڑتا اور تمہیں اطلاع دیتا کہ تم نے غلط سمت اختیار کی ہے لیکن تم دونوں کی پر اسرار گفتگو نے مجھے چونکا دیا اور مجھے علم ہو گیا کہ تم نے دانستہ ایسا کیا ہے۔ پھر تمہارے بارے میں کھوج لگانا فطرت کے برعکس نہیں تھا۔"

"اور "آپ نے معلوم کر لیا......؟"

"تھوڑا بہت......" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا پروفیسر تو ہمیں بد ترین مجرم قرار دے کر ہم پر مقدمہ چلایا جاتا۔"

"شاید......؟"

"اب ضروری ہے کہ ہم آپ کو اپنے مکمل نظریئے سے آگاہ کر دیں۔ اور آپ کائنات کے اس سفر میں ہمارے راہبر بنیں...... پروفیسر، آواز کا فلسفہ نظریہ سائنس میں مستند ہے کہ یہ فنا نہیں ہوتی اور اپنی بے وزنی کیوجہ سے کشش ثقل کے اثرات قبول نہ کرتے ہوئے خلا کا رخ اختیار کرتی ہے۔ ہم نے مل کر سوچا کہ یہ آواز کہاں جاتی ہے اس کا کوئی مرکز ہے یا یہ منتشر رہتی ہے اپنے محدود وسائل اور ان کے مجرمانہ استعمال کے باوجود ہمیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور ہم بہت سی معلومات جمع کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ آواز خلا میں کئی مدارج سے گزرتی ہے یہ اس کے وزن پر منحصر ہے کہ وہ کتنے عرصے میں کتنا سفر طے کر لیتی ہے۔ خلا میں کئی ایسے جزیرے موجود ہیں جن میں آواز کا ذخیرہ کرنے والے عناصر موجود ہیں۔ ان کا عنصر ان اجزا سے مماثلت رکھتا ہے جو آوازوں کو جذب اور منتشر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جنہیں آڈیو ریکارڈنگ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان خلائی ذخیروں میں کائنات کی عظیم آوازیں جمع ہیں ہم ان آوازوں کا البم بنانا چاہتے ہیں۔ دنیا بھر کے مفکروں، فلاسفروں، سائنس دانوں اور بڑے بڑے رہنماؤں کی آوازوں کا البم...... جس سے کائنات کے لاتعداد رازہائے سربستہ کھلتے ہیں ہم نے اس البم کی ابتداء کر دی ہے لیکن بالکل ابتدائی شکل میں۔ البتہ وہ طریقہ دریافت ضرور کر لیا ہے جس پر بڑے پیمانے پر کام کیا جائے تو ہم ایک انقلابی البم تیار کر سکتے ہیں۔"

پروفیسر ششدر رہ گیا تھا۔ دیر تک سوچنے کے بعد اس نے کہا میں نے بروقت تمہیں وہاں سے نکال لیا۔ ورنہ تم اپنی اس عظیم...... ذہانت کا شکار ہو جاتے۔"

"میرے مالی وسائل بے پناہ ہیں تم اس آبزرویٹری کو اپنی مرضی کے مطابق وسعت دے سکتے ہو۔ اس کے لئے میں اپنے تمام مالی وسائل تمہارے سپرد کرنے کو تیار ہوں۔"

"ہمارے پاس کچھ اور ذرائع بھی ہیں پروفیسر...... آپ ان کے ذریعہ ایک عظیم خزانہ

حاصل کر سکتے ہیں۔"

"خزانہ.....؟"

"ہاں ہم آپ کو ایک آواز سنانا چاہتے ہیں جو ہم نے خلاء سے حاصل کی ہے۔"

طارق دانیال نے انتظامات کئے اور فضا میں ایک آواز ابھری...... "کیسٹانیہ کے نواح میں ویلزونا کے وہ قدیم نوادرات پوشیدہ ہیں جنہیں برآمد کر لیا جائے تو روم از سر نو تعمیر ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی وہ خزانہ بچ جائے۔ مارسیلی یہ پیغام میں تیرے لئے چھوڑے جا رہا ہوں.... کاش میرے ہم نشین یہ تجھ تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں...... اور سن ان تک جانے کے راستے ذہن نشین کر...... شہر کیسٹانیہ کے نواح میں نیرو کے دور کے مقبرے ہیں ان میں سورج حمل کے کھنڈرات تیری منزل ہونے چاہئیں۔ وہی ان خزانوں کا مرکز ہیں...."

پروفیسر کے کان سرخ ہو رہے تھے۔ اس نے پرجوش لہجے میں کہا "آہ اگر مارسیلی وہاں پہنچ گیا ہو گا تو.....!"

"اٹلی کے شہر کیسٹانیہ کی تاریخ موجود ہے۔ ویلزونا کا مارسیلی...... طوزن میں پھیلنے والی وبا میں ہلاک ہو گیا تھا۔"

"گویا.....؟"

"ہاں پروفیسر.... اس خزانے کا حصول ہماری مستقبل کی کوششوں میں شامل تھا اور اب یہ ذمے داری آپ کے سپرد ہے۔"

پروفیسر میڈلینو ڈیڑھ سال کے بعد سان کرسٹوبل لوٹا تھا۔ خزانے کے حصول کی اس مہم میں وہ اپنی بائیں آنکھ کھو چکا تھا۔ اس دوران آوازوں کے جزیروں کے درمیان سفر کے ساتھ ساتھ طارق دانیال اور عالیہ دانیال نے کچھ اور کارنامے بھی سرانجام دیئے تھے جیسے خلا میں آوارہ گردی کرنے والی "سینسس ریز" جو بڑی پراسرار نوعیت کی حامل ہوتی ہیں اور ان سے رشتہ جوڑ لیا جائے جو ذہن کو لاتعداد خلائی رازوں کا تحفہ دے سکتی ہیں۔

پھر ان کے ہاں ایک خوبصورت بچی کی پیدائش ہوئی جس کا نام انہوں نے ثمر دانیال منتخب کر لیا تھا۔ دونوں بہت خوش تھے۔

"ہمیں یہ آسانی ہو گئی کہ اس بچی کے ذریعہ ہم اپنی خلائی کاوشوں کو طویل عمر دے سکتے ہیں۔" طارق دانیال نے کہا۔

"کیسے .....؟" پروفیسر میڈلینو نے پوچھا۔

"جب یہ ہوش کا پہلا لفظ کہے گی ہم اسے سائنسی تعلیم دینا شروع کر دیں گے اور

اسے مستقبل کی سب سے بڑی ماہر فلکیات بنا دیں گے۔" عالیہ دانیال نے کہا۔

"میں نے خلا میں تیرتے ہوئے بنفشی شعاعوں کے ایک ذخیرے کو دریافت کیا ہے جسے ہم زندہ لکیروں کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ شعاعیں عقل و فہم رکھتی ہیں خلا میں وہ اپنا تحفظ کرتی ہیں۔ شہابی بارش سے بچنے کا فن انہیں آتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ہر اس شے سے بچا جانتی ہیں جو ان کے فہم و ادراک سے باہر ہو۔ بیکراں خلا کی وسعتوں میں ان کا خاندان دور کی پہنچ تک پھیلا ہوا ہے۔ میں نے انہیں سینسس ریز کا نام دیا ہے۔"

"مجھے یقین تھا کہ تم میری رصد گاہ میں بہت کچھ کر سکو گے۔ ہر چند کہ ہمارا دائرہ کار محدود ہے لیکن وقت آ گیا ہے کہ اب یہ محدود نہیں رہے گا۔"

میڈلینو نے درست کہا تھا۔ جزیرہ سان کرسٹوبل کے اس خوبصورت علاقے میں واقع میڈلینو کی رصد گاہ میں خاموشی سے توسیع ہوتی رہی۔ دنیا کے بیشتر ممالک سے ضروری آلات منگوائے گئے اور رصد گاہ میں نصب ہو گئے خلائی تحقیق ہونے لگی، کہکشاں کے پراسرار راز زمین پر منتقل ہونے لگے۔ آوازوں کے جزیروں سے سنسنی خیز سرگوشیاں ریکارڈ ہونے لگیں۔ ان میں افلاطون کے نظریات، سقراط کا فلسفہ، یونان کے اگسٹس کی تقاریر، چنگیز خان کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز، زمانہ قدیم کے راز ہائے سربستہ...... مدبروں اور مفکروں کے نظریات، ماہرین طب کے طبی فارمولے...... قدیم سائنس کے اہم نکات...... دنیا کے سب سے جدید ریکارڈنگ سسٹم پر ریکارڈ ہونے لگے۔ طارق دانیال نے کوشش کی تھی کہ بند محلات میں ہونے والی سرگوشیوں کو بھی اندراج کر کے محفوظ کر لے اور اس کے لئے ایک عظیم تجربے گاہ میں اس نے ایسے حساس آلات لگائے تھے کہ شاید دنیا کی جدید ترین رصد گاہوں میں بھی یہ انتظام نہ ہو۔ پروفیسر میڈلینو کا شعبہ الگ تھا۔ وہ آوازوں کے اس البم کی ترتیب کرتا تھا۔ اور انہیں مختلف شعبوں میں تقسیم کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ثمر دانیال پانچ سال کی ہو گئی۔

ثمر دانیال کی پانچویں سالگرہ کا اہتمام معمول کے خلاف طارق دانیال نے اپنی آبزرویٹری کے ایک خاص حصے میں کیا تھا جسے وہ بڑی خاموشی سے ترتیب کر رہا تھا۔ پروفیسر میڈلینو کی دنیا بھی انہیں تین افراد میں سمٹی ہوئی تھی۔ اس کی زندگی کی کہانی الگ تھی جس کا لب لباب یہ تھا کہ اب اس کا اس دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔

"ثمر کی پانچویں سالگرہ پر، میں اسے ایک خاص تحفہ دینا چاہتا ہوں پروفیسر"..... طارق نے مسکرا کر کہا۔

"میں کچھ محسوس کر رہا ہوں"..... میڈلینو بولا۔

"ہاں میں نے آپ سے کہا تھا کہ جب یہ ہوشمندی کا پہلا لفظ ادا کرے گی تو میں اسے اپنے راستے پر لگالوں گا۔"

"بیشک تم نے کہا تھا۔"

"ثمر بیٹی...... تم نے مجھ سے ایک سوال کیا تھا جس کے جواب میں' میں نے کہا تھا کہ میں تمہیں تمہاری سالگرہ کے دن اس بات کا جواب دوں گا۔"

"ہاں پپا...... آپ نے کہا تھا۔"

"سوال کیا تھا...... تمہیں یاد ہے؟"

"ہاں پپا!"

"انکل میڈلینو کو بتاؤ......"

"میں نے پپا سے پوچھا تھا انکل کہ کائنات کیا ہے؟"

"اوہ"..... پروفیسر آہستہ سے بولا......

"آؤ..... تمہیں بتاؤں..... یہ میری طرف سے تمہاری سالگرہ کا تحفہ ہے۔" طارق دانیال نے کہا..... پھر وہ اسے ایک کنٹرول بورڈ کے پاس لے گیا..... اس نے اسے بٹنوں کی ترتیب بتاتے ہوئے کہا..... "ان پر بالترتیب نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ پہلا بٹن دباؤ.....!" ثمر نے بٹن پر انگلی رکھ دی..... سامنے وسیع دیوار کی سفیدی سمٹنے لگی اور اس پر چاند جیسی چمک پیدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک مدھم سی گونج ابھرنے لگی۔

"اب کیا کروں پپا۔"

"نمبر دو.....!" طارق دانیال نے کہا..... اور ثمر نے دو نمبر بٹن کو پش کر دیا..... تجربہ گاہ میں تاریکی پھیل گئی۔ صرف بٹنوں پر نمبر روشن رہ گئے تھے۔ "تین"..... دانیال کی آواز ابھری..... اور تیسرے بٹن کو دباتے ہی سلور اسکرین پر ستارے جھانکنے لگے۔ کہکشاں روشن ہو گئی۔ بیکراں خلا میں بس سیاروں کی گردش' شہابیوں کا سفر..... ایک پراسرار زندگی نمایاں ہو گئی تھی۔

"یہ کائنات ہے" طارق دانیال کی آواز ابھری۔

"کیا یہ کائنات کا تصویری عکس ہے؟" پروفیسر نے پوچھا......

"نہیں پروفیسر ہم براہ راست کہکشاں کا سفر کر رہے ہیں آپ کو سیاروں کی گردش نظر آ رہی ہو گی اور ان کے درمیان یہ سیاہ دھبے جو نیلگوں روشنی سے آراستہ ہیں دنیا کے مختلف ممالک کی وہ اسکائی لیببس ہیں جو خلاء میں اپنی کارروائیوں میں مصروف ہیں اور یہ جو سفید سیارچے نظر آ رہے ہیں یہ مصنوعی سیارے ہیں' خلاء میں موجود سیاروں میں اور ان

میں نمایاں فرق محسوس کیا جا سکتا ہے ہم یہاں اپنی اس رصد گاہ میں بیٹھ کر وہ طویل سفر کر سکتے ہیں' جو کسی خلائی ذریعہ سفر سے بہت زیادہ تیز رفتار ہے اور ہر قسم کی مشکلات سے پاک' ہم ان چھوٹے سیارچوں کی ماہیت کا جائزہ بھی لے سکتے ہیں اور ان کا حیاتیاتی تجزیہ بھی کر سکتے ہیں۔ کائنات کی قربت کو بہت آسان بنا لیا ہے میں نے' ہر چند کہ وہ تجرباتی زندگی اس سے بالکل مختلف ہے جو خلاء میں جا کر گزاری جا سکتی ہے لیکن پروفیسر یہ ثمر کے لئے کائنات کی ابتدائی کتاب ہے اس کے بعد میں اس کے لئے جو کروں گا وہ اس سے مختلف ہو گی تاہم اس ابتدائی کتاب میں اس طرح وہ صفات بھی موجود ہیں جو آئندہ کے راستے مربوط کرتی ہیں جیسے الفاظ کو جوڑ کر جملہ بنایا جاتا ہے اسی طرح ان چھوٹے ٹکڑوں کی ترتیب خلاء میں بکھرے ہوئے ہزاروں رازوں کی ترتیب ہو سکتی ہے۔ لیکن جو اصل چیز اس میں نمایاں ہونے والی ہے آپ ذرا اس کا تجزیہ کیجئے میں اپنی بساط کے مطابق اپنی بیٹی کو اس سے بڑا تحفہ اور کوئی نہیں دے سکتا تھا۔"

عالیہ دانیال کی آنکھوں میں تحسین کے جذبات نظر آ رہے تھے۔ وہ اپنے عظیم شوہر کی دل و جان سے قائل تھی اور اس کی ذہانتوں پر دیوانہ وار نثار...... طارق دانیال نے بیٹی سے کہا......

"ثمر اب تم بٹن نمبر پانچ براہ راست دبا دو" اور ثمر نے دلچسپی لیتے ہوئے اس بٹن پر انگلی رکھ دی۔ فی الوقت اسکرین پر کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہ ہوئی اور ان کی نگاہیں بدستور اس کا جائزہ لیتی رہیں۔ لیکن پھر سیاہ رنگ کی لکیروں کا ایک جال اس طرح فضا میں محو گردش نظر آیا جیسے کچھ پچکدار بل کھاتے ہوئے کیڑے غول کی شکل میں سفر کر رہے ہوں..... خلاء میں تیرنے والے سیاروں کی قربت سے بچنے کے لئے وہ تیزی سے کٹ جاتے اور اس کے بعد اپنا راستہ منتخب کر کے وہاں سے آگے بڑھ جاتے...... خلاء کے عکس بدلتے رہے اور جگہ جگہ یہ سیاہ کیڑے خلاء میں تیرتے ہوئے نظر آتے رہے۔ تب طارق دانیال نے کہا۔

"عرصہ دراز قبل میں نے آپ سے سینس ریز کا تذکرہ کیا تھا پروفیسر میڈلینو....."

"مجھے یاد آ گیا....."

"یہ سینس ریز ہیں......"

"انوکھی چیز ہے' آج تک کسی سائنسی رپورٹ میں ان کا تذکرہ نہیں آ سکا۔ اس کا مطلب ہے کہ خلاء میں موجود اسکائی لیببس بھی ابھی تک ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کر سکیں۔"

"اندازہ یہی ہوتا ہے پروفیسر..... لیکن میں آپکو جو اصل چیز دکھانا چاہتا ہوں بد قسمتی

سے ابھی تک ایسی کوئی صورتحال نہیں پیدا ہو سکی۔"

"کچھ وضاحت کرو گے......؟"

"ہاں پروفیسر یہ سیاہ لکیریں جنہیں میں نے ایک بار زندہ لکیروں کا نام دیا تھا اور جن کا اس وقت تجزیہ کرتے ہوئے آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ کس قدر حساس ہیں۔ اگر کہیں ضرورت محسوس کرتی ہیں اپنا کوئی ٹارگٹ منتخب کر کے اچانک ہی اس کے گرد پھیل جاتی ہیں اور پھر انکا ٹارگٹ ان کی گرفت میں ہوتا ہے۔ میں نے بے مقصد ہی انہیں زندہ لکیروں کا نام نہیں دیا تھا"۔ پروفیسر کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں پھر اس نے کہا......

"لیکن پھر اپنے اس ٹارگٹ کا یہ کرتی کیا ہیں؟"

"کچھ نہیں اس سے کھیلتی ہیں یا تو وہ انکی گرفت میں پاش پاش ہو جاتا ہے اور اگر نہیں ہوتا تو یہ اس کھیل سے تھک کر اسے آزاد کر دیتی ہیں اور اپنے سفر کے لئے نیا راستہ منتخب کر لیتی ہیں۔"

"اوہ یہ سب کچھ انوکھا ہے۔ ناقابل یقین......"

"اس یقین کو ایک دن میری بیٹی مستحکم کرے گی اور اسے دنیا کے سامنے پیش کر دے گی ہم ان لکیروں سے رابطہ طلب کر سکتے ہیں۔ ثمر دانیال اپنی سائنسی زندگی میں اس طرح کے آلات بنائے گی جو ان لکیروں سے ہماری دوستی کرا دیں اور پھر لاتعداد اجرام فلکی جو ہمارے لئے قابل حصول ہوں گے ہمیں یہیں اپنی زمین پر حاصل ہو جائیں گے اور ہم ان کا تجزیہ کر کے خلائی تحقیق کرنے والوں کو یہ بتا سکیں گے کہ وہ کون سے راستے ہیں جن پر سفر کر کے خلاء پر حکمرانی قائم کی جا سکتی ہے اور کون کون سے سیارے ایسے ہیں جہاں زمین کے رہنے والے اقتدار قائم کر سکتے ہیں۔"

"پروفیسر میڈلینو نے آنکھیں بند کر لیں......چند لمحات ایک خاموش تاثر میں ڈوبا رہا......پھر بولا......"

"اگر یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے' تو تسخیر کائنات میں ایک طوفانی قدم ہو گا اور میں اپنے تجربے کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی دو سو سال تک یہ کام اتنا آسان نہیں ہو سکتا جتنا اس کامیابی کے بعد آسان ہو جائے' لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ہم اس سلسلے میں کہیں اور سے مدد بھی طلب نہیں کر سکتے کیونکہ غاصب اپنے چکر میں پڑ جائیں گے۔"

"یہ بات آپ مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں پروفیسر کیونکہ انہی غاصبوں سے بچا کر آپ نے مجھے یہاں محفوظ کر دیا ہے۔" طارق دانیال نے مسکرا کر کہا......

عالیہ کی چمکدار نگاہیں بدستور کائنات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے بے اختیار کہا......

"آہ میں نے لکیروں کے اس غول کو ایک سیاہ دائرے پر جھپٹتے ہوئے دیکھا ہے اور اب وہ دائرہ ان کے درمیان چھپ گیا ہے اور یہ خود بھی روپوش ہو گئی ہیں۔"

"ہم انہی زندہ لکیروں سے رابطہ قائم کریں گے عالیہ اور ثمر انہی کے ذریعے کائنات میں اپنا مقام حاصل کرے گی بس اتنا ہی دکھانا چاہتا تھا پروفیسر' یہ میری طویل ترین کلوشوں کا نتیجہ ہے اور میں نے نہایت منافقانہ طور پر اپنے اس عمل کی ترتیب کی ہے یہاں تک کہ عالیہ سے بھی چھپایا ہے میں نے اسے' کیونکہ یہ میرا ورثہ ہے اپنی بیٹی کے لئے......"

طارق دانیال خاموش ہوا......چند لمحے سوچتا رہا پھر ثمر سے بولا......بٹن نمبر چار دباؤ......"

ثمر نے باپ کی ہدایت پر عمل کیا اور سامنے نظر آنے والا سلور اسکرین تاریک ہو گیا اور تجربہ گاہ میں روشنیاں جل اٹھیں......وہ سب جیسے کسی خواب سے چونک پڑے تھے طارق دانیال نے مسکرا کر کہا......

"اور سالگرہ کا وقت نزدیک ہے اب ہماری بیٹی کیک کاٹے گی۔"

پر تکلف پارٹی کے دوران جس کے شرکاء میں صرف چار افراد تھے پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا......

"ساری کائنات انسان کی اپنی ذات میں سمٹی ہوئی ہے جس طرح ہم اس پراسرار کائنات کا مکمل طور پر سراغ لانے میں ناکام رہے ہیں اسی طرح اگر انسان کی ذات کی کائنات میں سفر کیا جائے تو شاید کئی بار ملنے والی عمر بھی ناکافی ہو......اب جیسے طارق دانیال کی اپنی فطرت کا تجزیہ کرو روتیرا ہانز کو عالیہ دانیال بنا کر اس نے اپنی تمام تر سچائیاں اس کی آغوش میں ڈال دی تھیں اور پھر اس آغوش سے وجود میں آنے والے ایک دوسرے وجود کے لئے اس نے اپنی ذہانت کے ایک حصے کو پوشیدہ کر لیا......تاکہ اپنی اس نئی محبت کو دینے کے لئے کچھ اس کے پاس ہو......تم میرا مطلب سمجھ رہی ہو نا عالیہ......؟"

عالیہ کے ہونٹ مسکرا اٹھے......اس نے کہا......

"وہ ایک سچے شوہر تھے اور انہوں نے ایک مخلص باپ ہونے کی سند بھی حاصل کر لی ہے۔ شوہر کی حیثیت سے انہوں نے مجھے اپنی کلوشوں کے ہر پہلو سے روشناس کرا دیا اور جب وہ باپ بنے تو انہوں نے بیٹی کے لئے سرمایہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔"

"اور اب [illegible] چاہتا ہوں عالیہ کہ تم اپنا حصہ سنبھال لو اور مجھے میری بیٹی کے ساتھ کام

کے لئے آزاد کر دو۔"

"میں مزید رہنمائی چاہتی ہوں۔"

"آبزرویٹری کے اس حصے میں جہاں تم آوازوں کا البم تیار کر رہی ہو' اپنا کام جاری رکھو پروفیسر اپنا شعبہ سنبھالے رہیں گے۔ میں یہاں رہ کر ثمر کے ساتھ اپنے اس نئے کام کی تکمیل جاری رکھوں گا۔"

"ٹھیک ہے"۔ عالیہ میں نے کہا۔

ثمر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ذہانت کا ورثہ ملا تھا۔ طارق نے اس کے سلسلے میں تمام ذمے داریاں سنبھال رکھی تھیں۔ اس کا عام تعلیمی سلسلہ بھی جاری تھا اور آبزرویٹری میں وہ باپ کے لئے ایک بہترین معاون تھی۔

نو سال کا طویل عرصہ پلک جھپکتے گزر گیا۔ چودہ سالہ ثمر ایک عظیم سائنس دان کے طور پر روشناس کرائی جا سکتی تھی۔ باپ بیٹی کی کاوشیں دنیا سے پوشیدہ تھیں۔ ہاں کبھی کبھی پروفیسر میڈلینو کہتا تھا۔

"یہ عظیم خزانے جو ہم نے خلاء سے حاصل کئے ہیں انسانیت کی فلاح کے کس قدر کام آ سکتے ہیں اس کا اندازہ شاید دنیا والے نہ کر سکیں۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ کیا ہم انہیں دفینوں کے طور پر چھوڑ جائیں گے۔"

"مشکل وہی ہے پروفیسر...... ہم انہیں کس کے سپرد کریں۔ کون مخلص ہے۔ کاش کوئی ایسا مخلص منظر عام پر آئے جو رنگ و نسل و ذاتی برتری سے بالاتر ہو کر اس تحقیق کو انسانی فلاح کے لئے استعمال کرے۔ ہم دنیا کے رنگ دیکھ رہے ہیں ذاتی برتری کے قیام پر کام ہو رہا ہے آپ بھی جانتے ہیں پروفیسر اور مجھے بھی تجربہ ہو چکا ہے کہ جس دن ہم اپنی کاوشیں منظر عام پر لائے اسی دن سے مشکلات میں گھر جائیں گے۔ انتظار کرتے ہیں پروفیسر...... ہو سکتا ہے کبھی یہ سب کچھ کام ہی آ جائے۔"

"ہاں شاید"

اس دن عالیہ دانیال غیر معمولی انداز میں مسکرا رہی تھی اور پروفیسر کچھ الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ دانیال نے محسوس کر لیا...... "ضرور کوئی خاص بات ہے" اس نے کہا......

"ہاں ہے....." عالیہ نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے بتائی جائے گی......؟"

"میں نے مسز دانیال سے درخواست کی ہے کہ تمہیں اس بارے میں ضرور بتا دیا جائے...." میڈلینو نے کہا۔

"میرے اندر تجسس پیدا ہو گیا ہے۔" دانیال مسکرا کر بولا۔

"چلئے پروفیسر..... میں اجازت دیتی ہوں کہ مسٹر طارق کو تفصیل بتا دیں"۔ عالیہ بولی......

"اصل میں مسٹر طارق...... مسز دانیال پوری تندہی سے اپنا کام سرانجام دے رہی ہیں کچھ عرصہ قبل ان کے دل میں خیال گزرا کہ کائنات میں بکھری ہوئی آوازوں کے بہت سے ذخائر ہمارے پاس جمع ہو گئے ہیں لیکن ہم نے اپنی ہی زمین کی گہرائیوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ زمین کے بہت سے طبق تصور کئے جاتے ہیں کچھ روایتیں یوں بھی ہیں کہ زمین کی گہرائیوں میں بھی کچھ آبادیاں پوشیدہ ہیں۔ کیا اس خیال میں سچائی ہے۔ اگر تاریک خلاء سے اتنی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں تو کیا زمین کی گہرائیاں نہیں کھنگالی جا سکتیں۔ مسز دانیال نے اپنے اس خیال پر کام شروع کر دیا اور بہت حد تک اس میں کامیاب ہو گئی ہیں۔"

"کامیاب ہو گئی ہیں" طارق چونک کر بولا............

"ہاں...... زمین میں داخل ہونے والی شعاعوں نے بغیر کسی توڑ پھوڑ کے گہرائیوں میں اپنا مقام حاصل کر لیا ہے اور اس سے پہلی آواز موصول ہوئی ہے۔"

طارق دانیال کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے وہ کسی پریشان کن سوچ کا شکار ہو گیا تھا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"وہ کیسی آوازیں ہیں......۔"

"حشرات الارض کے جسموں کی سرسراہٹیں..... کھولتی ہوئی دلدلوں جیسی آوازیں..... سانپوں کی پھنکاریں' دوسرے کیڑوں کی ٹرٹراہٹ وغیرہ" میڈلینو نے جواب دیا اور طارق دانیال پھر سوچ میں ڈوب گیا...... اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا......

"میری رائے ہے عالیہ...... یہ سلسلہ بند کر دو۔"

مسکراتی ہوئی عالیہ دانیال کی مسکراہٹ ایک دم معدوم ہو گئی..... وہ تعجب سے شوہر کو دیکھتی رہی پھر اس نے کسی قدر کبیدگی سے کہا "مجھے تمہاری اس بات پر تعجب ہوا ہے"

"لیکن یہ ایک بہتر مشورہ ہے"

"آخر کیوں..... میں تو اس کے لئے اور تجربے کرنا چاہتی ہوں ہم زمین کی گہرائی سے صرف آوازیں ہی نہیں بلکہ کچھ عرصہ کی تحقیق کے بعد وہاں کی تصویریں بھی حاصل کریں گے.... تمہیں اس سے اندازہ لگانا چاہئے کہ اس طرح ہم زمین میں دفن معدنیات اور نئی نئی چیزوں کا پتہ لگا کر دنیا کو بہت کچھ دے سکتے ہیں"

"بے شک' میں اس کاوش کی افادیت سے انکار نہیں کرتا لیکن کیا ہم نے خلا کا سفر

مکمل کر لیا ہے۔ کیا ہمارے البم مکمل ہو گئے ہیں۔؟" طارق دانیال کا لہجہ کسی قدر کھردرا ہو گیا۔ میڈلینو اور عالیہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ پھر میڈلینو نے کہا۔

"لیکن ہمارا وہ کام جاری ہے دانیال۔"

"نہیں پروفیسر۔ یہ حدود سے تجاوز کا عمل ہے میں نے اپنے کام کی ایک خاص ترتیب رکھی ہے اور میں اسی کے مطابق چلنا چاہتا ہوں۔" طارق دانیال نے پتھرائے ہوئے لہجے میں کہا اور عالیہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ وہ کسی قدر اعصابی تشنج کا شکار ہو گی ۔ میڈلینو نے صورتحال سنبھالنے کی کوشش کی۔

"ہم اس پروجیکٹ کو کچھ عرصے کے لئے ملتوی کئے دیتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہ ہو گا۔"

"ہرگز نہیں۔ شاید میں تمہارے حکم کی تعمیل نہ کر سکوں طارق۔ سوری۔" عالیہ نے پتھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور طارق دانیال اس کے انداز پر حیران رہ گیا۔

کچھ دیر کے لئے ایک گمبھیر سکوت طاری ہو گیا۔ پھر طارق نے کہا۔ "میں تمہاری ان کوششوں سے انحراف نہیں کرتا عالیہ۔ لیکن میں ایک چھین بنا کر چل رہا ہوں۔ خلا سے آوازوں کا ذخیرہ حاصل کر کے ہم کائنات کے عظیم راز حاصل کریں گے اور پھر میں انہیں اپنی کوششوں سے منسلک کر دوں گا جو میں کر رہا ہوں اگر ہم پہلے اس کام کی تکمیل کر لیں تو یوں سمجھو کہ ہماری عمر کا حاصل مل جائے گا۔"

عالیہ کا تنفس تیز ہوتا جا رہا تھا اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔ "نہیں طارق آج تم نے حدود کا تعین کیا ہے۔ آج تم نے ایک ساتھی محقق کے بجائے ایک شوہر ایک حکمران کا لہجہ اختیار کیا ہے مجھے بتاؤ میری حدود کیا ہیں کیا ہم نے برابر کی ذہانت کے مالک دو افراد کو حیثیت سے آغاز نہیں کیا تھا۔ کیا ہم نے ایک دوسرے کو لازم و ملزوم سمجھ کر یہ رشتہ قبول نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد طارق مجھ پر بہت سی حقیقتوں کا ادراک ہوا۔ بارہا میرے اندر کی عورت جاگی۔ لیکن میں نے خود اس سے جنگ کی میں نے اسے سمجھایا کہ ہم عام میاں بیوی نہیں ہیں۔ ہم ایک مشن ہیں۔ صرف ایک مشن تم نے اس سفر میں رکاوٹ کھڑی کر دی ہے دانیال"۔

"یہ تمہارا غلط احساس ہے عالیہ۔"

"ہرگز نہیں طارق تمہیں میری حد نہیں مقرر کرنی چاہیے تھی۔ تم میرے ہم سفر ہو حاکم نہیں۔ میرا خیال تھا۔ پروفیسر میڈلینو کا بھی یہی خیال تھا کہ تم ہماری اس نئی تحقیق پر حیران رہ جاؤ گے۔ پھر خوش ہو کر ہمیں داد دو گے ہم سے بہت سے سوالات کرو گے اور ہم تمہیں خوش ہو ہو کر جواب دیں گے لیکن تم نے۔"

"عالیہ میرے مطلب سمجھو۔"

"سمجھ ہی تو لیا ہے۔ تم خود کو اس مملکت کا شہنشاہ سمجھتے ہو۔ تمہیں اپنے ایک دست گر کی رفتار پسند نہیں آئی۔ میں خود کو تمہاری جاگیر سمجھنے سے گریز نہیں کرتی طارق۔ لیکن ان تنہائیوں کا حساب میں کس سے مانگوں جن میں تمہاری مصروفیت کو اولیت دی ہے میں نے۔ پروفیسر نے ایک بار کہا تھا کہ ساری کائنات انسان کی اپنی ذات میں سمٹی ہوئی ہے۔

ہمارے لئے اپنی ذات کی کائنات ہی کا سفر مشکل ہے۔ ہاں یہ سچ ہے۔ یہ بالکل سچ ہے۔ آج تمہارے ان الفاظ نے میرے وجود میں ایک خلا پیدا کر دیا ہے جس میں تنہائی محسوس کر رہی ہوں میں۔"

"شاید یہ بھی تمہارا عورت پن ہے۔" طارق دانیال نے کہا۔

"تم نے سنا پروفیسر...... طارق دانیال نے میرا تعین کیا ہے میں ایک عورت ہوں میری ذہانت میری شناخت نہیں ہے۔"

"کیا ایک معمولی سی بات کو عالیہ نے زیادہ اہمیت نہیں دیدی پروفیسر۔" طارق نے کہا۔

"اس کے معمولی یا غیر معمولی ہونے کے تعین کا حق بھی تمہیں ہی حاصل ہے۔ واقعی تم برتر ہو طارق۔" عالیہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"اصل میں کائنات کی سیر کرتے ہوئے۔ اس کے بارے میں جاننے کی کوشش میں ہم اپنی فطرت سے بہت دور ہٹ گئے ہیں۔ گہری محبتیں کسی معمولی رخنے کو بھی برداشت نہیں کر پاتیں۔ یہ چھوٹا سا اختلاف تم دونوں کے لئے اجنبی ہے اس لئے زیادہ محسوس ہو رہا ہے۔" پروفیسر نے اس شدت کو کم کرنے کی کوشش کی۔

"طارق دانیال اپنی بیٹی کے ساتھ خلا میں نئی جہت تلاش کر رہے ہیں انہیں یہ حق حاصل ہے مجھے نہیں۔"

"عالیہ تم نے میری بات کو غلط سمجھا ہے۔"

"رہنے دو طارق...... شاید میں نے بہت کچھ غلط سمجھا ہے۔" عالیہ نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر چلی گئی۔

"کیا تم نے میرا موقف سمجھا ہے پروفیسر۔"

"شاید تم درست ہو۔ لیکن۔ اسے سمجھانے میں وقت لگے گا۔"

"اسے سمجھاؤ۔ ہم کسی اختلاف کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

پھر لیبارٹری کے دوسرے حصے میں میڈلینو نے عالیہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے اسے سمجھایا۔ "شاید طارق دانیال کا وہ مقصد نہیں تھا جو سمجھا گیا۔"

"نہیں پروفیسر جلد بازی میں نے ہی کی ہے مجھے اس جلد بازی کا خمیازہ بھگتنا چاہئے۔ مجھے یقیناً" اس سے عشق نہیں تھا بس عقیدت تھی لیکن شادی کے لئے اس کے کہنے پر میں فوراً" تیار ہو گئی اس کے لئے میں ان سب کو بھول گئی جن سے میرا ابتدائی رابطہ تھا۔"

پروفیسر میڈلینو ہنسنے لگا پھر بولا۔ "اصل میں تم دونوں نے بہت دیر کے بعد اپنی میاں بیوی والی حیثیت کو محسوس کیا ہے۔ یہ رشتے کی الگ نوعیت ہوتی ہے اور بات وہی انسانی

فطرت کی آ جاتی ہے۔ معمولات میں ایک خوشگوار دخل روٹھنے اور من جانے کا بھی ہے صرف محبت اور تعاون جاری رہے تو یکسانیت بھی گراں گزرنے لگتی ہے تمہیں بہت پہلے ایک دوسرے سے لڑنا چاہئے تھا۔ دیکھو شاید ہم کسی پوائنٹ سے گزر رہے ہیں۔"

"آبزرویٹری کے بڑے ہال میں کچھ انسانی سرگوشیاں ابھر رہی تھیں۔ دونوں مصروف ہو گئے پروفیسر ان آوازوں کو صاف کرنے میں مصروف ہو گیا اور عالیہ دانیال نے ریکارڈنگ سسٹم سنبھال لیا۔ سرگوشیاں واضح ہونے لگیں اور ان کی ریکارڈنگ شروع ہو گئی دونوں دم سادھے اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ پروفیسر بغور ان آوازوں کو سن رہا تھا۔ کوئی بارہ منٹ یہ عمل جاری رہا پھر خاموشی چھا گئی۔ عالیہ نے سارے سسٹم وہیں جام کر دیئے۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"شاید جرمن زبان ہے۔"

"ہاں ہم ایڈولف ایشمیسن کے دور سے گزر رہے ہیں یہ تقریر ریوائنڈ کرو۔" پروفیسر میڈلینو نے کہا اور عالیہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے لگی۔ ریکارڈ شدہ آوازیں دنیا کے شاندار ترین ریکارڈنگ سسٹم سے گزرنے لگیں۔ میڈلینو نے پوری آوازیں سننے کے بعد کہا۔

"بہت دلچسپ دوسری جنگ عظیم ایسے بے شمار پراسرار حقائق رکھتی ہے جس سے دنیا لاعلم ہے۔"

"چند سالوں کی یہ خونچکاں داستان اپنے اندر صدیوں کی کہانیاں رکھتی ہے۔ زمانہ طالب علمی میں مجھے اس مضمون سے بہت دلچسپی رہی ہے۔ کیا خیال ہے پروفیسر ہمیں اور بھی بہت سے شواہد مل سکتے ہیں کیا ہم ان کے لئے کوشش کریں۔" عالیہ نے سوال کیا۔

"کیا حرج ہے یہ بھی ہمارے ریکارڈ میں ایک قیمتی اضافہ ہو گا۔" پروفیسر خوشدلی سے بولا۔

"لیکن۔!" اچانک عالیہ کے چہرے کے تاثرات بدل گئے پروفیسر نے ایک دم محسوس کر لیا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ "کیوں۔ کیا ہوا۔؟"

"کون جانے یہ طارق دانیال کی دلچسپی کی چیز ہے یا نہیں۔" عالیہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"عالیہ۔ اس قدر شدت اختیار نہ کرو۔ برا نہ ماننا اس نے ہر جگہ تمہارا راستہ نہیں روکا۔ وہ تم پر اعتماد کرتا ہے اور اس نے پورے یقین کے ساتھ یہ ذمے داری تمہارے سپرد کی ہے۔"

"اس نے مجھے زخمی کر دیا ہے پروفیسر۔ اب ہر بات پر غور کرنا پڑتا ہے۔" عالیہ

مضحل لہجے میں بولی پھر اس نے کنٹرول سوئچ آف کر دیئے۔ اب ہم کل یہ کام آگے بڑھائیں گے۔"

"جیسا تم پسند کرو۔ ویسے میری رائے ہے کہ ہم اس وقت کیوں نہ طارق کے پاس چلیں۔"

"وہ خلا میں سینسس ریز کے ذریعہ پراسرار اجرام فلکی تلاش کر رہا ہو گا۔ اصل میں اسے انوکھے خلائی خزانوں کی تلاش ہے جب کہ میں زمین کی گہرائیوں سے ایسے خزینے تلاش کر کے دے سکتی ہوں جنہیں سنبھالنے کے لئے اس کے پاس جگہ تک نہ ہو گی۔"

"بری بات ہے عالیہ تمہارے لہجے میں ایک ایسی تلخی نظر آتی ہے جو کسی طور جائز نہیں ہے۔"

عالیہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"شاید یہ درست ہے پروفیسر۔ میں کہہ چکی ہوں کہ مجھے خود پر غور کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ میری داستان حیات ایسی ہی ہے۔ نہ جانے کیوں۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہوا جیسے طارق دانیال نے مجھ سے اچانک وہ رابطے منقطع کر لئے ہوں جو غیر محسوس طور پر پیدا ہو گئے تھے۔ اس نے مجھے میری کاوشوں کی مبارکباد نہیں دی۔ مجھے یوں لگا جیسے میری نیند ٹوٹ گئی ہو۔ میں نے اسے تعجب سے دیکھا میں نے اس پر غور کیا اور حیران ہو گئی۔ میں نے اس کے ایک اشارے پر اپنا مذہب تک تبدیل کر لیا اور وہ مجھے نامعلوم حوالے دیتا ہے۔ پروفیسر مجھے اپنے اندر ایک احساس کا ادراک ہوا ہے میں اچانک اس سے بد دل ہو گئی ہوں۔"

"نہیں عالیہ۔ کیا بات کر رہی ہو۔ اپنے لہجے کو اس قدر سنگین نہ بناؤ اب ثمر بھی تمہاری زندگی میں شامل ہے خبردار کسی احمقانہ خیال کو اس میں جگہ نہ دینا۔" میڈلینو نے پریشان لہجے میں کہا۔ اور وہ خاموش ہو گئی کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"آپ اس کے پاس چلنے کے لئے کہہ رہے تھے پروفیسر۔"

"ہاں لیکن اس طرح نہیں میرا خیال ہے تمہیں اپنے رویے پر غور کرنا چاہئے۔"

"نہیں پروفیسر۔ یہ ایک عارضی کیفیت ہے چلئے آپ آرام کیجئے" عالیہ نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

○

"اور یہ مشکل نہیں ہو گا کہ ہم ایک ایسا طاقتور ریسیور تیار کر لیں گے جس میں ہم زیادہ

جسامت کے اجسام ریسیو کر سکیں گے۔ ابھی تک ہم سینسس ریز سے صرف اتنا رشتہ قائم کر سکے ہیں کہ وہ ہمیں چھوٹے چھوٹے، خلا میں ٹوٹ کر بکھر جانے والے سیاروں کے ٹکڑے ٹرانسمٹ کر دیتی ہیں۔ یہ ناکافی ہیں۔" طارق دانیال نے سامنے میز پر رکھے کچھ پتھروں کے ٹکڑوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ان میں چمکتے ہوئے ان رنگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ڈیڈی۔؟" ثمر دانیال نے پتھروں پر نگاہ جمائے ہوئے کہا۔

"نہیں یہ ان کے اپنے رنگ نہیں ہیں کیونکہ پہلے حاصل کئے ہوئے پتھر اس رنگین زندگی سے محروم ہو چکے ہیں۔ یہ ان اثرات کے شکار ہیں جو سینسس ریز سے پیدا ہوئے ہیں۔"

"گڈ۔ میں یہی کہنا چاہتی تھی، ڈیڈی۔" ثمر نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب۔؟"

"پچھلی رات، کیا آپ کے خیال میں، ممی کے پاس تھی۔؟"

"میرا یہی خیال ہے۔" دانیال نے مسکرا کر کہا۔

"اور شاید اسی خیال کے تحت آپ ناشتے کی میز پر مجھ سے مخاطب نہیں ہوئے تھے۔" ثمر بدستور مسکرا کر بولی۔ اور طارق چونک پڑا۔

"تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟"

"آپ کے مخاطب نہ ہونے سے۔"

"ہرگز نہیں میں تم سے ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔" طارق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"میں جانتی ہوں۔"

"اس لئے یہ سچ ہے کہ میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی بلکہ ناشتے پر عالیہ کا موجود نہ ہونا مجھے عجیب لگا تھا۔"

"مگر وہ لنچ پر موجود تھیں۔"

"میں عالیہ کو سمجھانے کے لئے کوئی بہتر راستہ سوچنا چاہتا ہوں کیونکہ میں اب بھی اس کے پروجیکٹ سے اختلاف رکھتا ہوں۔"

"آپ انہیں ضرور سمجھا دیجئے ڈیڈی لیکن یہ روٹھنے کا انداز مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔"

"اسے میری بات مان لینی چاہئے۔ اس کا مجھ سے اختلاف غلط بنیاد پر ہے میں اس سے سخت لہجے میں یہ سب نہیں کہنا چاہتا۔ اسے خود فیصلہ کرنے دو۔ تم کچھ اور کہہ رہی تھیں۔"

"سوری ڈیڈی میں خیالات میں بھٹک گئی تھی پچھلی رات میں نے ان تازہ حاصل شدہ پتھروں پر کام کیا ہے میں ان کا پرانے پتھروں سے مقابلہ کر رہی تھی۔"

"کوئی نتیجہ اخذ کیا۔؟"

"وہی جو آپ نے کیا۔ یہ رنگ ان کے اپنے نہیں ہیں بلکہ یہ ان شعاعوں کے رنگ ہیں جو آبزرویٹری میں ایک رنگ کی نظر آتی ہیں ڈیڈی' ہم ان تازہ پتھروں سے ان شعاعوں کی حقیقت معلوم کر سکتے ہیں۔ ان کی کیمیاوی حیثیت معلوم کر کے ہم انہیں خود ایجاد کر سکتے ہیں۔"

طارق دانیال اچھل پڑا۔ اس نے سنسنی خیز نگاہوں سے ثمر کو دیکھا اور بہت دیر تک دیکھتا رہا ثمر مسکرا کر جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔ "میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہے ڈیڈی۔؟"

"تمہارے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا۔؟"

"اس کی بنیاد دو باتوں پر ہے اول یہ کہ جن خلائی اجسام کو ہم جس حجم میں دیکھتے ہیں اس حجم میں حاصل نہیں کر پاتے بلکہ جب ہم اپنے ذرائع سے سینس ریز کی وساطت انہیں حاصل کرتے ہیں تو وہ جس چیز کو اپنی گرفت میں لیتی ہیں اسے توڑ پھوڑ دیتی ہیں۔ ہمیں یہ ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے حاصل ہوتے ہیں اور ان کی صحیح ماہیت سے محرومی ہی رہتی ہے دوم ان کی کیمیاوی حیثیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر ہم خلا میں اپنی پسند کی سینس ریز نشر کر سکیں اور وہ ہمارے کنٹرول میں ہوں تو ہم ان سے اپنی پسند کے نتائج حاصل کر سکتے ہیں اس کے علاوہ ڈیڈی ہم صرف ان کے راستوں کے منتظر رہتے ہیں۔ جب کہ وسیع و عریض خلا میں ہمیں بہت کچھ نظر آتا ہے اور وہاں جاسوسی شعاعوں کی غیر موجودگی ہمیں بے بس کر دیتی ہے۔"

"کیا تم ان شعاعوں کی حقیقت دریافت کر سکتی ہو۔؟"

"کوشش کر سکتی ہوں۔"

"اپنے اس خیال پر میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔ میں تمہیں اس شعبے کا انچارج مقرر کرتا ہوں۔"

"گویا آپ میرے اس خیال سے اتفاق کرتے ہیں۔"

"نہیں۔ بلکہ میں تمہاری اس عظیم ذہانت پر نازاں ہوں۔ مجھے تمہارے اوپر کی ہوئی محنت کا پھل نظر آ رہا ہے۔"

"او تھینک یو ڈیڈی۔ تھینک یو۔"

○

"عالیہ دانیال پہلے ایسی نہ تھی وہ اپنے سائنسی علوم کے حصول میں بیشک دیوانی تھی اور اس دیوانگی نے اسے دنیا سے بیگانہ کر دیا تھا۔ بلکہ یہی بیگانگی اسے طارق دانیال کے اتنے قریب لے آئی تھی کہ وہ اس کی بیوی بن گئی تھی لیکن طارق دانیال کی بیوی بننے کے بعد اس کے اندر کی عورت بھی جاگ اٹھی تھی۔ اور خاصے عرصہ اس نے ایک بہترین بیوی کا کردار ادا کیا تھا۔ سائنسی امور میں دونوں کے درمیان ہم آہنگی تھی اگر پہلے کوئی ایسی بات ہو جاتی تو شاید عالیہ کی شخصیت اسی وقت اس انداز میں نمایاں ہو جاتی۔ ایسا اب ہوا تھا اور پروفیسر میڈلینو محسوس کر رہا تھا کہ میاں بیوی کے درمیان یہ خلیج بڑھتی جا رہی ہے۔"

میڈلینو نے طارق کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "دنیا صرف انہیں مقاصد تک محدود نہیں ہے۔ تمہیں عالیہ پر توجہ دینی چاہئے۔"

"کیسی توجہ پروفیسر......میں نے اس کے علاقے کا رخ کرنے کی کوشش تک نہیں کی ہے۔"

"اس نے اپنے اس منصوبے پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

"مجھے اس کی اطلاع نہیں دی۔" طارق نے کہا۔

"وہ تمہاری طرف سے پہل کی منتظر ہے۔"

"شاید میں پہل نہ کر سکوں۔ وہ سائنس داں ہے بہترین سوجھ بوجھ کی حامل ہے۔ ہم دونوں کی یکساں سوچ نے ہی ہمارے درمیان رابطے قائم کئے۔ اگر وہ اپنا کام شروع کرنے سے قبل مجھ سے مشورہ کر لیتی تو میں اسے روکتا۔ جب تک ہم اپنے عمل میں یکسو نہ ہوں پروفیسر! اس وقت تک کچھ نہیں حاصل کر سکتے۔ ہم نے ایک منزل کا تعین کر کے سفر شروع کیا ہے اور میں بتا چکا ہوں کہ ثمر کے ساتھ مل کر میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ اسی سفر کا دوسرا دور ہے۔"

"یقیناً" ایسا ہی ہو گا لیکن اسے سمجھایا جا سکتا ہے۔"

"آپ گواہ ہیں پروفیسر۔ اس نے حتمی طور پر کہا تھا کہ وہ میرے حکم کی تعمیل نہ کر سکے گی۔"

"لیکن اس کے بعد شاید اس نے اپنا منصوبہ ترک کر دیا ہے۔"

"وہ مجھے اس کی اطلاع دے سکتی ہے میری بات کو ایک مشورہ سمجھ سکتی ہے۔"

"تم اس قدر ضدی نہیں تھے طارق دانیال یہ بھی تو سوچو ثمر پر اس ناچاقی کے کیا

اثرات مرتب ہوں گے؟"

"ثمر پورے انہماک کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہے۔"

"پتہ نہیں اس مشکل کا حل کیسے نکلے گا۔" پروفیسر میڈلینو نے پریشان لہجے میں کہا۔

"اسے خود ہی احساس ہونے دیجئے پروفیسر......اور...... آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں ہمارے تعلقات بحال ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ طارق نے مسکرا کر کہا۔

پروفیسر البتہ اس ماحول سے مطمئن نہیں تھا اس کا زیادہ وقت عالیہ کے ساتھ گزرتا تھا عالیہ پر اب ہٹلر اور اس کے دور کے صحیح واقعات حاصل کرنے کا بھوت سوار ہو گیا تھا وہ ان آوازوں کا الگ البم تیار کرنا چاہتی تھی۔ خود پروفیسر کو بھی یہ کام دلچسپ محسوس ہوا تھا وہ خود بھی محنت سے اس البم کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ان کاوشوں کے نتیجے میں چیمبرلین کے اعتراضات۔ روسی وزیر خارجہ مولوٹوف کی تقریر جو اس نے سپریم کونسل میں کی۔ ربن ٹراپ کی تجاویز کا مسودہ جسے شولن بورک نے پڑھ کر سنایا۔ مسولینی کو دی گئی اٹلی کی اہم یادداشت جس کی بناء پر جرمنی اور اٹلی میں اتحاد قائم ہوا پھر ہٹلر کے احکامات۔ یہ سب کچھ اتنا دلچسپ تھا کہ پروفیسر میڈلینو بھی اس میں پوری دلچسپی لے رہا تھا۔ لیکن دونوں میاں بیوی کے درمیان اس کشیدگی نے بدمزگی کی فضا قائم کی ہوئی تھی اور وہ مسلسل کوشش کرتا رہتا تھا۔

"اس نے یہی کہا تھا کہ تم زمین کی گہرائیوں کے راز جاننے کی کوشش نہ کرو۔ اور تم نے وہ سلسلہ ترک کر دیا۔"

"عارضی طور پر۔" عالیہ نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے تین دن کی خاموشی اختیار کی تھی پروفیسر۔ اور جب اس نے ان دنوں میں مجھے اپنے موقف سے آگاہ نہیں کیا تو میں نے اپنا کام جاری کر دیا۔"

"جاری کر دیا؟" پروفیسر اچھل پڑا۔

"ہاں۔" عالیہ نے مسکرا کر کہا۔

"ناممکن۔"

"میں جھوٹ بالکل نہیں بولتی۔"

"مگر کب؟ کیسے؟"

"اس کے لئے میں نے دوپہر کے وقت دو گھنٹے منتخب کئے ہیں اس وقت آپ لنچ کے بعد آرام کر رہے ہوتے ہیں۔"

"اوہ میرے خدا۔" پروفیسر حیرت سے بولا۔ "کچھ اور کام ہوا؟"

"ہاں لیکن میں نے اسے صیغہ راز میں رکھا ہوا ہے۔"

"خدا جانے اس مشکل کا کیا حل نکلے گا!" پروفیسر نے پریشانی سے کہا اور اس مشکل کا حل نکل آیا۔

وہ دوپہر کا وقت ہی تھا اس لنچ میں عالیہ دانیال موجود تھی اور خاموشی سے لنچ کرتی رہی تھی۔ بعد میں وہ ثمر کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔ پھر دونوں دیر تک ساتھ رہی تھیں اور پھر ثمر واپس باپ کے پاس آ گئی تھی۔ طارق دانیال نے کبھی ماں اور بیٹی کے درمیان ہونے والی گفتگو جاننے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس سے اس کے کام کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ ثمر اسے اپنی کاوشوں کے بارے میں بتانے لگی اس کی آواز بوجھل ہو رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں تمہارے سونے کا وقت ہے اس لئے گفتگو کا یہ سلسلہ ختم۔" دانیال نے مسکرا کر کہا۔

"اگر آپ جاگ رہے ہیں ڈیڈی تو کوئی حرج نہیں ہے باتیں کیجئے۔" ثمر نے مسکرا کر کہا اور طارق اسے دیکھنے لگا اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر رہے تھے پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کروٹ بدل لی۔ ثمر اپنی جگہ سے اٹھ کر باپ کے پاس آ گئی۔

"کیا بات ہے ڈیڈی؟"

"کچھ نہیں ثمر۔"

"کچھ ہے اور مجھے اعتماد ہے کہ آپ مجھ سے جھوٹ نہیں بولتے۔"

"وہ بھی اسی طرح میری خوشی پر اپنا آرام ترک کر دیتی تھی نہ جانے کیوں بدل گئی ہے؟" طارق بھاری آواز میں بولا۔ "سوچتا ہوں تم یہ روایت نبھا سکو گی؟"

"یہ سب کچھ بہتر نہیں ہے ڈیڈی اس کا کوئی حل تو ضروری ہے۔" ثمر نے کہا اور دونوں سوچ میں ڈوب گئے پھر طارق نے کہا۔

"میرا خیال ہے تم کچھ وقت کے لئے اپنا یہ مشغلہ ترک کر دو۔"

"کیوں۔" ثمر نے چونک کر کہا۔

"اپنی ممی کے ساتھ کام کرو۔ اسے یہ گمان نہ گزرے کہ میں نے تم پر قبضہ جما لیا ہے میں پروفیسر کو اپنے ساتھ مصروف کر لوں گا۔"

"حالانکہ میں جو کچھ کر رہی ہوں اس میں اپنا وقت بالکل ضائع نہیں کرنا چاہتی لیکن میں ایسا کروں گی تاکہ......کچھ کر سکوں ایسا کرنا ہو گا ڈیڈی۔"

پھر ثمر آرام کرنے اپنے کمرے میں چلی گئی اور اسے اپنے بستر پر لیٹے ہوئے چند لمحات سے زیادہ نہ گزرے ہوں گے کہ ایک قیامت خیز دھماکے سے فضاء لرز اٹھی۔ ثمر اپنے بستر

سے کوئی چھ فٹ اونچی اچھلی اور اس طرح واپس گری کہ اس کا سر سامنے رکھے قیمتی گلدان سے ٹکرا کر پھٹ گیا کمرے کی کھڑکی کے شیشے ریزہ ریزہ ہو گئے اور بہت سے ریزے اس کے کھلے جسم میں جگہ جگہ پیوست ہو گئے۔ سر کی چوٹ نے اسے ہر احساس سے عاری کر دیا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ طارق دانیال کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں ہوئی تھی۔ البتہ وہ بے ہوش نہ ہوا لیکن اپنی آرام گاہ کے ٹوٹے ہوئے دروازے سے وہ دیر تک نہ اٹھ سکا۔

دور دور سے دوڑ پڑنے والے لوگ اسی عالیشان عمارت کے گرد آ کھڑے ہوئے۔ شکر تھا کہ عمارت میں آگ نہیں لگی تھی ورنہ اندر موجود لوگوں کی جھلسی ہوئی لاشوں کا بھی پتہ نہ چلتا پولیس کی گاڑیوں نے پورے علاقے کو گھیر کر لوگوں کو پیچھے ہٹا دیا اور پھر حفاظتی تدابیر اختیار کر کے پولیس مین اندر داخل ہو گئے لوگ جانتے تھے کہ اس عمارت میں ایک سائنس دان رہتا ہے۔ پر امن اور دنیا سے کنارہ کش، کسی کو ضرر نہ پہنچانے والا۔ پولیس کو یہاں صرف چار افراد ملے تھے دو مرد، دو عورتیں، ایک عورت کی ناک، کانوں اور منہ سے خون ابل رہا تھا اس کے مسامات دھماکے کی شدت سے پھٹ گئے تھے اور اس نے پولیس کی تحویل میں دم توڑ دیا تھا دوسرا اس عمارات کا پرانا مکین پروفیسر میڈلینو تھا جس کا آدھا جسم مفلوج ہو چکا تھا اور وہ بے ہوش تھا عظیم الشان عمارت کے دوسرے حصے سے بھی دو افراد ملے ایک نوخیز لڑکی اور دوسرا ایک توانا مرد۔ جو ہوش و حواس سے عاری تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہر ایک کو دیکھ رہا تھا عمارت تہہ و بالا ہو گئی تھی اس میں پھیلے ہوئے سائنسی آلات قیمتی ریڈار، عظیم الشان دور بین سب چکنا چور ہو گئی تھیں۔

○

اسپتال میں طارق دانیال کو ہوش آیا تھا۔ اس کے جسم پر کوئی زخم نہیں تھا اور وہ مکمل تندرست تھا بس ایک شدید دھماکے سے لے اعصابی جھٹکا لگا تھا جس نے اس کے حواس معطل کر دیئے تھے۔ ماہر ڈاکٹروں کی کوششوں سے نو دن ذہنی طور پر معطل رہنے کے بعد وہ حواس کی دنیا میں واپس آ گیا لیکن بے حواسی بہتر تھی جس نے مضطرب تو نہ ہونے دیا تھا۔ رات کے پراسرار سناٹے میں اس نے اپنے فرائض سر انجام دیتی ہوئی نرس کو دیکھا اس پر غور کیا اور اسے سب کچھ یاد آ گیا وہ منحوس دوپہر۔۔۔ اور۔۔۔۔ وہ دھماکہ۔۔۔۔

"سسٹر۔" اس کے حلق سے ہذیانی آواز نکلی اور وہ تڑپ کر بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا نرس اس اچانک آواز پر اچھل پڑی اس نے سہمی ہوئی نظروں سے مریض کو دیکھا تھا۔

"سسٹر۔۔۔ یہ اسپتال ہے۔؟"

"ہاں آپ مسٹر۔" نرس کی آواز ابھری۔

"سسٹر خدا کے لئے مجھ کچھ بتایئے میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" طارق نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"آپ ایک منٹ توقف کیجئے بس ایک منٹ۔" نرس جلدی سے دروازے سے باہر نکل گئی اس نے باہر سے دروازہ بند کیا اور کچھ فاصلے سے گزرتے ہوئے ایک وارڈ بوائے کو اشارہ کر کے بولی۔

"جینسن تم ذرا دروازے پر رکو ڈیوٹی ڈاکٹر جیسپل اپنے روم میں موجود ہیں؟" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ہاں میں نے انہیں ابھی اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"مریض ہوش میں آ گیا ہے لیکن اگر وہ دروازہ اندر سے بجائے تو دروازہ نہ کھولنا یہ ڈاکٹر کی ہدایت ہے۔" نرس نے کہا اور ڈاکٹر کے روم کی طرف دوڑ گئی ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر کو اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں مریض کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی تھی۔

"آپ بلاوجہ پریشان ہو گئیں سسٹر۔ آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ بے ضرر ہے۔! چلئے ہمارا اندازہ درست نکلا۔ اسے آج رات کے کسی حصے میں ہوش میں آ جانا چاہئے تھا۔! ہاں مجھے پولیس آفیسر مائک بیل کو فون کرنا ہے جو بے چینی سے مریض کے ہوش میں آنے کا منتظر ہے۔" ڈاکٹر فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ پولیس آفیسر کو اطلاع دینے کے بعد وہ نرس کے ہمراہ طارق دانیال کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

طارق دانیال بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ جیسپل کی طرف لپکا۔ "ڈاکٹر خدا کے لئے کوئی دوسری بات کرنے سے قبل مجھے صرف اتنا بتا دیجئے کہ جائے حادثہ پر آپ کو میرے علاوہ بھی کچھ لوگ زندہ ملے۔"

"آپ کو سب کچھ بتا دیا جائے گا براہ کرم اطمینان سے بیٹھ جایئے نرس الماری سے انجکشن نکالو۔"

"اگر آپ مجھے دوبارہ بے ہوش کرنا چاہتے ہیں ڈاکٹر تو اس کے لئے کچھ توقف کر لیں مجھے میری لٹی ہوئی کائنات کی کہانی سنا دیں اس کے بعد میری بے ہوشی ہی بہتر ہو گی" طارق دانیال نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"آپ کو بڑی مشکل سے ہوش میں لایا گیا ہے۔ ہم اب آپ کو بے ہوش نہیں کریں گے۔ یہ انجکشن سکون آور ہے جو آپ کو ذہنی تقویت دے گا۔ ڈاکٹر جیسپل نے کہا نرس کے تیار کئے ہوئے انجکشن کو اس نے طارق دانیال کے بازو میں انجیکٹ کر دیا

جس کا منہ اب بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ یہ انجکشن دے کر شاید میرے دل کو تقویت بخشنا چاہتے ہیں تاکہ میں اپنے بچھڑ جانے والوں کی موت کی کہانی سن سکوں۔"

"اتنی دیر میں انسپکٹر مائک نیل کمرے میں داخل ہو گیا ڈاکٹر نے اسے طارق دانیال کی طرف متوجہ کیا تھا۔ انسپکٹر نے نرم لہجے میں کہا۔ "آپ کو آپ کا نام یاد آ گیا ہے؟"

"ہاں میرا نام دانیال ہے۔"

"آپ کو یاد ہے کہ آپ کہاں رہتے تھے؟"

"میں پروفیسر میڈلینو کی رہائش گاہ میں رہتا ہوں وہیں ہماری مشترکہ آبزرویٹری ہے ہم لوگ پرامن طور پر فلکیاتی تجزیے کرتے ہیں اور یہی ہمارا مشغلہ ہے لیکن آفیسر کیا یہ ایک بے رحمانہ عمل نہیں ہے آپ ایسے لمحات میں مجھ سے سوالات کئے جا رہے ہیں جب میں اپنے ساتھ رہنے والوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" طارق دانیال نے فریادی لہجے میں کہا۔

"سوری ہمیں یہ اطلاع دیتے ہوئے افسوس ہے کہ آپ کی بیوی عالیہ دانیال اس حادثے میں ہلاک ہو گئی ہے آپ کے ساتھی میڈلینو بہتر حالت میں نہیں ہیں ان کے اعصاب شدید متاثر ہوئے ہیں اور انہیں کسی بھی وقت کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے آپ کی بیٹی البتہ بہتر حالت میں ہے اس کے سر میں چوٹ لگی تھی۔ چہرے اور بازو وغیرہ میں شیشے کی کرچیاں پیوست ہو گئی تھیں جنہیں نکال دیا گیا ہے اب وہ ٹھیک ہے۔"

" طارق دانیال نے آنکھیں بند کر لیں اس کے ہونٹوں سے آہستہ سے نکلا......" عالیہ......" پھر وہ خاموش ہو گیا کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "کیا میں ان دونوں سے مل سکتا ہوں۔"

"ضرور............ لیکن اپنا مکمل بیان دینے کے بعد۔" آفیسر نے کہا۔

"عالیہ کی لاش کہاں ہے۔"

"انہیں سان کرسٹوبل میں مسلم مشنری کے حوالے کر دیا گیا تھا جس نے ان کی آخری رسومات ادا کر دی ہیں۔"

"میں اس وقت کہاں ہوں۔" طارق نے چونک کر پوچھا۔

"دارالحکومت ہونیارا کے اسپتال میں۔"

اس کے بعد طارق دانیال نے محتاط انداز میں اپنا بیان درج کرا دیا۔ جس میں اس نے بتایا کہ ہیوسٹن یونیورسٹی میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے اپنے استاد پروفیسر میڈلینو

کے ساتھ رہائش اختیار کر لی تھی اور پورا خاندان اس رسد گاہ میں بے ضرر خلائی تحقیقات کرتا تھا جو صرف معلوماتی نوعیت رکھتی تھیں اس نے کہا کہ یہ حادثہ اس کے لئے نامعلوم ہے۔ پھر اسے ثمر سے ملنے کی اجازت دے دی گئی ثمر اس سے مل کر بلک پڑی۔

"ڈیڈی۔ ممی آپ سے بہت روٹھ گئی تھی۔"

"ہاں مجھے افسوس ہے کہ میں اتنے طویل ساتھ کے باوجود اس کی خلائی فطرت سے واقف نہ ہو سکا۔ ورنہ میں اتنا سخت موقف نہ اختیار کرتا۔" طارق دانیال نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"پروفیسر میڈلینو کے جسم کا سارا خون خشک ہو گیا تھا اس کی آنکھیں چمک کھو بیٹھی تھیں اس نے کھوکھلی آواز میں کہا زندگی کا اختتام قانون فطرت ہے جس میں مختلف طریق کار ہوتے ہیں میری عمر بھی کافی ہو گئی ہے اور مجھے مر کر کوئی افسوس نہیں ہو گا۔"

"لیکن پروفیسر۔ یہ کیسے ہوا۔؟"

"ایک الجھا ہوا معاملہ ہے وہ دوسری جنگ عظیم کی یادداشتیں جمع کر رہی تھی ہم ایک قیمتی البم تیار کر چکے تھے وہ اس دور میں پہنچ گئی تھی جب امریکہ نے ہیروشیما پر ایٹم بم پھینکا تھا۔ ریکارڈنگ سسٹم نے اس دھماکے کو پوری طرح ریکارڈ کیا اور تباہی پھیل گئی۔ لیکن۔"

"لیکن کیا پروفیسر؟"

"یہ کام وہ رات کو میرے ساتھ کرتی تھی ریکارڈنگ میرے ذمے ہوتی تھی۔ دوپہر کو۔" پروفیسر جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

اس گفتگو کے تیسرے دن پروفیسر میڈلینو کا انتقال ہو گیا۔ اس کی آخری رسومات طارق دانیال نے اپنے ہاتھوں سے سرانجام دی تھیں وہ اس کی لاش سان کرسٹوبل لے گیا تھا۔ تدفین کے بعد ثمر دانیال باپ کے ساتھ پروفیسر میڈلینو کی رسد گاہ آ گئی۔ انھیں معزز شہرت حاصل تھی اور مقامی حکام ان سے تعاون کر رہے تھے۔ انہیں پیشکش کی گئی تھی کہ وہ اگر سرکاری تعاون سے اس عمارت کو درست کرنا چاہیں تو انہیں مدد دی جا سکتی ہے طارق دانیال نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

رسد گاہ بری طرح برباد ہو گئی تھی نازک آلات ختم ہو چکے تھے طارق دانیال نے کہا" میں آئندہ کے لئے تمہاری رائے چاہتا ہوں ثمر......"

"ہم یہاں نہیں رہیں گے ڈیڈی یہاں رہ کر ہم کچھ نہیں کر سکیں گے مجھے ممی کی یاد آتی رہے گی اور پروفیسر میڈلینو بھی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کہاں جائیں گے۔"

"ایک جگہ ہے ثمر" طارق دانیال نے کہا۔

"کونسی۔"

"میرا وطن۔ میری جائے پیدائش۔ طویل عرصہ ہوا..... میں نے اس سے رشتہ توڑ لیا تھا..... کیوں..... اب تو یہ بھی یاد نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اب جب بے سہارا ہوا ہوں تو وہی یاد آتا ہے۔"

"وہ کیسی جگہ ہے ڈیڈی۔"

"بہت خوبصورت..... بہت پربہار..... وہاں ٹھاٹھیں مارتے سمندر بھی ہیں' سربفلک پہاڑ بھی' بل کھاتے جھرنے' گنگناتی ندیاں سب کچھ ہے وہاں۔"

"میری آرزو ہے ڈیڈی کہ میں کسی نامعلوم سیارے پر جا کر رہوں جہاں کی فضا انوکھی ہو جہاں انوکھے لوگ رہتے ہوں جہاں کا ماحول اس دنیا سے بالکل مختلف ہو جہاں صرف خواب دیکھے جاتے ہوں میں نے بہت بار ایسا سوچا ہے۔"

"ہم اپنے وطن چلیں گے ثمر۔"

"وہاں ہم ایک آبزرویٹری قائم کریں گے۔؟"

"ہاں۔ تم اپنے کام کو دوبارہ جاری کرو گی۔"

"کیا ہمیں وہاں ایسے وسائل مہیا ہو جائیں گے۔"

"یقیناً" وہاں میرے اپنے ہم وطن ہیں' میرے ہم زبان' ہم مذہب لوگ ہیں بیشک میرا ان سے طویل عرصے سے رابطہ ٹوٹا ہوا ہے۔ لیکن میں انہیں بھولا نہیں ہوں۔"

"ہم ضرور وہاں چلیں گے میں دوبارہ اپنے منصوبے پر کام شروع کر دوں گی" اس کے بعد ثمر کی آنکھیں خوابناک ہو گئیں۔

قیامت گزر گئی تھی لیکن وہ ایسے رشتے ساتھ لے گئی تھی جن کا نعم البدل ممکن نہ تھا۔ سچے تجربے ہمیشہ خود پر ہوتے ہیں عالیہ سے طارق دانیال نے اس لئے شادی کی تھی کہ اپنے تجربات کے سلسلے میں وہ ایک دوسرے کے لئے ناگزیر تھے۔ جب میڈلینو نے کہا کہ ان کے درمیان کیا رشتہ ہے تب دونوں کو احساس ہوا کہ دونوں صنف مخالف سے تعلق رکھتے ہیں اور ساتھ قیام رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے درمیان سماجی رشتہ ہو۔ اس نے عالیہ سے شادی کر لی لیکن اس کے بعد دونوں سائنس دان ہی رہے اور پھر ان کے درمیان ایک ذرا سی بات پر اختلاف ہوا تو دونوں اکڑ گئے۔ ہاں عالیہ کی جدائی کے بعد دانیال کو احساس ...گی خلا سے مختلف ہے اور بدن کے اعضا میں دل صرف خون پمپ کرنے والا آلہ ...ں کی کائنات میں ایک ایسی ذخیرہ گاہ پوشیدہ ہے جہاں محبت رہتی ہے۔ جس

طرح کوئی بھی آواز اپنا وجود نہیں کھوتی اسی طرح کسی سے بھی کی جانے والی سچی محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ اگر اسی محبت کا تحفظ نہ کیا جائے تو ایک ایسے خسارے سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا عالیہ جا چکی تھی لیکن اپنی محبت کا مرکز ثمر کی شکل میں چھوڑ گئی۔ تھی طارق اب اس کے تحفظ سے منہ نہیں موڑ سکتا تھا اس نے ثمر کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔

تباہ شدہ لیبارٹری کے ملبے میں دونوں باپ بیٹی نہ جانے کیا کیا تلاش کر رہے تھے۔ ایک ماہ تک طارق دانیال مصروف رہا اس نے ایسے اثاثے حاصل کئے جو مستقبل کے لئے ضروری تھے مالی معاملات ابھی تک پراسرار تھے شاید اب تک کی کاوشوں سے اس نے اپنے لئے یہ مشکل ختم کر لی تھی اس کا ذریعہ نامعلوم تھا کیونکہ میڈلینو کی اس رسد گاہ نے جو دولتیں حاصل کی تھیں وہ ناقابل یقین تھیں۔

پھر ایک دن باپ بیٹی چل پڑے۔ ثمر کے لئے وہ نئی دنیا تھی اس نے سان کرسٹوبل کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا لیکن طارق دانیال کو ماضی یاد آ رہا تھا۔ وہ کردار یاد آ رہے تھے جن کے دل کی ذخیرہ گاہوں میں ممکن ہے اس کی یادیں بھی ہوں۔

نئی دنیا نئے لوگ۔ ہوٹل میں قیام کیا تھا کوئی رشتہ یاد نہیں آ رہا تھا کوئی شناسا نہیں تھا انسانوں کا ہجوم۔ ثمر نے گھبرا کر کہا۔

"یہاں تو بہت ہنگامہ ہے ڈیڈی۔ یہ کس مشکل کے شکار ہیں؟"

"یہی انسانی زندگی ہے ثمر۔"

"نہیں ڈیڈی میرا دم گھٹتا ہے۔ میں یہاں نہ رہ سکوں گی مجھے تو خاموش' بیکراں سناٹے پسند ہیں۔ کہکشاں سے میں اپنا رشتہ نہیں توڑنا چاہتی مجھے میری کہکشاں واپس دے دیں ڈیڈی۔"

"طارق دانیال سوچ میں ڈوب گیا۔ بڑی بے بسی محسوس کرتا تھا وہ۔ اب کوئی ایسا نہیں تھا جس کی زبان سے وہ ثمر سے کہہ سکتا کہ اب وہ جوانی کی منزل میں داخل ہو گئی ہے زندگی کو ایسی سطحی نگاہ سے نہ دیکھے جیسے خود اس نے دیکھا ہے۔ ایک ساتھی زندگی کی آخری طلب ہوتا ہے اس سے پہلے کچھ بھی ہو' اس کے بعد کچھ نہیں ہوتا۔

"یہ سب بہت اچھے لوگ ہیں۔ تم ان سے ملو گی انہیں دوست بناؤ گی تو تمہیں خوشی ہوگی۔"

"مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میں تو ان سیاروں کا سفر کرنا چاہتی ہوں جو سکون کے سمندر میں مسکراتے ہیں۔" ثمر نے جواب دیا۔ اس نے اس طرح بے چین نگاہوں سے

طارق دانیال کو دیکھا جیسے اپنا اعتماد کھو رہی ہو جیسے سوچ رہی ہو کہ یہ کیا ہوا۔ اور اس نے اس کا اظہار بھی معصومیت سے کر لیا کہ اپنے وطن جانے کے بعد کسی پر سکون گوشے میں آبزرویٹری بنائیں گے، ہم ایک بار پھر خلا کے راز دار بن جائیں گے۔

تب طارق دانیال نے اپنا شہر چھوڑ دیا۔ یوں بھی یہ اس کا شہر نہیں تھی نہ کوئی شناسا نہ دوست۔ ایک عرصہ تلاش میں گزرا اس نے بیشمار علاقوں کا دورہ کیا اور ثمر نے اعتراف کیا کہ بیشک یہ ملک بے حد حسین ہے پھر انہوں نے ایک خوبصورت جگہ کا انتخاب کر لیا۔ لیکن اس بار طارق دانیال نے دوسرے امور کو بھی مدنگاہ رکھا تھا ثمر کو آہستہ آہستہ دنیا کے لوگوں سے بھی روشناس ہونا چاہیے۔ اسے انسانوں سے بالکل کٹ کر نہیں رہنا چاہیے چنانچہ ایک حسین پہاڑی مقام پر اس نے ایک قطعہ زمین حاصل کیا اور پھر دولت کا کھیل شروع ہو گیا ایک خوبصورت رصد گاہ کی تعمیر شروع ہو گئی بہت سے لوگوں نے معاوضے پر طارق دانیال کے لئے کام کیا۔ اور طارق دانیال سخت اور انتھک جدوجہد کے بعد ثمر کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا محبت کی ذخیرہ گاہ میں اب وہ کوئی اور زخم نہیں چاہتا تھا۔

"ثمر مصروف ہو گئی اس کے مضطرب چہرے پر ایک بار پھر سکون نظر آنے لگا۔ "یہی میری منزل ہے ڈیڈی اسی میں میرے سکون کی دنیا چھپی ہوئی ہے۔"

"ہم زمین کے لوگ ہیں ثمر۔ دنیا کے وجود میں آنے کے پہلے دن سے انسانوں نے انسانوں کی ضرورت محسوس کی ہے وہ اپنے جیسوں کے ساتھ ہی رہنا پسند کرتے ہیں تمہیں اپنی مصروفیات کے باوجود لوگوں سے رابطے رکھنے چاہئیں۔"

"مجھے بالکل ضرورت نہیں محسوس ہوتی ڈیڈی۔"

"کیا میری بھی نہیں۔" طارق مسکرا کر بولا۔

"آپ! ڈیڈی آپ۔ کیا آپ میرا ہی وجود نہیں ہیں۔؟ ثمر نے کہا اور طارق دانیال سانس لے کر خاموش ہو گیا پھر کچھ دیر کے بعد آہستہ سے بولا۔

"اب مجھے وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔" طویل عرصے تک وہ انتظار کرتا رہا لیکن ثمر مطمئن ہی نظر آئی۔ وہ اپنے الگ حصے میں تھی روز مصروف رہتی تھی۔ اور طارق خلا میں جھانکنے والی دور بینوں میں نہ جانے کیا تلاش کرتا رہتا تھا۔ اسے عالیہ کے وجود کی تلاش تھی ممکن ہے کبھی۔

"اس روز بھی وہ خلائی دوربینوں سے خلا میں جھانک رہا تھا کہ اچانک رات کے گھرے سناٹوں میں اسے ایک زوردار چیخ سنائی دی اور اس کا سارا وجود کانپ گیا اعصاب کشیدہ ہو گئے آواز ثمر کی تھی اور وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

"میرے خدا.....میرے خدا.....اب کوئی اور حادثہ برداشت نہ کر پاؤں گا میں.....میرے خدا.......میرے خدا....." طارق کے منہ سے نکلا اور وہ دیوانہ وار اس حصے کی طرف دوڑنے لگا جہاں ثمر اپنے تجربات میں مصروف رہتی تھی۔

تجربے گاہ پہنچتے پہنچتے اسے ثمر کی دو تین چیخیں اور سنائی دیں وہ اسے ہی پکار رہی تھی۔ دانیال بے تحاشا دوڑتا ہوا تجربے گاہ میں داخل ہو گیا۔ اس کی نگاہوں نے ثمر کو تلاش کر لیا وہ اسپیس اسکرین کے قریب کھڑی چیخ رہی تھی۔ اسے زندہ سلامت پا کر طارق دانیال کا سانس ٹھہرا اور وہ ثمر کے پاس پہنچ گیا وہ فرط مسرت سے کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ طارق کے قریب پہنچنے پر بھی اس نے اسکرین سے نظریں نہ ہٹائیں۔ اور دیوانہ وار چیختی ہوئی بولی "میں کامیاب ہو گئی۔"

"تم ٹھیک تو ہو ثمر...... تم خیریت سے ہو۔" طارق دانیال نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

"دیکھئے ڈیڈی...... یہ دیکھئے...... نیلی شعاعیں...... یہ سینس ریز ہیں۔ یہ دیکھئے۔ یہ خلاء میں گردش کرنے والی ان قدرتی سینس ریز کے ساتھ ساتھ ہیں ہمیں خلائی اجسام فراہم کرتی ہیں۔ لیکن اپنی سرشت کے مطابق۔"

"نیلی شعاعیں۔" طارق نے ٹیلی اسکوپ اسکرین پر نیلی شعاعوں کے متحرک جال کو دیکھا۔

"ہاں ڈیڈی...... سینس ریز کے قافلے کے ہمراہ ہیں اور اسی طرح زندہ وجود رکھتی ہیں جیسے وہ۔"

"لیکن یہ......"

"انہیں میں نے تخلیق کیا ہے۔ ڈیڈی بالآخر میرا وہ خواب پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔" طارق دانیال نے گہری نگاہوں سے ثمر کو دیکھا۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"تم نے مجھے بری طرح بدحواس کر دیا ہے۔ ذرا سکون پالوں تو تم سے بات کروں۔" وہ کرسی پر بیٹھ کے ہانپنے لگا۔ ثمر آپریشن بورڈ پر پیار سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔ رصد گاہ کی دور بین اسکرین پر خلاء پیش کر رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد طارق نے کہا۔ "ہاں اب بتاؤ ...... کیا ہوا؟؟"

"ڈیڈی ممی نے اپنی تھیوری پر اسی وقت کام شروع کر دیا تھا جب ممی زندہ تھیں۔ پھر یہ سلسلہ رک گیا۔ میں آپ کی ہدایات کے علاوہ اپنی تھیوری پر بھی کام کر رہی تھی۔ میں

نے خلائی پتھروں میں قید رہ جانے والی شعاعوں کا تجزیہ کر کے ان جیسی شعاعیں تیار کرنے کا عمل جاری رکھا۔ میں نے سوچا ڈیڈی کہ خلاء کے زندہ رنگ کون کونسے ہیں۔ ہم نے خلاء میں دو ہی رنگ پائے۔ سفید چاندی کا رنگ جو سورج کی شعاعوں کو جذب کر کے چمکتا ہے۔ یا پھر نیلا رنگ جس کی آمیزش کبھی کبھی نمایاں ہوتی ہے۔ نیلی کہکشاں کی دریافت سے بھی اس رنگ کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے ان شعاعوں کو نیلا رنگ دیا تاکہ یہ خلا میں نمایاں ہوں اور ان میں اور قدرتی شعاعوں میں تفریق کی جا سکے۔ چند روز قبل میں نے انہیں خلاء میں نشر کر دیا۔"

نشر کر دیا......؟ طارق دانیال چونک پڑا۔

ہاں ڈیڈی...... اور اس دن کے بعد سے آج تک ہر رات میں نے اس انتظار میں گزاری کہ کبھی انہیں خلاء میں دیکھوں۔ ڈیڈی آج مجھے میری محنت کا ثمر مل گیا۔ ثمر خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

"تم نے انہیں خلاء میں کیسے نشر کیا؟؟"

"ٹرانسمیٹ سسٹم پر...... بہت آسان سی بات ہے جس طرح ٹیلی ویژن پر تصاویر ساری دنیا میں منتقل کی جاتی ہیں میں نے ان شعاعوں کو بے وزن کر کے زمینی کشش سے بے نیاز کر دیا اور ان کا رخ خلاء کی طرف ہو گیا۔" ثمر نے معصومیت سے کہا اور طارق دانیال اس کی تھیوری پر غور کرنے لگا۔ پھر اس کے منہ سے سرد سی آواز ابھری۔

"میرے خدا...... میرے خدا......"

ثمر اب بھی باپ کی کیفیت سے بے نیاز تھی۔ اس نے کہا "میں انہیں دور دور تک خلاء میں پھیلا دوں گی اور پھر ہم اپنی ان کاوشوں کا پھل کھائیں گے۔ خلاء میں تیرتے نامعلوم اجسام جنہیں ہم حسرت سے دیکھتے ہیں اور حاصل نہیں کر سکتے۔ اپنی اصل شکل میں حاصل کریں گے اور ہمیں قیمتی معلومات حاصل ہوں گی۔"

"میں تمہارے اس نشریاتی نظام کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" طارق دانیال نے کہا۔

"بہت معمولی سا کام ہے ڈیڈی۔ اصل کام یہ ہے دیکھئے ڈیڈی یہ چمکدار دھبہ...... میں انہیں پہلی بار آپ کے سامنے استعمال کر رہی ہوں۔"

ثمر نے کہا اور کنٹرول بورڈ پر عمل کرنے لگی۔ طارق دانیال کی نگاہیں اسکرین پر جم گئیں۔ نیلی شعاعوں نے بنفشی شعاعوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور پھر وہ اس چمکدار دھبے کے تعاقب میں چل پڑیں۔ خلا کے مناظر بدلتے رہے یہاں تک کہ وہ چمکدار دھبہ نیلی شعاعوں کے جال میں روپوش ہو گیا شعاعوں نے اسے قیدی بنا لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی نیلی

کارٹ ریسیور کا نمبر اسپارک کرنے لگا۔ چند لمحات کے بعد بڑی پلیٹ پر ایک گیند نما شے نمودار ہو گئی اور ثمر نے دیوانوں کی طرح چیختے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ شادی مرگ جیسی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ طارق دانیال نے اسے سہارا دیا تھا۔ یہ دنیا کی عظیم کامیابی تھی۔ اگر یہ منظر عام پر آ جاتی تو قیامت کا ہنگامہ برپا ہو جاتا۔

دونوں موصول شدہ گول پتھر کو دیکھ رہے تھے۔

"سب سے اہم بات یہ ہے ڈیڈی کہ یہ اپنی ہیئت میں مکمل ہے اگر ہم اسے خلاء میں موجود اصل سینس ریز کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کرتے تو وہ اسے پیس ڈالتیں اس کے بعد ہمیں کچھ ناہموار ٹکڑے حاصل ہوتے جن کے بارے میں صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوتا۔"

"ہاں..... یہ درست ہے ثمر..... میں تمہیں اس عظیم الشان کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اب کیا تم اس مشغلے کو ترک کر کے مجھے کچھ وقت دو گی۔"

"ضرور ڈیڈی۔ میں اس سے زیادہ خوشی برداشت نہیں کر سکتی۔"

ثمر نے جواب دیا۔

"تو عارضی طور پر سب بند کر دو"

"مجھے اب اپنے عمل پر قدرت حاصل ہے ڈیڈی۔ میں پہلے سے زیادہ اعتماد کے ساتھ خلا میں اپنا عمل جاری رکھ سکتی ہوں۔" ثمر نے کہا۔ اور کنٹرول کے سوئچ آف کرنے لگی۔

"تم نے مجھ سے اس نشریاتی نظام کے بارے میں بات کی تھی جس کے ذریعے تم نے سینس ریز زمین سے خلا میں نشر کی تھیں۔"

"ہاں..... ایک سادہ تھیوری ہے ڈیڈی۔"

"میں دیکھنا چاہتا ہوں" طارق دانیال نے کہا اور ثمر اسے اس حصے میں لے گئی جہاں اس نے اپنے ٹرانسمیٹر نصب کر رکھے تھے وہ طارق دانیال کو اس نشریاتی سسٹم کے بارے میں بتانے لگی۔ دانیال کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے ڈیڈی۔"

"کیا ہمیں اس پتھر کے بارے میں معلومات نہیں حاصل کرنی چاہئیں۔ تم اس میں میرا ساتھ دو گی۔"

"ضرور ڈیڈی۔"

"کئی دن کی مشترکہ کوششوں کے بعد باپ بیٹی اس بات پر متفق ہو گئے کہ اس پتھر کی

عمر لاکھوں سال ہے۔ یہ سورج کے ان طوفانوں سے بننے والے لاوے کی ایک بوند ہے جو زمین کی مانند خلا میں ٹھنڈک حاصل کر کے جم گئی۔ لیکن بالکل ٹھوس اور بے حد چھوٹی ہونے کی وجہ سے اس میں نمی نہ داخل ہو سکی۔ طارق دانیال نے کہا۔

"اگر یہ سائنس دانوں کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اسے خلا سے حاصل ہونے والی سب سے نایاب شے قرار دیں..... جانتی ہو کیوں؟"

"کیوں ڈیڈی؟"

"اس سے زمین کی اصل کیفیت معلوم ہو سکتی ہے وہ اسے توڑ کر بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔"

ثمر نے طارق دانیال سے اتفاق کیا تھا۔ طارق دانیال نے کہا..... "میرے ذہن میں بارہا ایک خیال آیا ہے ثمر....."

"کیا ڈیڈی....."

"کیا ہم خود کو اس دنیا کی مخلوق کہہ سکتے ہیں کیا دنیا والوں سے ہمارا کوئی تعلق رہ گیا ہے۔"

"ثمر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سوچنے لگی......پھر بولی۔ "ہاں ہے تو نہیں...... مگر ڈیڈی..... یہ ضروری بھی تو نہیں ہے؟"

"نہیں ڈیئر' ضروری تو ہے ہم نے یہ آبزرویٹری انہی کی مدد سے بنائی ہے ہماری رہائش گاہ میں انہی کی محنت کی تزئین ہے۔ ہمارے لباس' ہماری خوراک' ہماری یہ ضرورت اسی زمین کے لوگ پوری کرتے ہیں۔ ہمارا ان سے اتنا غیر متعلق رہنا میرے خیال میں مناسب نہیں۔"

"لیکن ڈیڈی..... اب یہ سب عجیب لگتا ہے...... مجھے انسانوں سے وحشت ہے۔ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد صرف تین انسان دیکھے ہیں ان کے سوا میری کسی سے شناسائی نہیں ہے۔"

"ہاں.... قصور شاید میرا بھی نہیں ہے۔ دوران تعلیم..... میں اپنی یونیورسٹی میں ایک سرگرم طالب علم تھا پروفیسر نے مجھ سے کہا کہ میں اپنی ذہانت کا شکار ہو جاؤں گا۔ مجھے اغواء یا قتل کر دیا جائے گا۔ وہ ہم سے زیادہ تجربے کار تھے۔ بے شک انہوں نے غلط نہیں کیا ہو گا۔ لیکن اس کے بعد ہم دنیا سے بہت دور ہو گئے۔ ہماری یہ ایجادات...... یہ معلومات..... سب ہمارے ساتھ فنا ہو جائیں گی۔ جس طرح عالیہ نے کچھ البم تیار کی تھیں دنیا کی قیمتی ترین معلومات لیکن ..... وہ سب کچھ ختم ہو گیا..... ہم یہ محنت کیوں کر رہے ہیں ان

معلومات سے ہمیں کیا حاصل ہو گا۔"

"یہ ایک پریشان کن سوال ہے ڈیڈی۔"

"ہم سے پہلے کے لوگ ......وہ بھی ذہین تھے۔ انہوں نے اپنی کاوشیں دنیا کو پیش کر دیں۔ اور آج ہم خود ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ہمارے گھر میں انہی کی ایجاد کردہ روشنی ہے۔ نہیں ثمر.....کچھ غلط کر رہے ہیں ہم لوگ ہمیں کچھ سوچنا ہو گا۔"

"مجھے صرف خلاء کے بارے میں سوچنا اچھا لگتا ہے ڈیڈی میں اپنے خوابوں میں ایسے سیارے دیکھتی ہوں جن کی سرزمین انوکھی ہوتی ہے جو بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے ڈیڈی.....میں خلاء میں نشر ہو جاؤں۔ کسی سیارے پر جا پہنچوں.....وہاں کی دنیا کو دیکھوں....."

طارق دانیال نے چور نگاہوں سے ثمر کو دیکھا.....پھر خاموش ہو گیا۔ بیکراں خلاء پراسرار سیارے.....ان کے درمیان پھیلی خاموشی۔ سکون کا لامتناہی سمندر......ثمر اس ماحول سے پوری طرح مطمئن تھی۔ اس نے خلا کی وسعتوں میں سینس ریز کے جال پھیلا دیئے تھے اور اسے بڑے فخر کا احساس ہوتا تھا وہ ان شعاعوں کی مدد سے خلا کی حکمران بنتی جا رہی تھی۔ طارق دانیال کی نوادر گاہ میں بیشمار قیمتی نوادر جمع ہو گئے تھے۔ باپ بیٹی الگ الگ کام کرتے تھے ثمر کو معلوم نہیں تھا کہ طارق دانیال کیا کر رہا ہے پھر ایک دن وہ اچانک دانیال کے پاس پہنچ گئی۔ طارق دانیال ایک بڑے صندوق میں لیٹا ہوا کسی کام میں مصروف تھا۔ ثمر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ کیا ہے ڈیڈی.....؟"

"تم......؟ طارق نے اسے تعجب سے دیکھا پھر مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔"

"میں یہ نئی مشین دیکھ رہی ہوں ڈیڈی.....یہ کیا ہے؟" "آؤ بیٹھو......؟" طارق دانیال نے کہا.....پھر وہ مسکراتا ہوا ثمر کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ چوری۔"

"میں سمجھی نہیں ڈیڈی۔"

"میں نے تمہارا خیال چرا لیا ہے۔" طارق دانیال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال چرا لیا ہے......؟"

"ہاں جب تم اپنے پہلے تجربے میں کامیاب ہوئی تھیں تو تم نے مجھے اپنا نشریاتی نظام دکھایا تھا۔"

"ہاں ڈیڈی"

"تم نے اس سادہ سے نظام کے ذریعہ سینس ریز کو خلا میں نشر کیا تھا۔ اس وقت

یہ تصور میرے ذہن میں جاگا کہ کیا کوئی ایسا نظام تیار کیا جا سکتا ہے جس کے ذریعے ٹھوس اجسام کو خلاء میں نشر کیا جا سکے۔"

"کیا یہ ممکن ہے ڈیڈی؟"

"ابھی نہیں لیکن ممکن ہو سکتا ہے۔"

"کیسے؟"

"جیسے راکٹ فضا میں بھیجے جاتے ہیں۔ خلائی لیبارٹریاں فضا میں قائم ہیں ہمیں اس نظام میں کچھ تبدیلیاں کرنی ہوں گی۔ میں انہی پر تجربات کر رہا ہوں۔"

"میں سمجھ نہیں پائی ڈیڈی......ٹھوس اجسام کو خلا میں بھیجنے کا نظام تو قائم ہے۔"

" اس سے مختلف.....اس سے بالکل مختلف......قیمتی دھات کے خول مشینوں سے آراستہ ہو کر فضا میں جاتے ہیں ان کا ٹارگٹ مخصوص ذرائع سے منتخب کیا جاتا ہے لیکن مادے کے انتشار کو ابھی تک تصوراتی شکل حاصل ہے۔ میں نہیں جانتا کہ سائنس نے اس پر کہاں تک کام کیا ہے۔ ممکن ہے لوگ ایسا کر چکے ہوں لیکن ہم اس سے لاعلم ہیں تم نے یہ کام کیا ہے کہ کچھ مصنوعی شعاعوں کو خلا میں پہنچا دیا ہے اور وہ تمہارے ٹارگٹ پر پہنچ کر کام کر رہی ہے۔ میں یہ تجربہ کر رہا ہوں کہ کیا انسانی جسم کو ذرات میں تبدیل کر کے خلاء میں ٹرانسمیٹ کیا جا سکتا ہے۔ اور کیا خلاء میں ہم کوئی ایسا ریسیور پہنچا سکتے ہیں جو اس انتشار کو یکجا کر دے۔"

"ثمر پر خیال نظروں سے باپ کو دیکھتی رہی۔ پھر خوابناک لہجے میں بولی.....یہ ریسیور ہم کسی سیارے تک پہنچا سکتے ہیں اور اس کے ذریعے خود کسی سیارے میں جا سکتے ہیں۔"

"ہاں اگر کامیابی حاصل ہو جائے تو ایسا ہو سکتا ہے۔ ہر چند کہ اس تصور میں بیشمار خامیاں ہیں۔"

"کیا؟"

"خلاء میں ایسی لیببس بھیجی گئی ہیں جو وہاں تجربات کر رہی ہیں چاند پر انسان کو اتار دیا گیا ہے لیکن ایک بہت بڑے پروسس کے ذریعے کوئی ایسا ذریعہ شاید اب تک نہیں دریافت کیا جا سکا جس سے ان لیبارٹریز سے انسانوں کی آمد و رفت براہ راست ہو سکے۔ ہم اگر مادے کو منتشر کر کے کسی خاص مقام پر یکجا کر دیتے ہیں تو واپسی کا کیا انتظام ہو گا؟"

"جس ریسیور پر ہمیں رسیو کیا جائے گا اسی پر واپسی کا انتظام ہو گا جسے ہم وہاں پہنچ کر خود متحرک کریں گے۔"

"ہاں یہ ہو سکتا ہے اور اس پر کام کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ہمیں پہلے

سینس ریز کے ذریعہ یہ تجربہ کرتا ہے کہ کیا اجسام ان شعاعوں کی زد میں قائم رہ سکتے ہیں؟"

"یہ تجربہ تو ہو چکا ہے ڈیڈی......؟"

"میرا مطلب کچھ اور ہے۔" طارق دانیال مسکرا کر بولا۔

"مجھے سمجھایئے ڈیڈی......پلیز......" ثمر نے لجاجت سے کہا۔

"وہ ایک ٹھوس پتھر تھا جسے تم نے حاصل کیا......میں کسی انسانی جسم کی بات کرتا ہوں۔ مختلف کیمیائی حیثیت کے مالک جسم کا......!"

"ہاں یہ ایک مختلف بات ہے۔" ثمر نے طارق دانیال سے اتفاق کیا۔ پھر بولی "لیکن ڈیڈی خلا سے انسانی جسم....."

"کاش کسی طور دوسرے سائنس دانوں سے ہمارا رابطہ قائم ہو سکے۔ وہ خلا میں مختلف تجربات کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہم ان سے رجوع کریں...... لیکن میں آج بھی اسی خوف کا شکار ہوں جو پروفیسر میڈلینو نے میرے دل میں بٹھا دیا ہے ورنہ اگر یہ پتھر کسی سائنسی تجربے گاہ کو تحفتاً دیدیں تو یوں سمجھ لو کہ ہمیں عظیم تعاون حاصل ہو جائے......"

"نہیں ڈیڈی...... میں اس خیال کی مخالفت کروں گی۔ ہم کسی سے کوئی رابطہ نہیں کریں گے۔ آپ مجھ سے وعدہ کر چکے ہیں۔ مجھے میرے خوابوں میں کھویا رہنے دیں۔ چاہے اس کی تعبیر مجھے کبھی نہ ملے۔"

"طارق دانیال ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ دونوں کا عمل ایک بار پھر مشترک ہو گیا تھا۔ دانیال نے وہ عظیم الشان ریسیور تیار کر لیا تھا جس میں خلاء میں تیرتے اجسام زیادہ حفاظت سے ریسیو کیے جا سکتے تھے۔ ثمر نے مصنوعی شعاعوں کے جال خلا میں پھیلا دیئے تھے ان کی عظیم الشان دور بین پر اسرار کہکشاں میں دور دور تک جھانکتی رہتی تھی۔ سینس ریز نے انہیں خلائی نوادرات سے مالا مال کر دیا تھا۔ طارق دانیال اس احساس کا شکار تھا کہ اس کی کاوشیں اس کے ساتھ فنا ہو جائیں گی۔

"وہ ایک شفاف رات تھی کہکشاں میں پراسرار سیاروں کا عمل جاری تھا۔ ثمر اور دانیال خلا میں شعاعوں کا عمل دیکھ رہے تھے نیلی شعاعیں کسی انوکھے شکار کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔ دانیال نے بیٹی کو دیکھ کر کہا۔ تمہارے تھرماس میں کافی ہے؟"

"سوری ڈیڈی......میں اسے خالی کر چکی ہوں"...... ثمر نے جواب دیا اور دانیال خاموش ہو گیا...... "خیر کوئی بات نہیں......کافی تیار ہونے میں کونسی دیر لگتی ہے۔"

"تمہاری ضد ہے بے بی......ورنہ کم از کم ایک ملازمہ تو رکھی جا سکتی ہے۔"

"ہم واقعی اسے ایڈ جسٹ نہیں کر پائیں گے ڈیڈی۔"

"تمہارے یہ الفاظ مجھے پریشان کر دیتے ہیں۔"

"کیوں ڈیڈی؟ ثمر نے پیار سے باپ کو دیکھ کر کہا......طارق نے کچھ دیر خاموشی اختیار کرنے کے بعد کہا......

"ہم جو کچھ کر رہے ہیں ثمر، وہ اپنی ذات کی تسکین، اپنے ذوق طبع کی آسودگی کے لئے کر رہے ہیں۔ قصور میرا ہے مجھے تمہاری پیدائش کے بعد باپ بن کر سوچنا چاہئے تھا۔ اور مجھے احساس ہے کہ میں نہ کبھی شوہر بن سکا، نہ باپ اور نہ ایک اچھا انسان .... میں نے مجرمانہ طور پر معاشرے سے علیحدگی اختیار کی ہے۔ اسی زمین پر پیدا ہوا ہوں۔ میں اسی معاشرے کا ایک فرد ہوں۔ ہم پر بھی عام انسانوں کی مانند ذمے داریاں ہیں۔ میں شوہر بن کر بھی ایک سائنس دان رہا......اور باپ بن کر بھی لیکن......"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ڈیڈی......؟"

"یہی کہ میں ایک بیٹی کا باپ بھی ہوں۔"

"تو پھر......؟"

" اور تم گوشت پوست کی زمینی مخلوق......ایک لڑکی ..... جو میری غلطی سے اپنے نسوانی احساسات سے عارضی طور پر دور ہو گئی ہے۔ میں کبھی یہ نہ چاہوں گا کہ جب تمہیں اپنے عورت ہونے کا احساس ہو تو میں اس دنیا سے جا چکا ہوں اور تم تنہا رہ کر سوچو کہ اب کیا کروں۔"

"اس کا کیا حل ہے ڈیڈی........؟"

"ہاں...... کہو......"

"مجھے سوچنے کا وقت دیجئے مجھے مختلف انداز میں خود پر غور کرنے دیجئے......ہمارے درمیان ہمیشہ بڑے صاف ستھرے رابطے رہے ہیں میں آپ کے لئے مشکل نہیں بننا چاہتی۔ لیکن آپ کے خیالات آپ کی سوچ میرے لئے مشکل پیدا کر رہی ہیں۔ ڈیڈی میں نے ہمیشہ خلاؤں کے خواب دیکھے ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو ایک حسین سیارے میں دیکھا ہے جہاں ایک انوکھی زندگی ہے۔ ایسے کسی انسان کو اگر آپ ایک شوہر کی حیثیت سے مجھ پر حکمراں کر دیں گے جو میرے معیار سے بہت پست ہو گا تو زندگی میرے لئے موت سے بدتر ہو جائے گی۔ آپ اپنا فرض پورا کرنے کی بناء پر مجھ سے زندگی چھین لیں گے۔ لیکن میں جانتی ہوں آپ مجھ سے مخلص ہیں اور میرے لئے کبھی برا نہیں سوچتے۔ مجھے غور کر لینے دیجئے کہ کیا کبھی ایسے لمحات آ سکتے ہیں کہ میں عورت بن کر سوچوں........ میں خود سے پوچھوں گی کہ

کیا مجھے کبھی عمر گزر جانے کے پچھتاوے ہوں گے۔"

"بے شک تم غور کر لو...... لیکن انسان کے لئے فطرت سے بغاوت ممکن نہیں ہے۔ جو راستہ بھٹکے وہ نارمل نہیں رہے اور انہیں بہتر ناموں سے یاد نہیں کیا گیا۔"

"آپ مجھے وقت تو دیں گے نا.........."

"ہاں"

"اور ناراض ہوئے بغیر...... یہ سوچے بغیر کہ میں آپ کی نافرمانی کر رہی ہوں۔"

"نہیں...... میں تمہیں نافرمان نہیں سمجھتا۔"

"شکریہ ڈیڈی......... کافی بنا لاؤں۔"

"اگر تمہیں تکلیف نہ ہو۔"

"مجھے بالکل تکلیف نہیں ہو گی۔ ثمر نے کہا اور باہر نکل گئی۔ طارق دانیال سوچ میں میں ڈوب گیا تھا۔ اچانک ریسیور پر لگا سرچ بلب اسپارک کرنے لگا اور طارق چونک پڑا۔ سینس ریز نے خلاء سے کوئی تحفہ بھیجا تھا۔ عظیم الشان ریسیور میں اس کی ترسیل ہو رہی تھی۔ طارق ریسیور کے پاس پہنچ گیا۔ اشارہ دینے والا بلب اسپارک کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ تین مختلف رنگوں کے بلب بھی روشن ہو گئے تھے۔ جو اس امر کی خبر دیتے تھے کہ ترسیل نامکمل ہے اور ریسیور میں اجزاء ترتیب پا رہے ہیں تکمیل کے بعد یہ بلب بجھ جاتے تھے اور ترتیب حجم کے حساب سے مکمل ہوتی تھی۔

طارق انتظار کرتا رہا...... اشارہ دینے والا بلب بجھ چکا تھا لیکن وہ تینوں بلب بدستور روشن تھے۔ خاصا وقت گذر گیا یہاں تک کہ ثمر کافی لے کر آ گئی۔ طارق دانیال کو ریسیور کے پاس کھڑے دیکھ کر وہ جلدی سے اس کے پاس پہنچ گئی پھر مسکرا کر بولی "کوئی خلائی تحفہ......؟"

"ہاں اور غیر معمولی جسامت کا حامل......!"

"کیوں؟"

"یہ بلب بہت دیر سے جل رہے ہیں۔ ریسیور میں ابھی کام ختم نہیں ہوا۔"

"آپ کافی لیجئے ڈیڈی۔ میں اسے آپریٹ کر رہی ہوں۔" ثمر نے کپ میں کافی انڈیل کر کہا اور طارق ریسیور باکس کے پاس سے ہٹ گیا۔

"ثمر انتظار کرتی رہی اور طارق کافی کے گھونٹ لیتا رہا۔ کافی ختم کر کے وہ اٹھا اور ثمر کے پاس آ گیا اس کے چہرے پر کافی تشویش ابھرنے لگی تھی۔

"ثمر......" اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی ڈیڈی......" ثمر نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"ہم نے اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔ اگر یہ ریسیور کی گنجائش سے بڑے حجم کی کوئی چیز ہو گی تو...... ریسیو کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"ڈیڈی بلب بجھ گئے" ثمر نے اچانک کہا۔

"تھینکس گاڈ......... طارق نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا...... باپ بیٹی کے چہرے پر تجسس کی چمک تھی۔ ثمر نے ریسیور کنٹرول بلب بٹن دبا کر ریسیور کا ڈھکن کھولا اور اس کے حلق سے بے اختیار آواز نکل گئی......... وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ طارق دانیال نے بھی اسے دیکھ لیا۔ پونے چھ فٹ قامت کا ایک نہایت خوبصورت نوجوان ریسیور میں موجود تھا۔ اس کے جسم پر ایک خاص طرز کا لباس تھا اعضاء بھرے بھرے اور خدوخال نرم تھے اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"میرے خدا......" طارق دانیال کے منہ سے نکلا۔

"یہ کیا ہے ڈیڈ...... یہ ......" ثمر کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"کوئی بڑی مشکل...... ایک منٹ...... ذرا اسٹیتھسکوپ لاؤ...... جلدی ہمیں اس میں زندگی کی علامت تلاش کرنی ہے۔"

ثمر تعمیل کے لئے دوڑ پڑی۔ طارق دانیال نے کافی دیر تک نوجوان کے سینے سے آلہ لگائے رکھا۔ پھر مغموم لہجے میں بولا......... "آہ...... اس میں زندگی مفقود ہے۔"

"مر گیا"

"ہاں" طارق دانیال نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اور ثمر بیٹھنے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگی۔ طارق دانیال اسے سہارا دے کر کرسی تک لے گیا۔ پھر بولا "خود کو سنبھالو ثمر......" اس کے بعد اس نے پلٹ کر کنٹرول سوئچ آف کر دیئے وہ خود بھی اعصابی دباؤ کا شکار ہو چکا تھا۔

نوجوان کے مردہ چہرے پر نظر ڈالتا ہوا وہ ثمر کے قریب کرسی پر آ بیٹھا۔ ثمر نے آنکھیں بھینچ بھینچ کر کھولیں پھر بولی...... لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔"

"یہ سینس ریز کا شکار ہو گیا...... اس کے نقوش بتاتے ہیں کہ اس کی موت کو زیادہ وقت نہیں گذرا۔"

"مگر ڈیڈی...... خلا میں ایک انسان......؟"

"حقیقت میری سمجھ میں آ رہی ہے۔" طارق دانیال ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیا......؟"

"کچھ عرصہ پہلے ایک خلائی ادارے نے اعلان کیا تھا کہ وہ خلا میں انسانی چہل قدمی کے لئے تیاری کر رہا ہے ان تیاریوں کی تکمیل کے بعد اس کے خلا میں جانے والے سائنس دان خلاء میں چہل قدمی کریں گے۔ میرے خیال میں یہ انہیں میں سے ایک ہے۔"

"او ہماری وجہ سے ایک انسانی جان تلف ہو گئی۔"

"نہ صرف یہ بلکہ ہمیں اور بھی مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیا ڈیڈی.....؟" ثمر نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"خلا میں بھیجے جانے والے معمولی لوگ نہیں ہوتے۔ ان پر بڑی محنت کی جاتی ہے اور ان کی زندگیوں کی حفاظت کے لئے زبردست انتظامات کئے جاتے ہیں خلا سے ایک سائنس دان کا اغواء بین الاقوامی خلائی اداروں کو ہلا دے گا اور وہ صورتحال کی تحقیق کے لئے مشترکہ طور پر سرگرداں ہو جائیں گے۔ ہم خلا میں نشر کردہ سینس ریز کو سمیٹ نہیں سکتے اور ممکن ہے ان کا یہاں سے تعلق ظاہر ہو جائے۔ ایسی شکل میں ہمیں ایک ہولناک طوفان کا سامنا کرنا ہو گا۔ ہم بین الاقوامی سائنسی مجرم قرار پائیں گے" طارق دانیال نے کہا اور ثمر کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ وحشت زدہ لہجے میں بولی.....

اب کیا ہو گا ڈیڈی.....؟

"یہ مفروضات ہیں ثمر..... ممکن ہے ایسا نہ ہو.....اور اگر ایسا ہوا بھی تو ہم اس کا کوئی حل تلاش کریں گے۔"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ڈیڈی"..... ثمر نے کہا اور طارق اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں میں محبت سمٹ آئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا..... "او دیوانی....... جب میں اس دنیا میں نہیں رہوں گا تو اس ڈر کا اظہار کس سے کرے گی۔ اسی لئے کہتا ہوں فطرت میں مفر ممکن نہیں ہے۔"

"میں اسے دیکھوں ڈیڈی..... ہمیں اس کی لاش ٹھکانے لگانی پڑے گی۔" ثمر نے کہا اس نے اپنے حواس مجتمع کر لئے تھے پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور آہستہ قدموں سے چل کر تابوت نما ریسیور کے پاس پہنچ گئی۔ لاش بدستور ریسیور میں پڑی تھی۔

ثمر نے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ چمکدار شہابی رنگ جو سینس ریز کی نیلی تابکاری سے ہلکی سی نیلاہٹ اختیار کر گیا تھا۔ سبک نقوش' یونانی سنگ تراشوں کا تصور لئے ہوئے بھری بھری جسامت خلائی لباس میں ملبوس بے حس و حرکت۔

"پہلی بار ثمر کے دل کو ایک دکھ بھرا احساس ہوا۔ جو کچھ بھی ہوا ہے ایک انسان کے ساتھ' ایک جاندار کے ساتھ ہوا ہے اس کا خاندان ہو گا۔ اس نے سائنس کی اعلیٰ تعلیم

حاصل کی ہو گی۔ نہ جانے کتنے جتن کر کے اس نے خود کو اس قابل بنایا ہو گا کہ کسی عظیم سائنسی ادارے میں اسے یہ عہدہ ملا.....اور ....پھر بے چارہ بے خبری میں ہی موت کا شکار ہو گیا۔ اسے مصنوعی سینس ریز کے بارے میں علم ہی نہ ہو گا۔ اس طرح یہ ایک قاتل تجربہ بن گیا۔ اسے اس نوجوان کی موت کا شدید افسوس ہونے لگا اور اس کے دل میں رقت ابھر آئی اس نے آنکھوں میں نمی ابھرتی محسوس کی اور شاید یہ آنکھوں میں بہنے والے آنسوؤں کی لرزش تھی کہ اسے لاش کے پتھر چہرے پر اس کے پپوٹے بھی لرزاں محسوس ہوئے۔

نہ جانے کیوں وہ طارق دانیال پر اپنی اس کمزوری کا اظہار نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ اس نے رخ بدل کر لباس کی آستین سے آنسو خشک کر لئے۔ اور دوبارہ اس پر نگاہ ڈالی۔ پھر دنگ رہ گئی۔ اب تو آنکھوں میں آنسو بھی نہیں رہ گئے تھے۔ پھر اس کے پپوٹوں کی یہ جنبش بدستور کیوں ہے۔ بلکہ اب یہ جنبش پپوٹوں تک محدود نہیں رہ گئی تھی اب تو چہرے کے دوسرے نقوش بھی متحرک تھے۔ اس کے ہونٹ بھی ہل رہے تھے۔ اس کی دوسری چیخ بھی کافی زوردار تھی......اور طارق......بری طرح اچھل پڑا تھا۔

"کیا ہے....؟" وہ چھلانگ لگا کر ثمر کے پاس آ گیا۔

"یہ .....یہ زندہ ہے......ڈیڈی یہ......" لیکن اس کے بتانے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ شاید اس کی چیخ نے تابوت میں لیٹے ہوئے نوجوان کے ساکت اعصاب متحرک کر دیئے تھے۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ خوبصورت نیلی آنکھیں جن میں کائنات کا سحر جگمگا رہا تھا۔

"اوہ میرے خدا.....اسے ریسیور سے باہر نکال لو...... آؤ میری مدد کرو......" طارق دانیال نے کہا اور بے اختیار اس پر جھک گیا اس نے نوجوان کے شانوں کے نیچے ہاتھ داخل کیا۔ ثمر بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی۔ نوجوان ریسیور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا جسم لچکدار تھا اور انہیں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ البتہ اس کے حواس ابھی درست نہیں ہوئے تھے۔ وہ صرف ان کے عمل سے جنبش کر رہا تھا۔ تم جلدی سے وہ ٹرالی لے آؤ......"

"طارق دانیال نے کہا۔ اور ثمر ٹرالی کی طرف دوڑ گئی۔ طارق نے قوت صرف کر کے اس توانا جوان کو ٹرالی پر لٹایا۔ اور بیڈ روم کی طرف چل پڑا۔ اسے زیادہ سے زیادہ آرام دینا ضروری تھا۔ ثمر کی مدد سے اسے بستر پر لٹا دیا گیا۔ اور دونوں اس کا جائزہ لینے لگے اس کی پلکیں جھپک رہی تھیں ہونٹ بھی کپکپا رہے تھے لیکن ابھی تک کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ ثمر نے کہا۔ "یہ ریڈیائی جھٹکوں سے مفلوج ہو گیا ہے۔"

"شاید ...... لیکن خطرناک حد تک نہیں جب میں نے اس کی دھڑکنوں کا جائزہ لیا تھا
اس وقت اس میں کوئی تحریک نہیں تھی۔ یہ بالکل مردہ جسم تھا۔"

"خدا کا شکر ہے زندہ تو ہے۔ ویسے ڈیڈی کونسے ملک کا باشندہ لگتا ہے۔"

"کسی بھی مغربی ملک کا......اس کے چہرے میں مغرب کا رنگ اور خطوط میں یونان کے نقوش پائے جاتے ہیں لیکن آنکھیں ایشین طرز کی ہیں۔ جرمنوں کے نقوش بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں کھردرا پن ہوتا ہے اور وہ بے کشش ہوتے ہیں۔"

"مجھے رنگ میں بھی اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ شباہت اور ملاحت یورپین رنگوں میں نہیں ہوتی۔ بلکہ ان میں دھبے ہوتے ہیں کتنا شفاف چہرہ ہے۔"

"اسے ابھی مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ ہم اس کی رگوں میں خون کی بحالی کے لئے عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے کچھ وقفہ ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے ریڈیائی اثرات رگیں برداشت نہ کر سکیں اور اس کی کھال کو نقصان پہنچ جائے۔"

"نوجوان سے دور ہٹ کر طارق دانیال نے کہا۔ مجھے خوشی ہے کہ ایک انسانی زندگی بچ گئی ہے لیکن اس کے بعد ہمیں بے شمار مسائل سے گزرنا ہو گا۔"

"وہ کیا ہوں گے ڈیڈی"

"خلاء میں چلنے والا ایک شخص معمولی سائنس دان تو نہیں ہو گا اس کا تعلق بہت بڑے ملک کے بہت بڑے ادارے سے ہو گا۔ اور ہمیں اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"اس طرح ہماری کاوشوں کا راز بھی منظر عام پر آ جائے گا۔ ثمر نے فکر مندی سے کہا۔"

"ہاں......میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک قدرتی عمل ہے ہم نے جس طرح روپوشی کی زندگی گذاری ہے۔ قدرت ہمیں دنیا کے سامنے لانا چاہتی ہے۔

"میرے ذہن میں ایک اور خیال ہے ڈیڈی" ثمر نے کہا۔

"خدا کے لئے ثمر......کوئی ایسی غیر انسانی بات نہ کہہ دینا جو تمہیں میرے معیار سے گرا دے؟ طارق دانیال نے کہا......اور ثمر تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں نہیں سمجھی ڈیڈی۔"

"ہم دانستہ اسے کسی طرح ذہنی اور جسمانی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ خواہ ہمیں اس کے لئے کوئی قیمت ادا کرنی پڑے۔"

"اوہ......آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں خطرے کو ختم کر دینا چاہتی ہوں......ثمر نے کہا۔

"ہاں میں نے سوچا تھا۔"

"نہیں ڈیڈی میں........" ثمر کہنا ہی چاہتی تھی کہ اچانک وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب اس کے نقوش میں زندگی تھی اور وہ کسی قدر متوحش نظر آ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اس کی شفاف پیشانی کے درمیان ایک سرخ دائرہ نمودار ہو گیا اس میں بیشمار رنگ گردش کرنے لگے۔ دائرے کے رنگ بے حد چمکدار تھے اور ان کی گردش سے ایک گونج پیدا ہو رہی تھی۔ وہ گردن گھما گھما کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا پھر نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے دونوں ہونٹ سختی سے بھینچ لئے اور ناک سے سینہ پھلا پھلا کر پھنکاریں مارنے لگا۔ اس کی ناک سے سفید دھواں خارج ہونے لگا جس نے اس کے پورے بدن کو لپیٹ میں لے لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سفید دھوئیں کے خول میں لپٹ گیا۔ لیکن اس کے اندر سے وہ خود صاف نظر آ رہا تھا۔

طارق دانیال اور ثمر پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ حیرتناک مناظر دیکھ رہے تھے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک ماربل کا خوبصورت لیمپ شیڈ بیڈ کے ساتھ رکھا ہوا تھا وہ کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا اس کے بعد اس نے اپنا دھوئیں میں لپیٹا ہاتھ آگے بڑھایا اور ٹرچ کی آواز کے ساتھ ایک لیزر شعاع نمودار ہوئی لیکن اس کا ردعمل بے حد سنسنی خیز تھا۔ لیمپ خاکستر ہو گیا تھا طارق دانیال کی نگاہیں فرش پر اٹھ گئیں۔ اس سے قبل ثمر نے یا اس نے غور نہیں کیا تھا......جہاں وہ کھڑا ہوا تھا جو چند قدم اس نے آگے بڑھائے تھے وہاں اس کے قدموں کے سائز کے گہرے گڑھے نمودار ہو گئے تھے اور قالین کسی ٹھنڈی آگ کے زیر اثر چڑ مڑ ہو گیا تھا۔ یہ امر بھی حیرتناک تھا کہ اس آگ سے نہ شعلہ بلند ہوتا تھا نہ دھواں۔

دونوں سکتے کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے وہ اپنی جگہ رک گیا تھا۔ اب وہ بغور انہیں دیکھ رہا تھا اور اس کی پیشانی پر بنے ہوئے سرخ دائرے میں رک جانے والے چمکدار رنگ پھر گردش کرنے لگے تھے۔ ان سے مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ بلند ہونے لگی تھی پھر اس کے ہونٹ ہلے اور ایک مدھم سی مردانہ آواز ابھری۔

"تم......کون ہو؟"

"ثمر اور دانیال اچھل پڑے۔ دانیال نے فوراً" خود کو سنبھال لیا اور گردن خم کر کے بولا "دوست......ہم دوست ہیں اور یقین کرو جو کچھ ہوا ہے اتفاقیہ ہی ہو گیا ہے۔ ہم اپنی یارکلہ میں خلائی تجربات کر رہے تھے کہ تم ان کی زد میں آ گئے۔"

اس کی گہری آنکھیں ان پر مرکوز تھیں۔ پیشانی کے دائرے کے مختلف رنگ اب صرف نیلے ہو گئے تھے وہ ساکت رہا پھر اس نے کہا۔ "یہ کیا ہے"

"یہ الفاظ بھی صاف سنے گئے لیکن اس بار ثمر کو اپنے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ آواز اس کے ہونٹوں سے نہیں بلکہ اس گول نشان سے خارج ہو رہی تھی اور آواز کے اخراج کے وقت اس دائرے میں بہت رنگ متحرک ہو جاتے تھے جب کہ وہ جواب سنتا تھا اور اسے سمجھتا تھا تو صرف ایک رنگ نمایاں ہوتا تھا۔"

"ہماری سیار گاہ ہے دوست۔" دانیال پرتپاک لہجے میں بولا۔

"کہاں ہے؟"

"اس زمین پر... ہمارا تعلق کسی دوسرے سیارے سے نہیں ہے" دانیال نے کہا

"زمین"

"ارتھ۔ سبز سیارہ...... زمین"۔ طارق دانیال اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا اور وہ پھر خاموش ہو گیا کچھ دیر کے بعد رنگوں کی گردش پھر نمودار ہوئی اور اس نے کہا "تم انسان ہو..... زمین کی مخلوق"

"ایں...... ہاں..... ظاہر ہے.... لیکن"

"یہاں تمہاری آبادی ہے؟"

"تم کیا سمجھ رہے ہو دوست...... کیا تم خلا میں کسی سیارے کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ کیا تم اپنی دانست میں کسی اور سیارے کے سفر پر نکلے تھے؟"

"میں رت ہوں"۔ اس نے ہاتھ کا رخ سینے کی طرف کر کے کہا۔

"رت؟ یہ تمہارا نام ہے۔"

"ہاں۔"

"کونسے ملک کے باشندے ہو؟"

"نف" میرا سیارہ ہے۔"

"کس...... کس سیارہ" طارق دانیال ہکلا کر بولا لیکن پھر ثمر کی طرف متوجہ ہو گیا جس کے حلق سے بھنچی بھنچی چیخ نکلی تھی اس کا چہرہ جوش مسرت سے سرخ ہو گیا تھا اس نے کہا۔

"ڈیڈی..... ڈیڈی...... یہ زمینی مخلوق نہیں ہے۔ یہ..... یہ ہماری زمین کا باشندہ نہیں ہے۔ ڈیڈی یہ خلا کے کسی سیارے کا نوجوان ہے۔"

طارق دانیال پر ایک بار پھر سکتہ طاری ہو گیا اگر وہ خلا میں تحقیقات کرنے والا ذہین

سائنس دان ہوتا تو اتنی انوکھی کیفیتوں کا حامل نہ ہوتا۔ اس میں بہت سی انوکھی باتیں تھیں جو سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

"اوہ ڈیڈی...... یہ کس سیارے کا انسان ہے۔" ثمر کی آواز بدستور مسرتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ بولا۔

"تم..... کون؟ نگاہیں طارق دانیال پر تھیں۔"

"میں طارق دانیال"

"یہ....." نظریں ثمر کی طرف گھوم گئیں۔

"میری بیٹی ثمر..... دانیال نے جواب دیا۔ تب اس نے اس تجربے گاہ پر نگاہیں دوڑائیں اور بولا۔ لیب؟ انداز سوالیہ تھا"

"ہاں..... ہماری اپنی...... یہی رصد گاہ ہے۔"

"درست......؟ وہ یقین نہ کرنے والے انداز میں بولا۔

"سو فیصد درست...... تمہیں ہم سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم تمہیں ایک معزز مہمان کی حیثیت دیتے ہیں۔"

"یہ "اش" ہے محافظ دھواں جو میرے گرد لپٹا ہوا ہے اس کی زد میں آنے والی ہر چیز اپنی ماہیت کھو دیتی ہے۔ میں نے اپنی زندگی بچانے کے لئے یہ محافظ دھواں اپنے گرد پھیلا لیا ہے تاکہ تم مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکو۔ میں نے تمہیں اس کا مظاہرہ کر کے دکھا دیا ہے۔ اس لئے مجھے نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش نہ کرنا..... ورنہ تمہیں نقصان پہنچے گا" اس کی آواز ابھری۔

"کیا تم زمین کے باشندوں کو جانتے ہوں؟ تمہاری آبزرویٹری پر ہمیں دیکھا گیا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم؟"

"میں تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہم تمہارے دوست ہیں اس جگہ صرف ہم رہتے ہیں ہم تمہیں ایک معزز مہمان کا درجہ دیتے ہیں اور تمہاری آمد سے خوش ہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"تم مجھے قید بھی نہیں کرو گے۔"

"بالکل نہیں"

"تب میں اش کو ہٹا رہا ہوں"۔ اس نے کہا اور اپنے سینے کے پاس ایک جگہ کو دبانے لگا۔ دھواں اس کے وجود میں جذب ہو کر معدوم ہو گیا۔ کوئی دھوکہ، کوئی فریب نہیں تھا۔ اس کی انوکھی صفات بتاتی تھیں کہ وہ انسانوں جیسی شکل و صورت رکھنے والا قدرتی انسان

ہے۔ پھر وہ مسکرایا اور بے حد دلکش نظر آنے لگا۔ اس نے اپنی پیشانی کے گول نشان کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ "سالے" ہے۔ ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کو الفاظ کی شکل میں وصول کرنے والا اور خیالات کو اسی طرح منتقل کرنے والا...... کیونکہ میں تمہاری زبان نہیں جانتا۔ اگر ہم ایک دوسرے کی زبان سمجھ سکیں تو ہمیں "سالے" کے تعاون کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔"

"ہم تمہاری آمد سے مسرور ہیں' تم ہمارے پاس ایک معزز مہمان ہو...... آؤ...... وہ بیٹھنے کی جگہ ہے۔ ہم بیٹھ کر باتیں کریں گے......" طارق دانیال نے کہا اور وہ گردن گھما کر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر ایک پروقار چال چلتا ہوا ان کی معیت میں آگے بڑھنے لگا۔ ثمر نے ان دونوں کے عقب میں چلتے ہوئے فرش پر نگاہیں ڈالیں۔ اب اس کے قدموں کے پیچھے بدنما گڑھے نہیں نمودار ہو رہے تھے۔

اس کی چال میں شہزادوں جیسا وقار تھا۔ ان کے اشاروں پر چلتا ہوا وہ اس حصے میں آ گیا جہاں نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ دانیال نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی اور وہ بیٹھ گیا۔ ثمر فرط خوشی سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ کسی خلائی مخلوق سے شناسائی اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ طارق دانیال نے کہا تھا کہ ثمر کے ہوش کے پہلے دن سے وہ اسے پراسرار کہکشاں سے روشناس کرائے گا۔ ایسا ہی ہوا تھا لیکن یہ بھی ہوا تھا کہ زمین اور زمین والوں سے اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ وہ اب انسانوں سے الجھنے لگی تھی۔ عمر کے ساتھ ساتھ تصورات کی تشکیل بھی ہوئی تھی اور ان تصورات میں اب وہ آنے لگے تھے جن کے خطوط فاصلوں میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ ان فاصلوں کو عبور کرنا چاہتی تھی۔ شاید اس کی ابتداء ہو گئی تھی۔ خود طارق بھی اپنی طویل تجرباتی زندگی میں پہلی بار اس مقام سے گزر رہا تھا۔ لہٰذا باپ بیٹی کے خیالات میں کافی فرق تھا۔

دونوں اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ دانیال نے کہا۔ "تم ...... رت۔" اس نے دانیال کو دیکھا پھر بولا۔ "ہاں۔ تم دانیال' یہ ثمر......"

"ہم دوست۔" طارق نے مسکرا کر کہا۔ پھر ثمر سے بولا۔ "اس کا تلفظ کتنا درست ہے۔ پھر فوراً" ہی اس سے مخاطب ہو کر بولا۔ "کیا تم تھکن محسوس کر رہے ہو۔ آرام کرنا چاہتے ہو؟"

سالے گردش میں آ گیا۔ اس نے کہا۔ "نہیں۔ میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہماری بھی یہی خواہش ہے لیکن تم جب بھی تھکن محسوس کرو آرام کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تمہارے سیارے کا نام "فے" ہے۔ طارق نے سوال کیا۔

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"وہ کتنا بڑا ہے؟"

"بہت بڑا ہے' وہاں بہت لوگ رہتے ہیں۔"

"تمہارا طرز زندگی کیا ہے؟" دانیال نے سوال کیا۔ سالے مسلسل کام کر رہا تھا۔ اس

نے کہا۔

"ہمارے ہاں رشتے ہوتے ہیں۔ "ان" غور کرتی ہے پرورش کرتی ہے۔ "ہیا" سربراہ ہوتا ہے۔ دوسری "سی" ہوتی ہے۔ "سا" ہوتے ہیں۔ ہم لوگ گھر بنا کر رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں حکومت ہوتی ہے۔ سب سے بڑا سائنس داں حکومت کا سربراہ ہوتا ہے۔ زندگی گزارنے کے اصول ہوتے ہیں۔ وہ بتاتا رہا اور دانیال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی گئی۔ وہ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سوال کیا۔

"تمہاری غذا کیا ہے؟" جواب میں اس نے جو نام گنائے وہ بے حد دلچسپ تھے۔

"کیا تم ہماری طرف سے ایک مشروب قبول کرو گے؟"

"ہاں" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"ثمر...... کافی۔" دانیال نے کہا اور ثمر جلدی سے اٹھ گئی۔ عمدہ کافی کی پیالیاں سب کو سرو ہو گئیں۔ اس نے بڑی نفاست سے پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی۔ کافی کے ذائقے کو اس نے خوشگوار محسوس کیا تھا۔ پھر وہ بولا۔

"تم دوست ہو۔ کیا تم مجھے اپنے سیارے سے روشناس نہیں کراؤ گے۔"

"ضرور ہم تمہیں ایک معزز مہمان سمجھتے ہیں۔ ہم تمہاری ہر خواہش پوری کریں گے۔ لیکن تم سے ایک سوال اور کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں...... پوچھو۔"

"تم اس مشکل کا شکار کیسے ہوئے۔ اپنے سیارے سے تم یہاں تک کیسے آئے۔"

" وہ سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔ میرے "ہیا" ایک حکومتی عہدیدار ہیں۔ ایک بڑے سائنس داں۔ وہ مجھے بھی سائنسی تعلیم دے رہے ہیں ان کا خیال ہے کہ سائنسی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مجھے بھی حکومتی عہدیدار بنا دیں' میرا "سا" "رک" بھی تعلیم حاصل کر رہا ہے' میری دو "سی" ہیں۔ "قان" اور "شیا"...... ہم سب ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ہر اس شخص کو جسے سائنسی تعلیم دی جاتی ہے ایک ایسا کام کرنا ہوتا ہے جو سائنسی بنیاد پر نئی حیثیت کا حامل ہو۔ پراسرار خلاء میرے لئے ہمیشہ دلچسپی کا باعث رہی ہے ہمارے ہاں خلائی سیاروں اور خلاء کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے نامعلوم سیاروں کے بارے میں بہت کام ہوتا ہے' میں نے بھی اپنی صلاحیتوں کو منوانے کے لئے ایرنیل ایجاد کیا ہے۔ یہ ایرنیل خلاء میں تجرباتی ایلیمنٹ پہنچانے کا کام کرتا ہے لیکن میں نے اس میں نمایاں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے یہ کوشش کی تھی کہ وہ انسانوں کو خلاء میں پہنچا دے اور انہیں واپس ریسیو کر لے۔ میرے ایرنیل نے مجھے خلاء میں پہنچا دیا اور واپس ریسیو کر لیا۔

تب میں نے آہستہ آہستہ "فے" سے فاصلے بڑھانے شروع کر دیئے۔ میں اپنے سیارے کی فضا سے باہر نکل جاتا تھا اور ایرنیل مجھے واپس وصول کر لیتا تھا۔ آہستہ آہستہ میں نے سمتیں بدلنا شروع کر دیں اور فاصلے زیادہ کرنے لگا پھر یہ وقت آ گیا کہ میرے ایرنیل نے مجھے فضا میں ایک نئی سمت پھینکا اور فاصلہ بھی کچھ اتنا زیادہ ہو گیا کہ میں خود کو کنٹرول نہیں کر سکا۔ یہ ہو سکتا تھا کہ خلاء میں تیرتا ہوا میں اپنے رخ پر یہ فاصلہ کم کر لیتا لیکن اچانک ہی مجھے رنگین روشنیوں نے اپنی گرفت میں لے لیا اور اس کے بعد اچانک ہی یہ ہو گیا کہ میں یہاں پہنچ گیا۔ اس طرح میں تمہارے سیارے تک آ گیا۔ عام حالات میں ہم اس طرح حفاظتی تیاریاں کر کے نہیں نکلتے لیکن کیونکہ میں اپنے ایرنیل سے خلائی تحقیق کر رہا تھا' اس لئے حادثاتی طور پر محفوظ رہنے کے لئے میں نے تھوڑے سے بندوبست کئے تھے جیسا کہ خیالاتی ٹرانسمیشن کا انتظام بھی "سا۔اے" کے ذریعے کیا جا سکتا ہے میرے دل میں ہمیشہ سے یہ تصور موجود تھا کہ خلاء میں کسی دوسرے سیارے تک پہنچوں۔ وہاں کی فضا میں داخل ہو کر وہاں کے انسانوں سے ملوں اور ان سے تبادلہ خیال کروں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری یہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔

"ہاں کیوں نہیں۔" ثمر ایک دم بے خیالی کے انداز میں بولی اور پھر فوراً" سنبھل گئی۔ طارق دانیال گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"کیا تمہارے ہاں رات ہوتی ہے؟"

وہ ایک لمحے کے لئے چپ رہا پھر بولا۔ "ہاں ہمارے ہاں نظام شمسی ہے' میرے سیارے کا رنگ نیلا ہے اور اس کی فضا تمہارے سیارے سے تھوڑی سی مختلف ہے۔"

طارق دانیال اس سے آکسیجن وغیرہ کے بارے میں سوال کرتا رہا اور ثمر خاموشی سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سنتی رہی۔ کبھی کبھی وہ خود بھی ایک آدھ لفظ بول لیتی تھی۔ پھر طارق دانیال نے کہا۔

"تمہیں یہ کافی پسند آئی؟" پیالی کی جانب اشارہ کرنے سے اس نے مطلب سمجھا اور مسکرا کر بولا۔

"ہاں۔"

"اس کی مسکراہٹ بے حد حسین تھی اور پہلی بار اس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔ ثمر اس دوران اسے سر کے بالوں سے لے کر پیروں تک دیکھتی رہی تھی۔ طارق دانیال نے کہا۔

"تمہارے ہاں یہ وقت آرام کا ہے کل سورج چمکے گا تو سفید روشنی چاروں طرف

پھیل جائے گی۔ کیا تم آرام کرنا پسند کرو گے؟"
اس نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر کہا۔ "ہاں....."
"تو آؤ تمہیں تمہارے آرام کی جگہ بتا دی جائے۔"
اور وہ اٹھ گیا۔ ایک شاندار بیڈ روم میں اسے پہنچا دیا گیا اور طارق دانیال اسے وہیں چھوڑ کر ثمر کے ساتھ واپس چل پڑا۔ راستے میں اس نے ثمر سے کہا۔
"تمام تجرباتی سلسلے بند کرو، اور تجربے گاہ میں لاک لگا دو، میں اس سامنے والے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں' طارق دانیال نے سامنے کے کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ثمر نے اُسے دیکھ کر خاموشی سے گردن ہلا دی۔
طارق دانیال کی ہدایت پر عمل کرنے کے بعد جب وہ اس کمرے میں واپس پہنچی تو طارق دانیال تاریکی میں مشینوں پر کچھ عمل کر رہا تھا' یہ مشینیں اس نے کہیں اور سے لا کر یہاں رکھی تھی۔ ثمر نے حیرت سے کہا۔ "ڈیڈی آپ نے اندھیرا کیوں کر دیا ہے۔"
"یہ رات ہمیں اندھیرے میں ہی گزارنی ہو گی۔"
طارق دانیال نے پراسرار انداز میں کہا اور پھر ثمر کو اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کر کے بولا۔
"میں نے انتظامات کئے ہیں کہ اس کے کمرے کا منظر ہم اسکرین پر دیکھتے رہیں۔ اس سے پہلے کبھی ایسی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ ورنہ شاید یہاں پہلے سے انتظام ہوتا۔"
"لیکن وہ تو آرام کرنے چلا گیا ڈیڈی' آپ اسے کیوں دیکھنا چاہتے ہیں؟"
"بیٹھ جاؤ ثمر...... تجربات کی یہ رات ہمارے لئے لاتعداد دلچسپیوں کی حامل ہے۔"
ثمر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کے دل کی کیفیت کا اظہار ابھی طارق دانیال پر نہیں ہو سکا تھا۔ وہ خاموش تھی اور اس کے دل کی دھڑکنوں میں آج کچھ بے ترتیبی سی تھی۔ اس کامیاب تجربے کی لاانتہا خوشی نے اسے سرشار کر دیا تھا وہ باپ سے کسی سنجیدہ گفتگو کی متوقع نہیں تھی بلکہ ان دل خوش کن لمحات میں وہ ان تجربات اور خاص طور پر اس تجربے کی کامیابی کے بارے میں مسلسل گفتگو کئے جانا پسند کرتی تھی۔ طارق دانیال نے اپنا مشغلہ ترک کر کے کہا۔
"ہاں میں چاہتا ہوں کہ اب ہم دونوں اس کے بارے میں گفتگو کریں۔"
"میں بھی یہی چاہتی ہوں ڈیڈی۔" ثمر نے پرمسرت لہجے میں کہا۔
"سب سے پہلے اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرو۔"
"فنٹاسٹک ڈیڈی' فنٹاسٹک' میں تو کم از کم یہ سمجھتی ہوں کہ میں نے اپنی بے پناہ محنت کا صلہ پا لیا ہے۔ ڈیڈی یہی تو میرے تصور میں تھا۔ دنیا بھر میں لاتعداد سائنسی تجربات

ہو رہے ہیں' سیاروں کے بارے میں بہت سی تحقیق سامنے آ چکی ہے' ہمیں ان اڑن طشتریوں کے بارے میں بھی معلوم ہے جن کے نشانات واضح طور پر پائے گئے ہیں اور جنہیں دوسرے سیاروں کے خلائی جہاز سمجھا جاتا ہے لیکن ان اڑن طشتریوں سے آنے والے سیاروں کے باشندوں سے آج تک کسی کی ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کے تصوراتی خاکے تو لاتعداد پیش کئے گئے ہیں لیکن ڈیڈی ایک ایسا ہنستا بولتا' جیتا جاگتا انسان کبھی کسی سائنس دان کو حاصل نہیں ہوا اور ہمیں ان پر فوقیت حاصل ہو گئی ہے۔" ثمر نے کہا اور طارق دانیال کے ہونٹوں پر ایک مشفق مسکراہٹ پھیل گئی۔
ثمر اس بارے میں باپ کی رائے کا جائزہ لینا چاہتی تھی اور اس کی نگاہیں طارق دانیال کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس مسکراہٹ میں اسے کوئی ایسی بات نظر آئی جس نے اسے مضطرب کر دیا۔ وہ پریشان لہجے میں بولی۔ "کیا آپ کی رائے میری رائے سے مختلف ہے ڈیڈی۔" طارق دانیال نے بدستور اسی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔
"ہاں بیٹے اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ سائنسی معلومات اور تجربات کے سلسلے میں اگر تمہاری شخصیت کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تو تمہیں ایک عظیم محقق ایک عظیم سائنس دان تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن اگر تمہاری عمر کا تجزیہ کیا جائے اور دنیاوی معلومات کے بارے میں تم پر تحقیق ہو تو تمہاری عمر صرف بارہ سے لے کر پندرہ سال تک کی بچی کی عمر کہی جا سکتی ہے۔ انسانوں کے بارے میں تمہارے تجربات بہت محدود ہیں اور بیٹے مجھے بعض اوقات اپنی اس کوتاہی کا شدت سے احساس ہوتا ہے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ماضی پر نظر دوڑاتا ہوں اور ان نقصانات کا اندازہ کرتا ہوں جو مجھے اٹھانے پڑے ہیں' تو خود کو ہی قصوروار سمجھتا ہوں۔
"آپ اس گفتگو میں بہت طوالت اختیار کر رہے ہیں ڈیڈی' کیا مقصد ہے آپ کی ان باتوں کا.....؟"
طارق دانیال کے چہرے پر اداسی کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔ اس نے کہا۔
"ہوسٹن یونیورسٹی میں جب مجھے' روتیرا ہاز ملی اور جب مجھ پر اس کی ذہانتوں کا ادراک ہوا تو میں فطری طور پر اس کی جانب مائل ہو گیا اور یقیناً" میں روتیرا ہاز اور بعد میں عالیہ دانیال کے ان خیالات سے متفق ہوں کہ ہم دونوں میں اور عالیہ یکساں خیالات کی مناسبت سے ہی ایک دوسرے کے قریب آئے تھے اور ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہو گئے تھے۔ پھر جب پروفیسر میڈلینو نے ہم پر دنیاوی حقیقتوں کا انکشاف کیا تو ہم نے اس بات میں ذرہ برابر عار محسوس نہیں کی کہ ایک دوسرے سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں

اور ہم بغیر کسی تردد کے میاں بیوی بن گئے۔ پھر بیٹے ہمیں ان دنیاوی ضرورتوں کا قائل ہونا پڑا، جن کا تعلق انسانی فطرت سے ہے، لیکن مجھ سے یہ کوتاہی ہوئی کہ اس کے بعد بھی، میں مسلسل سائنس دان ہی رہا اور اس طرح عالیہ مجھ سے دور ہو گئی۔ بیٹے اچانک ہی مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ تمہیں صرف سائنس کی جانب متوجہ نہیں کرنا چاہئے تھا مجھے بلکہ دنیاوی تعلیم بھی دینی چاہئے تھی تاکہ تم انسانوں کو سمجھ سکتیں اور اب تو یہ خوف بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ جس دن میں اس دنیا میں نہ ہوا تو ان تمام تر کاوشوں کا نتیجہ کیا ہو گا۔ تم اتنی معصوم ہو کہ آسانی سے ہر ایک کے جال میں پھنس سکتی ہو، کیسے گزارہ کرو گی اس دنیا میں......؟"

"آپ کی وضاحتیں مجھے الجھنوں کے سوا کچھ نہیں دے رہیں ڈیڈی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں یہ ابھی تک مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔"

"یہ شخص جس نے اپنا نام "رت" اور اپنے سیارے کا نام "نفے" بتایا ہے اس دنیا کا ایک شاطر انسان ہے اور یقینی طور پر خلائی تحقیق کے لئے فضا کے کسی حصے میں موجود ہو گا اپنے طور پر معلومات حاصل کر رہا ہو گا اور سینس ریز کی زد میں آ گیا ہو گا۔ اب وہ اپنے آپ کو ایک اجنبی سیارے کی مخلوق ظاہر کر کے ہم لوگوں پر اپنا رعب بھی ڈالنا چاہتا ہے اور ہمیں بے وقوف بھی بنا رہا ہے۔ میں گہری نگاہوں سے اس کا تجزیہ کرتا رہا ہوں اور بہت سے ایسے شواہد میرے علم میں آئے ہیں جن سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ ایک انتہائی ذہین انسان اور بہترین اداکار ہے اور یقینی طور پر ایک اعلیٰ پائے کا سائنس دان بھی۔ اب اصل میں، میں اس فکر میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ یہاں آنے کے بعد وہ کیا کرے گا۔ اگر وہ اپنے معاملات سے مخلص ہوتا تو سیدھی سیدھی بات کرتا اور کہتا کہ اسے اس کی دنیا میں واپس پہنچا دیا جائے۔ یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ یہاں رک کر شاید وہ ہماری سائنسی کاوشوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔" ثمر کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ چند لمحات تک وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے باپ کو دیکھتی رہی۔ پھر ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ کسی سیارے کی مخلوق نہیں ہے؟"

"ہاں ثمر کیسے یقین کر لوں اس کی باتوں پر۔ پاؤں کے ناخنوں سے لے کر سر کے بالوں تک وہ ایک مکمل انسان ہے، اس کی جسمانی ساخت، اس کا انداز تم نے اسے کافی پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس نے پیالی کو اس کنڈے سے پکڑ کر اٹھایا تھا اور ہونٹوں سے لگا لیا تھا وہ مسکراتا ہے، پلکیں جھپکتا ہے، اس کے اندر زندگی اسی انداز میں دوڑ رہی ہے، جیسے ہم لوگ۔ پھر میں اسے کسی اجنبی سیارے کی مخلوق کیسے سمجھ لوں۔ ابھی ابھی تم نے خود یہ الفاظ کہے

ہیں کہ اڑن طشتریوں کے ذریعے آنے والی مخلوق کے بھانت بھانت کے تصوراتی خاکے تیار کئے گئے ہیں۔ بہت کم ان میں ایسے خاکے ہیں جن میں کسی اجنبی سیارے کی مخلوق کا تصور بالکل ہماری زمین کی انسانی ساخت کے مطابق ہے جو بگڑی ہوئی شکلوں سے دور ہٹ کر بات کرتے ہیں اور ان کے ذہن میں ایسی باتیں نہیں آتیں۔"

"لیکن ڈیڈی یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے ہم اس پر شک شروع کر دیں۔ ہو سکتا ہے اس سیارے پر ہمارے ہی سیارے کی مانند زندگی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں کی مخلوق بالکل زمینی مخلوق کی ہم شکل ہو۔ ڈیڈی ہو سکتا ہے کہ وہاں محبتوں کا یہی انداز ہو، رشتوں کی یہی ساخت ہو، آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ خلاء ابھی کسی پر منکشف نہیں ہو سکی ہے۔ تحقیق کنندہ نے کیا کیا کیا ہے یہ وہی جانتا ہے۔ ڈیڈی ممکن ہے وہ سچ کہہ رہا ہو؟"

"ہاں ممکن ہے لیکن ہمیں اس پر تجربات کرنا ہوں گے اور خود کو کسی نقصان سے بچانے کی کوشش بھی کرنا ہو گی۔"

"آپ نے مجھے بد دل کر دیا ڈیڈی۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔" ثمر نے دکھی لہجے میں کہا اور طارق دانیال مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"نہ میں نے تمہیں بد دل کیا ہے نہ تمہیں دکھی ہونا چاہئے۔ میں اسے اپنی تجربے گاہ میں ایک معزز مہمان کی حیثیت دینے کے لئے تیار ہوں اور چونکہ وہ تمہاری دریافت ہے اس لئے میں تمہیں مکمل اجازت دیتا ہوں کہ اس پر تحقیق کرو اس کی قربت حاصل کرو۔ ہاں ثمر بیٹے بس اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ تجربہ گاہ ہزار بار تباہ ہو جائے، مجھ سے میرا سب کچھ چھن جائے لیکن نہ تو تمہاری زندگی کو نقصان پہنچے اور نہ ہی تمہیں کسی ایسے ذہنی صدمے سے دوچار ہونا پڑے جس کا تدارک میں نہ کر سکوں۔"

ثمر نے پر امید نگاہوں سے باپ کو دیکھا اور بولی۔ آپ میری رہنمائی کرتے رہیں ڈیڈی، میں اس پر تحقیق کروں گی۔

"میری رائے ہے کہ ہم اسے کوئی ایسی نشہ آور چیز کھلائیں گے جو اسے کچھ گھنٹوں کے لئے ہوش و حواس سے عاری کر دے، اور پھر ہم مکمل طور پر اس کی جسمانی ساخت کا جائزہ لیں گے۔ یہ طے ہے ثمر کہ ہم اسے ذرہ برابر کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، بس اس کی حقیقت سے واقف ہونا ہمارا مقصد ہو گا اور جب اس بات کی تصدیق ہو جائے گی تو ہم اس سے پوچھیں گے کہ ہم اس کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ ثمر میرا وعدہ ہے کہ تجربات کے سلسلے میں بھی، میں اس پر کوئی ایسا تجربہ نہیں کروں گا جو اسے جسمانی طور پر کوئی نقصان پہنچا دے۔" ثمر نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی....... لیکن یہ تجرباتی سلسلہ میرے علم کے بغیر نہیں ہو گا۔ آپ جو کچھ کریں گے میرے سامنے اور میرے علم میں لا کر کریں گے۔ ڈیڈی آپ یہ وعدہ کیجئے۔"

طارق دانیال نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنے کام سے فارغ ہو گیا۔ اسکرین پر اس کمرے کا منظر ابھر آیا تھا۔ وہ مسہری پر بے سدھ پڑا تھا۔ دونوں سحرزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے۔ اس کے بعد سکوت ہی طاری رہا تھا۔

"کئی گھنٹے گزر گئے۔ طارق نے ثمر کو دیکھ کر کہا۔ "میرے خیال میں تم آرام کرو، میں جاگتا رہوں گا۔"

"یہی میں آپ سے کہنے والی تھی ڈیڈی۔ آپ آرام کریں میں جاگ رہی ہوں۔"

"نہیں ثمر...... ہمیں کسی حادثے کے لئے تیار رہنا ہو گا۔ تم تنہا کوئی فیصلہ نہ کر سکو گی۔"

"کیسا حادثہ......؟"

"ممکن ہے وہ ہمارے سو جانے کا منتظر ہو۔"

" آپ بلا وجہ میرے خیالات اس کی طرف سے خراب کر رہے ہیں۔ ثمر نے کسی قدر ناخوشگواری سے کہا اور طارق مسکرانے لگا۔

"کمرے کا ماحول ریکارڈ ہو رہا ہے۔ ہم صبح کو اسے دیکھ سکتے ہیں لیکن میرا جاگنا ضروری ہے۔"

"میں بھی جاگ رہی ہوں، ثمر نے روٹھے ہوئے لہجے میں کہا لیکن صبح کو وہ اسی صوفے پر نیم دراز کیفیت میں جاگی تھی اور ماحول کا جائزہ لے کر وحشت زدہ انداز میں اٹھ گئی تھی۔ طارق دانیال وہاں موجود نہیں تھا۔ نہ ہی وہ سسٹم نظر آ رہا تھا جس پر وہ اس بیڈ روم کا جائزہ لے رہے تھے وہ بے اختیار باہر بھاگی۔ بڑے ہال میں طارق دانیال اس کے ساتھ موجود تھا اور دونوں چائے پی رہے تھے۔ وہ دروازے میں ہی رک گئی۔ طارق نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری چائے موجود ہے۔ لیکن یوں لگتا ہے جیسے تم نے ابھی منہ ہاتھ نہیں دھویا۔

ثمر چند لمحات دونوں کو دیکھتی رہی۔ ان کے موڈ خوشگوار نظر آ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے پلٹ آئی۔ اپنے بیڈ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ لباس تبدیل کیا۔ خاصی دیر لگ گئی تھی چنانچہ واپس وہاں جانے کی بجائے کچن کی طرف چل پڑی۔ سکون سے ناشتہ تیار کیا۔ ابھی ناشتہ ٹرالی میں سجا رہی تھی کہ طارق دانیال، رت کے ہمراہ کچن کے سامنے آ گیا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ تم یہاں ہو گی۔"

"میں ناشتہ لا رہی ہوں آپ ناشتے کے کمرے میں جایئے۔"

"او کے۔" طارق نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

رت نے نہایت دلچسپی سے ناشتہ کیا تھا۔ اس نے کہا مجھے ان چیزوں کے استعمال کے بارے میں بتاتے رہیں۔ حالانکہ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں نفے پر اپنے گھر میں ہوں۔ البتہ کچھ چیزیں اجنبی ہیں۔

اس نے ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر طارق نے کہا۔ "اب اگر تم چاہوں ثمر تو مسٹر رت کو لان پر لے جا سکتی ہو۔ میں کچھ کام کروں گا۔

"آیئے......." ثمر نے کہا اور اسے ساتھ لے کر باہر نکل آئی۔ باہر اس نے خوشنما پھول دیکھے اور دلچسپی سے ان کے پاس پہنچ گیا۔

"نفے پر پھول کھلتے ہیں؟" ثمر نے پوچھا۔

"اتنے خوبصورت نہیں ہوتے۔ ان کا صرف ایک رنگ ہوتا ہے چمکدار نیلا۔ وہاں درخت بھی نیلے ہوتے ہیں اور جب سورج چھپ جاتا ہے تو روشنی خارج کرتے ہیں۔ پورا سیارہ اسی روشنی سے منور ہوتا ہے۔ ہم روشنی کے لئے ہی گھروں میں وہ درخت لگاتے ہیں۔"

"بہت دلچسپ۔ رات کو آپ آرام سے سوئے۔"

اس نے سا۔اے کے ذریعہ ثمر کی بات کو سمجھا پھر مسکرا کر بولا۔ "ہاں"

"میں آپ کے آنے سے بہت خوش ہوں۔"

" اور میں بھی بہت خوش ہوں یہ دیکھ کر کہ اجنبی سیارے میں بہت اچھے لوگوں سے میری ملاقات ہوئی ہے۔"

"آپ کو یہاں آ کر کیسا لگا ہے اور کون کون سی چیزیں آپ کو دلچسپ محسوس ہوئی ہیں۔" ثمر نے سوال کیا۔

"یہاں سب کچھ بے حد دلکش ہے، ہر چیز اجنبی اور پرکشش، مجھے آپ لوگوں کے لباس بھی بے حد پسند آئے ہیں مسٹر دانیال جو لباس پہنتے ہیں وہ بھی بہت خوبصورت لگتا ہے مجھے۔"

"کیا آپ کے دل میں اس لباس کو پہننے کی خواہش ہے؟"

"میں یہاں اپنی زندگی کے دلچسپ تجربات کرنا چاہتا ہوں اور اگر یہ لباس مجھے پہننا پڑا تو میں بہت خوش ہوں گا۔"

"میں آپ کے لئے ایسے بہت سے لباس تیار کرا دوں گی لیکن مسٹر رت آپ کو

ہمارے ہاں طویل عرصہ مہمان رہنا ہو گا۔"

"مجھے واپسی کی جلدی نہیں ہے۔ میں یہاں آ کر بہت خوش ہوں اور جیسا کہ میں نے تم سے کہا میں تمہارے سیارے پر ہر وہ چیز دیکھوں گا جو میرے لئے انوکھی ہو' اس طرح میری معلومات میں ایک بہترین اضافہ ہو گا اور اگر میں ان معلومات کا ذخیرہ اپنے سیارے تک لے جا سکا تو یقیناً" اس عمل سے مجھے اعلیٰ ترین اعزاز مل سکے گا۔"

"ہم اس کے لئے آپ کی بھرپور مدد کریں گے' ویسے آپ کے دل میں کوئی ایسی خواہش پیدا ہوئی جس کی فوری تکمیل چاہتے ہوں آپ؟"

"بہت سی خواہشیں ہیں' مثلاً" میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم سا۔اے کا سہارا چھوڑ دیں۔ میں براہ راست آپ سے بات کر سکوں۔ آپ کی زبان بول سکوں اور یہ مشکل نہیں ہے کیونکہ ساؤنڈ سسٹم میرے سسٹم میں بھی موجود ہے اور سا۔اے کے ذریعے آپ میری جو آواز سن رہی ہیں' وہ میری اوریجنل آواز ہے اگر مجھے اسی طرح آپ کی زبان سے شناسائی حاصل ہو جائے جس طرح میں آپ کے ناموں سے واقف ہو چکا ہوں تو مجھے بے حد خوشی ہو گی۔"

"یہ تو کوئی مشکل کام ہی نہیں ہے سا۔اے کے ذریعے میں آپ کو ہر لفظ سے روشناس کراؤں گی اور اس کے بعد آپ اس کی مدد کے بغیر ہم سے بات چیت کر سکیں گے۔"

دونوں بہت دیر تک لان کے سبزہ زار پر چہل قدمی کرتے رہے' ثمر کی نگاہ ایک بار عمارت کی اوپری منزل کی جانب اٹھی تو اس نے طارق دانیال کو کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے دیکھا۔ ثمر کی نگاہیں پڑ جانے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ ثمر نے بھی اس کی جانب رخ کر کے ہاتھ ہلایا...... لیکن طارق دانیال کی نگاہیں اس وقت کہیں اور تھیں' وہ اوپر دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد ثمر اس کے ساتھ واپس عمارت میں آ گئی۔ طارق دانیال نے کہا۔

"اب کہو ثمر کیا اب بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ ہمارے گھر میں کچھ ملازم ہوں۔ عمارت کی صفائی کے لئے باہر آنے جانے کے لئے ایک کار ڈرائیور بھی ہو جو کسی کو باہر لے جا سکے اور گھر کے لئے ضرورت کا سامان لا سکے۔"

"ثمر نے مسکراتی نگاہوں سے طارق دانیال کو دیکھا اور کہا۔

"گھر کے کاموں کے لئے اول تو ہمارے پاس مشینیں ہیں کھانا ہم اپنی ضرورت کے مطابق بے شک تیار کر لیا کرتے ہیں۔ باہر جانے کی ہفتہ وار ذمہ داریاں آپ نے سنبھالی ہوئی ہیں ڈیڈی...... لیکن اب تک ہمارے درمیان کوئی مہمان نہیں آیا تھا اجنبی سیارے

کے معزز مہمان کی آمد کے بعد واقعی کچھ کچھ ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ اگر کوئی یہاں دوسرے کاموں کے لئے موجود ہو تو اچھا ہو۔

نجانے کیوں طارق دانیال نے ثمر کی اس بات پر کسی خوشی کا یا کسی خاص جذبے کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہنے لگا۔

"اور اب تم اپنے معزز مہمان سے معذرت کر کے کچھ دیر کے لئے کچن کا کام سنبھال لو اس کی ضیافت ضروری ہے۔" ثمر خوشی سے گردن ہلا دی تھی۔ لنچ کے بعد رت کو بتایا گیا کہ رات کو تازہ دم ہو جانے کے لئے دوپہر کو کچھ دیر آرام کرنا ضروری ہوتا ہے چنانچہ وہ بھی آرام کرے اور رت اپنی خوابگاہ میں چلا گیا۔ ثمر بھی طارق دانیال کے ہمراہ اپنے بیڈروم میں پہنچ گئی۔ باپ نے محبت سے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کچھ وقت میرے ساتھ ہی آرام کرو۔"

"ڈیڈی آپ کو اس کی آمد کیسی لگی ہے؟"

"بہت خوشگوار......"

"ارے ہاں' رات کے واقعات کے بارے میں تو آپ سے کچھ پوچھنا میں بھول ہی گئی۔ میں تو سو ہی گئی تھی۔"

"ہاں' جب تم کسی بات پر مجھ سے ضد کرتی ہو تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔ بے سکون سو گئیں۔ اگر میرے کہنے پر اپنے بستر پر چلی جاتیں تو میں زیادہ مسرور ہوتا۔"

"سوری ڈیڈی۔ آئندہ خیال رکھوں گی۔ آپ مجھے بتایئے؟"

"نہیں پچھلی رات وہ بالکل پرسکون سوتا رہا صبح کو جاگا اور اس نے ماحول کو بڑا اجنبی محسوس کیا۔"

"ڈیڈی اس کے بارے میں آپ کے خیالات میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی؟"

"اب کافی حد تک......"

"ویری گڈ تو پھر آپ اس پر مزید تجربات کرنا پسند کریں گے؟"

"ہاں میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے اس کے سسٹم کے بارے میں وہ معلومات حاصل ہوں جو میرے ذہن میں ہیں۔"

"گویا آپ اسے بے ہوش کر کے اس پر تجربات کرنے کا خیال اب بھی دل میں رکھتے ہیں۔" ثمر نے کہا اور دانیال گہری سانس لے کر مسکرانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"اسے بے ہوشی کا اتنا ڈوز دیا جا چکا ہے جو ایک طاقتور گھوڑے کو بے حواس کرنے کے لئے کافی ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔"

"کیا......؟" ثمر اچھل پڑی۔ اس نے حیران نگاہوں سے دانیال کو دیکھا اور کہا۔
"آپ...... آپ ڈیڈی اس پر یہ تجربہ کر چکے ہیں کب؟"
"صبح کو ناشتے پر...... آئی ایم سوری بیٹے میں اس تجربے کو آپ کے علم میں بھی نہیں لایا تھا۔"
"گویا اس کے بعد وہ میرے ساتھ لان پر چہل قدمی کرنے گیا تھا......؟"
"ہاں......"
"وہ بالکل ہوش و حواس میں تھا اس کے انداز سے ذرہ برابر کوئی احساس نہیں ہوتا تھا ڈیڈی......"
"دوپہر کے کھانے پر میں نے اسے ڈبل ڈوز دیا ہے بس یہ اس پر میرا آخری تجربہ ہے۔"
"او مائی گاڈ۔ ڈیڈی اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے دیکھئے میں آپ سے احتجاج کرتی ہوں اگر اسے کوئی جسمانی نقصان پہنچ گیا تو میں ڈیڈی......" ثمر جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی طارق دانیال نے اسے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔
"مجھے اب یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ ڈبل ڈوز بھی اس پر بے اثر ہی رہے گی اور شاید اس کے بعد ہم اس پر تجربات کا یہ سلسلہ بند کر دیں لیکن ثمر ہمیں اپنی خلائی تحقیقات کے سلسلے میں یقیناً" محتاط ہونا پڑے گا۔ بہر حال وہ اجنبی سیارے کا ہی سہی لیکن ایک سائنس دان ہے اور ہم ابھی یہ نہیں جانتے کہ اس کے ذہن و دل کی گہرائیوں میں کیا ہے' محتاط رہنے کا یہ مشورہ غلط نہیں ہے بیٹے اور تمہیں اس سلسلے میں اپنی ماں کی طرح سخت مزاجی سے کام لینے کی بجائے مجھ سے تعاون کرنا ہو گا۔ ورنہ ثمر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ تم میں اور تمہاری ماں میں کوئی فرق نہیں تھا۔" طارق دانیال کا لہجہ خشک ہو گیا۔
ثمر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا اب میرے لئے یہ دیکھنا ضروری ہو گیا ہے کہ اس کی کیفیت کیا ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔
شام کو وہ ہشاش بشاش تھا۔ طارق کی کوششوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ دوسری رات بھی گزر گئی۔ تیسرے دن اس نے فرمائش کی۔
"کیا تم مجھے اپنے سیارے کے دوسرے گوشے نہیں دکھاؤ گی۔"
"ہاں کیوں نہیں۔ ڈیڈی کیا خیال ہے۔"
"کوئی حرج نہیں ہم اسے کم از کم اطراف کی آبادی دکھائیں گے۔ اس کے بعد شہر چلیں گے۔" یہ اقدام طے ہو گیا۔ ثمر نے اسے دانیال کا ایک خوبصورت سوٹ دیا اور دانیال

نے خوشی سے اسے دوسرے کمرے میں لے جا کر پہنچا دیا۔ پھر جب سوٹ میں ملبوس وہ باہر آیا تو ثمر اسے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ وہ اس قدر حسین لگ رہا تھا کہ اس پر سے نگاہ ہٹانا مشکل ہو گیا۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ انسانوں سے مختلف نہیں لگتا تھا لیکن کوئی بھی باریک بین نگاہ اس میں تھوڑا سا فرق ضرور تلاش کر سکتی تھی۔
"میں اسے شہر لے جا کر اس کے لئے بہت سے لباس خریدوں گی۔"
"ہاں کیوں نہیں۔ اسی بہانے سہی۔ کم از کم تم شہر کا رخ تو کرو گی۔" دانیال مسکرا کر بولا۔
ڈرائیونگ سیٹ ثمر نے سنبھالی تھی اور اسے اپنے قریب بٹھایا تھا۔ پھر وہ باہر نکل آئے۔ آبادی فاصلے پر تھی۔ یہ ایک خوبصورت پہاڑی شہر تھا۔ مقامی لوگوں کی زیادہ تر آمدنی سیاحوں سے تھی جن کے لئے بڑے بڑے ہوٹل بنے ہوئے تھے اور اکثر سیاح اطراف میں گھومتے پھرتے نظر آ جاتے تھے۔ وہ ایک ایک چیز کو اچنبھے سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے بہت سے سوالات بھی کئے تھے جن میں ذہانت تھی۔
"شام تک ثمر نے اسے دور دور تک کے علاقے دکھا دیئے۔ واپسی پر وہ بہت خوش تھا۔
"یہ ایک حسین سیارہ ہے"
"فے سے زیادہ خوبصورت؟" ثمر نے سوال کیا۔
"اس کا حسن فے سے مختلف ہے۔" پھر اس رات فے کے اور زمین کے بارے میں باتیں ہوتی رہی تھیں۔ اس کے بعد طارق غالباً" اس بات سے متفق ہو گیا کہ وہ خلائی باشندہ ہی ہے لیکن ابھی تک اس نے رصد گاہ میں کام کا آغاز نہیں کیا تھا۔ ثمر اس میں کھوئی ہوئی تھی اس کے ساتھ نکل جانا' اس سے باتیں کرنا ثمر کے لئے ایک خوبصورت مشغلہ تھا۔
"پھر کسی دن شہر جانے کا پروگرام بن گیا۔ دانیال ساتھ تھا۔ ثمر بچوں کی طرح خوش تھی۔ شہر کا طویل فاصلہ کار سے ہی طے کیا گیا تھا۔ اس پرسکون پہاڑی مقام کی نسبت شہر بہت ہنگامہ خیز تھا۔ وہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کچھ گھبرایا گھبرایا نظر آنے لگا۔
"تمہارے سیارے پر اس طرح کی آبادیاں ہیں؟ ثمر نے پوچھا۔
"نہیں...... اس کی وسعتیں اس قدر نہیں ہیں۔ نہ ہی ہماری آبادیاں اتنی گنجان ہیں۔"
"یہ تو ایک شہر ہے۔ ہماری زمین پر ایسے لاکھوں شہر آباد ہیں اور ان کی آبادیاں اس

سے کہیں زیادہ۔"

"زمین بہت بڑا سیارہ ہے۔" اس نے کہا۔

ثمر نے اس کے لئے بہت سی خریداری کی۔ اسے ہوٹل میں کھانا کھلایا۔ وہ کھویا کھویا نظر آ رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اس ماحول سے روشناس ہو تا گیا۔

"جہاں تمہاری آبزرویٹری ہے وہ جگہ نفے سے بہت ملتی جلتی ہے اور یہ جگہ بالکل مختلف لیکن رفتہ رفتہ یہ مجھے پسند آ رہی ہے۔ یہاں زندگی بہت انوکھی ہے کاش مجھے ان سب سے قریب ہو کر انہیں جاننے کا موقع مل سکے۔"

واپس آنے کے بعد طارق دانیال نے کہا۔ "وہ بھی زمین کے انسانوں سے روشناس ہونا چاہتا ہے اور تم نے اس سے گریز کیا ہے۔"

"لیکن اب میں اس کا ساتھ دوں گی!" ثمر مسکرا کر بولی۔

"ہاں....." دانیال نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ کئی دن کے بعد اس رات وہ اپنی آبزرویٹری میں داخل ہوا تھا اور اس رات اس نے صرف نیلی کہکشاں پر نگاہ رکھی تھی۔ ان میں سے نفے کونسا ہو سکتا ہے۔ اور کیا اس سیارے کا کوئی باشندہ زمین کی فضا میں آ سکتا ہے۔ رات بھر وہ نہ جانے کیا کیا تجربات کرتا رہا تھا اور دوسری صبح اس وقت چونکا تھا جب ثمر گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

"ڈیڈی......ڈیڈی کیا وہ یہاں ہے؟"

"کون۔" دانیال چونک پڑا۔

"رت"

"نہیں۔ کیوں؟"

"ڈیڈی......وہ یہاں موجود نہیں ہے وہ پوری عمارت میں کہیں موجود نہیں ہے میں نے ہر جگہ دیکھ لی ہے اور ڈیڈی.....اور کار بھی نہیں ہے۔"

"کیا؟ دانیال سکتے میں رہ گیا بمشکل تمام وہ حواس میں آیا تھا۔ اس نے خود بھی پوری عمارت چھان ماری۔ کار چابی سمیت غائب تھی۔ کئی گھنٹے کی کاوش کے بعد اس کی تلاش میں ناکام ہو کر دانیال نے کہا۔

"ہم دنیا کو اس کے مزاج کے مطابق جاننے میں ناکام رہے ثمر.....کہ جانے کیوں مجھے اس پر شبہ تھا۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ ہم میں سے نہیں ہے۔ وہ بہت بڑا شاطر تھا.....بہت بڑا.....!"

دانیال کے انداز میں دکھ تھا۔ بہت مشکل سے اس نے اس بات پر یقین کیا تھا کہ وہ زمینی مخلوق نہیں ہے ہمیشہ اسے مشتبہ نگاہوں سے دیکھا تھا لیکن اب رفتہ رفتہ اسے یقین آ گیا تھا کہ باپ بیٹی نے مل کر ایک ناقابل یقین کارنامہ سرانجام دیا ہے انہوں نے ایک خلائی انسان کو مہمان بنایا ہے لیکن اب اس کے خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی وہ خود شرمندہ ہو گیا تھا۔ ثمر تو بالکل معصوم تھی، دنیا سے قطعی ناواقف لیکن وہ خود بھی بے وقوف بن گیا تھا۔ رت سے اسے بھی لگاؤ ہو گیا تھا۔

"اور اس کا ذمے دار پروفیسر میڈلینو ہے۔" دانیال کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"کیوں ڈیڈی؟" ثمر نے تعجب سے کہا۔

"میں نے کئی بار غور کیا ہے ثمر لیکن میں اس وقت نو عمر تھا' ناتجربہ کار تھا۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں ڈیڈی۔" ثمر الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"بات اس وقت سے شروع ہوئی جب ہم ہیوسٹن یونیورسٹی کے طالب علم تھے پروفیسر کا احترام کرتے تھے اس پر اعتماد کرتے تھے اس نے مجھے خوفزدہ کر کے دنیا سے دور کر دیا۔ آج سوچتا ہوں کہ پوری دنیا میں سائنسی ترقی ہو رہی ہے نت نئی ایجادات دنیا کے سامنے آ رہی ہیں۔ ان کے موجد تو روپوش نہیں ہو گئے۔ انہیں اغواء کر کے قتل نہیں کر دیا گیا' پروفیسر نے نہ جانے کس جذبے کے تحت مجھے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ مجھے دنیا کے سامنے آنے سے روک دیا۔ آہ ہم نے آج تک جو کچھ کیا ہے وہ بے مقصد اور بے کار ہے۔ میں پروفیسر میڈلینو کی باتوں میں آ کر بہت کچھ کھو چکا ہوں۔ ہم دنیا سے بہت پیچھے رہ گئے لیکن..... لیکن....." طارق دانیال خاموش ہو گیا۔

"ان باتوں کا رت سے کیا تعلق ہے ڈیڈی" ثمر نے بے چین لہجے میں کہا۔

"ہے میری بچی ہے۔ بلکہ میرے خیال میں ہمیں اس کے چلے جانے سے خوشی ہونی چاہئے۔"

"ڈیڈی پلیز..... آپ خود میں کھوئے ہوئے ہیں مجھے بھی تو سمجھایئے کیا سوچ رہے ہیں

آپ۔"

"واہ دیکھو ایسے ہوتا ہے۔ ہم بے وقوف سائنس دان ہیں ہم خود کچھ نہ کرسکے وقت نے یہ سب کچھ کر ڈالا۔ میں نے پہلے ہی خدشہ ظاہر کیا تھا کہ وہ خلا کا باشندہ نہیں ہے بلکہ خلاء میں تحقیقات کرنے والا کوئی خلا باز ہے جو جدید ترین تحفظات سے آراستہ ہے اور وہ سینس ریز کی زد میں آگیا ہے۔ اس نے نہایت کامیابی سے ہمیں بے وقوف بنایا۔ ہمارے بارے میں معلومات حاصل کیں اور صاف نکل گیا اب وہ اپنے سفارت خانے سے رابطہ کرے گا اور اپنے ملک پہنچ جائے گا۔ پھر وہ اپنے خلائی ادارے کو ہمارے بارے میں بتائے گا اور وہ ہم تک پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن اس طرح تو ہماری زندگیوں کو خطرہ لاحق ہو جائے گا ڈیڈی۔" ثمر نے کہا۔

"ہرگز نہیں بلکہ ہماری تحقیقات منظر عام پر آئیں گی ہم ان سے کچھ نہیں چھپائیں گے ہم فراخدلی سے انہیں اپنی تمام کاوشوں سے آگاہ کریں گے۔ میڈلینو کا قائم کیا ہوا طلسم ٹوٹ جائے گا افسوس ناتجربے کاری نے ہمیں گمراہی کے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا۔"

ثمر خاموش ہو گئی دانیال نے کہا "بعض اوقات کچھ نقصانات بہت سے فائدوں کا باعث بن جاتے ہیں کیا تم نے ناشتے کی تیاریاں نہیں کیں"۔

ناشتہ تیار کرتے ہوئے ثمر کو وہ یاد آنے لگا ایک ایک چیز کو کتنی دلچسپی سے دیکھتا تھا۔ ہر جنبش پر غور کرتا تھا جیسے اسے اچنبھا ہو رہا ہو خود بھی وہی کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن بڑے اناڑی پن سے اور ثمر کو خوب ہنسی آتی تھی۔

بہت اچھا دوست تھا وہ لیکن وہ دوست کہاں تھا۔ وہ فریبی تھا کتنی چالاکی سے ہم دونوں کو بے وقوف بنا رہا تھا۔ آہ کاش وہ سب کچھ بتا دیتا ہم اسے نقصان تو نہ پہنچاتے ہم تو اس کی مدد کرتے اس سے معذرت کرتے' وہ دوست تو تھا ہی نہیں۔ آنکھوں میں دھندلاہٹ اتری تو وہ چونک پڑی۔

اس نے اس دھندلاہٹ کا راز جاننے کی کوشش کی تو اسے پتہ چلا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں وہ رو رہی ہے اور جب اسے اپنے رونے کا احساس ہوا تو بے اختیار اس کا دل چاہا کہ خوب روئے آنسو تو بڑے سکون بخش ہوتے ہیں۔ اور اس کی سسکیاں ابھرنے لگیں۔ وہ بری طرح روتی رہی تھی پھر جب سکون کا احساس ہوا تو اس نے آنکھیں خشک کیں' ناشتہ ٹرالی پر لگایا۔ طارق دانیال اس کا انتظار کر رہا ہو گا اور ایسا ہی تھا' دانیال ناشتے کی میز پر بیٹھا اس کی سطح انگلیوں سے بجا رہا تھا۔ ثمر نے خاموشی سے ناشتہ اس کے سامنے لگا دیا اور خود بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ دانیال نے ناشتے کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے تھے' ثمر نے بھی اپنی

پلیٹ سیدھی کرلی لیکن ناشتہ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا ناشتے کے وقت وہ عین اس کے سامنے بیٹھا ہوتا تھا اور ثمر اسے کھانے پینے کی اشیاء پیش کرتی تھی۔ دانیال نے ابھی تک بیٹی کے چہرے پر نظر نہیں ڈالی تھیں وہ خاموشی سے اپنے ٹوسٹ پر مکھن لگا رہا تھا۔ پھر اس نے اپنا ٹوسٹ دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہا۔

"بدبخت سے انسیت ہو گئی تھی۔ بالکل اپنا اپنا سا لگنے لگا تھا۔"

طارق دانیال کے ان الفاظ پر ثمر نے اپنا ٹوسٹ پلیٹ میں رکھ دیا۔ یہ کم بخت آنسو بڑے بے اختیار ہوتے ہیں نجانے انہیں چھپانے کا کیا طریقہ ہوتا ہے' طارق دانیال نے ایک سرسری نظر ثمر پر ڈالی اور بے اختیار اس کا ہاتھ بھی منہ کی طرف جاتے جاتے رک گیا اسے اچانک ہی ثمر کے چہرے کی تبدیلیوں کا احساس ہوا تھا۔ آنکھوں کی سرخی اور رخساروں کی نمی بتاتی تھی کہ ثمر خوب روئی ہے۔ طارق دانیال کا منہ متحیرانہ انداز میں کھل گیا اس نے بے اختیار بیٹی سے کچھ کہنے کی کوشش کی اور پھر اچانک اس کا بدن کانپ کر رہ گیا۔ کسی پراسرار احساس نے اس کے وجود پر کپکپاہٹ پیدا کر دی تھی۔ پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ ثمر اس میں کتنی دلچسپی لیتی تھی وہ ان دونوں کے درمیان پہلی اجنبی شخصیت تھا اور ثمر جیسی معصوم لڑکی کا اس سے متاثر ہو جانا فطری امر تھا۔ بات اس قدر سادہ نہیں ہے جتنی میں نے سوچ لی ہے یہ تو بڑا سنگین مسئلہ پیدا ہو گیا۔ طارق دانیال کو تو اس سلسلے میں بیٹی کو تسلی دینا بھی نہیں آتا تھا۔ پہلی بار ایسا انوکھا حادثہ رونما ہوا تھا جس کے بارے میں خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا۔

○

وہ بہت خوش تھا۔ اپنے سیارے پر اس کے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی تھی کہ وہ کوئی ایسا انوکھا کارنامہ سرانجام دے جس کی بناء پر اسے بلند مقام حاصل ہو۔ اس کا بھائی رک بھی بہت ذہین تھا اور ہمیشہ اس پر سبقت لے جانے کی فکر میں سرگرداں رہتا تھا لیکن اس کا ارینل اسے ایک امتیازی حیثیت دلانے میں کامیاب ہو گیا تھا حالانکہ آخری بار جب اس نے ارینل کی پہنچ کا فاصلہ بڑھا کر خلا تک رسائی حاصل کی تھی اور اجنبی شعاعوں میں جکڑ گیا تو کچھ لمحات کے لئے اسے خیال آیا تھا کہ شاید اس کا یہ تجربہ ناکام رہا اور اب اس کا جسم خلا میں بھٹکتا رہے گا۔ لیکن بعد میں جو کچھ ہوا تھا وہ اس کے لئے ناقابل یقین تھا اور پھر یہ سبز سیارہ جہاں زندگی اس قدر حسین تھی کہ نے میں رہنے والے کسی شخص نے تصور بھی نہ کیا ہو۔ نے تو ایک چھوٹا سا سیارہ تھا جس کی آبادی بڑی محدود تھی اور جس میں رہنے

والے زندگی سے اس قدر لطف نہیں لیتے تھے اونچے ٹیلوں جیسے مکانات اور ان میں رواں دواں زندگی جو زیادہ تر مشینوں کی تھی۔ محبتوں کے انداز شاید ساری کائنات میں یکساں ہیں۔ ان' ہیا' سی'سائب کے سب ایک دوسرے سے اسی طرح منسلک تھے جس طرح اس دنیا میں رہنے والے لوگ اور پھر جس تجربے گاہ میں وہ پہنچا تھا وہاں کے رہنے والے یہ دو افراد تو بہت ہی اچھے تھے۔ دانیال اور ثمر نے اسے اس اجنبی سیارے سے روشناس کرانے کا وعدہ کیا تھا اور اسے ساتھ لے جا کر جو کچھ دکھایا تھا اس نے اس پر سحر طاری کر دیا تھا۔ وہ اس حسین سیارے سے بہت زیادہ مرعوب ہو گیا تھا۔ یہاں کی ایک ایک شے سے اسے دلی محبت محسوس ہوتی تھی اور وہ ہر چیز کو گہری نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ اس کے اندر کچھ ایسی خوبیاں بھی تھیں جو یہاں کے لوگوں سے مختلف تھیں مثلاً" کسی بھی شے کو دیکھ کر اسے اپنے ذہن میں جذب کر لینا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا اس نے یہاں جو کچھ دیکھا تھا وہ اس کے ذہن کے کیمرے میں محفوظ ہو گیا تھا اور یہ فلم کبھی اور کسی وقت بھی چلائی جا سکتی تھی اور وہ سب کچھ جو اس کی نگاہوں میں آیا تھا ایک الگ جگہ منتقل ہو سکتا تھا اس کے لئے مختلف طریقہ کار تھے۔ ثمر اسے بہت اچھی لگی تھی اور وہ اس سے محبت محسوس کرنے لگا تھا وہ چیز جس کے ذریعے سفر کیا جاتا تھا اس کی نگاہوں میں تھی اور اس نے اسے چلانے کا تمام طریقہ کار دریافت کر لیا تھا یہ لوگ اسے کار کہتے تھے ان تمام چیزوں میں وہ بری طرح کھویا ہوا تھا اور سوچتا تھا کہ جب وہ نے پر واپس پہنچے گا تو اسے نے کے سب سے بڑے آدمی کا مقام حاصل ہو گا کیونکہ جو فلم وہ ان لوگوں کے سامنے پیش کرے گا وہ ایسی ہو گی کہ جسے دیکھ کر سب دنگ رہ جائیں گے۔ یہ ساری باتیں اس کے ذہن میں آتی رہتی تھیں اور وہ اپنے طور پر نجانے کیسے کیسے خیالات میں سرگرداں رہتا تھا۔ اس پر ہمیشہ ایک بے خودی طاری رہتی تھی سورج چمکتا تھا تو زندگی کا آغاز ہو جاتا تھا سورج ڈوبتا تو ہر کام رک جاتا تھا نے پر بھی ایسا ہی ہوتا تھا' بس رات کا رنگ ذرا مختلف ہوتا تھا' اور یہی کیفیت دن کی روشنی کی ہوتی تھی۔ یہاں سورج کی چمک مختلف تھی اور نے پر اس کے رنگ کچھ بدلے ہوئے۔

اس دن بھی صبح طلوع ہو رہی تھی وہ اپنی خوابگاہ سے باہر نکل آیا اور چمکنے والی صبح کو دیکھنے لگا دور سے اس کی نظر اس چیز پر پڑی جس میں یہ لوگ سفر کرتے تھے اس کے سیارے پر فاصلے اتنے طویل نہیں ہوتے تھے کہ ایسی کسی شے پر سفر کیا جائے۔ ہاں خلا میں سفر کرنے کے لئے ان کے ہاں مختلف قسم کے ذریعہ ہائے سفر ہوا کرتے تھے۔ نجانے کیوں اس کا دل چاہا کہ وہ اس شے پر اس انداز سے سفر کرے جس طرح ثمر یا دانیال سفر کرتے ہیں اپنی مخصوص صلاحیت کی بناء پر اس نے مکمل طور سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اس شے کو کس

طرح متحرک کیا جاتا ہے اور اس کی چابی کہاں ہوتی ہے۔

وہ ٹہلتا ہوا باہر نکل آیا۔ دیوار پر ایک جگہ چابی ٹنگی ہوئی تھی اس نے چابی اٹھائی اور باہر آ گیا پھر ثمر اور دانیال کے عمل کے مطابق اس نے سفر کرنے کے لئے اس شے کو اسٹارٹ کیا اور اسے سنبھال کر چلاتا ہوا باہر نکل آیا یہ قدرتی صلاحیت اس کے اندر تھی کہ وہ اس کی حقیقت کو سمجھ لے۔ باہر نکلنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ چوڑی کشادہ سڑک صاف شفاف تھی وہ اس پر سفر کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اپنے اس انداز سے اسے بے حد مسرت ہو رہی تھی اور وہ انتہائی خوشی محسوس کر رہا تھا اس خوشی نے اس کے رنگ میں نمایاں تبدیلی نمودار کر دی تھی۔ دوڑتے ہوئے مناظر اسے بے حد حسین لگ رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ بہت دور تک جائے گا اور اس کے بعد واپسی کا سفر اختیار کرے گا یہ شے ایریل نہیں تھی ایریل تو اجسام کو فضا میں اچھال دیتا تھا جب کہ یہ جسم کو ساتھ لے کر چلتی تھی۔

لمبی سڑک ختم ہونے کو ہی نہ آتی تھی کئی جگہ وہ مختلف شاخوں میں تقسیم ہوئی تھی اور وہ یہ اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ اسے کدھر جانا چاہئے۔ لیکن وہ چلتا رہا تھا' بہت دور تک چلتا رہا تھا۔ پھر چمکدار دن روشن ہو گیا اطراف کے مناظر ہنس پڑے اور وہ سوچنے لگا کہ جب وہ نے پر واپس جائے گا اور لوگوں کو یہ سب کچھ بتائے گا تو پہلے تو وہ یقین نہیں کریں گے لیکن جب وہ اپنے ذہن میں موجود فلم کو ان کے سامنے منعکس کرے گا تو وہ ششدر رہ جائیں گے ایک اجنبی سیارے کی سرزمین انہیں کیسی انوکھی لگے گی بالکل ایسی جیسی مجھے خود لگ رہی ہے۔

ان خیالات میں مگن وہ کار ڈرائیو کرتا رہا طریقہ کار اس نے ثمر اور دانیال سے سیکھ لیا تھا اب کچھ جانتا تھا وہ اس کے بارے میں کس طرح اسٹیئرنگ گھمایا جاتا ہے' کیسے نیچے کی مشینری کو کنٹرول کیا جاتا ہے بہر حال یہ سفر نجانے کیسے کیسے راستوں سے گزرتا رہا وہ ایک اجنبی زمین دیکھ رہا تھا پھر ایک جگہ جا کر یہ سڑک ختم ہو گئی اور وہ ذرا سا پریشان ہو گیا۔ اب کیا کرنا چاہئے اس نے اپنے ذریعہ سفر کو خاموش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ایسا نہ کر سکا وہ جانتا تھا کہ یہ چابی بند کر دینے سے یہ شے رک جائے گی لیکن وہ اسے گھما کر واپس سڑک پر لانا چاہتا تھا اور اس کے لئے اسے ایک کچے اور وسیع میدان میں بہت دور تک آگے بڑھنا پڑا۔۔۔۔ پھر نجانے کیا ہوا وہ شے خود بخود رک گئی۔ اس نے چابی ابھی بند نہیں کی تھی بہر حال اس کا رک جانا اسے برا نہ لگا دوبارہ اسے کسی طرح آگے بڑھا کر واپسی کا سفر کیا جا سکتا ہے پھر اس نے اس شے کو اسی طرح چھوڑ دیا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ آس پاس

خوب صورت پہاڑی ٹیلے بکھرے ہوئے تھے جن پر سرسبز و شاداب سبز رنگ کا فرش بچھا ہوا آیا یہ ماحول اسے بے حد پسند آیا۔ سورج بادلوں کی اوٹ میں آگیا تھا جس کی بناء پر موسم میں کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی تھی ان بدلتے موسموں سے بھی وہ اچھی طرح روشناس ہوتا جا رہا تھا اب تک اس نے یہاں جو کچھ سیکھا تھا وہ اس کی یادداشت میں محفوظ تھا اور وہ ان ساری چیزوں کو بڑی احتیاط سے اپنے ساتھ اپنے سیارے پر لے جانا چاہتا تھا۔ دیر تک وہ وہیں کھڑا رہا اور اس کے بعد اس نے سوچا کہ اب واپسی کا سفر طے کرنا چاہئے بہت دیر ہو گئی ہے وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ ثمر سوچ رہی ہو گی کہ نجانے وہ کتنے فاصلے پر چلا گیا اب واپس جانا ضروری ہے' واپس جا کر ثمر کو بتائے گا کہ آج اس نے اس اجنبی سیارے پر اپنے طور سے ایک خوب صورت سفر کیا ہے وہ واپس کار میں آ بیٹھا۔

بورڈ کی سرخ روشنیاں جل رہی تھی اگنیشن سوئچ آن تھا اس نے وہی عمل دہرایا جس سے کار اسٹارٹ ہو جاتی تھی۔ لیکن سیلف گھوم کر رہ گیا کار اسٹارٹ نہیں ہوئی تھی بہت دیر تک وہ کوششیں کرتا رہا اور اس کے بعد شاید بیٹری ڈاؤن ہو گئی وہ یہ کوششیں کر کر کے تھک گیا تھا اور اب اس کے اندر پریشانی بیدار ہونے لگی تھی۔ یہ شے اسٹارٹ کیوں نہیں ہوتی وہ اسے ہر طرح ٹھونک بجا کر دیکھ رہا تھا اس کے دل میں بس یہی لگن تھی کہ یہ اسٹارٹ ہو جائے لیکن بیچارے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ کار پیٹرول سے چلتی ہے اور فیول کو بتانے والی سوئی زیرو پر کی ہوئی ہے اپنی تمام تر کوششیں کرنے کے بعد وہ مایوس ہو گیا۔ اب اس کے اندر بے چینی کی ایک لہر بیدار ہو گئی تھی وہ پریشان نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا یہ تو بہت برا ہوا اب کیا کیا جائے۔ پھر مجبوراً" وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا اور اس نے سوچا کہ اب اس کے بغیر ہی آبزرویٹری تک پہنچا جائے وہ لوگ پریشان ہوں گے۔ یہ تو برا ہوا کہ انہیں بتائے بغیر اس طرح نکل آیا کچا وسیع و عریض میدان عبور کرتے کرتے بھی نجانے کتنا وقت لگ گیا تھا راستے ذہن میں نہیں تھے بس چلتا رہا تھا اور چلتے چلتے سورج سر سے گزر چکا تھا شام جھکنے لگی تھی تب کہیں جا کر اسے وہ چکنی چوڑی سڑک نظر آئی جس پر سے گزر کر وہ یہاں تک پہنچا تھا لیکن یہ بھی صرف اس کا خیال تھا سڑک تو کئی شاخوں میں بٹی ہوئی تھی پتہ نہیں یہ وہ سڑک تھی یا نہیں وہ سڑک پر آگیا اور سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا دور سے اسے ایک اور متحرک شے نظر آئی۔ یہ ویسی تو نہ تھی جس میں وہ یہاں تک پہنچا تھا اور جو ثمر اور دانیال کے استعمال میں رہتی تھی لیکن کچھ اسی سے ملتی جلتی چیز تھی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا آہستہ آہستہ وہ متحرک شے قریب آتی جا رہی تھی پھر وہ اس کے پاس آ کر رک گئی اس میں بہت سے لڑکے لڑکیاں

موجود تھے کسی کالج کی پکنک ٹیم تھی جو کسی پوائنٹ سے پکنک منا کر واپس آ رہی تھی کچھ معمر اور سمجھدار لوگ بھی تھے ورنہ زیادہ تر شوخ و شنگ لڑکے اور لڑکیاں۔ ڈرائیور نے گردن نکال کر پوچھا۔

"کیا ہوا یہاں کیسے کھڑے ہو؟" اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا اتنے لڑکے لڑکیوں کو دیکھ کر وہ کسی قدر گھبرا سا گیا تھا ایک لڑکے نے کہا۔

"ہوائی جہاز سے گر پڑے ہو کیا؟" دوسرے لڑکے قہقہے لگانے لگے' ایک سمجھدار پروفیسر نے گردن نکال کر کہا۔

"بھائی کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے کہیں جانا چاہتے ہو آ جاؤ شہر میں چھوڑ دیں گے تمہیں' آؤ اندر آ جاؤ۔" اس نے اشارہ کیا اور وہ یہ اشارہ سمجھ گیا' چنانچہ دروازے سے اوپر پہنچ گیا' ڈرائیور نے بڑی سی گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

"کیا ہوا' گاڑی خراب ہو گئی کیا' شکار کے لئے نکلے تھے کیا واقعہ پیش آیا؟ پروفیسر نے سوال کیا۔ تب اسے سا۔اے کا خیال آیا؟ ثمر اور دانیال کے ساتھ وہ شہر آیا تھا اور اس نے شہری آبادی میں بہت لوگوں کو دیکھا تھا' ان لوگوں سے گفتگو کرنے کے لئے بھی سا۔اے استعمال کیا جا سکتا ہے چنانچہ سا۔اے متحرک ہو گیا اور پروفیسر نے چونک کر سر پیچھے ہٹا لیا اس کی پیشانی پر بنے ہوئے گول نشان سے رنگ خارج ہو رہے تھے' ہنستے بولتے لڑکے لڑکیاں خاموش ہو گئے' تب وہ آہستہ سے بولا۔

"آبزرویٹری' ثمر دانیال۔" لیکن سب پر سکوت طاری تھا۔ ڈرائیور کا رخ چونکہ سامنے کی سمت تھا اس لئے اسے پتہ نہیں تھا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے پروفیسر ہی نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہے؟" انگلی کا اشارہ پیشانی کی جانب تھا۔

"سا۔اے"

"پنڈت جی مہاراج معلوم ہوتے ہیں قشقہ کھینچا ہوا ہے مگر ایسے جدید پنڈت جی مہاراج۔"

"اماں جن بادشاہ تو نہیں۔" پیچھے سے آواز آئی اور شریر لڑکے لڑکیاں ہنسی نہ روک سکے۔ پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"شٹ اپ' آپ لوگ خاموش ہو جایئے۔" پھر اس نے نوجوان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ کیا ہے اور میرا مطلب ہے یہ؟"

"سا۔اے۔"

"یہ کیا ہوتا ہے۔؟" پروفیسر بولا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا' اب آس پاس بیٹھے ہوئے لڑکے لڑکیاں کچھ سنجیدہ سے ہو گئے تھے' پروفیسر بھی کچھ ڈرا ڈرا سا نظر آنے لگا تھا عقب سے پھر وہی آواز آئی۔

"جن بادشاہ بچو بیٹا اب سب لوگ۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ گاڑی ہوائی جہاز کی طرح فضا میں پرواز کرنے لگے گی۔"

"میں کہتا ہوں فضول گوئی سے پرہیز کیا جائے۔"

پروفیسر صاحب نے پلٹ کر کہا اور ایک دوسرے پروفیسر کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔

"ذرا ادھر آیئے نقوی صاحب۔" دوسرے پروفیسر قریب آ گئے تھے۔

"آپ ذرا ان حضرت سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کیجئے۔ کچھ عجیب سی شخصیت ہے ان کی۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ دوسرے پروفیسر نے اس سے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"رت۔" اس نے جواب دیا۔

"برکھا رت۔" پیچھے سے ایک آواز ابھری لیکن پروفیسر نقوی نے اس پر توجہ نہیں دی۔ اس کے اندر کچھ عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئی تھی' اس نے آہستہ سے کہا۔

"تنویر صاحب مجھے دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔"

"کالا ہے کی دال میں۔" پیچھے سے کوئی شریر لڑکا بولے بغیر نہ رہ سکا۔ لیکن پروفیسر اب اس پر توجہ نہیں دے رہے تھے' تنویر صاحب نے کہا۔ "مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس شخص کی خاموشی اس کا کھویا کھویا انداز' یوں محسوس ہوتا ہے جیسے' کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ہو۔"

"مگر اس چمکتے ہوئے گول نشان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جو جاندار ہے اور اس میں رنگ تڑپتے ہیں۔"

"کوئی شعبدہ ہو سکتا ہے کسی کل کسی تجربے کا شکار ہو" تنویر صاحب نے پھر اسے دیکھا پھر بولے۔

"دیکھو میاں اگر اداکاری کر رہے ہو تو براہ کرم نہ کرو ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اگر شہر جانا چاہتے ہو تو یہ بس شہر جا ہی رہی ہے جہاں کہو گے وہاں اتار دیا جائے گا کیا سمجھے۔؟" سارے متحرک ہوا اور یہی چیز ان لوگوں کے لئے شدید حیرانی کا باعث بن رہی تھی۔ وہ ان کی باتیں سمجھنے کی کوشش کرنے لگا پھر اس نے کہا۔

"ثمر' دانیال" "ایزروبٹری" ان تین الفاظ کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکا۔ خود کو ان کے

درمیان غیر محفوظ سمجھ رہا تھا۔ گھبرا رہا تھا' ثمر اور دانیال کی بات ہی کچھ اور تھی ان کے پاس رہ کر اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے سیارے پر ہو۔

"پروفیسر نقوی نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ وہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ ایک لڑکی نے دوسری لڑکی کے کان میں سرگوشی کی۔

"اس کے نقوش کتنے خوبصورت ہیں۔"

"ماتھے کے گول نشان کے بارے میں کیا کہتی ہو۔ لگتا ہے جیسے کوئی مہاتما جی قشقہ کھینچے بیٹھے ہوں۔"

"میں بتاؤں اصل قصہ کیا ہے" ایک اور لڑکی نے کہا اور دونوں لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔" چار سو بیس ہیں یہ حضرت ہو سکتا ہے ہمیں پکنک سے واپس آتے دیکھ لیا ہو اور اب اس طرح بس میں آ گھسے ہوں۔"

"اوہو کیا دور کی کوڑی لائی ہو۔ میرے خیال میں یہ تمہیں دیکھ کر بے اختیار ہو گیا' اور پھر بائیونک مین کی طرح بس کے ساتھ ساتھ دوڑتا ہوا بس سے پہلے یہاں تک آ گیا۔ عشق میں انسان واقعی بہت تیز دوڑ لیتا ہے۔"

"تم خود کو بہت ذہین سمجھتی ہو۔ تم ہی بتاؤ پھر کیا قصہ ہو سکتا ہے۔"

"اسٹیکر' سو فیصد اسٹیکر' کوئی غور ہی نہیں کر رہا اس بات پر" اس لڑکی نے کہا۔

"تم کچھ زیادہ غور نہیں کر رہیں۔" پہلی لڑکی نے کہا اور انکشاف کرنے والی لڑکی منہ بنا کر خاموش ہو گئی۔

پروفیسر تنویر نے کہا۔ "میرے خیال میں شہر میں داخل ہو کر اسے بس سے اتار دیا جائے۔ یہ صحیح الدماغ نہیں معلوم ہوتا۔" پروفیسر نقوی نے مدھم سی مسکراہٹ سے کہا۔ "نہیں اگر یہ صحیح الدماغ نہیں ہے تو ہم پر مزید ذمے داری عائد ہو جاتی ہے یوں کرتا شہر میں داخل ہو کر ہم دونوں کو اتار دینا میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

○

سارا دن گزر گیا' طارق دانیال اپنے بیڈ روم میں گھسا رہا تھا۔ بس لنچ پر باپ بیٹی ایک دوسرے کے سامنے آئے تھے۔ لیکن دونوں نے بالکل خاموشی سے لنچ کیا تھا۔ اس کے بعد اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔

دانیال سخت وحشت کا شکار تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ طویل نیند سوتا رہا ہو'

زندگی کو ایک خواب کی مانند دیکھتا رہا ہو' اب آنکھ کھل گئی ہو۔ کیا کیا ہے میں نے' یہ اپنے ساتھ کیا کیا ہے میں نے' انسانوں میں رہ کر غیر انسانی زندگی گزار دی ہے۔ عقل ہی کھو بیٹھا تھا۔ آخر میڈلینو نے مجھے ایسا انوکھا فریب کیوں دیا' اس کا کیا مفاد وابستہ تھا۔ کیا صرف یہ کہ وہ میری ذہانت کو اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتا تھا۔ مگر خود اسے کیا حاصل ہوا...... خاموشی سے مرگیا اور ہمیں زندہ درگور کر گیا۔ ایک غیر فطری زندگی کے عادی ہو گئے ہم لوگ۔ جو کچھ کر رہے تھے اس کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ سب کچھ بیکار...... بے مقصد...... اور بات یہاں تک پہنچ گئی۔ عالیہ ختم ہو گئی اور ثمر...... وہ انسانوں سے شناسا ہی نہیں ہے۔ پھر وہ شاطر ...... وہ کمینہ...... کاش وہ خود کو ظاہر کر دیتا ایک اچھے انسان کی حیثیت سے تعاون کرتا۔ ثمر اس کے لئے بہت غمزدہ ہے کہیں بات حد سے آگے نہ بڑھ جائے...... آہ میں کیا کروں...... کیا کرنا چاہئے مجھے۔ اب ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔ وقت گزر گیا اب بھی کچھ نہ کیا تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یا پھر کارروائی کا انتظار کر لوں۔ اس کی طرف سے ہونے والی کارروائی کا انتظار کر لوں وہ نکل گیا ہے کچھ کرے گا ضرور۔"

دوسری صبح ثمر جلد جاگ گئی تھی۔ اس نے چائے لا کر رکھ دی۔ طارق نے خود کو کافی سنبھال لیا تھا۔ چائے پیتے ہوئے اس نے کہا۔ "دراصل اس نے ہمیں دشمن سمجھا کسی یورپی ملک کا سائنس دان تھا۔ اور یقیناً کسی اہم خلائی مشن پر تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس نے اپنی اصلیت ہم پر ظاہر کر دی تو ہم اس پر تشدد کریں گے۔ اس کے مشن کے بارے میں معلوم کریں گے۔ حالانکہ ہم ایسا کہاں کرتے۔ ہم تو اس سے ہر طرح تعاون کرتے۔"

ثمر خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتی رہی۔

"کافی غلطیاں ہوئی ہیں ہم سے ہمیں تن تنہا نہیں رہنا چاہئے تھا۔ اگر یہاں کچھ اور لوگ بھی ہوتے تو یہ سب کچھ نہ ہوتا...... ہمیں مشورے بھی دے سکتے تھے۔ بات ابتدا ہی سے بگڑی ہوئی ہے۔ لیکن اب مجھے کچھ کرنا ہو گا۔ اب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"

"کیا ڈیڈی؟" ثمر اچانک بول پڑی۔

"ہم غیر انسانی زندگی گزار رہے ہیں اب ہم اس غیر انسانی زندگی کو ترک کر دیں گے۔"

"کیسے؟"

"ابتداء میں یہاں کچھ ملازم رکھیں گے' عمارت کو صاف ستھرا کرنے والے' باورچی' ڈرائیور' مالی وغیرہ۔ عمارت بہت بڑی ہے کچھ خاندانوں کو یہاں لا کر آباد کریں گے عمارت کا وہ دوسرا حصہ تو اب تک بیکار پڑا ہے ہم نے اسے اپنی رہائش کے لئے بنایا تھا لیکن لیبارٹری

ہی ہمارے لئے سب کچھ بن کر رہ گئی۔ اس کے بعد میں شہر کے سائنس دانوں سے رابطہ کروں گا۔ پریس کانفرنس کروں گا دنیا کو اپنے بارے میں بتاؤں گا اور کیا اچھی ترکیب ذہن میں آئی ہے میں سب کچھ ڈس کلوز کر دونگا۔ سینس ریز کے بارے میں بھی بتاؤں گا اور اس خلاء باز کے بارے میں بھی جو سپیس ریز کا شکار ہو کر یہاں تک پہنچ گیا تھا اور پھر موقع پا کر نکل گیا اس طرح ہماری پوزیشن بھی صاف ہو جائے گی اور ہمیں مجرم نہیں سمجھا جائے گا۔"

"نہیں ڈیڈی...... ہم یہ سب نہیں کریں گے۔" ثمر نے آہستہ سے کہا اور طارق چونک پڑا۔ "کیوں؟"

"وہ انسان تھا؟"

"سو فیصد اب بھلا اس میں کیا شک کیا جا سکتا ہے؟"

"کیا انسان نہایت قابل نفرت ہوتے ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"دھوکے باز' جعلساز' وہ جانتا تھا کہ ہم نے جان بوجھ کر اسے قیدی نہیں بنایا۔ ہم اس سے مخلص تھے ہم نے اسے پورا اعتماد دیا تھا لیکن اس نے ہم پر اعتماد نہیں کیا وہ ہم سے کہتا کہ وہ جانا چاہتا ہے وہ جہاں بھی جانا چاہتا ہم اس کی مدد کرتے مگر اس نے ہم پر اعتبار نہیں کیا۔ انسان ایسے ہوتے ہیں ڈیڈی۔ اگر ایسے ہوتے ہیں تو پھر ہم ایسے انسانوں کے درمیان نہیں رہنا چاہتے۔"

"نہیں ثمر...... انسانوں کو جاننے کے لئے بھی ان کے درمیان رہنا ضروری ہے۔"

"میں آپ کا ساتھ نہ دے سکوں گی ڈیڈی۔"

"کیا مطلب؟"

"یہاں کوئی بھی آیا تو میں خود کشی کر لوں گی آپ جانتے ہیں میں ایسا کر لوں گی۔" ثمر کا لہجہ سنگین تھا طارق دانیال اسے بے بسی سے دیکھنے لگا کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"پھر ہم کیا کریں گے ثمر۔ دیکھو بیٹی زندگی کی انتہا موت ہے انسان کسی بھی وقت مر سکتا ہے۔ حادثاتی موت بھی ممکن ہے اور عمر پوری کر کے تو ہر انسان کو جانا پڑتا ہے میں بھی اپنی عمر پوری کر رہا ہوں میرے بعد تو تم بالکل تنہا رہ جاؤ گی۔"

"نہیں ڈیڈی مجھے آپ کی اس دنیا سے نفرت ہو گئی ہے۔ آج سے میں ایک نئے مشن کا آغاز کر رہی ہوں۔"

"ایک مشن......؟"

"ہاں ڈیڈی"

"مجھے اس کے بارے میں کچھ بتاؤ گی؟"

"ہاں کیوں نہیں سینس ریز کسی بھی شے کو خلا سے حاصل کر کے ہمیں پہنچا سکتی ہیں ہم زمین سے انہیں خلا میں پھینکتے ہیں میں کوشش کرلوں گی انسانی جسم بھی بغیر کسی راکٹ یا دوسرے ذرائع کے خلا تک جاسکیں کسی سیارے کو ٹارگٹ بنا کر اس تک پہنچا جا سکے اور ڈیڈی اگر نہ بھی پہنچا جاسکے تو......تو" ثمر کی آنکھیں خواب ناک ہو گئیں۔

"تو ابد تک میری روح خلا میں رقصاں رہے گی تاریک بیکراں خلا جہاں سکون ہے، ستاروں کی سرگوشیاں ہیں اور کچھ نہیں ہے۔" ثمر کی آواز بجھی ہوئی تھی۔ طارق دانیال اسے خاموشی سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

○

"ڈرائیور گاڑی روک دو" پروفیسر کی آواز ابھری اور ڈرائیور نے بریک لگا دیئے نقوی اپنا سفری بیگ لے کر کھڑا ہو گیا تھا پھر اس نے نوجوان سے کہا۔

"آؤ......" وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"آپ تو واقعی اس کے لئے سنجیدہ ہو گئے نقوی صاحب"۔

"انسان کو انسان کے لئے سنجیدہ ہونا ہی چاہیے مسٹر تنویر۔ اور پھر آپ لوگ خود بھی فیصلہ کر چکے ہیں کہ یہ صحیح الدماغ نہیں ہے۔ ایسے خوبصورت نوجوان کو میں تنہا کیسے چھوڑ دوں ہو سکتا ہے میں اس کی کچھ مدد کر سکوں اس کے گھر پہنچا دوں۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں خود بھی تنہا آدمی ہوں یہ مجھے برا نہ لگے گا۔"

"سر ہمیں اپنی قیمتی اشیاء کی چوری کی اطلاع ضرور دیدیجئے گا تاکہ ہم افسوس کرنے آپ کے گھر آجائیں۔" ایک نوجوان نے کہا۔

"میں آپ لوگوں کو بالکل اطلاع نہیں دوں گا بلکہ خندہ پیشانی سے اپنے نقصان کو برداشت کرلوں گا یہ سوچ کر کہ جو کچھ یہ لے گیا ہے وہ اسی کی تقدیر کا تھا خدا حافظ"

"بس آگے بڑھ گئی پروفیسر نے ایک ٹیکسی روکی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو اس کے اندر ایک اضطراب سا نمودار ہو گیا۔ وہ درحقیقت تنہا تھا ایک فلیٹ میں رہتا تھا منزل پر پہنچ کر وہ ٹیکسی سے اتر کر بل ادا کر رہا تھا کہ نوجوان کھڑکی سے گردن اندر داخل کر کے ایگنیشن کو دیکھنے لگا"

"کیا بات ہے بابو جی......" ٹیکسی ڈرائیور نے اسے تعجب سے پوچھا۔

"یہ جب بند کر دیتے ہو تو کیسے شروع کرتے ہو؟" وہ بمشکل بولا۔

"کیا بابو جی......؟"

"یہ......یہ......" اس نے سوئچ کی طرف اشارہ کیا۔

"ایسے......" ڈرائیور نے سیلف لگایا اور ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔ پروفیسر نے سر پیچھے کھینچ لیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ وہ پریشانی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔ پروفیسر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے فلیٹ کی طرف چل پڑا اندر داخل ہو کر اس نے پوچھا۔

"نہاؤ گے......؟ گرد میں اٹے ہوئے ہو" وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھتا رہا پروفیسر نے چند لمحات کا انتظار کیا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تمہاری مرضی تم بیٹھو میں نہانے جا رہا ہوں۔" پروفیسر نے دوسرے کمرے میں جا کر لباس نکالا اور باتھ روم میں چلا گیا نہاتے ہوئے اسے لڑکوں کی بات کا خیال آیا۔ ایک لڑکے نے کہا تھا کہ ہمیں اپنی قیمتی اشیاء کی چوری کی اطلاع ضرور دے دیجئے اگر ایسا ہے تو نوجوان کو موقع دینا چاہئے کہ وہ اپنا کام کر کے نکل جائے۔ چنانچہ اس نے باتھ روم میں کافی دیر لگائی تھی پھر وہ تجسس میں ڈوبا اس کمرے میں پہنچا تھا جہاں وہ اسے چھوڑ آیا تھا۔ دروازہ کھول کر اس نے بے صبری سے اندر جھانکا وہ کھڑکی کھولے کھڑا تھا پروفیسر کی آہٹ پا کر وہ مڑا......اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو......؟" پروفیسر نقوی نے پوچھا اور اس کی پیشانی کے گول نشان میں رنگ تڑپنے لگے پھر اس نے صاف لہجے میں کہا "زمین سبز سیارے کی زندگی"

"کیا مطلب......؟"

"وہاں یہ سب کچھ نہیں تھا"

"کہاں......؟"

"جہاں ثمر تھی، دانیال تھا۔"

"یہ دونوں کون ہیں تم نے کئی بار ان کا نام لیا ہے۔" پروفیسر نقوی بولا اس سوال کے حوالے سے کوئی جواب اس سے نہیں بن پڑا تھا۔

"تم کون ہو، مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے؟" پروفیسر نے پھر کہا۔

"رت" اس نے سینے پر انگلی رکھ کر کہا "فے" سے آیا ہوں فے میرا سیارہ ہے۔"

"کس سیارہ......؟"

"ہاں، میں تمہارے سیارے کا باشندہ نہیں ہوں میں فے سے آیا ہوں دانیال کی آبزرویٹری میں۔ میں یہ سب دیکھنا چاہتا ہوں بس مجھے اپنے سیارے کی زندگی کے بارے میں

بتاؤ۔"

"اللہ اکبر...... اللہ اکبر...... آپ تو اچانک اسٹارٹ ہو گئے حضرت اور بڑا اچھا اسٹارٹ لیا ہے آپ نے زمین کا قصہ ہی ختم کر دیا نقوی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔ اب حادثے نے اسے اس حال کو پہنچایا ہے کہ وہ خود کو کسی دوسرے سیارے کی مخلوق سمجھتا ہے۔

یونیورسٹی دس دن کے لئے بند تھی اس نے ان دس دنوں کا مشغلہ دریافت کر لیا۔ نوجوان کے بارے میں اسے چوبیس گھنٹوں میں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بے ضرر ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بہترین دوست برین سرجن کفیل احمد سے رابطہ کر کے اسے نوجوان کا پورا کیس بتایا۔ کفیل احمد بے مثال سرجن تھا اسے بھی اس کیس میں دلچسپی محسوس ہوئی پروفیسر نقوی کے فلیٹ پر آ کر اس نے بڑی تفصیل سے اس کا جائزہ لیا اور اس کے بارے میں پروفیسر سے بہت سے سوالات کئے۔

"اس کا بہترین مشغلہ کھڑکی میں کھڑے رہنا ہے۔ رات کو بھی یہ پوری رات کھڑکی میں کھڑا باہر دیکھتا رہا ہے۔"

"خاصا الجھا ہوا معاملہ ہے۔ باقی تو سب ٹھیک ہے لیکن پیشانی پر یہ گول دائرہ یوں لگتا ہے جیسے کوئی عجیب سی مشین پیشانی میں سوراخ کر کے نصب کر دی گئی ہے اور اس میں وقفے وقفے سے نمودار ہونے والے یہ چمکدار رنگ؟"

"یہ اس وقت نمودار ہوتے ہیں جب اس سے کوئی سوال کیا جائے اور یہ اس کا جواب سوچے......"

"دیکھا نہیں، ویسے یہ بار بار کسی ثمر اور دانیال کا تذکرہ کرتا ہے اور کسی آبزرویٹری کا بھی۔"

"اونچا کھیل معلوم ہوتا ہے۔ اصولی طور پر تو ہمیں یہ تفصیل پولیس کو بتانی چاہیے لیکن اس سے پہلے میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں میں اس کے کچھ برین ایکسرے لے کر دیکھوں، ان سے کچھ اندازے قائم کئے جا سکتے ہیں۔"

"پروفیسر اسے سرجن کفیل کے کلینک لے گیا تو اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور راستے بھر بچوں کی طرح ایک ایک منظر سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کلینک میں ڈاکٹر کفیل نے تمام انتظامات کر رکھے تھے وہ پوری طرح تعاون کر رہا تھا ڈاکٹر کے اشارے پر وہ اس کرسی پر بیٹھ گیا جس پر اس کا ایکسرے لیا جانا تھا۔ سرجن کفیل نے دنیا کی قیمتی ترین ایکسرے مشین اس کے سامنے کی اور ایکسرے کے لئے تیار ہو گیا۔ وہ دلچسپی سے اپنی جگہ بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ایکس ریز اس کے دماغ پر پڑیں اور ایک دھماکے سے ریورس ہو گئیں۔ مشین میں

ایک نیلا شعلہ نمودار ہوا اور اس کے لینز ٹوٹ گئے ڈاکٹر کفیل اور پروفیسر زیدی کے حلق سے
چیخیں نکل گئی تھیں۔

ایکسرے مشین کو صرف ایکس ریز کے ریورس ہونے سے نقصان نہیں پہنچا تھا بلکہ کوئی اور پراسرار عمل بھی ہوا تھا جس سے مشین تباہ ہو گئی تھی۔ اس کا تمام نظام پگھل کر تباہ ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر کفیل سب کچھ نظرانداز کر کے مشین کی طرف متوجہ ہو گیا تھا اس نے متوحش نگاہوں سے مشین کی حالت دیکھی اور گلوگیر لہجے میں بولا۔ "آہ......یہ کیا ہو گیا میرے خدا......میرے خدا......!"

پروفیسر نقوی بھی اسی کی طرح بدحواس تھا۔ وہ بھی اٹھ کر مشین کو ٹٹولنے لگا۔

"کیا ہوا ڈاکٹر......؟" پروفیسر نقوی کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"میں تباہ ہو گیا۔ برباد ہو گیا یہ بے حد قیمتی مشین تھی۔ اتنی قیمتی کہ میں اسے دوبارہ نہیں حاصل کر سکتا۔ میری تمام عمر کی پونجی اس کے حصول میں خرچ ہو گئی تھی۔ پورے ملک کے بڑے بڑے اسپتالوں میں ایسی صرف دو مشینیں اور ہیں اس سے میرا پورا مستقبل وابستہ تھا۔ آہ میرا مستقبل تاریک ہو گیا۔"

"لیکن ......یہ کیسے ہو گیا؟" پروفیسر نقوی نے پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے پروفیسر......صرف تمہاری وجہ سے۔" ڈاکٹر کفیل نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا اور پروفیسر نقوی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ ڈاکٹر کفیل کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"سوری ڈاکٹر......لیکن میں کچھ بھی نہیں سمجھ پایا۔ مجھے تمہارے نقصان کا شدید رنج ہے؟"

"اس مشین کی تباہی سے میں بھی تباہ ہو گیا کون ہے یہ شخص .... آخر کون ہے .... کیا ہے؟ ڈاکٹر نے خونی نگاہوں سے اس کو دیکھا۔ "میں پوچھتا ہوں کون ہو تم......؟"

"رت!" اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

"میں اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہوں نقوی صاحب یہ سخت خطرناک قسم کا آدمی ہے اس کی وجہ سے مزید نقصانات ہو سکتے ہیں مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا ورنہ میں......اصولی طور پر ہم نے ایک مجرمانہ عمل کیا ہے۔ کاش ہم اسے پہلے ہی پولیس کے

حوالے کر دیتے"

"یہ بھی تو ممکن ہے ڈاکٹر مشین کی یہ حالت کسی اور فالٹ کی وجہ سے ہوئی ہو۔

"ناممکن۔ میں نے اپنی آنکھوں سے وہ ناقابل یقین عمل دیکھا ہے۔ ایکس ریز اس کے دماغ سے گزرنا چاہتی تھیں لیکن ان میں ایک تغیر رونما ہوا اور وہ کچھ اور شکل لے کر پلٹیں اور یہ مشین ان کی زد میں آ گئی۔ اگر کوئی انسان بھی اس طرح ان کی زد میں آ جاتا تو۔ اس کا حشر بھی مشین جیسا ہو سکتا تھا۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ یہ واقعی کوئی خلائی انسان ہو؟" پروفیسر نقوی نے کہا۔

"جو کوئی بھی ہے جہنم میں جائے۔ میں پولیس کو اطلاع دیتا ہوں تم خود تمام جوابدہی کرو گے۔" ڈاکٹر ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔ وہ قریب رکھے فون کے پاس پہنچ گیا۔ اور اس نے نمبر ڈائل کئے پروفیسر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

"میں ایس پی نظام علی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ انہیں بتا دیجئے کہ برین سرجن کفیل احمد بات کرنا چاہتا ہوں۔ جی ..... ٹھیک ہے۔" کفیل انتظار کرنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"ہاں نظام صاحب ......آپ کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ یہاں میرے کلینک میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو خود کو کسی دوسرے سیارے کا باشندہ بتاتا ہے۔ اس نے میری نہایت قیمتی ایکسرے مشین تباہ کر دی ہے۔ تقریباً" چالیس لاکھ روپے کی مالیت کی مشین.....ہاں بہت عجیب کیفیت ہے۔ آپ براہ کرم فوری توجہ دیجئے.....جی کلینک میں ہوں۔ آپ آ جائیے میں انتظار کر رہا ہوں۔" کفیل احمد نے فون بند کر دیا۔

پروفیسر نقوی افسوس بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کفیل احمد پر بدستور جنون طاری تھا وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر رک کر بولا میرا دل چاہتا ہے اسے گولی مار دوں......لیکن......قانون ہاتھ میں نہیں لینا چاہتا......البتہ......البتہ......"

"میں تمہاری ذہنی کیفیت بخوبی سمجھ سکتا ہوں کفیل احمد' بلاشبہ اتنے بڑے نقصان کا ازالہ ممکن نہیں ہو سکتا لیکن بدقسمتی سے میں تو اس بارے میں بالکل ہی نہیں جانتا تھا۔ تم نے خود ہی یہ تجربہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ واقعی کاش ہم یہ سب کچھ نہ کرتے......"

ڈاکٹر کفیل احمد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حقیقت بہر طور حقیقت تھی لیکن اس نقصان نے اسے ذہنی طور پر دیوالیہ کر دیا تھا۔ ایس پی نظام علی سے اس کے گہرے تعلقات تھے چنانچہ ایس پی صاحب نے پہنچنے میں دیر نہ لگائی۔ وہ پر اطمینان انداز میں اپنی جگہ بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر کفیل نے اس دوران اپنے عملے کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر پولیس افسر آئے تو اسے اندر بھیج دیا جائے۔

ایس پی نظام علی کمرے میں داخل ہو گیا تو ڈاکٹر کفیل احمد نے رت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک پراسرار اور خطرناک نوجوان ہے نظام علی اس نے میری لاکھوں روپے مالیت کی یہ مشین برباد کر دی ہے۔ میں اسے بدترین سزا دلوانا چاہتا ہوں۔"

ایس پی نظام علی نے دلچسپی سے اس انوکھے نوجوان کو دیکھا۔ دو قدم آگے بڑھا اور پھر حیرت سے بولا "اس کی پیشانی پر یہ گول نشان کیسا بنا ہوا ہے؟"

"نظام علی یہ دیکھو میری یہ مشین' آہ یہ برباد ہو گئی میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ پروفیسر نقوی ہیں یہ اسے لے کر میرے پاس آئے تھے اور میں نے اس کا برین ایکسرے لیا۔ لیکن اچانک ہی یہ حادثہ ہو گیا۔ دیکھو میری مشین بالکل برباد ہو گئی میں چاہتا ہوں نظام علی کہ اسے پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ آہ کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ اس طرح کتنے لوگوں کا نقصان ہوا ہے اور میں تو بالکل ہی تباہ ہو گیا۔"

ڈاکٹر کفیل احمد رو دینا چاہتا تھا۔ لیکن اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا۔ ایس پی نظام علی اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ایک ایک کو دیکھ رہا تھا۔ تب نظام علی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کھڑے ہو جاؤ....." اس کا سارا اعصابی نظام متحرک ہوا اور ایس پی نظام علی کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے اس نے اپنا موٹا کھردرا ہاتھ آگے بڑھایا اور چمکتے ہوئے رنگوں کو دیکھا جو اس کی پیشانی پر متحرک تھے۔ انگلی سے چھونے پر بس یہی احساس ہوتا تھا کہ کوئی گول شیشہ ہے جس کے نیچے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ایس پی نظام علی متعجبانہ انداز میں ڈاکٹر کفیل کو دیکھنے لگا۔ وہ اس کے احکام کو سمجھنے کے بعد کھڑا ہو گیا۔

"کون ہو تم اور کیا نام ہے تمہارا.....؟"

سارے کا نظام بدستور متحرک تھا۔ نظام علی کے سوال کے جواب میں اس نے کہا۔

"میرا نام رت ہے۔"

"کہاں کے رہنے والے ہو.....؟"

"فے.....فے ہے میرے سیارے کا نام۔"

"سیارہ.....؟"

"ہاں......."

"کیا یہ شخص پاگل بننے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"میں نہیں جانتا نظام علی.....اسے لے جاؤ.....کھال اتار دو اس کی اور اس سے پوچھو

کہ یہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور میرا یہ قیمتی اثاثہ اس نے کیوں تباہ کر دیا۔ آہ میں تو برباد ہو گیا۔ کوئی ذریعہ نہیں ہے میرے پاس اب اپنے آپ کو دوبارہ سنبھالنے کا۔"

"آپ پروفیسر نقوی ہیں"

"جی سر....."

"آپ اس بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے۔"

"مختصر سی کہانی ہے نظام علی صاحب.....یہ نوجوان ہمیں ایک سنسان جگہ ملا۔ اس رات جب میں یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کے ساتھ پکنک سے واپس آ رہا تھا معصوم سی شخصیت تھی' مجھے یوں لگا جیسے یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہو اور میں صرف اسے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ساتھ لے آیا۔ آپ خود بھی اس کا جائزہ لے کر یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کسی اچھے خاندان کا فرد معلوم ہوتا ہے۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ اسے اس کے گھر پہنچا دوں گا۔ ثواب کا کام تھا اور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہر شخص کو یہ کرنا چاہئے تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ہمیں اس کے بارے میں جاننے کی جستجو پیدا ہو گئی اور کفیل احمد کا یہ نقصان میری وجہ سے ہو گیا جس کے لئے میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔"

"لیکن جناب آپ تعلیم یافتہ آدمی ہیں کیا آپ کو ایسے کسی شخص کے بارے میں فوری طور پر پولیس کو اطلاع نہیں دینی چاہئے تھی؟"

"بالکل جناب.....بالکل دینی چاہئے تھی لیکن بس انسانی فطرت میں جو تجسس ہوتا ہے اس نے مجھے یہ غیر قانونی کام کرنے پر اکسایا۔ میں نے کفیل احمد سے اس کی تفتیش کرانا چاہی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ایسا کوئی نقصان کفیل احمد کو ہو جائے گا۔"

"بہرحال آپ کی طرف سے ایک مجرمانہ کوتاہی ہوئی ہے۔ آپ کو اس سلسلے میں پولیس ہیڈ آفس چلنا ہو گا۔ ہمیں ضابطے کی کارروائیاں تو کرنا ہی ہوتی ہیں۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کچھ اجنبی اجنبی سا شخص نہیں ہے خاص طور سے اس کی پیشانی کا یہ نشان اور پھر یہ اپنے آپ خالی الذہن ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے اس کے چہرے سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اسے کسی بات کا احساس ہے....."

میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں؟"

اب آپ بتائیے کفیل احمد کیا کرنا ہے.....؟"

"اس ملعون سے معلوم کرو کہ یہ کون ہے اور اوہ میرے خدا اس کے علاوہ میں اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"آئی ایم سوری ڈاکٹر کفیل .....واقعی مشین تو بالکل تباہ ہو گئی' کیا اس کا انشورنس

نہیں ہے....."

"میں اس کے ذریعے انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ دولت بچانا یا اس انداز میں اس کا تحفظ کرنا مقصود نہیں تھا۔"

"آپ دعوے سے یہ بات کہتے ہیں کہ مشین اس کی وجہ سے تباہ ہوئی ہے.....؟"

"ہاں بالکل.....میں یہ تحریری بیان دینے کے لئے تیار ہوں اور اس سلسلے میں ہر طرح کی تفتیش میں معاونت کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے.....میں ذاتی طور پر افسوس کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

"پروفیسر آپ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"

ایس پی نظام علی نے اس کا بازو پکڑا اور اسے آگے دھکیلتا ہوا بولا..... "چلو....." وہ خاموشی سے ایس پی کے ساتھ چل پڑا تھا اس کے انداز میں تو ہر ایک کے ساتھ تعاون ہی تعاون تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر کھویا کھویا پن اور آنکھوں میں ایک غمزدہ کیفیت نظر آتی تھی۔ پولیس جیپ میں بھی وہ خاموشی سے بیٹھ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ ایس پی کے اشارے پر جیپ اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ پروفیسر نقوی نے اس سے پوچھا.....

"تم بتا سکتے ہو رت کہ مشین کیسے تباہ ہو گئی' کیا عمل کیا تھا تم نے.....؟"

جواب میں اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے پروفیسر نقوی کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی پیشانی کے رنگ متحرک ہوئے اور اس نے آہستہ سے کہا.....

"میری سمجھ میں نہیں آیا.....میں نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا کہہ رہے ہو....." اس کے بعد اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

○

رصد گاہ میں ڈاکٹر طارق دانیال اپنی بیٹی کی دلجوئی میں مصروف تھا۔ ثمر نے نئی تھیوری پر اس سے بڑی تفصیلی گفتگو کی تھی اور طارق دانیال نے اس گفتگو کو بڑی خوش اسلوبی سے آگے بڑھایا تھا' اس نے کہا.....

"ہاں جس طرح تم نے سینس ریز میں تبدیلیاں کی ہیں اور انہیں زمین سے خلاء تک پہنچایا ہے اور پھر انہیں باعمل بھی بنا دیا ہے اس طرح ہم اس تھیوری پر کام کر سکتے ہیں کہ ہماری یہ مصنوعی شعاعیں جو خلاء سے زمین تک اجسام پہنچا سکتی ہیں۔ زمین سے خلاء میں جاتے ہوئے ایسے ہی اجسام کو اپنے ساتھ خلاء میں لے جانے کی اہل ہو سکتی ہیں یا

نہیں....."

"سو فیصد ہو سکتی ہیں ڈیڈی..... اس کے لئے کیا ہمیں خلاء میں کوئی ایسا ریسیور پہنچانا ہو گا جو یہاں سے بھیجی ہوئی کسی شے کو خلاء میں ریسیو کر سکے۔"

"ابھی تک میرے خیال میں ایسی کوئی چیز دنیا کے کسی گوشے میں ایجاد تو نہیں ہوئی۔ اگر ایسا ہوتا تو اشیاء اور انسانی اجسام کی ترسیل کے لئے خلائی لیبارٹریاں یہ کام ضرور کرتیں۔ وہ ابھی تک زمین سے خلاء تک جانے کے لئے وہی طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور ایسی کوئی تفصیل کبھی ہمارے سامنے آ نہیں سکی۔"

"ہمیں دنیا اور دنیا والوں سے کوئی غرض نہیں ہے ڈیڈی۔ نہ ہم نے کسی کی مدد سے اپنے کام کا آغاز کیا ہے اور نہ آئندہ ہم ان کی کاوشوں سے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ میرے سامنے دنیا اور اس دنیا میں رہنے والوں کا کوئی تذکرہ ہی نہ کیا کریں۔ کیسے برے لوگ ہوتے ہیں اس دنیا میں ڈیڈی ہم ان سب سے الگ کیوں ہو گئے۔ ہم ان کی مانند کیوں نہ ہوئے۔ آہ کاش اگر ایسا ہوتا' تو ہمیں کسی کی اس شاطرانہ کارروائی کا اتنا دکھ تو نہ ہوتا۔ ہم بھی کسی کے ساتھ ایسا کوئی عمل کرتے اور ہمارا ضمیر مطمئن ہو جاتا۔"

دانیال نے دکھ بھری نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا وہ اس کے اندرونی جذبات بخوبی سمجھ رہا تھا۔ بات کو ٹالنے کی غرض سے اس نے کہا۔

"بے شک ہماری اب تک کی کاوشیں ہمارے اپنے ہی ذہن کی تخلیق ہیں اور ہمیں یہ نہیں دیکھنا کہ دنیا اس سلسلے میں کیا کر چکی ہے تم یہ بتاؤ کہ سینس ریز کے فارمولے میں تم کون سی ایسی نئی چیزیں شامل کرو گی جو زمین سے فضا میں نشر کرتے ہوئے ان کی گرفت میں آ جائیں اور یہ اس وزن کو لے کر خلا تک پہنچ سکیں۔ جہاں تک بات کسی ریسیور کو خلاء میں پہنچانے کی ہے۔ تو پھر اس ریسیور میں وہ تمام چیزیں ہمیں مہیا کرنا ہوں گی جو خلاء میں باعمل ہوں' یہاں تو اس کا کنٹرول ہمارے پاس ہوتا ہے خلاء میں اسے کون کنٹرول کرے گا....."

ثمر دانیال گہری سوچ میں گم ہو گئی تھی پھر اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں ڈیڈی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ایک مشکل کام ہے لیکن اگر ہم لگن سے کام کرتے رہے تو یقینی طور پر اس میں کچھ نہ کچھ کامیابی حاصل کر ہی لیں گے۔"

"یقیناً.....یقیناً میں تمہاری ذہانت سے بہت مطمئن ہوں لیکن ایک وعدہ چاہتا ہوں تم سے....."

"جی ڈیڈی....."

"جو کچھ بھی کرو میرے علم میں لا کر کرو بیٹی میں نے تمہاری ماں سے بھی بس اتنا ہی چاہا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کی تکمیل کے بعد ہم دوسرے دور کا آغاز کریں گے لیکن اس نے مجھ سے تعاون نہیں کیا۔"

"نہیں ڈیڈی میں آپ سے انحراف نہیں کروں گی۔" ثمر نے مغموم آواز میں کہا۔

طارق دانیال اس لہجے سے بے حد خوفزدہ ہو جاتا تھا..... ثمر شاید دنیا اور کائنات کی حقیقتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے باوجود ابھی اپنے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی لیکن اس کی کیفیت اور اس کے چند الفاظ جو بے خیالی میں اس کی زبان سے نکلتے تھے۔ اس بات کے مظہر تھے کہ اسے رت کے جانے کا شدید غم ہے۔ اب یہ غم جس قدر جلد ختم ہو جائے اچھا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی طارق دانیال کو دوسری بے شمار فکریں بھی لاحق تھیں۔ رت کے ذریعے اس کی لیبارٹری کے بارے میں جو تفصیلات منظر عام پر آئیں گی اس کے بعد دنیا کے سائنس دانوں کا رد عمل کیا ہو گا۔ اس بارے میں وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ اپنے وطن کے سائنس دانوں کو وہ اپنی کاوشوں سے آگاہ کر سکتا تھا۔ لیکن ثمر دانیال ذہنی طور پر اس کے لئے بالکل تیار نہیں تھی۔ یہ ساری سوچیں طارق دانیال کو شدید الجھنوں میں مبتلا کئے ہوئے تھیں۔ اور وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا کرے۔ بیٹی کے اعتماد کو ایک لمحے کے لئے مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا' ورنہ خاموشی سے اس سلسلے میں کوئی عمل کر ڈالتا اور بھی بہت سی الجھنیں دامن گیر تھیں مثلاً" اب اس کے پاس کار نہیں تھی۔ بے شک کار کا استعمال بہت کم ہوتا تھا لیکن دنیا کے قوانین بھی تھے۔ کار کہیں نہ کہیں تو جا چکی ہو گی۔ ہو سکتا ہے اس شاطر شخص نے اسے شہر کے کسی گمنام گوشے میں چھوڑ دیا ہو' پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پولیس کی تحویل میں جا چکی ہو' ہر ملک کے قوانین ہوتے ہیں اور وہاں کے شہریوں کو ان قوانین کے دائرہ اثر میں ہی رہنا ہوتا ہے اصولی طور پر کار کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانی تھی۔ چنانچہ ان لمحات سے فائدہ اٹھا کر اس نے کہا۔

"ثمر کیا میری طویل غیر حاضری میں تم ذہنی الجھنوں کا شکار رہو گی.....؟"

"کیوں ڈیڈی کیا آپ کہیں جانا چاہتے ہیں.....؟"

"ہاں بیٹی.....؟"

"کیا اس کی تلاش میں....." ثمر نے نفرت بھرے لہجے میں کہا.....

"نہیں..... ہم اس سے رابطہ توڑ چکے ہیں کیونکہ وہ ہمارے معیار کا انسان نہیں تھا۔ لیکن کچھ قوانین ہوتے ہیں۔ مثلاً جیسے میری کار..... اس کے ذریعے کوئی جرم بھی ہو سکتا ہے جس کا مجرم میں قرار دیا جاؤں گا۔ پولیس کو اس بارے میں خبر کرنا ضروری ہے....."

"تو اس کے لئے آپ کا زیادہ وقت لگ جائے گا ڈیڈی......"

"ہاں بیٹی..... اب مجھے پیدل آبادی تک جانا ہو گا پھر وہاں سے شہر تک جانے کا ذریعہ سفر اختیار کرنا ہو گا۔ پھر پولیس کو تفصیل بتانا ہو گی۔ میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ اس وقت تک کے لئے ایک نئی کار خرید لی جائے' ہماری ضروریات اس کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں۔"

"میری طرف سے صرف ایک درخواست ہے آپ کو ڈیڈی..... اور میں آپ کو اپنا موقف بتا چکی ہوں اس عمارت میں اگر ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا انسان نظر آیا تو پھر میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو گا مجھے انسانوں سے نفرت ہے ڈیڈی' سخت نفرت ہے مجھے۔"

"ثمر اس قدر سخت گیری نہ اختیار کرو..... کار کے بارے میں رپورٹ درج کروں گا لوگ یہاں آ سکتے ہیں۔ ان کا آنا عارضی بلکہ لمحاتی ہو گا کم از کم تمہیں یہ برداشت کرنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈی..... وہ اگر آئیں گے تو آ کر انہیں فوراً" چلے جانا ہو گا۔ یہاں قیام کی اجازت کسی کو نہیں دی جا سکتی۔"

"یقیناً..... یقیناً..... ایسا ہی ہو گا"

"تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں کسی شخص سے بالکل نہیں ملوں گی۔ اگر کوئی یہاں آئے تو اسے میرے وجود کا علم بھی نہیں ہونا چاہئے۔"

"ہوں ٹھیک ہے میں یہی کوشش کروں گا۔"

"تو آپ کب جا رہے ہیں۔؟"

"میں چاہتا ہوں کل صبح چلا جاؤں..... ضروری ہے ثمر....."

"اگر یہ سب کچھ ضروری ہے ڈیڈی تو میں آپ کے ضروری امور میں مداخلت نہیں کروں گی لیکن میرے موقف کو آپ آخری سمجھئے۔ اس میں کوئی تبدیلی میرے لئے ممکن نہیں ہو گی۔"

"تم اطمینان رکھو..... ہمارے درمیان اعتماد کا جو رشتہ قائم ہے وہ کبھی مجروح نہیں ہو گا۔ لیکن ثمر تمہیں یہ وعدہ کرنا پڑے گا کہ تم رت کے رویے سے جو ذہنی طور پر متاثر ہوئی ہو اس میں تمہیں تبدیلی کرنا چاہئے کیونکہ اگر تم غمزدہ ہوتی ہو تو مجھے بھی یہ دنیا بالکل بے کار معلوم ہونے لگتی ہے۔"

ثمر باپ کے پاس آ گئی اور اس نے محبت بھرے انداز میں طارق دانیال کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ڈیڈی میں..... میں ابھی اپنا تجزیہ کر رہی ہوں' مجھ پر اپنے لئے جو انکشافات ہوں گے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کو ان سے ناواقف نہیں رکھوں گی۔ فی الحال مجھے اتنی اجازت تو دیجئے کہ اپنی ان کیفیات کو پوری طرح سمجھ پاؤں۔ ہو سکتا ہے اس کے بعد میں اپنے اندر ہی کوئی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ دانیال نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر کر گردن ہلا دی تھی۔

○

ایس پی نظام علی دونوں کو پولیس ہیڈ کوارٹر لے گیا۔ پروفیسر نقوی نروس تھا۔ وہ بے چارہ تو کچھ بھی نہیں سمجھ پایا تھا۔ نظام علی کی ہدایت پر دونوں کو ہیڈ کوارٹر کے عارضی لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ وہ موم کی ناک تھا کسی معاملے میں تعرض نہیں کرتا تھا۔ اس نے اس جگہ کو بھی دلچسپی سے دیکھا۔ سلاخوں والی کوٹھری کے سامنے ٹہلتے ہوئے مسلح سنتری کو بھی وہ دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اوراس کے گشت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ لیکن پروفیسر نقوی کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر کفیل اس کا بہت اچھا دوست تھا لیکن اس نے جو کچھ کیا تھا اس پر نقوی کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ نقوی ایک باعزت پیشے سے منسلک تھا۔ زندگی میں کبھی ایسے وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ یونیورسٹی کچھ دن کے لئے بند تھی ورنہ اس کی تلاش ہوتی اور سب کو پتہ چل جاتا........ لیکن..... یہ سب ہوا کیا ہے؟

کافی دیر کے بعد وہ سنبھل پایا۔ لعل نے اس معصوم دیوانے کو آواز دی۔ "رت" اپنے نام پر وہ متوجہ ہو گیا۔

"مجھے اب بھی کچھ نہیں بتاؤ گے۔"

سارا اے گردش کرنے لگا۔ اس نے کہا..... "کیا.....؟"

"مشین کیسے تباہ ہو گئی......"

"میں نہیں جانتا۔ وہ کیا کرنا چاہتا تھا......؟" اس نے الٹا سوال کر دیا۔

"تمہاری حقیقت جاننا چاہتا تھا۔"

"میں نے بتا دی تھی۔"

"یہی کہ تم کسی دوسرے سیارے کے باشندے ہو اور زمین پر اتر آئے ہو........" نقوی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں.....اور میں اس سیارے سے بہت سی یادداشتیں لے کر واپس نفے پر جاؤں گا۔ میرے دماغ میں ایک کیمرہ ہے جو ان یادداشتوں کو ان کے سامنے پیش کرے گا۔ پھر مجھے

ب سے بڑا محقق تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ آج تک نفے پر کوئی اور کسی دوسرے سیارے پر نہیں جا سکا۔"

"اس کے بعد کیا ہو گا؟"

"مجھے حکومت میں بہت بڑا عہدہ دیا جائے گا۔ اور.....اور.....وہ ہنس پڑا...... اور ری کو اس کا بہت افسوس ہو گا کہ وہ ایسا کوئی ایریئل کیوں نہیں بنا سکا۔"

"عزیزی..... مجھے اب تم سے زیادہ اپنے پر رحم آ رہا ہے میری پوری عمر بے داغ رہی ہے اس آخری عمر میں یہ خبط الحواسی مجھ پر طاری ہوئی تھی۔" پروفیسر نقوی نے کہا۔

"اب تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی......" وہ بولا

"یہ کہ تمہارے ساتھ میری عقل بھی گھاس چرنے چلی گئی۔ مجھ سے بہتر وہ تھے جو تمہاری طرف متوجہ نہ ہوئے۔ خیر میں کسی نہ کسی طرح نکل جاؤں گا لیکن تم..... خدا تم پر رحم کرے۔"

"میں نہیں سمجھ پا رہا....." اس نے بے بسی سے کہا

"وہ تمہیں بہت کچھ سمجھا دیں گے اور افسوس میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

رات کو ایس پی نظام علی ایک ایس ایچ او کے ساتھ لاک اپ پر آیا اور اس نے پروفیسر نقوی کو اشارے سے بلایا۔ پھر بولا "نقوی صاحب اتفاق سے میں دارالحکومت جا رہا ہوں واپسی میں کئی دن لگ جائیں گے۔ میں نے یہ کیس علاقے کے انچارج صاحب کو دیدیا ہے اور انہیں تفصیل سمجھا دی ہے یہ آپ سے بیان وغیرہ لے لیں گے اور آپ کے بارے میں مناسب فیصلہ کریں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"جی بہتر....." نقوی صاحب نے کہا.......

"نادر علی تم ان دونوں کو ابھی ساتھ لے جاؤ......اور ذرا نقوی صاحب کا خیال رکھنا۔ یہ بے چارے شریف آدمی ہیں ان کی ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔"

"ٹھیک ہے سر" ایس ایچ او نے کہا۔

"البتہ اس بندے سے ذرا ٹھیک ٹھاک معلومات کرنی ہے یہ مریخ کا باشندہ ہے۔" نظام علی نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"سر آپ فکر نہ کریں۔ اس کے سارے خاندان کو مریخ سے زمین پر بلا لوں گا۔"

"اوکے...... تم ان کا چارج لے لو........"

"آپ آرام کریں سر......"

پروفیسر نقوی اور اسے ایک وین میں بٹھا کر تھانے لایا گیا اور پھر تھانے کے لاک اپ میں منتقل کر دیا گیا۔ تھانے دار صاحب کے اپنے انداز تھے وہ بھی مصروف انسان تھے۔ پروفیسر نقوی تھک کر لاک اپ کی غلیظ زمین پر لیٹ گیا۔ اور رت نے پروفیسر کی تقلید کی۔ کھانے پینے کو کچھ نہیں ملا تھا البتہ صبح کو ایک ایک پیالی چائے اور ڈبل روٹی کی شکل میں ناشتہ مل گیا۔ رت نے ڈبل روٹی کو بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔ پروفیسر بسم اللہ کہہ کر بھوک مٹانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس نے بھی معمول کے مطابق پروفیسر کو دلچسپی سے دیکھا اور اس کی نقل کرنے لگا۔ دن کو دس بجے کے قریب دو کانسٹیبل آئے اور ان میں سے ایک نے نقوی صاحب سے باہر آنے کے لئے کہا۔ نقوی صاحب باہر نکل آئے اور انہیں تھانے کے انچارج کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ انچارج نادر علی نے نقوی صاحب کو بیٹھنے کی پیشکش کی اور بولا......

"آپ یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں......؟"

"جی ہاں......"

"آپ تو ایک باعزت پیشے سے تعلق رکھتے ہیں جناب پھر یہ کیا دھندہ ہے......؟"

"انسپکٹر صاحب دھندہ تو خود میری سمجھ میں نہیں آیا شاید اس لئے کہ کوئی دھندہ ہی نہیں ہے۔ میں ایس پی کو بیان دے چکا ہوں۔ یونیورسٹی کی ایک ٹیم کے ساتھ ہم پکنک پارٹی سے آ رہے تھے کہ راستے میں یہ نوجوان مل گیا۔ آپ خود بھی اس کا تجزیہ کریں گے تو آپ کو احساس ہو جائے گا کہ وہ صحیح الدماغ نہیں ہے۔ جوان لڑکا ہے اور کچھ اس قسم کی اپیل رکھتا ہے کہ میں متاثر ہو گیا۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ اس کے لواحقین کو تلاش کر کے اسے ان کے پاس پہنچا دوں گا۔ ویسے بھی کسی بھلے گھر کا لگتا ہے لیکن ڈاکٹر کفیل احمد نے کہا کہ وہ اس کا ذہنی تجزیہ کریں گے۔ پھر وہ حادثہ ہو گیا میں نہیں جانتا کہ ایسا کیسے ہوا، لیکن یہ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ اس کی شخصیت میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہے۔ بہرحال یہ ہے سارا معاملہ آپ جس طرح بھی چاہیں اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ میں ان افراد کے نام بھی آپ کو بتا سکتا ہوں جو میرے ساتھ پکنک میں شریک تھے اور جن کے سامنے یہ مجھے ملا تھا۔ ایک اور پروفیسر تنویر احمد بھی ہمارے ساتھ تھے۔ پتہ نہیں مجھ سے اس کو لانے کی غلطی ہوئی ہے یا پھر انسانی ہمدردی کے نتائج اس دور میں واقعی برے ہی نکلتے ہیں جو کچھ بھی ہوا ہے بہرحال میں تقدیر پر شاکر ہوں۔"

"وہ ڈاکٹر کفیل صاحب ابھی آنے والے ہیں، آپ کی ضمانت دے رہے ہیں وہ، آپ کو ابھی تھوڑی دیر کے بعد رہا کر دیا جائے گا لیکن اس کا ہم بھی تجزیہ کریں گے۔" نادر علی

نے ہنس کر کہا......

پروفیسر نقوی کا دل ایک لمحے کے لئے تو نفرت سے دھڑکا تھا۔ کفیل احمد کو یہ خیال کیوں آیا کہ وہ ان کی ضمانت دینے آئے یہ کام وہ وہاں بھی کر سکتا تھا...... لیکن بہرحال یہاں جذباتی ہونے سے کوئی کام نہیں چلے گا۔ ایک بار جذباتی ہوئے تھے تو یہ دن دیکھنا پڑا تھا البتہ دل میں ایک دکھن کا احساس ضرور تھا۔ وہ نوجوان کتنی معصومیت سے یہ سارے لمحات گزار رہا ہے۔ ایک ناواقف شخص کی حیثیت سے جسے اندازہ ہی نہ ہو کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ پھر ڈاکٹر کفیل احمد آ گئے۔ موڈ بدستور بگڑا ہوا تھا۔ انچارج سے بولے......

"ضمانت کے کاغذات یہ موجود ہیں...... میں نے دستخط کر دیئے ہیں۔ آپ ان کی ضمانت لے لیجئے گا۔"

"بہتر سر آپ تو بہت بڑے آدمی ہیں آپ کا فون پر کہہ دینا ہی کافی ہوتا...... ذرا اس فارم پر دستخط اور کر دیجئے گا......" انچارج نادر علی نے کارروائی پوری کرتے ہوئے کہا اور کفیل احمد نے اس کی ہدایت کے مطابق فارم پر دستخط کر دیئے پھر بولا......"آیئے نقوی صاحب......!"

نقوی صاحب غمزدہ انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے تھانے سے باہر آ کر وہ بولے۔

"آپ کا بے حد شکریہ ڈاکٹر کفیل کہ آپ نے مجھے ان لوگوں کے ہاتھوں مار کھانے سے بچا لیا......"

"آئی ایم سوری پروفیسر...... لیکن آپ یقین کریں کہ میں خودکشی کی حد تک دلبرداشتہ ہو گیا ہوں۔ میں اس عظیم نقصان کو دوبارہ پورا کرنے کی اہلیت نہیں پاتا۔ اس وقت شدید جنون طاری تھا مجھ پر بہرحال مجھے افسوس ہے آیئے" ڈاکٹر کفیل نے اپنی کار کی جانب اشارہ کیا۔ نقوی صاحب نے کہا......"درحقیقت میں ایسا کوئی ضامن نہیں پاتا تھا، جو میری ضمانت کرانے کے لئے آ جائے، اس لئے میں نے آپ کا یہ عظیم احسان قبول کر لیا۔ یہاں تو نہیں رہ سکتا تھا ممکن ہو تو اخبارات کو کم از کم یہ خبر نہ دیں کہ پروفیسر نقوی نے ڈیڑھ دن لاک اپ میں گزارا ہے۔ بس اتنی مہربانی اور کر دیں۔ باقی میں اس کار میں بیٹھنے کی اہلیت نہیں رکھتا خدا حافظ......" پروفیسر نقوی یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے ڈاکٹر کفیل نے اپنی کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔

ادھر وہ تھانے کے لاک اپ میں تنہا بیٹھا پروفیسر نقوی کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا اسے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ یہ سب کچھ اسے کسی شدید غلطی کا احساس دلا رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس سے بڑی غلطی ہو گئی......

ثر اور طارق دانیال کے پاس سے ان کے علم میں لائے بغیر نکل کر...... اگر وہ ساتھ ہوتے تو زیادہ بہتر تھا۔ وہ ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کر سکتا تھا کہ اب وہ اسے اپنے سیارے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنے کی کوشش کریں' وہ سب کچھ جاننا چاہتا ہے ان کی اس رصد گاہ میں محصور رہ کر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ وہ لوگ اس کی یہ بات مان لیتے۔ لیکن اب نجانے وہ لوگ کہاں رہ گئے۔ انہیں تلاش کرنے کے لئے یہاں سے جانا ضروری ہے اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ شخص جس کے پاس وہ اب تک موجود تھا وہ بھی اچھا انسان ہے سبز سیارے کا ایک اچھا فرد...... لیکن وہ کہاں ہے۔ وہ انتظار کرتا رہا پھر چند افراد دوبارہ سلاخوں کے پاس آئے اور تالا کھول کر اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل آیا تھا۔

"آؤ بھی لالوں کے لعل...... ڈرائنگ روم میں تیرا انتظار ہو رہا ہے۔" ایک کانسٹیبل نے کہا...... اسے واقعی تھانے کے عقوبت خانے میں لے جایا گیا تھا۔ یہاں انچارج صاحب کئی دوسرے سپاہیوں کے ساتھ موجود تھے۔

"یہ اس نے ماتھے پر کیسا نشان بنایا ہوا ہے۔ رحیم خان دیکھو......"

انچارج صاحب نے کہا اور کانسٹیبل رحیم خان نے اس کے دونوں کان پکڑ کر اس کا چہرہ سینٹر میں کر دیا۔ اس جھٹکے سے اس کے انداز میں کچھ بے چینی سی پیدا ہو گئی۔ رحیم خان نے انگلی سے ہالے کو کھٹکھٹایا اور اس نے سر پیچھے کر لیا۔ اسے یہ حرکت ناگوار گزری تھی۔

"صاحب جی شیشے کی بندیا چپکی ہوئی ہے۔ آجکل کے جوان چھوکرے حلیہ بدل رہے ہیں پونی باندھتے ہیں۔ کانوں میں جھمکے پہنتے ہیں۔ اس نے بندیا بھی چپکالی اب یہ فیشن بھی شروع ہو جائے گا۔"

"ہاں بھئی...... کونسے سیارے کا باشندہ ہے تو......" نادر علی نے پوچھا وہ ان کے انداز سے ناخوش تھا۔ اس لئے اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "کیا پھڈا کیا تھا تو نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کوئی مشین تباہ کر دی ان کی..... کس کے کہنے پر یہ کیا ہے تو نے......؟"

"اس نے ناخوشگوار نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر وہاں سے واپسی کے لئے قدم اٹھا دیئے۔ رخ دروازے کی طرف تھا وہ اب یہاں نہیں رکنا چاہتا تھا۔

"اوئے کدھر چلا...... رحیم خان دیکھنا اس نواب زادے کو...... نادر علی نے کہا اور رحیم خان جو دیکھنے میں ہی پہلوان لگتا تھا لپک کر آگے بڑھا اور اس نے رت کی کمر پکڑ کر زور سے گھما کر گرانا چاہا...... لیکن وہ کسی ستون کی طرح مضبوط تھا۔ رحیم خان اپنی ہی

جھونک میں گر پڑا۔

وہ اچانک دو قدم پیچھے ہٹا اور پھر اسکے جسم نے دھواں اگلنا شروع کر دیا۔ لمحوں کے اندر اس کا بدن اس دھوئیں میں ملفوف ہو گیا ادھر رحیم خان اپنی سبکی پر برافروختہ ہو گیا تھا اس نے اٹھ کر اسے موٹی سی گالی دی۔ اور کسی بھینسے کی طرح اس پر پل پڑا۔ کئی کانسٹیبل رحیم خان کی مدد کے لئے لپکے اور انہوں نے اس دھوئیں کی حقیقت جانے بغیر لپک کر اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کے حلق سے بس "میں" کی سی آوازیں بلند ہوئیں۔ اور پلک جھپکتے ان کے جسم کوئلہ ہو گئے۔ ان کے لباس دھواں دے رہے تھے۔

نادر علی پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ کانسٹیبل نیچے گرے تو ان کے بدن ٹوٹ کر بکھر گئے۔ وہ ایک لمحے رکا پھر اس نے افسوس بھری نظروں سے کوئلہ ہو جانے والوں کو دیکھا اور دروازے کی طرف جانے کی بجائے ایک دیوار کی طرف بڑھ گیا۔ نادر علی نے اسے دیوار سے گذرتے ہوئے دیکھا تھا۔ مضبوط دیوار ٹوٹ کر گر پڑی تھی۔ تب انچارج سنبھلا اور اس نے دروازے سے باہر چھلانگ لگا کر چیخ کر کہا۔

"لینا...... پکڑنا...... باہر چار کانسٹیبل اور موجود تھے وہ صورتحال جانے بغیر اس پر لپکے اور ان کا حشر بھی دوسروں سے مختلف نہ ہوا' نادر علی نے پستول نکال کر اس پر فائرنگ شروع کر دی مگر بے سود گولیاں دھوئیں سے ٹکرا کر سرخ ہو گئیں اور پگھل کر نیچے گر پڑیں۔ نادر علی نے سر پکڑ لیا۔ اسے حقیقتاً چکر آ گیا تھا......

اور گرنے سے بچنے کے لئے اس نے ایک دیوار کا سہارا لیا تھا۔

اس دوران وہ باہر نکل آیا۔ سامنے احاطے میں ایک موبائل کھڑی تھی وہ اس کے پاس رکا۔ بعد میں آنے والے کانسٹیبل اس موبائل سے ہی اترے تھے اور کچھ سمجھے بغیر انچارج کے حکم پر دوڑ پڑے تھے اس لئے موبائل کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ رت جانتا تھا کہ وہ "اش" میں لپٹا ہوا اس متحرک ہونے والی شے میں بیٹھ گیا تو یہ خاکستر ہو جائے گی۔ اس لئے اس نے بدن کے گرد سے "اش" ختم کیا۔ اور موبائل میں بیٹھ گیا۔ سوئچ لگا کر اسے اسٹارٹ کیا اور موبائل تھانے کی عمارت سے باہر نکل آئی......

سڑک سیدھی جا رہی تھی وہ چل پڑا ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ سخت تھا۔ سڑک بھی اتفاق سے صاف تھی۔ کوئی مشکل نہیں پیش آئی چنانچہ وہ چلتا رہا۔ اسے بہت سے خیالات آ رہے تھے اجنبی سیارے کے لوگ بڑی مشکل سے سمجھ میں آئیں گے۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا کون کیا ہے اور اس سے کیسے رابطے رکھتا ہے سب کچھ خوبصورت نہیں ہے کچھ خرابیاں بھی ہیں۔ ایک بارنے کا ایک مشن بیلاس پر اتر گیا تھا۔ بیس افراد تھے تین زندہ واپس آ سکے۔ بیلاس سیارے کے باشندوں نے انہیں ہلاک کر دیا تھا لیکن یہ ایک روایت تھی جسے نے کی تاریخ میں درج کر لیا گیا تھا۔ ہاں اس کے بعد کوئی مشن کسی غیر سیارے پر نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ تحقیق ادارے صرف رصد گاہوں سے تجزیہ کرتے تھے یا پھر اریٹیل کی رینج کے مطابق کام کرتے تھے۔ جہاں سے واپسی ممکن ہو۔ اس ہلاکت خیز مشن کے بعد کبھی نے کا کوئی باشندہ کسی سیارے پر نہیں پہنچا تھا۔ اگر میں زمین سے واپس نے پر پہنچ جاؤں تو یہ نے کی تاریخ میں ایک نیا باب ہو گا لیکن اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ ارتھ کے لوگ بھی خطرناک ہیں جیسے یہ لوگ تھے...... اب غور کرنا پڑے گا وہ لوگ گم ہو گئے تھے جو اچھے تھے۔ اب وہ زمین کے خطرناک لوگوں میں آ پھنسا تھا۔

سیدھی سڑک پر گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ غور کرنے لگا گزرے ہوئے تمام واقعات کی فلم ذہن میں چلنے لگی۔ طارق دانیال ثمر پروفیسر نقوی...... دوسرے تمام لوگ۔ کچھ کا انداز اچھا۔ کچھ کا خطرناک تھا۔ بہت کچھ سمجھ میں آ رہا تھا یہاں اس کے ہمدرد اس کے دوست صرف دو افراد ہیں۔

دانیال...... اور ثمر...... ثمر کے تصور سے اچانک اس کے سینے کے درمیان سے کاسنی روشنی ابھرنے لگی۔ اور ایک ہلکی سی جلترنگ جیسی آواز ابھری۔ اس نے حیرت سے اس روشنی کو دیکھا جلترنگ کی آواز سنی۔ یہ تو "رپ" (محبت) ہے۔ نوجوانی کی عمر میں کسی بھی نوجوان لڑکی کو کسی لڑکے سے "رپ" ہو جاتی ہے اور کسی لڑکے کو کسی لڑکی سے۔ کاسنی روشنی اسپارک کرنے لگے اور جلترنگ بج اٹھے تو سب کو علم ہو جاتا تھا کہ "رپ" کا آغاز ہو گیا ہے اس مسئلے کا حل بھی مشکل نہیں ہوتا تھا۔ دونوں کو یکجا کر دیا جاتا تھا۔ ویسے "رپ" کے

کیس کم ہی ہوتے تھے نے پر۔ اگر ہوتے تھے تو لوگ ان کی پذیرائی کرتے تھے۔ کاس (دل) کے معاملات کو کبھی مشکل میں نہیں ڈالا جاتا تھا کیونکہ یہ مقدس ہوتا ہے اس نے بے بسی سے سوچا کہ زمین کی رہنے والی ایک ایسی لڑکی سے اسے "رپ" ہو گئی ہے جس کا اب وہ پتہ بھی بھول چکا ہے اب کیا ہو گا اور اس احساس نے اس کی پیشانی پر "سالے" کو دھندلا دیا۔ یہ غم و اندوہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس نے بے بس نگاہوں سے سڑک کے دونوں سمت دیکھا۔ ہرے بھرے میدان۔ سبز رنگ کے خوبصورت پودے اور ان سے پرے دھندلائے ہوئے پہاڑی ٹیلے۔ نجانے کتنی دور نکل آیا تھا وہ۔ پھر اسے یہ عمل ناگوار محسوس ہونے لگا اور وہ شدید اداسی کا شکار ہو گیا۔ اسے ثمر یاد آ رہی تھی اور یہ احساس اس کے لئے تکلیف دہ تھا کہ ثمر تک پہنچنے کے راستے اسے یاد نہیں اور زمین کے لوگ اس کے دشمن ہیں۔ بس گاڑی کا اسٹیرنگ گھوم گیا۔ سڑک سے اتر کر وہ کچے راستوں پر چلنے لگی اور اسے خوب جھٹکے لگنے لگے۔ بہت فاصلے پر پہاڑی ٹیلوں کے دامن میں اسے ایک عمارت جیسی چیز نظر آئی۔ قریب پہنچنے پر اسے یہ احساس ہوا کہ وہ ٹوٹی پھوٹی عمارت ہے ہو سکتا ہے اس میں دانیال جیسا ہی کوئی شخص رہتا ہو دانیال کا شناسا اور وہ اسے دانیال کا پتہ بتا سکے چنانچہ وہ اس عمارت کے پاس پہنچ گیا اس نے اگنیشن سوئچ آف کر دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن یہ عمارت تو بالکل ہی ٹوٹی پھوٹی تھی۔ نہ سالم دیواریں نہ دیواروں پر چھت ٹوٹے ہوئے پتھروں کے انبار...... وہ گاڑی سے نیچے اتر آیا اور بوجھل قدموں سے آگے بڑھنے لگا زیادہ فاصلے پر نہیں پہنچا تھا کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا جو ایک دیوار کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ چونک کر رک گیا۔ گویا اندازہ درست ہے۔ یہاں بھی کوئی رہتا ہے جو چھپنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے پاس آگے بڑھنے کے لئے جگہ نہیں تھی اور "رت" اس کے عین سامنے تھا تب اسے ایک آواز سنائی دی۔

"اپن ہار مان چکا ہے صاب' ابی اپن کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اپن ہاتھ اٹھاتا ہے۔ گولی مت چلانا صاب۔ بس اپن تھک گیا ہے۔ پکڑ لو اپن کو۔ ہتھکڑی ڈال دو اپن کے ہاتھ میں۔ ماں قسم ابی کوئی لفڑا نہیں کریں گا۔ لو پکڑ لو"...... وہ دونوں ہاتھ آگے کر کے سامنے آ گیا اور "رت" نے "سالے" استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس کی ان باتوں کا مقصد کیا ہے اب اس وقت وہ کسی معصومیت سے کام نہیں لے سکتا تھا۔ زمین کے لوگوں سے ہوشیار رہنا بڑا ضروری تھا۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تو وہ بولا۔

"ابی کچھ بولو نا باپ' کائے کو اپن کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ ماں قسم میرے کو

دیکھو بخار چڑھا ہے بخار" اس نے کلائی آگے کرتے ہوئے کہا۔ اور "رت" اپنی تمام تر ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ اس کی مشکل کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا پھر اس نے کہا۔

"میں تمہارا دشمن نہیں ہوں' میں تمہیں پکڑوں گا نہیں۔ تم سے باتیں کروں گا۔ تم سے کچھ پوچھوں گا۔"

"ابی کمال کا بات بولتا اے یار۔ اس کا مطلب ہے کہ تم اشپیشل والا نئیں ہے۔ پھر موبائل کدر سے لایا یار......اوماں قسم کہیں تم بھی تو ہمارے جیسا لپو نہیں ہے۔ ابی یار آؤ اور بیٹھو اپن ایک بات میرے کو بتادو۔ وہ گاڑی کدر سے آیا تمہارے پاس" اس نے موبائل کی طرف اشارہ کیا تو "رت" نے بھی موبائل کو دیکھا اور پھر کہا۔

"میں اسے لے کر آیا ہوں......میں نہیں جانتا کہ یہ کس کی گاڑی ہے۔"

"ابی لپو ہے یار تم تو پکا لپو ہے ابی کون اے یار تم بولونی......اپن کا نام امداد مستری ہے تمہارا کیا نام ہے۔"

"رت"........

"رت......کون سا رت' ساون رت' برکھا رت' جاڑا رت' ابی کون سا رت ہے باپ اور بولو گاڑی کدر سے لے کر بھاگا۔ تمہیں یہ پتہ ہے کہ یہ پولیس کا گاڑی ہے سڑک سے کوئی اور دیکھے گا تو سیدھا اور چلا آئیں گا تم بی اپن کو کوئی "لپو" ہی معلوم ہوتا اے۔ اس کا مطلب ہے کہ ابھی اپن نئیں پکڑا گیا۔ ابی یار دیکھو پہلے میرا دکھ بھرا داستان سن لو' پھر میرا مدد کرو۔ دیکھو پہلے میرے کو بخار چڑھا ہے بخار" اس نے پھر کلائی سامنے کر دی۔

رت کی سمجھ میں یہ بخار ابھی تک نہیں آیا تھا لیکن وہ اس انوکھے آدمی میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اس نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا اور پھر وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے' کھنڈرات سے کافی دور جنگل کے گھنے درختوں کی آڑ میں بیٹھ کر امداد مستری نے کہا۔

"اپن تمہیں اپنی کہانی سنائیں گا پھر تم سے تمہاری کہانی پوچھیں گا' ابی موبائل کے پاس سے ہٹا' ٹھیک ہوا' کچھ کھانے پینے کو ہے تمہارے پاس؟"

"نہیں"......رت نے جواب

"فنتولا......فنتولا......امداد مستری بولا اور وہ فنتولا کے معنی جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ امداد مستری گہری گہری سانسیں لے رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"دیکھو باپ اپن کو ایک کیس میں پھنسا دیا گیا ہے اور ہم جانتا اے کہ ہمارے کو اس کیس میں پھنسانے والا کون ہے' ایک چھوٹا سا غلطی ہو گیا تھا ہم سے۔ مستری کا کام کرتا ہے اپن' گاڑیاں ٹھیک کرتا ہے۔ اپن کے آگے پیچھے کوئی نئیں ہے' ماں باپ مر گیا شادی کیا۔

پر گھر والی بھی مر گیا۔ اپن سوچا کوئی بات نئیں ابی اپن جوان ہے' دوسرا شادی بنالیں گا۔ پھر لفڑا ہو گیا۔ ایک صاب کا گاڑی آیا تھا ہمارے پاس اس میں کوئی مینو فیکچرنگ ڈیفیکٹ تھا۔ ابی اپن ٹھیک کیا۔ اپن نے پیسہ مانگا اور وہ ناراض ہو گیا۔ اپن نے گاڑی کا پھر گوٹالا کر دیا اور گاڑی اس کے گھر چھوڑ دیا۔ پر وہ آدمی پاور فل تھا پاور فل' ہمارے اوپر چوری کی گاڑی کا کیس بنا دیا ایک گاڑی چوری کر کے ہمارے گیراج پر کھڑا کیا۔ پولیس آیا ہمارا پھڈا ہوا۔ پولیس ہم کو لے گیا کہ ہمیں کم از کم پانچ سال تک سزا ہوئیں گا' اور پانچ سال جیل میں گزارنے کے خیال سے اپن نے سوچا کہ یار امداد مستری ابی تو تیرا سارا عمر ختم ہو جائیں گا۔ چانس ملا پھوٹ لیا۔ اب پولیس آگے ہے ہم پیچھے ہے' پولیس پیچھے ہے ہم آگے ہے اور چھپا ہوا تھا' بخار چڑھ آیا' کیا بولے تیرے کو" امداد مستری غم ناک انداز میں خاموش ہو گیا۔ اس کی ایک بات بھی رت کے پلے نہیں پڑی تھی۔ الفاظ تو سمجھ میں آ رہے تھے' مسئلہ بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سپاٹ نگاہوں سے امداد مستری کو دیکھتا رہا۔ پھر وہی چونکا اور اس سے بولا۔

"اپن یار تیرا نام بڑا عجیب ہے "رت" پہلے یہ نام کبھی نہیں سنائی دیا۔ ابی تو نے کیا گھپلا کر ڈالا ہے یار۔ دونوں کے دونوں پھڑے ہیں' ابی بول کیا کرے تیرے پاس کچھ روکڑا ہے۔"

"رو......کڑ......ا......" وہ بمشکل تمام بولا۔

"رقم۔ کرنسی۔ کیش سمجھتا ہے" اس نے کہا اور رت نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"بھنڈا یار تو بھی بھنڈا۔ پن تو ہے کون یار' میرے کو کچھ عجیب سا لگتا پڑا۔ ابی یہ تیرے ماتھے پر کیا ہے' کیا تو ہی ہے جے سی۔ موالی"۔ اس نے کہا اور رت نے پھر نفی میں گردن ہلا دیا۔ امداد مستری اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"دونوں کنگلا ہے ابی پیٹ میں کچھ ہے یا تو بھی میرے مافق بھوکا ہے۔ یار میں تو تھک گیا ماں قسم پیٹ میں ایسا گڑ بڑ ہوتا ہے کہ میرے کو الٹی آتا ہے' میں' برا آدمی نہیں یار' پر کیا کرے گا۔ تقدیر ہی کھوٹیلا ہے' ابی ایسا کرتے ہیں ادھر سے تھوڑے فاصلے پر ایک آبادی ہے دونوں اور چلتے ہیں' تو میرا مدد کرنا میں تیرا......بعد میں جو ہو گا دیکھ لیں گا۔ ابی کیا کرے یار اور تو کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے' کتنا ٹیم چھپا رہ سکتا ہے۔ اللہ مالک ہے ہماری تقدیر میں خرابی ہے تو اپن کیا کر سکتا ہے' چل یار تو میرے کو سنبھالے رکھنا' میرے کو بخار ہو گیا ہے' چلیں......"

وہ بھلا کیا جواب دیتا۔ امداد مستری خود ہی کراہتا ہوا وہاں سے اٹھا اور دونوں اس آبادی کی جانب چل پڑے جس کی نشاندہی امداد مستری نے کی تھی۔

○

طارق دانیال کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ اب وہ کوئی دوسری گاڑی خرید لے زندگی کے معمولات کو جاری رکھنے کے لئے ذریعہ سفر بہت ضروری تھا اس کے علاوہ گاڑی کی رپورٹ درج کرانا بھی لازمی تھا۔

"جس جگہ طارق دانیال نے اپنی یہ رصد گاہ بنائی تھی۔ وہاں سے کوئی بیس کلو میٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا پہاڑی شہر "سمن پور" آباد تھا ضروری استعمال کی تمام چیزیں وہاں دستیاب ہو جایا کرتی تھیں اور چونکہ "سمن پور" ایک خوبصورت پہاڑی شہر تھا اس لئے سیاحوں کی آمد و رفت کی وجہ سے وہاں کا ماحول خاصا جدید ہو گیا تھا۔ ایک بڑا شہر بھی یہاں سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور بارہا طارق دانیال ثمر کے ساتھ اس بڑے شہر بھی پہنچا تھا لیکن اس جگہ سے فاصلہ زیادہ ہونے کی بناء پر وہاں کم ہی جانا ہوتا تھا۔ سارے چھوٹے چھوٹے کام سمن پور ہی سے ہو جایا کرتے تھے۔ طارق دانیال کو سمن پور تک جانے کے لئے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا..... ایک گاڑی سے لفٹ لے کر وہ سمن پور پہنچا تھا۔ طے یہ کر لیا تھا کہ یہاں سے نئی گاڑی کا حصول تو مشکل ہے پرانی کاروں کا کاروبار یہاں ہوتا تھا عارضی طور پر ایک پرانی گاڑی ہی خرید لی جائے گی بعد میں دیکھا جائے گا۔

وہ بالآخر سمن پور پہنچ گیا' سب سے پہلے اسے اپنی گاڑی کی چوری کی رپورٹ درج کرانا تھی' چنانچہ سمن پور کے پولیس ہیڈ آفس میں پہنچ کر اس نے معلومات حاصل کیں اور پھر ڈی ایس پی کے سامنے پہنچ گیا۔ ڈی ایس پی نے ایک شریف آدمی کی طرح اس کی پذیرائی کی تھی۔ طارق دانیال نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"میں ایک چھوٹا موٹا فلکیات داں ہوں' حکومت کی اجازت سے میں نے یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی علاقے میں اپنی رصد گاہ قائم کی ہے اور وہاں اپنے کاموں میں مصروف ہوں۔" ڈی ایس پی نے پرتپاک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جی مسٹر طارق ہمارے پاس آپ کے بارے میں معلومات موجود ہیں اور ہدایات بھی ہیں کہ آپ کا تحفظ کیا جائے...... اکثر کبھی کبھی جب گاڑی ادھر سے گزرتی ہے تو ہم آپ کی اس پراسرار رصد گاہ کو دیکھ لیتے ہیں فرمائیے کیا خدمت ہے ہمارے لئے......؟"

"شکریہ ڈی ایس پی صاحب اصل میں کچھ دن قبل ایک ستم ظریف میری اکلوتی کار

چرا لے گیا۔ کار عمارت کے پورچ میں ہی کھڑی رہا کرتی تھی۔ نجانے کون ضرورت مند تھا۔ رات کی تاریکی میں عمارت میں داخل ہو کر کار لے بھاگا اور ابھی تک کچھ پتہ نہیں ہے۔"

"ارے کتنے دن پہلے کی بات ہے یہ........"

"تقریباً آٹھواں دن ہے۔"

"اور آپ نے اس رپورٹ کو پہلے نہیں درج کرایا"

"بس ڈی ایس پی صاحب کوئی ذریعہ سفر نہیں تھا یہاں تک آنے کے لئے اور پھر میری مصروفیات اور عمر اس بات کی متقاضی ہیں کہ زیادہ بھاگ دوڑ نہ کر پاؤں۔ بہر حال یہ قانونی کارروائی ضروری تھی' اس لئے نجانے کن کن مشکلات سے گزرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔"

"میں ابھی متعلقہ افسر کو بلا کر آپ کی رپورٹ درج کرائے دیتا ہوں۔ واقعی آپ کو بہت پریشانی ہو گئی ہو گی لیکن معاف کیجئے گا جناب! شہری آبادیوں سے ہٹ کر تن تنہا زندگی گزارنا ایک خطرناک عمل ہے' جرائم پیشہ افراد ایسی جگہوں کی تاک میں رہتے ہیں۔"

"جی ہاں ڈی ایس پی صاحب۔ لیکن ہمارا کام ہی کچھ ایسا ہے کہ ہم دوسری الجھنوں سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن گورنمنٹ نے آپ کو ایسی جگہ قیام کی اجازت دی ہے تو میرے خیال میں اگر آپ سکیورٹی کے لئے پولیس گارڈ طلب کرنا چاہیں تو آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی"

"ہاں یہ ایک اچھی رائے ہے' لیکن طویل عرصے سے وہاں زندگی گزار رہا ہوں بس یہ پہلا ہی واقعہ ہو گیا ہے پھر بھی آپ کے اس مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اچھا ہے تحفظ حاصل ہو جائے گا۔"

"یقیناً.....یقیناً......" متعلقہ افسر نے رپورٹ درج کی' تفصیلات معلوم کیں اور اس کے بعد تحقیقات کرنے کا وعدہ کر لیا گیا..... طارق دانیال شکریہ ادا کر کے وہاں سے باہر نکل آیا۔ اب دوسری ضروریات پوری کرنی تھیں لوگوں سے معلومات حاصل کیں۔ پھر ایک ایسے شوروم پہنچ گیا' جہاں گاڑیاں دستیاب ہو سکتی تھیں۔ بہت اچھی اچھی گاڑیاں تھیں۔ طارق دانیال نے ایک گاڑی پسند کی اور شوروم کے مالک سے گفت و شنید ہونے لگی۔ اسے تمام تفصیلات فراہم کرنے کے بعد طے یہ ہوا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر وہ گاڑی کے تمام کاغذات تیار کرا دے گا۔ دانیال اگر چاہے تو گاڑی لے جا سکتا ہے۔ طارق دانیال نے اسے اپنے کوائف دیئے رسید وغیرہ لی اور گاڑی لے کر چل پڑا۔ ضروریات زندگی کی

اشیاء درکار تھیں۔ چنانچہ بازار پہنچ کر اس نے خریداری شروع کر دی۔ ایک بک اسٹال سے اس کا پرانا رابطہ تھا۔ وہ بک اسٹال والا اسے اس کے مطلوبہ میگزین منگوا دیتا تھا۔ یہ عموماً غیر ملکی سائنس میگزین ہوتے تھے۔ وہ دوسری خریداری کے بعد بک اسٹال پر جا پہنچا۔ بک سیلر نے اسے کئی میگزین دیئے اور وہ وہیں کھڑے ہو کر ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ بک اسٹال پر اخبارات بھی لگے ہوئے تھے۔ دانیال کو اخبارات سے رغبت نہیں تھی دنیا سے رابطہ ہی نہیں تھا کہ اخباری خبروں سے دلچسپی ہو لیکن سامنے لگے ہوئے اخبار کی خبر ہی ایسی تھی کہ اس پر نگاہ پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔

"پر اسرار سیارے کا نوجوان ہنوز لاپتہ ہے"

طارق دانیال نے جلدی سے اخبار اٹھا لیا اور خبر پڑھنے لگا۔

آٹھ پولیس کانسٹیبلوں کی ہلاکت کے ذمے دار پر اسرار نوجوان کی تلاش بدستور جاری ہے۔ سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے اہم ادارے نے رپورٹ جاری کر دی ہے جس میں اس بات کی تصدیق کر دی گئی ہے کہ نوجوان کے جسم کو چھونے والے کانسٹیبلوں کے جسموں کو دس ہزار وولٹ سے زیادہ طاقتور کرنٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا جس نے انہیں آن واحد میں کوئلے میں تبدیل کر دیا تھا۔ صورتحال سے واقفیت کے باوجود لاپروائی کا مظاہرہ کر کے آٹھ قیمتی زندگیوں کے خاتمے کے ذمہ دار ڈی ایس پی کو معطل کر کے گرفتار کر لیا گیا ہے گمشدہ موبائل ایک ویرانے میں پائی گئی ہے۔

طارق دانیال نے پورا اخبار الٹ پلٹ ڈالا اور کوئی خبر اس کے بارے میں نہیں تھی۔ اس نے بے چینی سے بک اسٹال والے سے کہا "مجھے چند روز کے پرانے اخبار درکار ہیں تم فراہم کر سکتے ہو"۔

"چار چھ دن کے مل جائیں گے بچ جاتے ہیں تو اسٹور میں ڈلوا دیتے ہیں"

"براہ کرم تلاش کرا دو منہ مانگی قیمت دوں گا" دانیال نے کہا بک اسٹال کے ملازم نے مطلوبہ اخبارات نکال دیئے اور دانیال اپنی کار میں آ بیٹھا۔ اسے تقریباً" تمام اخبارات میں یہ خبریں مل گئیں جن کا لب لباب یہ تھا کہ ایک پر اسرار نوجوان جو خود کو کسی سیارے کا باشندہ بتاتا تھا آٹھ افراد کو ہلاک کر کے لاپتہ ہو گیا۔ مختلف لوگوں کے حوالے سے تفصیلات دی گئی تھیں۔ جن میں پروفیسر تنویر، پروفیسر نقوی، ڈاکٹر کفیل احمد، یونیورسٹی کے کچھ اسٹوڈنٹس...وغیرہ تھے۔ انہوں نے اپنی یاد داشت کی بناء پر اس کی کہی ہوئی کچھ باتیں بتائی تھیں لیکن ان میں نہ جانے کیوں دانیال اور ثمر کا تذکرہ نہیں تھا۔ بس اتنا کہا گیا تھا کہ وہ خود کو کسی سیارے کا باشندہ کہتا ہے۔ دانیال کو سب کچھ یاد آ گیا تھا۔ وہ دھواں بھی جس سے

[illegible] میں سوراخ ہو گئے تھے۔

وہ شدید اعصابی کھنچاؤ کا شکار ہو گیا۔ یہ ساری کہانی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ رت کے بارے میں وہ غلط فہمی کے شکار ہو گئے تھے۔ وہ سچا تھا اور اپنی معصومیت کا شکار ہو گیا تھا۔ یقیناً" پولیس اسٹیشن میں اس کے ساتھ سختی ہوئی ہو گی جس کی بناء پر اس نے "اش" کا تحفظ حاصل کیا ہو گا اور پولیس کانسٹیبل اس کی زد میں آ گئے۔ لیکن اب کیا کیا جائے۔ ثمر کو یہ سب بتانا مناسب ہو گا یا نہیں...... لیکن اس سے چھپانا بھی مناسب نہیں ہے ورنہ دونوں کے درمیان سچائیوں کے رشتے مجروح ہو جائیں گے۔ چند لمحات کے بعد وہ برق رفتاری سے اپنی رہائش گاہ کی جانب گاڑی دوڑانے لگا۔

○

ثمر تجربات کر رہی تھی۔ زمین میں خلا میں جانے اور واپس آنے کے تجربات...... اس کی ایجاد کردہ سینسس ریز ابھی اس سے تعاون پر آمادہ نہیں ہوتی تھیں لیکن اسے یقین تھا کہ بالآخر وہ اپنے تجربے میں ضرور کامیاب ہو جائے گی۔ دوسرا تجربہ وہ خود پر کر رہی تھی۔ اسے پہلے بھی زمین پر بسنے والوں سے دلچسپی نہیں تھی لیکن اب وہ ان سے اور برگشتہ ہو گئی تھی وہ حسین وجود کتنا مکار تھا۔ انہیں بے وقوف بناتا رہا۔ اور جب وہ اس سے مانوس ہو گئے تو چلا گیا۔ اگر وہ سچ بول دیتا تو اسے کیا نقصان ہوتا لیکن وہ اچھا انسان نہیں تھا۔ البتہ ثمر کے دل نے یہ فیصلہ بھی دیدیا تھا کہ وہ اسے کبھی نہیں بھول سکے گی۔ وہ ہمیشہ کے لئے اس کے دل میں بس گیا تھا۔ اسے اس کے طرز عمل سے نفرت ہے لیکن اس کے وجود سے محبت ......اور شاید اس کی جدائی اس کے لئے دائمی غم کا باعث بن جائے۔

طارق دانیال نئی گاڑی کے ساتھ واپس آ گیا۔ ثمر نئی کار کی پذیرائی کے لئے باہر آ گئی۔ لیکن اس نے دانیال کے چہرے پر کچھ خاص تاثرات نوٹ کئے تھے۔

"میرے ساتھ آؤ......میں شدید سنسنی کا شکار ہوں۔"

"خیریت ڈیڈی؟"

"نہیں خیریت نہیں ہے۔ یہ اخبار دیکھو...... آؤ ہم اس درخت کے نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔" درخت کے نیچے بیٹھ کر دانیال نے ثمر کو ان خبروں کی طرف متوجہ کیا۔ اور ثمر یکے بعد دیگرے یہ خبریں پڑھتی چلی گئی۔ اس نے اپنے چہرے کے شدید اضطراب کو باپ سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور آخر میں اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"نہیں بیٹے روتے نہیں...... آنسو کسی مشکل کا حل نہیں پیش کرتے۔ ہمیں بہت غور

کرتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ سب کچھ سچ تھا۔ اس نے ہمیں دھوکا نہیں دیا۔ بلکہ وہ اس دنیا
کے انسانوں کو جاننے کے شوق میں نکل گیا تھا اور پھر واپس نہ آ سکا۔"

"بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ اور اب زمین کے لوگ اس کے دشمن بن گئے ہیں۔"

"وہ اسے نقصان پہنچا دیں گے ڈیڈی" ثمر نے سسکی لے کر کہا۔

"شاید ایسا مشکل ہو۔ لیکن اگر انہیں علم ہو گیا کہ وہ ہم سے متعلق ہے تو ہمیں شدید
خطرات لاحق ہو جائیں گے۔"

"اب کیا کریں ڈیڈی؟"

"اسے تلاش کرنا ضروری ہے وہ کرنا ہو گا جو ہم نے کبھی نہیں کیا۔ ہم اس کا تعاقب
کریں گے۔ اسے حاصل کریں گے۔"

"مگر کیسے۔؟"

"ان خبروں کے سہارے جو اس کے سلسلے میں اخبارات کی زینت بنیں گی۔ وہ معلوم
ہے خود کو چھپانے کا تصور بھی نہیں کر سکے گا اور کہیں نہ کہیں منظر عام پر آ جائے گا۔ اس
سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں شہر چل کر پروفیسر نقوی کو تلاش کرنا ہو گا۔ تیاریاں
کرو...... ہمیں رصد گاہ کچھ عرصہ کے لئے مقفل کرنا ہو گی۔" دانیال نے کہا۔

○

بستی کا نام جمال گڑھی تھا۔ جمال احمد شاہ نے آباد کی تھی اور اب ان کی تیسری نسل
یہاں کی سب بڑی جاگیردار تھی۔ افضال احمد شاہ اسی خاندان کے سربراہ تھے۔ اور یہ باغ
افضال احمد شاہ کے ہی تھے۔ پھلوں سے لدے ہوئے۔ چھ چھ چوکیدار رکھے گئے تھے جو ان
درختوں کی کڑی نگرانی کرتے تھے۔

بھوک کے ستائے ہوئے مستری امداد علی کی تو آنکھوں میں روشنی آ گئی۔ مسرور لہجے
میں بولا۔

"ابے رتو بھائی...... لے سن لی مولا نے...... جنت کے باغ مل گئے۔ اپنی ماں قسم
توڑو اور کھاؤ" امداد مستری کا بخار ایک دم اتر گیا اور اس نے ٹارزن کی طرح ایک درخت
کے تنے کو پکڑ کر زور سے ہلایا اور چند پھل ٹوٹ کر گر پڑے۔ امداد مستری بھوکوں کی طرح
ٹوٹ پڑا جب کہ وہ ابھی دلچسپی سے امداد مستری کی کاروائی دیکھ ہی رہا تھا۔
لیکن چھ چھ چوکیدار تھے اس باغ کے۔ ہر آہٹ پر مستعد...... پر اس وقت تو مالکان

بھی باغ کی سیر کو آئے ہوئے تھے یہی تو مستعدی کا وقت تھا۔ چنانچہ دوڑ پڑے چھ لمبی
لاٹھیوں کے ساتھ انہیں گھیر لیا۔ لور امداد مستری نے موقع کی نزاکت کا اندازہ لگا لیا۔ پہلے وہ
دوڑ کر ایک نزدیکی درخت پر چڑھا وہاں سے دوسرے درخت پر کودا، دوسرے سے تیسرے
...... اور پھر زمین پر کود کر بگٹٹ ہو گیا۔ رت وہیں کھڑا رہا تھا۔ تین لاٹھیاں اسے
گھیرے ہوئے تھیں۔ لینا دوڑنا پکڑنا کی آوازوں پر افضال احمد شاہ چونکے۔ ان کے ساتھ بیٹے
بیٹیاں بھتیجے وغیرہ بھی تھے۔ سب کے سب اس طرف دوڑ پڑے۔ افضال شاہ بھی پہنچ گئے
تھے وہ صورتحال معلوم کرنے لگے تھے۔

"دو تھے سرکار...... ایک بھاگ گیا۔ پھل چرا رہے تھے۔"

ہانپتے ہوئے چوکیداروں میں سے ایک نے بتایا۔

"لیکن یہ چور نہیں لگتا۔"

نوجوانوں میں سے ایک اسے چونکے ہوئے انداز میں دیکھ رہا تھا خاص طور پر اس کی
نگاہ اس کی پیشانی کے گول نشان پر تھی۔ پہلے تو وہ بھونچکا سا اسے دیکھتا رہا۔ پھر جلدی سے
ایک قدم آگے بڑھ آیا۔

"ارے نہیں انکل...... یہ چور نہیں ہے یہ تو میرا دوست شہریار ہے ڈومینکا
سے آیا ہے۔ اوہ شہریار تم کتنے بدل گئے۔ انکل یہ بالکل چور نہیں ہے جو چور تھا وہ بھاگ
گیا۔"

"ڈومینکا سے سیدھا باغ میں آیا ہے۔" افضال شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس میں نے اسے پتہ سمجھایا تھا جس میں باغ کا حوالہ بھی دیا تھا۔ یہ تلاش کرتا ہوا
ادھر نکل آیا۔ میں اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ آؤ شہریار...... آؤ بھئی۔" نوجوان نے
بے تکلفی سے کہا۔ لیکن اس نے آگے بڑھ کر اسے چھونے کی کوشش نہیں کی تھی۔
وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ نوجوان اسے کچھ فاصلے پر ایک عظیم الشان
عمارت میں لے گیا۔ عمارت کی انیکسی کے ایک خوبصورت کمرے میں پہنچ کر اس نے کہا۔
آرام سے بیٹھو...... تمہیں یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے" وہ بیٹھ گیا۔ اور نوجوان کے ہونٹوں
پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"کیا تمہارے سیارے پر اردو بولی جاتی ہے۔ تم بڑے آرام سے اردو سمجھ لیتے ہو۔"

وہ سادہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ تب نوجوان نے پھر کہا...... میرا نام خاور جلال شاہ ہے۔
شہر میں تعلیم حاصل کرتا ہوں۔ وہاں جہاں تم نے آٹھ پولیس والے ہلاک کر دیئے ہیں۔
ویسے استاد ایکٹنگ بہترین کرتے ہو۔ ہم جیسے ہو مگر بڑے مختلف...... مجھ سے دوستی کرو

گے۔ میرے دوست بن جاؤ تو میں تمہاری پوری حفاظت کروں گا۔"

وہ سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "میں رت ہوں"

"اب بھی رت ہو........دوستی نہیں کرو گے۔"

"میں دوست ہوں۔"

"تو اپنا اصلی نام بتاؤ۔"

"رت......رت" وہ بولا اور خاور اسے دیکھنے لگا پھر ہنس پڑا۔

"میں سمجھ رہا ہوں......خیر ابھی رت ہی سہی بعد میں رت خود بدل جائے گا۔ اب پہلے یہ بتاؤ کچھ کھاؤ گے۔ بھوکے ہو۔" خاور نے کہا اور اس نے گردن ہلا دی۔ خاور نے اسے بہترین چیزیں کھلائیں اور وہ اس کا ممنون ہو گیا خاور نے اسے بتایا۔

"افضل احمد شاہ میرے تایا ہیں۔ میرے والد جلال احمد شاہ کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا۔ شہر میں پڑھتا ہوں۔ عیش کرتا ہوں تمہیں اپنے دوستوں میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ شہر میں تم نے جو کچھ کیا تھا وہ اخباروں میں پڑھا تھا مگر بھول کر بھی نہ سوچا تھا کہ تم مجھ سے ٹکرا جاؤ گے۔ دوست میں اور میرے کچھ دوست بھی اسی لائن کے آدمی ہیں۔ دولت جائداد میں سے تھوڑا بہت حصہ مل جائے گا مگر وہ ہمارے لئے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ہم لمبی دولت بنانا چاہتے ہیں اگر تم اس فیلڈ کے آدمی ہو تو ہمیں اپنے ساتھ شریک کر لو......"

جواب میں اس نے خاور کو اپنے بارے میں بتایا......نے کے بارے میں......ثمر اور دانیال کے بارے میں......ان سے بچھڑ جانے کے بارے میں اور خاور قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"چلو ٹھیک ہے میں تمہیں نے کیا قاف گاف کا باشندہ بھی مان لیتا ہوں یہ بتاؤ ہمارے ساتھ شریک ہو سکتے ہو۔"

"مجھے دانیال کے لیب میں پہنچا دو......"

"یہ نام میرے لئے اجنبی ہے تمہیں ان کا پتہ بھی نہیں معلوم اخبار میں اشتہار دیا تو تم پھنس جاؤ گے......لیکن اگر ضد ہی کرتے ہو تو ٹھیک ہے۔ کچھ دن ہمارے ساتھ رہو۔ پھر ہم سب تمہاری مدد کریں گے۔"

"اب یہ بتاؤ وہ اس دس ہزار وولٹ کا کیا چکر تھا کیا تم الیکٹرک ہو؟" خاور نے پوچھا۔

وہ کچھ نہ سمجھا تو خاور اسے آٹھ پولیس والوں کی تفصیل سمجھانے لگا۔ اور اس کے چہرے پر افسوس کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے کہا۔ "ہاں وہ اش کے شکار ہو گئے۔ مگر وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔"

"اش......؟" خاور نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے اپنے سینے پر دباؤ ڈال

کر اے اس سے روشناس کرایا۔ نتیجے میں وہ صوفہ تباہ ہو گیا جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور قالین میں دو سلگتے ہوئے سوراخ ہو گئے جہاں اس کے پاؤں رکھے ہوئے تھے اس کے ساتھ ہی خاور کی سٹی گم ہو گئی تھی۔ اس نے اش ختم کیا اور نارمل ہو گیا۔ لیکن خاور پھٹی پھٹی نظروں سے تباہ شدہ صوفے وغیرہ کو دیکھ رہا تھا۔

○

وہ دولت مند گھرانے کا بگڑا ہوا نوجوان تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد افضال شاہ اس کی کفالت کر رہا تھا۔ شہر میں تعلیم کے نام پر رہتا تھا لیکن اوباش دوستوں کی صحبت اختیار کر لی تھی۔ جوئے وغیرہ سے خاص رغبت تھی۔ تایا سے ایک مناسب جیب خرچ ملتا تھا لیکن وہ اس کے لئے کچھ نہیں تھا۔ دولت کے حصول کا خواہاں تھا اور اس کے لئے کوشاں رہتا تھا۔ اس انوکھی واردات کے بارے میں شہر کے اخبارات میں پڑھا تھا۔ دلچسپ خبر تھی اس لئے یاد رہ گئی خاص طور سے وہ پیشانی کا گول نشان جس کی وجہ سے اس نے رت کو پہچان لیا تھا۔ پہلے بھی یہی خیال تھا کہ کسے اونچے فنکار نے فن دکھایا ہے اب رت کو پہچان کر اس نے خود ہی یہ کھیل کھیلا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ اس فنکار کو اپنے ساتھ شامل کر کے نئے کھیل کھیلے لیکن یہاں صورتحال کچھ اور ہو گئی تھی۔ اور اب سوچ بدل رہی تھی۔ البتہ ذہین آدمی تھا اس نے سوچا کہ اس صورتحال سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ پھر بولا۔

"کیا تم میری پیشکش قبول کرو گے کچھ وقت ہمارے ساتھ گزارو......اس کے بعد ہم دانیال کو تلاش کر کے تمہیں وہاں پہنچا دیں گے۔"

"ہاں میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"یہی جگہ تمہاری قیام گاہ ہے۔ کوئی اور تمہارے پاس آنے کی کوشش کرے تو اس سے ملنے سے انکار کر دینا۔ اور ہاں اش کو استعمال نہ کرنا تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔"

"اندر گھر میں اس نے نئی کہانی سنائی۔" ایک مقامی خاندان کا نوجوان ہے۔ ریپلکا ڈومینکا کے شہر "رومیلا" میں رہتا ہے وہاں ایک خاص قبیلے سے متاثر ہے اور پیشانی پر اس کا نشان سجائے ہوئے ہے۔"

"تمہارا دوست کیسے ہو گیا......"

"اکثر وطن آتا رہتا ہے۔"

"کچھ عجیب سا ہے۔" زاہدہ افضال نے کہا۔

"ہاں غیر ملک میں رہتا ہے۔ طویل عرصے سے۔"

خاور جانتا تھا کہ پولیس کو اس کی تلاش ہے اور اس کی شناخت بے حد آسان ہے چنانچہ اسے شہر لے جانے کے لئے اس نے نہایت ذہانت سے حل تلاش کر لیا۔ چوڑے بارڈر کی ٹوپی اور ڈھیلی شیروانی نے اسے بالکل بدل دیا۔ ٹوپی نے سائے کو چھپا لیا تھا۔

"یہ مولانا کون ہیں۔؟ شہر میں اس کے دوستوں نے اس سے سوال کیا۔

"بتاؤں گا تو یقین نہیں کرو گے۔"

"تم بتاؤ تو سہی...... یقین کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"ملک الموت کا نام سنا ہے۔"

"ہاں سنا ہے"

"یہی حضرت ہیں وہ"

"تمہاری کچھ رشتے داری ہوتی ہے ان سے............؟"

"اس وقت بہت قریبی رشتے دار ہیں یوں سمجھ لو...... شرافت ٹونی برادرز کے لئے ان سے کنٹریکٹ کیا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"تفصیل بتاؤں گا تو پاگل ہو جاؤ گے"

"ہم پاگل ہونا چاہتے ہیں۔"

"تو پھر سنو...... کچھ عرصہ قبل ایک خلائی مخلوق کی کہانی اخبارات میں شائع ہوئی تھی جس نے آٹھ پولیس والوں کو راکھ بنا دیا تھا۔"

"ہاں یاد ہے"

"اور پولیس حسب عادت اسے پکڑنے میں ناکام رہی تھی۔"

"بالکل......"

"وہ یہی ہے......اور تم اس بات کو نہ جھوٹ سمجھو گے نہ اس کے تجربے کے لئے کہو گے کیونکہ تجربہ میں کر چکا ہوں۔ البتہ اس تجربے کی مختصر تفصیل سن لو......" خاور شاہ نے انہیں تفصیل بتائی اور وہ سب ششدر رہ گئے۔

"کیا وہ واقعی کسی سیارے کا باشندہ ہے یا ڈرامہ ہے؟"

"میری سمجھ میں خود کچھ نہیں آیا لیکن بس ایک خیال ہے۔"

"کیا......؟"

"اس کے ذریعے شرافت ٹونی سے بدلہ لیا جائے۔ اس نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے بعد وہ کسی رحم کے مستحق نہیں ہے۔ ویسے بھی شہر میں دو بوڑے نہیں رہ سکتے

وہ رہے گا یا ہم۔"

"وہ کیسے......؟"

"کیا وہ ہمارا آلۂ کار بن سکتا ہے؟"

"کوشش کی جا سکتی ہے۔ کامیابی حاصل ہو جائے تو کیا کہنے، کامیاب نہ ہو سکے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ پلان ایسا ہو گا کہ ہم پر حرف نہیں آئے گا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہارا ذہن اس سلسلے میں خوب کام کرتا ہے بس ایک خدشہ ہے وہ یہ کہ وہ خود کوئی اونچا کھلاڑی نہ ہو۔"

"اور ہم مشکل میں نہ پڑ جائیں۔"

"اس سے یہی ایک کام لیا جائے گا تیار ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ دونوں صورتوں میں سے ایک کام تو کرنا ہی ہے۔"

"کیا......؟"

"بالآخر اسے پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ہم ایک شریف شہری ہیں اور قانون کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ اگر اسے شرافت ٹونی کے خلاف استعمال کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تب بھی اس کام کی تکمیل کے بعد فوری طور پر پولیس کو اس کے بارے میں اطلاع دینا ضروری ہو گا۔ آخر شرافت ہمارا دوست ہے اور اپنے دوست کے قاتل کو ہم ہی گرفتار نہ کرائیں گے تو اور کون کرائے گا۔"

"خدا کی پناہ...... یہ شیطان تمہارے ذہن کے کونسے خلئے میں چھپا بیٹھا ہے۔" ایک دوست نے کہا۔

"بس دیکھتے جاؤ......!" خاور شاہ مسکرا کر بولا۔

وہ بہت اداس تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اجنبی سیارے پر سارے دوست نہیں ہیں اور وہ اس کے ساتھ دشمنی کا سلوک کر رہے ہیں۔ ایک نہ ایک وقت ایسا ضرور آ جائے گا جب یہ سب اسے ہلاک کر دیں گے۔ غیر سیاروں کی مخلوق دوسرے سیارے والوں کو اپنے سیارے پر کبھی زندہ نہیں رہنے دیتی۔ البتہ ہر جگہ کچھ ہمدرد لوگ ضرور ہوتے ہیں۔ جیسے یہاں ثمر اور دانیال ہیں۔ اگر ثمر اور دانیال کسی طرح نفے پر آ جاتے تو دوسرے کچھ بھی کرتے، میں انہیں پناہ دیتا ان کا تحفظ کرتا۔ وہ بھی میری طرح تھے۔ اگر میں خود ہی اس سیارے کے راز جاننے کے لئے تنہا نہ نکلتا تو مجھے یہ مشکلات پیش نہ آتیں۔ غلطی ہو گئی۔ واپسی کا راستہ معلوم ہی نہ تھا۔ ثمر...... کیا وہ میرے لئے پریشان نہ ہو گی۔ اس کے سینے کے پاس کاسنی روشنی ابھرنے لگی اور آنکھیں بند ہو گئیں۔

"کیا بات ہے دوست، کیا نیند آ رہی ہے۔" خالد نے کہا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ خاور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ یقیناً تمہیں بوریت ہو رہی ہو گی۔ فکر مت کرو ہم تمہیں اپنے سیارے کی سیر گاہیں دکھائیں گے۔ تمہارے سیارے پر بھی سیر گاہیں ہوتی ہوں گی۔"

"ہاں۔" وہ اداسی سے بولا۔

"کھیل تماشے بھی ہوتے ہوں گے۔"

"تم دانیال کو جانتے ہو۔" اس نے پوچھا

"تلاش کر لیں گے۔ فکر مت کرو۔"

"کب؟"

"بس جلدی۔ کچھ وقت ہمارے ساتھ تو گزار لو۔ آج تمہیں ایک بہت اچھی جگہ لے جا رہے ہیں۔ وہاں تمہیں بہت لطف آئے گا لیکن ہوشیار رہنا۔ ہو سکتا ہے کچھ لوگ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تم ان سے بچنے کے لئے اش استعمال کرنا۔

"تم مجھے دانیال کے پاس پہنچا دو۔"

"اطمینان رکھو۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دانیال کی تلاش کے لئے بھیج دیا ہے جیسے

ہی وہ مجھے آ کر بتائیں گے کہ انہیں دانیال کا پتہ معلوم ہو گیا ہے میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔"

وہ سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا "ایک بات بتاؤ، تمہارے ہاں رپ ہوتی ہے۔"

"رپ وہ کیا ہوتی ہے بڑے بھائی۔" خاور نے پوچھا اور اس نے سینے سے خارج ہونے والی کاسنی روشنی کی طرف اشارہ کر دیا۔ خاور سر کھجانے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا "نہیں یار۔ اپنے ہاں الیکٹریکل نظام اس طرح نہیں ہوتا۔ ہماری قوم تو ہمیشہ لوڈ شیڈنگ کا شکار رہتی ہے۔"

○

ٹونیز کلب میں ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی خوب رونق تھی۔ یہ لائسنس یافتہ جوئے خانہ تھا جسے شرافت ٹونی چلاتا تھا۔ وہ پیشہ ور غنڈہ تھا اور کلب کو چلانے کے لئے اس نے کئی غنڈے پال رکھے تھے۔ کلب کے کچھ اصول تھے۔ یہاں کسی کو جیتنے کی اجازت نہیں تھی۔ تھوڑی بہت رقم کی بات نہیں تھی، اچھا خاصا کلب ٹیکس کاٹ لیا جاتا تھا۔ ایسے خوش نصیبوں کے لئے یہاں کوئی گنجائش نہیں تھی جو یہاں جیبیں بھرنے آ جائیں۔ کلب کے اپنے کھلاڑی تھے جو باون پتوں کے استاد تھے اور ان کے آگے اچھے اچھوں کی دال نہیں گلتی تھی لیکن کبھی کبھی کوئی ترپن نمبر والا بھی آ جاتا تھا تو اس کے لئے انتظام تھا۔

"خاور جلال شاہ کئی بار اپنے دوستوں کے ہمراہ یہاں آیا تھا اور شرافت ٹونی سے اس کی اچھی خاصی سلام دعا ہو گئی تھی۔ یہ سلام دعا ہر اس شخص سے ہو جاتی تھی جو کلب کی آمدنی میں اضافہ کرے لیکن اسے برقرار رکھنے کے لئے ہارنا ضروری ہوتا تھا۔ خاور جلال شاہ کئی لاکھ کی رقم یہاں ہار چکا تھا۔ اس نے ہمیشہ سیر چشمی سے کام لیا تھا۔ ہار جیت تو مقدر کا کھیل ہے۔ پھر ایک دن نہ جانے اس کے مقدر کو کیا ہو گیا کہ وہ جیتنے لگا۔ ٹونی کے شارپ حیران رہ گئے ان کے سارے داؤ پیچ ناکام ہو گئے ادھر خاور کے دوست خوشی سے دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔ ساری پرانی ریکوری ہو رہی تھی۔ شرافت کو اطلاع ملی تو وہ خود اس میز پر آ کھڑا ہوا اور کھیل دیکھنے لگا لیکن اسے اندازہ ہو گیا کہ آج تاش بے ایمانی کر رہے ہیں کھلاڑی نہیں۔ مگر وہ خاموش ہی رہا۔ پھر جب خاور شاہ نوٹوں کا انبار سنبھالے ہوئے وہاں سے اٹھا تو ٹونی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم اتنا جیتنے والے خوش نصیبوں کو اپنے ساتھ چائے کی دعوت ضرور دیتے ہیں۔"

"شکریہ مسٹر شرافت۔ یہ دعوت ادھار رہی۔" خاور نے کہا۔

"اوہ۔ نہیں دوست تم جانتے ہو اس کلب میں ادھار کا رواج نہیں ہے۔" پھر کسی قدر جارحانہ انداز میں وہ ان سب کو لے کر کلب کے عقبی حصے میں پہنچا تھا۔ یہاں اس کے غنڈے ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔

"یہ نوٹ یہاں رکھ دو......اور یہ بتاؤ کہ جیتنے کے لئے تم نے کیا طریقہ استعمال کیا تھا۔" ٹونی نے ایک میز کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کوئی طریقہ نہیں۔ بس آج قسمت نے یاوری کی ہے۔"

"شارپنگ تو تم بے شک نہیں کر رہے تھے لیکن لگتا ہے کوئی تعویذ وغیرہ لائے ہو۔"

"نہیں مسٹر ٹونی۔"

"تلاشی دینی پڑے گی"

"کیا بکواس ہے۔" خاور کو بھی غصہ آگیا اور ٹونی کے الٹے ہاتھ کے تھپڑ نے اس کا ہونٹ کاٹ دیا۔ جھگڑا شروع ہو گیا اور ٹونی کے غنڈوں نے ان سب کی پٹائی کر کے ساری رقم چھین لی۔ اس کے بعد انہیں نکال دیا گیا اور وارننگ دے دی گئی کہ آئندہ انہیں کلب میں نہ دیکھا جائے۔

"خاور کچھ بھی نہ کر سکا۔ پولیس کی مدد حاصل کرتا تو افضال شاہ کو خبر ہو سکتی تھی۔ ویسے ہی وہ بدنام نوجوان تھا۔ دل مسوس کر خاموش ہو گیا لیکن اب ایک امید بندھی تھی۔

کلب میں اس کے داخلے کی اطلاع فوراً ہی ٹونی کو مل گئی.....اور ابھی وہ اپنے لئے میز بھی نہیں تلاش کر پائے تھے کہ ٹونی چھ غنڈوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

"تمہارے یہاں داخلے پر پابندی کی کوئی میعاد نہیں تھی۔ بے شک تم بہت دن کے بعد آئے ہو لیکن تم پر پابندی برقرار ہے۔"

"تب تمہیں یہ کلب بند کر دینا چاہئے۔" خاور شاہ نے کہا۔

"ایسا کوئی مائی کا لعل ابھی پیدا نہیں ہوا جو یہ کلب بند کرا دے۔ چلو انہیں باہر پھینک دو۔" ٹونی نے اپنے غنڈوں کو اشارہ کیا اور خاور شاہ اور اس کے دوستوں پر ٹوٹ پڑے۔ رت کو بھی اس کے ساتھی کی حیثیت سے پکڑ لیا گیا اور وہ گھبرا گیا۔ گھبراہٹ اور خطرے کے عالم میں اش حصار میں آگیا اور اسے پکڑنے والے سلگ اٹھے۔ کلب میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگوں کو یہ تو پتہ نہیں چلا تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے لیکن ایسی جگہوں پر آن واحد میں پستول نکل آتے ہیں اور پھر بھٹکنے والی گولیاں آنکھیں نہیں رکھتیں کہ صرف نشانے کو نشانہ بنائیں۔

"ٹونی کے غنڈے صورت حال کو نہ سمجھ پائے تھے ہاں انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان

کے ساتھی مار کھا گئے ہیں چنانچہ وہ دوسروں کو چھوڑ کر رت پر لپکے اور موت کی آغوش میں جا سوئے۔ خاور شاہ نے ٹونی کو پکڑ لیا۔

"سوا سیر دیکھا مسٹر۔ اسے سوا سیر کہتے ہیں۔ جاؤ اب تم بھی اپنے دوستوں کو جہنم میں جا کر مزاج پرسی کرو۔" اس نے ٹونی کو ایک لات رسید کی اور وہ رت پر جا پڑا۔ صرف ایک لمحہ......اور کام تمام......خاور شاہ کے لئے اب یہاں رکنا موت کو دعوت دینا تھا۔ اس نے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور سب باہر دوڑ پڑے، لیکن انہیں پولیس کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ ایسے اداروں کے تحفظ کے لئے پولیس زیادہ دور نہیں ہوتی۔ باہر بھاگنے والوں نے چیخ و پکار کر کے پولیس کو اطلاع دے دی اور کئی سائرن بجاتی ہوئی پولیس گاڑیاں کلب کے پاس آ رکیں۔ ان سے پولیس کے جوان نیچے اترے اور اندر داخل ہو گئے۔ ہال سے تمام لوگ بھاگ گئے تھے اور وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ اس کی متوحش نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ وہ خاور شاہ کو تلاش کر رہا تھا جو اب وہاں موجود نہیں تھا۔ ہاں کچھ دیر کے بعد پولیس کے جوان اندر داخل ہو گئے اور وہ چونک پڑا۔ یہ ویسے ہی لباس والے تھے جن سے اس کا واسطہ پڑ چکا تھا۔ وہ ان سے بچنے کے لئے بھاگا اور پولیس والے چیختے ہوئے اس کی طرف دوڑ پڑے۔ لیکن اش نے انہیں آوازیں نکالنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ جس نے اسے چھوا جل کر کوئلہ بن گیا۔ تب کچھ پولیس والوں کو اخباری خبریں یاد آ گئیں اور وہ چیختے ہوئے باہر بھاگے۔

"خلائی انسان......خلائی انسان........" انہوں نے اپنے افسران کو اندر موجود لاشوں کے انبار کی اطلاع دی اور موبائل فون پر ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی جانے لگی وہاں سے ہدایت ملی کہ گولیاں چلا کر اسے باہر نہ نکلنے دیا جائے اور آن کی آن میں مورچہ بندی ہو گئی۔ آس پاس گشت پر موجود پولیس گاڑیوں کو ٹوئنیز کلب پہنچ جانے کی ہدایت کی گئی اور پولیس بھاری تعداد میں وہاں پہنچ گئی۔ اچھا خاصا محاذ جنگ بن گیا اور گولیوں نے کلب کی عمارت کو چھلنی کرنا شروع کر دیا۔

وہ ان اچانک شروع ہونے والے دھماکوں سے دہشت زدہ ہو گیا اور ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اب اجنبی سیارے کی مخلوق اس کے خاتمے کے درپے ہے۔ ایک اور بٹن دبانے سے اش میں سرخ رنگ کی آمیزش ہو گئی۔ یہ اس کی طاقت بڑھانے کا عمل تھا اور اس عمل سے آس پاس شدید تپش ہو گئی۔ لکڑی اور کپڑے نے آگ پکڑنا شروع کر دی.....اور ہر چیز اس تپش سے خاکستر ہونے لگی۔ کلب کی عمارت سے شعلے ابھرنے لگے پولیس نے فائرنگ شدید کر دی تھی۔ اب اس عمارت میں چھپنے کی گنجائش نہیں

ہے یہاں سے نکلا جائے۔ اس نے سوچا اور پھر وہ تن بہ تقدیر ہو کر دروازے سے باہر نکل آیا۔ روشن چنگاریاں اش سے ٹکرائیں اور ان کا سیسہ پگھل کر نیچے گرنے لگا۔ آتشی گولیاں اش کو نقصان پہنچانے میں ناکام رہیں۔ ہاں وہ آگے بڑھتے ہوئے ایک گاڑی کے پاس پہنچا اور اس سے چھو گیا تو پوری گاڑی بھٹی میں پگھلنے والے فولاد کی طرح سرخ ہو گئی اور اس کے پٹرول نے ایک شعلہ اگل کر دھماکہ کیا اور اس کے پرخچے اڑ گئے۔ دوسری اور تیسری پولیس گاڑی کا بھی یہی حشر ہوا اور اس میں موجود پولیس والے جل کر راکھ ہو گئے تو باقی گاڑیاں اسٹارٹ ہو کر ریورس میں بھاگنے لگیں۔ زمین کے انسان کونوں کھدروں میں چھپے' اس روشن خلائی مخلوق کو دیکھ رہے تھے جو پریشان حال سڑک پر بھاگ رہی تھی اور اس کے قدموں تلے سڑک کا تارکول پانی بن رہا تھا۔

موبائل گاڑیوں نے اسے آگے جانے کا راستہ دیا اور ایک محفوظ فاصلے سے اس کا تعاقب کرنے لگیں۔ ہیڈ کوارٹر کو پوری طرح باخبر رکھا جا رہا تھا۔ ساتھ میں اس پر فائرنگ بھی کی جا رہی تھی لیکن یہ ایک ہیجانی کاروائی تھی اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔

○

دانیال ثمر کے ساتھ شہر آ گیا۔ اس نے ایک ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ ایک بار پھر اس پر مشکل وقت آ پڑا تھا۔ زندگی کو اس نے ہمیشہ ایک رواں آبشار سمجھا تھا۔ بلندیوں سے گرنے والا جھرنا جس کے راستے صاف ہوتے ہیں لیکن ایسا نہ تھا۔ اسے بہت بعد میں یہ احساس ہوا کہ وہ خلا کی بیکراں وسعتوں کا مکیں نہیں ہے بلکہ مشکلات میں گھری ہوئی زمین کا باشندہ ہے۔ اور زمین کی زندگی ہی اس کی اپنی زندگی ہے اس کا پہلا احساس اس وقت ہوا تھا جب عالیہ اس سے جدا ہو گئی تھی۔ عالیہ اس کی دست رات تھی۔ اس کے ہر مشن کی ساتھی۔ اس کی بہترین مشیر۔ وہ اس کے مشوروں سے محروم ہو گیا تھا۔ وہ اس کی ہر مشکل کا حل تھی لیکن اب وہ تنہا رہ گیا تھا اور تنہائیوں میں اسے احساس ہوتا تھا کہ عالیہ صرف اس کے خلائی مشن کی ساتھی ہی نہ تھی بلکہ وہ اس کے سارے وجود کی راز دار تھی اور اسے ہر مسئلے میں اس کی ضرورت تھی۔

اس کی دوسری ذمے داری ثمر تھی۔ دل کے ہر گوشے میں مقیم ثمر...... اس کے وجود کی بقا کے لئے سب سے بڑی مجبوری۔ وہ خوش ہو کر مسکراتی تو صبح ہو جاتی۔ کسی دکھ سے بسورتی تو رات کی تاریکیاں ابھر آتیں۔ وہ عالیہ کا بدل بے شک نہیں تھی۔ لیکن اس کے علاوہ اسے دانیال کے دل کے ہر گوشے میں مقام حاصل تھا......! اور زیرک دانیال نے پوری

طرح سمجھ لیا تھا کہ زمین کے رہنے والوں سے الرجک ثمر کے دل پر خلا کے نوجوان نے قبضہ جما لیا ہے۔ ثمر ایک عظیم' فلک پیا ہے لیکن دنیا سے بالکل ناواقف ہے۔ وہ صنف مخالف کی اہمیت نہیں جانتی لیکن رت نے اسے متاثر کر لیا ہے اور یہ مشکل ایسی ہے جس کا حل سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یہ نئی مصیبت رت خلا سے آنے والا مجرم بن گیا تھا' اور اب اس سے منسوبیت بھی خطرناک تھی۔ دانیال سخت وحشت کا شکار تھا۔

"اب کیا کریں گے ڈیڈی۔ ہم اسے کیسے تلاش کریں؟"

"پہلے پروفیسر نقوی کو تلاش کرنا ہے۔"

"کہاں تلاش کریں گے۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" طارق نے کہا۔ یونیورسٹی کھل گئی تھی۔ وہاں سے پروفیسر نقوی کے بارے میں معلوم ہو گیا لیکن یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ بیمار ہے اور اپنے گھر پر ہے۔ گھر کا پتہ البتہ معلوم ہو گیا تھا۔

نرم خو اور افسردہ پروفیسر نے انہیں اجنبی نظروں سے دیکھا اور اخلاقاً" اندر آنے کی پیشکش کی۔ دانیال نے اس کے ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں علم ہو گیا تھا کہ آپ بیمار ہیں' لیکن آپ سے ملنا از حد ضروری تھا۔"

"فرمایئے! کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"رت آپکے پاس تھا؟" دانیال نے کہا اور پروفیسر انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"انتظامیہ سے تعلق ہے آپ کا...... ابھی یہ تفتیش جاری ہے...... مگر جناب میں تو سارے بیانات دے چکا ہوں آپ کو پولیس ریکارڈ میں سب کچھ مل جائے گا۔"

"میرا نام طارق دانیال ہے اور یہ میری بیٹی ثمر دانیال ہے ہم دونوں......" طارق دانیال نے اتنا ہی کہا تھا کہ نقوی اچھل پڑا اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"دانیال...... ثمر...... آپ دونوں......؟"

"ہاں...... آپ اس قدر حیران کیوں ہو گئے؟"

"آہ...... یہی نام تو لیتا تھا وہ...... وہ آپ کے پاس جانا چاہتا تھا مگر راستہ بھول گیا تھا۔"

"براہ کرم کچھ تفصیل بتایئے" طارق دانیال نے بے چینی سے کہا اس سے زیادہ ثمر بے چین نظر آ رہی تھی۔ پروفیسر نے انہیں ساری داستان سنا دی۔ پھر دلسوزی سے بولا۔

"کم بخت سے مجھے بھی محبت ہو گئی تھی۔ بے حد معصوم تھا۔ کھڑکی پر رات رات بھر کھڑا باہر دیکھتا رہتا تھا اور خوش نظر آتا تھا۔ جو کچھ اس سے ہوا اس میں اس کا قصور نہیں تھا لیکن خدا کے لئے آپ بھی تو مجھے اس کے بارے میں کچھ بتایئے۔"

"وہ ایک سیارے کا نوجوان ہے اور پتہ نہیں کس کی بد قسمتی اسے یہاں لے آئی۔ ہماری یا اس کی۔ آپ کچھ بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں جا سکتا ہے۔" طارق نے پوری داستان سنانے کے بعد کہا۔

"ایک بہت اچھے دوست نے سب کچھ نظر انداز کر کے اپنی مشین کے تباہ ہونے پر مجھے بھی اس کے ساتھ گرفتار کرا دیا۔ میں اس کی محبت اور اپنی تحقیر کیوجہ سے بیمار ہو گیا ہوں۔ لیکن اگر وہ مجھے مل جائے تو بخدا میں اسے پناہ دوں گا۔ اس نے بار بار آپ دونوں کے نام لئے لیکن میں نے انہیں عام نہیں ہونے دیا اور خدا کا شکر ہے کہ دوسروں کی توجہ بھی اس نام پر نہیں گئی ورنہ آپ کو پریشان کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے جو کچھ کیا خوفزدہ ہو کر اپنے تحفظ کے لئے کیا۔"

"بے شک۔ وہ معصوم ہے۔"

"لیکن دانیال...... فرض کرو وہ ہمیں مل بھی جائے تو کیا ہم اسے واپس اس کے سیارے پر بھیج سکتے ہیں۔ وہ یہاں آ تو گیا واپس کیسے جا سکتا ہے۔"

"میں، میں اسے اس کے سیارے پر واپس پہنچاؤں گی۔ میں......میں......" ثمر بے اختیار بول پڑی۔

"ہاں۔ ہم ان کوششوں میں مصروف ہیں۔" دانیال نے ثمر کی بے اختیاری کو محسوس کر کے کہا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے کہاں تلاش کریں۔ ابھی تک تو اس کی موجودگی کے آثار نہیں ملے۔ ویسے طارق صاحب میرا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن خدارا اگر کہیں سے آپ کو اس کے بارے میں معلوم ہو جائے تو مجھے ضرور اس سے باخبر کریں۔ پتہ نہیں کیوں۔ وہ میرے دل میں بھی سما گیا ہے۔ پروفیسر نقوی نے کہا۔

"یہی درخواست میں کرتا ہوں۔ حالانکہ وہ ہم میں سے نہیں ہے لیکن......!"

"آپ ابھی یہیں قیام کریں گے؟"

"ہاں۔"

"مجھے اپنا پتہ دے سکتے ہیں؟"

"ہوٹل میں قیام ہے۔ روم نمبر اور فون نمبر لکھ لیجئے۔" دانیال نے کہا اور پروفیسر نقوی نے یہ نمبر نوٹ کر لئے۔ کچھ دیر کے بعد دونوں وہاں سے چل پڑے۔

"ڈیڈی۔ اگر ہم شہر کا چکر لگائیں تو......؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ دانیال نے کہا۔ بیٹی کی فرمائش پر وہ رات تک شہر اور اس کے

نواحات میں گھومتے رہے تھے۔ دانیال نے واپسی میں کار کا ٹینک پھر بھروا لیا تھا۔ ہوٹل کے کمرے میں ثمر پر خیال لہجے میں بولی۔

"ان حالات میں وہ کہاں جا سکتا ہے۔"

"کوئی فیصلہ مشکل ہے۔"

"خدا کرے وہ مل جائے۔ بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہے ہم آخری حد تک کوشش کریں گے کہ اسے واپس اس کے سیارے پر پہنچا دیں۔"

"میں ہر طرح تمہارے ساتھ ہوں بیٹی۔"

"رات کو نہ جانے کب تک دونوں باپ بیٹی جاگتے اور اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے۔ صبح کو دیر تک آنکھ نہ کھلی پھر فون کی گھنٹی نے دونوں کو جگا دیا تھا۔ دانیال نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا لیا۔

"ہیلو......!"

"مسٹر دانیال۔"

"ہاں میں بول رہا ہوں۔"

"آپ کی کال ہے بات کیجئے۔" آپریٹر کی آواز سنائی دی اور پھر دوسری آواز ابھری۔

"طارق دانیال......!"

"جی بول رہا ہوں۔"

"میں نقوی ہوں آپ نے اخبار پڑھا؟"

"نہیں۔ خیریت؟"

"براہ کرم اخبار پڑھ لیجئے۔ پھر مجھ سے بات کیجئے۔ پلیز......"

"او کے۔" دانیال نے کہا اور اس کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ صبح کے اخبار ڈال دیئے گئے تھے۔

O

پولیس ہیڈ کوارٹر میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ ہر دو منٹ کے بعد ایک موبائل نشاندہی پر دوڑ رہی تھی۔ نئے نئے احکامات جاری ہو رہے تھے۔ ہنگامی بنیادوں پر پولیس کے اعلیٰ افسران ہیڈ کوارٹر میں جمع ہوتے جا رہے تھے۔

"کنٹرول کو اطلاع ملی۔ "ہم مسلسل اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ گولیاں اس پر بے اثر ہیں لیکن وہ دھماکوں سے خوفزدہ ہے۔"

"کس علاقے میں ہے؟"
"اس وقت سی پی لائن پر دوڑ رہا ہے۔"
"اسے گھیرے میں رکھو...... کسی عمارت میں داخل نہ ہونے پائے ورنہ وہاں کے مکینوں کو نقصان پہنچے گا۔"
"ہیلو کنٹرول......؟"
"ہیلو...... اوور......"
"اس نے ایک اور خوفناک حادثہ کر دیا ہے۔"
"کیا......؟"
"وہ ایک پیٹرول پمپ پر پہنچ گیا تھا۔ پیٹرول ٹینک دھماکے سے اڑ گیا ہے۔"
"کیا وہ بھی شعلوں میں گھر گیا ہے۔"
"نہیں...... وہ وہاں سے نکل بھاگا ہے۔"
"اوہ۔ ہدایات لے کر تمہیں اطلاع کر دی جائے گی تعاقب جاری رکھو۔"
"کنٹرول کو آخری اطلاع ملی۔ "سر وہ ایک زیر تعمیر عمارت میں داخل ہو گیا ہے۔ عمارت چار منزلہ ہے اور اس کا پورا اسٹرکچر تعمیر ہو چکا ہے۔ اب وہ اس عمارت میں ہے۔"
"عمارت کو چاروں طرف سے گھیر لو اور اس پر فائرنگ جاری رکھو......! کنٹرول سے ہدایت ملی۔

○

وہ تھک کر بیٹھ گیا۔ جسمانی تھکن کا تو کوئی احساس نہیں تھا بس غم و اندوہ نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا تھا۔ میں تو تمہارے سیارے سے محبتیں سمیٹ کر لے جانا چاہتا تھا۔ میں تو نفے پر اپنا سب سے بڑا مقام بنانا چاہتا تھا۔ تم میرے دشمن کیوں بن گئے۔ کون میری آواز سنے گا۔ وہ سب تو میرے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اب کون یقین کرے گا کہ میں نے یہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا ہے۔ شمو...... تم کہاں ہو...... مجھے ان سے بچاؤ۔ مجھے نفے پر واپس پہنچا دو......!" اس کے کاس سے آواز ابھر رہی تھی۔
"دھماکے مسلسل ہو رہے تھے۔ اس نے عمارت کی کھڑکی سے دھماکہ کرنے والوں کو دیکھا۔ کیا بگاڑ سکیں گے یہ میرا...... میرے قریب آئے تو شکار ہو جائیں گے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔
"رات گذرتی رہی۔ دوسری طرف سے مسلسل کاروائیاں جاری تھیں۔ بات بہت

آگے بڑھ گئی تھی۔ سائنس ریسرچ انسٹیٹیوٹ سے رابطہ کر کے تمام صورت حال کی خبر دی گئی تھی اور اسے انتظامیہ کے ساتھ تعاون کی ہدایت کی گئی تھی۔ عمارت کے گرد سینکڑوں کی تعداد میں پولیس پہنچ گئی تھی۔ سائنس انسٹیٹیوٹ کے مدبرین نے کہا۔
"اگر وہ ہمارے ہاتھ لگ جائے تو ہم اس پر تجربات کریں۔"
"آپ تجربات کی بات کرتے ہیں۔ اس نے بے شمار زندگیاں تلف کر دی ہیں۔ یہ بتایئے اب کیا کریں۔"
"اب شعاعی گنیں استعمال کرنی پڑیں گی۔ اسے شعاعوں کے جال میں گھیرا جائے۔"
"مگر کیسے؟"
"اسے عمارت سے نکالنا ہو گا۔"
"یہ مشکل کام ہے۔"
"کرنا ہو گا۔ آہ کاش وہ زندہ سلامت ہمیں مل سکے۔" شعاعی بارش نے ایک خوفناک ماحول پیدا کر دیا۔ رنگین روشنیاں منتشر کرنے سے قبل پولیس کو آنکھیں بند کر لینے کی ہدایت کی گئی تھی اور ماہرین نے خاص قسم کے چشمے پہن کر یہ عمل کیا تھا لیکن بے سود...... رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور کچھ نہ ہو سکا تھا۔ آخر میں حکم دیا گیا۔
"عمارت تباہ کر دی جائے۔ اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔" پولیس وہاں سے ہٹنا شروع ہو گئی۔ دور دور تک ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ عمارت پر بلاسٹ کے لئے صبح پانچ بجے کا وقت مقرر کیا گیا تھا تاکہ صورت حال نگاہوں میں رہے۔ پھر ایک ہیلی کاپٹر ضروری سامان کے ساتھ پہنچ گیا اور اس سے عمارت پر بم پھینکے جانے لگے۔ بموں نے عمارت کو دھنک کر رکھ دیا۔ ملبے کا دھواں بلند ہونے لگا اور عمارت کے ستون گر گئے تھے۔ عمارت کا ملبا اش سے مس ہو کر سرخ ہوتا اور دیر تک سرخ رہتا۔ اش نے اسے اس ملبے سے بھی محفوظ رکھا تھا۔ وہ سب کچھ سمجھ رہا تھا...... لیکن بے بس تھا۔ عمارت زمین بوس ہو گئی۔ دور دور کھڑے ہوئے اعلیٰ افسران اور بڑے بڑے لوگ دوربینوں سے گرد اگلتی عمارت کا جائزہ لے رہے تھے۔ پھر انہوں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ ملبے سے دور ہٹ رہا تھا۔
"میرے خدا وہ زندہ سلامت ہے۔"
"اب اسے شعاعی جال میں گھیرا جا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔ ہم اسے تجربے کے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" ریسرچ سینٹر کے عہدیداروں نے کہا۔ اجازت مل جانے پر انہوں نے اپنی کاروائی شروع کر دی۔ شعاعی گنوں سے رنگین لیکن مہلک شعاعوں کی بارش کی جانے لگی اور وہ دوڑنے لگا۔ گاڑیاں اس کا تعاقب کرنے لگی

تھیں۔ اس پر تمام حربے ناکام رہے تھے لیکن اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا تھا کہ اب وہ شہری آبادی سے دور نکل گیا تھا اس سے معصوم شہریوں کو نقصان پہنچنے کے امکانات کم ہو گئے تھے۔

پھر انتظامیہ کی طرف سے ایک نئی حکمت عملی اختیار کرنے کی ہدایت جاری کی گئی۔ تعاقب کرنے والوں کو روک دیا گیا اور کہا گیا کہ اسے آگے جانے سے روکا جائے اور اس کے گرد گھیرا ڈال کر خاموشی اختیار کی جائے اور دیکھا جائے کہ اس کا آئندہ عمل کیا ہوتا ہے۔ کوششیں کرنے والے بھی تھک گئے تھے چنانچہ وسیع و عریض علاقے میں گھیرا ڈال دیا گیا اور دوربینوں سے اسے دیکھا جانے لگا۔ شعاعی بارش کے ختم ہو جانے پر وہ بھی رک گیا تھا لیکن اس کے بدن کے گرد وہ مہلک حصار اب بھی قائم تھا جس نے ابھی تک اس پر کوئی حربہ کارگر نہ ہونے دیا تھا۔ انتظامیہ کا فیصلہ تھا کہ اب کچھ توقف اختیار کیا جائے اور کوئی بہتر طریقہ سوچا جائے۔

دانیال نے جھپٹ کر اخبار اٹھائے اور شہ سرخیوں میں اسے خلائی انسان کے بارے میں پوری تفصیل مل گئی۔ اخبار کی آخری کاپی جانے تک وہ اس زیر تعمیر عمارت میں موجود تھا اور انتظامیہ نے سائنس ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی خدمات حاصل کرلی تھیں۔

"کیا بات ہے ڈیڈی۔" ثمر نے پوچھا۔ دانیال نے ایک لمحے میں فیصلہ کرلیا کہ بیٹی کے اعتماد کو احمقانہ انداز میں مجروح نہ کیا جائے۔ وہ عالیہ کی کہانی پھر نہیں دہرانا چاہتا تھا۔ اس نے اخبارات ثمر کے سامنے ڈال دیئے اور وہ اخباری خبریں پڑھنے لگی۔ یہ خبریں پڑھ کر اس کے ضبط کے بندھ ٹوٹ گئے۔ آنسوؤں کا سیلاب امل پڑا اور وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ طارق دانیال کے دل میں اس کی ہچکیوں کے خنجر پیوست ہونے لگے اور اس کے جبڑے مضبوطی سے بھنچ گئے۔ ثمر کے قریب پہنچ کر اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر سنگین لہجے میں کہا۔

"میری رائے ہے بیٹی کہ آنسو بہا کر بے بسی نہ قبول کی جائے۔ آنسو بہہ جاتے ہیں تو انسان اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے اس کا عزم مسمار ہو جاتا ہے۔ ہم اس کے لئے رو دھو کر خاموش نہیں ہو سکتے۔"

"قصور میرا ہے ڈیڈی۔ ہم اسے اس دنیا میں لانے کا باعث بنے ہیں جہاں اس کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔" ثمر نے روتے ہوئے کہا۔

"بے شک، لیکن ہمیں رو دھو کر اپنی ندامت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ اسے اس مشکل سے نکالنا ہماری ذمے داری ہے۔"

"ہم یہ ذمے داری کیسے پوری کر سکتے ہیں؟"

"ایک منٹ میں تیار ہو جاؤ ہم وہیں چل رہے ہیں جہاں وہ موجود ہے۔" دانیال نے کہا۔

ثمر ایک دم چپ ہو گئی۔ اسے باپ کا لہجہ بہت مضبوط محسوس ہوا تھا۔ راستے میں طارق دانیال نے کہا۔

"ہم اسے کے لئے سب کچھ داؤ پر لگا دیں گے۔ اس کے حصول کے لئے انتظامیہ سے بات کریں گے اور اسے حاصل کر کے سب سے پہلے یہ کوشش کریں گے کہ اسے واپس بھیج دیا جائے۔ بعد میں انتظامیہ اگر ہمیں بد عہدی کا مجرم قرار دے گی تو ہم سزا قبول کرلیں گے۔"

"خوشی سے ڈیڈی، خوشی سے۔" ثمر نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ طارق دانیال کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

"شہر افرا تفری کا شکار تھا۔ ہر جگہ سے اس کے لئے خبریں حاصل کی جا سکتی تھیں لیکن بہت بری خبریں ملی تھیں انہیں۔ وہ عمارت تباہ کر دی گئی تھی جہاں وہ پوشیدہ ہوا تھا لیکن یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس کے باوجود وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکے اور وہ وہاں سے نکل گیا ہے۔ اب وہ شہری آبادی سے باہر ہے۔ چنانچہ دانیال نے اپنی گاڑی اسی طرف دوڑا دی۔ پھر اسے لوگوں کا ہجوم نظر آ گیا۔ تماشائیوں کو اصل جگہ سے بہت دور روک دیا گیا تھا۔ لیکن انہیں صورت حال سے آگاہ کیا جا رہا تھا کیونکہ ان میں پریس رپورٹر بھی شامل تھے۔ لوگ کاروں کی چھت پر کھڑے ہو کر دور دور تک آنکھیں پھاڑ رہے تھے۔ دانیال اور ثمر نے بھی ان کی تقلید کی اور پھر دانیال کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس کی پیشانی کی رگیں پھول گئیں۔ آنکھیں چمکنے لگیں۔

"ثمر........" اس نے آہستہ سے بیٹی کو پکارا۔

"جی ڈیڈی......" ثمر رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔" دانیال کی آواز میں کوئی خاص تاثر تھا ثمر اسے دیکھنے لگی۔ "کین ہائن" ایک اصطلاح ہے لیکن اس کے تجربے لاتعداد......وائرلیس اس اصطلاح پر ایجاد ہوا ہے۔ تمہیں اندازہ ہے؟"

"ہاں ڈیڈی۔"

"آوازوں کی البم کے سلسلے میں ہم نے اس اصطلاح سے اپنے کام کا آغاز کیا تھا اور بعد میں اسے اپنی ضرورت کے مطابق شکل دے لی تھی۔"

"ہم کین ہائن پر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں۔" دانیال نے کہا اور ثمر کار کی چھت پر لڑکھڑا گئی۔ دانیال نے اسے فوراً سہارا دیا تھا......! ثمر باپ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کے منہ سے بمشکل تمام نکلا۔ "میں سمجھی نہیں ڈیڈی۔"

"آؤ، سنبھل کر نیچے آؤ۔ ایک کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ کارگر رہی تو کچھ کام بن جائے گا۔ کارگر نہ ہو سکی تو خود کو منظر عام پر لا کر دوسری ترکیب پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"بے پناہ ہجوم سے کار نکالنا بھی کار دارد تھا لیکن مسلسل کوشش کر کے طارق اپنی کار دوسری گاڑیوں اور انسانوں کے ہجوم سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اس نے واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا۔ کار کی چھت پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے اسے ایک کار آمد جگہ نظر آئی تھی جس سڑک سے گزر کر وہ یہاں آئے تھے وہ سیدھی چلی جاتی تھی لیکن کافی فاصلے پر ایک اور سڑک تھی جو اس میدان کے دوسرے سرے سے گزرتی تھی۔ اس سڑک سے اکلو کا گاڑیاں گذرتی نظر آ رہی تھیں اور اس طرف یہ ہنگامہ نہیں تھا۔ طارق دانیال نے کھلی جگہ پا کر برق رفتاری سے گاڑی دوڑانا شروع کر دی۔ دوسری سڑک پر آنے کے لئے کوئی بیس کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا تب کہیں جا کر وہ دوسری سڑک پر آیا تھا پھر واپس بیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ کافی وقت لگ گیا لیکن دوسری سڑک سے میدان عبور کر کے اس طرف کا ہلکا ہلکا منظر نظر آ رہا تھا۔ دانیال نے ثمر کو اشارہ کیا اور ثمر بھی نیچے اتر آئی۔ انہوں نے ایک بلند جگہ منتخب کی اور دانیال اس بلندی پر کھڑے ہو کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔ پھر اس نے جیب سے رومال نکال کر اس کا ایک کونہ پکڑا اور اسے بلند کر دیا۔ اس طرح اس نے ہوا کا رخ دریافت کیا۔ اس کے چہرے پر ایک سنگین ٹھہراؤ نظر آ رہا تھا۔ یہاں سے اس نے وہ جگہ دیکھ لی تھی جہاں سے رت نظر آ رہا تھا۔

"کامیابی کے لئے دعا کرو ثمر......!" دانیال بولا اور ثمر کے ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ تب دانیال نے ہوا کے رخ پر اپنا چہرہ کیا اور مدہم لہجے میں بولا۔

"رت......رت......میں دانیال بول رہا ہوں۔ رت......رت......رت میں دانیال بول رہا ہوں۔ رت میری آواز سنو تو مجھے اس آواز کے رخ پر جواب دو!" دانیال خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے رخ بدل کر ثمر سے کہا۔

"آواز کی سائنس بہت انوکھی ہے۔ اس میں لاتعداد قوتیں پنہاں ہیں۔ موسیقی کا مدوجزر ایک طاقتور ارتعاش پیدا کرتا ہے اور ایک خاص ردھم توڑ پھوڑ کی صلاحیت رکھتی ہے جس طرح دھماکے کی قوت عمارتوں کو اڑا دیا کرتی ہے لیکن اس کے لئے ہوا کی لہریں معاون

ہوتی ہیں۔ ٹیلی فون وائرلیس آواز اور ہوا کی آمیزش سے عمل کرتے ہیں۔ اس آمیزش کے بے شمار عمل ہیں جن میں سے بہت سے دریافت کر لئے گئے ہیں بہت سوں پر تحقیق جاری ہے۔ بہت سوں کو ابھی روحانی درجہ حاصل ہے۔ میں نے آواز پر بہت کام کیا ہے اور مرحومہ عالیہ اس سلسلہ میں......ایک منٹ......اصولی طور پر یہ سفر مکمل ہو جانا چاہئے۔" دانیال نے پھر رخ بدلا اور صحیح سمت تلاش کر کے پھر بولا۔

"رت......رت......میں دانیال بول رہا ہوں۔ اس زاویے کو سمجھ کر مجھے جواب دو۔ رت......رت......میں دانیال بول رہا ہوں۔"

○

زندگی اور موت کا کھیل جاری تھا۔ اجنبی سیارے کی دشمن مخلوق اس کی موت کا تہیہ کر چکی ہے۔ فنے کی تاریخ میں ایک مشن اجنبی سیارے پر گیا تھا۔ چند لوگ زندہ واپس آئے اور انہوں نے موت کی کہانی سنائی۔ میری موت کی کہانی کوئی کسی کو نہ سنا سکے گا اور پھر میں تو دہری موت مر رہا ہوں۔ ایک طرف ثمر کی رپ مجھے بے کل کئے ہوئے ہے، تو دوسری طرف میرے یہ دشمن۔ میں کب تک مدافعت کروں گا۔ اش کا ذخیرہ بالآخر ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد اسے دوبارہ چارج کرنے کا کوئی نظام کہاں ہے میرے پاس۔ اب تو یہی بہتر ہے کہ خود کو ان کے حوالے کر دوں یا پھر ان میں گھس جاؤں۔ انہیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں نقصان پہنچاؤں اور آخر کار ان کے ہاتھوں فنا ہو جاؤں لیکن...... ثمر...... ثمر کیا سوچے گی۔ بعد میں وہ کہے گی یہ بہتر ہوا۔ وہ دشمن تھا......زمین کے لوگوں کا دشمن......

نہیں ثمر......میں تیرے نام پر ان کی دشمنی سے گریز کرتا ہوں۔ تجھے پتہ بھی نہ چلے گا کہ میں نے صرف تیرے لئے ہار مانی ہے۔ تو بہت اچھی ہے......تو......!" وہ رک گیا۔ ایک آواز اس کے کانوں میں ابھری تھی۔

"رت......رت......میں دانیال بول رہا ہوں۔ رت......رت......میری آواز سنو تو مجھے اسی آواز کے رخ پر جواب دو......!

اس کے پورے بدن سے سبز شعاعیں خارج ہونے لگیں۔ یہ حیرت اور سنسنی کا عمل تھا۔ دوسرے لمحے اس کا کاس بری طرح متحرک ہو گیا اس نے سنبھالا لیا اور اس زاویے کی تلاش کرنے لگا۔ پھر اس نے اپنی خاص حسیات سے کام لے کر اس زاویئے کو پرکھا اور پھر کہا۔

"میں سن رہا ہوں۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ میں رت ہوں۔" کچھ انتظار کے بعد اسے پھر

وہی آواز سنائی دی۔

"رت میں دانیال بول رہا ہوں۔ اس زاویے کو سمجھ کے مجھے جواب دو میں دانیال......"

"میں نے اس زاویے کو سمجھ لیا ہے۔ میں رت بول رہا ہوں۔" وقفے وقفے سے آوازیں سفر کرنے لگیں اور ان کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ ثمر کی آواز ابھری۔

"رت ہم تمہیں بچانے آئے ہیں۔ ہم تمہیں ان کے درمیان سے نکال لیں گے۔"

"یہ سب میرے دشمن ہو گئے ہیں۔ یہ مجھے فنا کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ ایسا نہ کر سکیں گے۔ تمہیں جو ہدایات دی جا رہیں ان پر عمل کرو۔"

"مجھے بتاؤ ثمر......!"

"کیا تمہارے قریب کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کی آڑ لے کر تم ان کی نگاہوں سے روپوش ہو جاؤ۔" ثمر کی آواز ابھری اور وہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"ہاں......یہاں مٹی کے بہت سے کوہان ابھرے ہوئے ہیں۔"

"اب اپنے بائیں سمت دیکھو۔ مٹی کے تین کوہان ابھرے ہوئے ہیں اس سمت۔ کسی ایک کوہان کے عقب میں جا کر اش ختم کرو اور ان تین کوہانوں کی آڑ میں ہو جاؤ۔ اس طرح کہ وہ دھوکے میں رہیں اور تمہیں وہیں موجود سمجھتے رہیں۔"

"اس کے لئے تو میں ایک اور ترکیب کر سکتا ہوں۔"

"کیا؟"

"اش کا ایک بادل ایک جگہ قائم کئے دیتا ہوں تاکہ وہ مجھے اس میں چھپا محسوس کریں اور میں یہ فاصلے طے کر لوں۔"

"آہ۔ اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو ایسا ہی کرو!"

"ان کوہانوں کے پاس پہنچ کر میں کیا کروں؟"

"آگے بڑھتے چلے آؤ۔ درختوں جھاڑیوں اور کوہانوں کے سہارے۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"میں ایسا ہی کرتا ہوں۔" اس نے کہا۔ پھر اس نے خود پر نگراں لوگوں کو دیکھا اور اپنی جگہ سے متحرک ہو گیا۔ اس نے اش کا ایک بادل قائم کیا اور خود اس کے درمیان سے نکل آیا۔ وہ کسی چھپکلی کی طرح رینگتا ہوا ایک ٹیلے کی آڑ میں پہنچا اور پھر وہیں سے ان تین کوہان نما ٹیلوں کی طرف رینگنے لگا۔ وہ نا سمجھ نہیں تھا اور صورت حال کو سمجھنے کے بعد اس پر پوری توجہ کے ساتھ عمل کر رہا تھا۔ ہوا کے زاویے تبدیل ہونے کے بعد اسے پھر کوئی

آواز نہیں سنائی دی تھی لیکن موصول شدہ ہدایت کے تحت وہ بالکل صحیح سمت جا رہا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر تک یہ عمل جاری رہا۔ پھر اسے ایک گاڑی نظر آئی جس کی چھت پر دو انسان کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان دونوں کو پہچان لیا...... اور ایک بار پھر اس کے بدن سے سبز شعاعیں خارج ہونے لگیں۔ وہ شمو...... اور دانیال تھے۔

دونوں نے اسے دیکھ لیا۔ ثمر بری طرح کانپنے لگی۔ وہ دوڑ کر ان کے قریب پہنچ گیا اور ثمر نے نیچے چھلانگ دی۔

دانیال بھی سنبھل کر نیچے اتر آیا اور اس نے کچھ کہے بغیر اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ ثمر نے عقبی دروازہ کھول کر اسے پیچھے بٹھایا اور خود باپ کے پاس بیٹھ گئی۔ دانیال نے برق رفتاری سے کار آگے بڑھا دی۔ کچھ دور پہنچ کر دانیال نے کہا۔

"اس سے کہو کہ پچھلی سیٹ پر لیٹ جائے تاکہ سوتے میں کوئی اسے دیکھنے نہ پائے"۔

"رت تم اس سیٹ پر دراز ہو جاؤ۔" ثمر نے کہا اور وہ اس کی بات سمجھ کر فوراً لیٹ گیا۔ اس کے بعد اس وقت تک کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی جب تک وہ کوٹھی نہ پہنچ گئے۔ ثمر نے اتر کر مین گیٹ کھولا اور دانیال کار لے کر اندر داخل ہو گیا اس نے ثمر کی دیوانہ وار خوشی کا اندازہ لگا لیا تھا۔"

"آؤ رت"۔ ثمر نے کہا اور وہ اندر داخل ہو گیا وہ اسے ایک اور کمرے میں لائے تھے۔

"وہ یہاں آ جائیں گے۔" وہ گھبرا کر بولا۔

"یہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

"تم تو میرے دشمن نہیں ہو........؟"

"نہیں رت.....ہم تو تمہارے لئے سخت پریشان تھے۔ نہ جانے کہاں کہاں تمہیں تلاش کرتے رہے ہیں۔" دانیال نے کہا۔

"سب میرے سخت دشمن ہو گئے ہیں۔ اس سیارے والوں کی طرح جنہوں نے مشن کے بیشمار لوگوں کو مار دیا تھا۔"

"ہم تمہارے دوست ہیں اور یہاں کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"میں جانتا تھا۔"

"مگر تم کہاں چلے گئے تھے۔ ہمیں بتائے بغیر کیوں چلے گئے تھے۔"

"آہ.....مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ بڑی غلطی ہو گئی تھی مجھ سے۔"

"ثمر اسے اپنی حالت بہتر بنانے کا موقع دو، جاؤ کھانے پینے کا انتظام کرو بعد میں باتیں کر لینا۔"

"کھانے کی میز پر وہ بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ انہیں کار چلاتے دیکھ کر خود بھی کار چلانا سیکھ گیا تھا اور اس صبح اس کے کاس نے کہا کہ ان دونوں کے بغیر کچھ دور جائے پھر واپس آ جائے۔ لیکن بہت دور جانے کے بعد.....میں تمہیں اس بارے میں سب کچھ بتا رہا ہوں۔" اس نے کہا اور انہیں ساتھ لئے ایک دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے اپنی کنپٹیوں کو دبایا اور آنکھیں دیوار پر مرکوز کر دیں۔ ثمر اور دانیال نے کچھ دھندلے خاکے دیکھے جو واضح ہونے لگے اور پھر اس وقت کے مناظر نظر آئے جب پروفیسر کی پرانی کار پٹرول ختم ہو جانے سے بند ہو گئی تھی اس کے بعد سے ایک تسلسل کے ساتھ بس کا ملنا، پروفیسر تنویر، پروفیسر نقوی، پھر نقوی کا گھر، ڈاکٹر کی ایکسرے مشین کی تباہی پولیس اسٹیشن، سپاہیوں کی موت، مستری امداد، خاور شاہ اور اس کے بعد کے تمام واقعات......پوری فلم چل گئی۔ اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی۔ ثمر نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"آہ........ تمہیں کتنی پریشانی ہوئی۔"

"یہ تصویریں دیوار پر کیسے منعکس ہوئیں......" دانیال نے اپنے مطلب کی بات پوچھی۔

"یہ میرے خیالات کا عکس ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ اس سیارے پر جو کچھ مجھ پر گزری ہے وہ اپنے سیارے پر اپنی تحقیق کے سلسلے میں پیش کروں گا۔"

"اس طرح تم اپنے خیالات کا رخ اپنے سیارے کی طرف پلٹ سکتے ہو۔ اور اپنے واقعات کی تصویر پیش کر سکتے ہو۔"

"ہاں.......میں یہ کر سکتا ہوں۔"

"مگر ابھی نہیں..........ہم تمہارا سیارہ ضرور دیکھیں گے۔ یہ خیال ہمارے دل میں پہلے نہیں آیا تھا۔ ثمر.......کیا خیال ہے۔"

"بے حد حیرتناک تصور ہے ڈیڈی۔"

"لیکن ابھی رت کو آرام کی ضرورت ہے۔ تم اسے اس کی آرام گاہ پہنچا دو۔ اسے مکمل آرام کرنے دو، تاکہ مشکل لمحات کی تھکن دور کر سکے۔"

"اوکے ڈیڈی" باپ کی ہدایت کے مطابق ثمر نے اسے اس کی خواب گاہ میں پہنچا دیا تھا۔ پلٹتے ہوئے اس نے اسے ہدایت کی کہ اب وہ اس عمارت سے باہر نہ نکلے۔ اور اگر باہر کا کوئی شخص اس عمارت میں آئے تو اس کے سامنے نہ آئے بلکہ پوشیدہ رہے۔ اسے دی

ہوئی ہدایت کے بارے میں اس نے باپ کو بتاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں ان امکانات کو مد نظر رکھنا چاہیے ڈیڈی کہ ممکن ہے پولیس کو اس کے بارے میں پتہ چل جائے۔"

"تم نے دور اندیشی کی ہے۔ میں خود بھی اس خیال سے پریشان ہوں۔ تم نے دیکھا اس نے کئی جگہ ہمارا نام لیا ہے اب میں سوچتا ہوں کہ ہمارا شہرت یافتہ نہ ہونا اس وقت ہمارے حق میں بہتر ہوا ہے شکر ہے پروفیسر نقوی کے علاوہ کسی کو بھی ہمارے ناموں کا علم نہیں ہے انہوں نے توجہ ہی نہ دی ہو گی۔" دانیال کسی خیال میں گم ہو گیا۔ "پروفیسر نقوی......" دانیال رخسار کھجانے لگا۔ پھر اس نے چند لمحات کے بعد کہا...... "نہ جانے کیوں مجھے اس کے نام کے ساتھ پروفیسر میڈلینو یاد آ جاتا ہے۔ مگر......وہ تنہا ہے اور اس تنہائی کے عالم میں زندگی کے بوجھ کو گھسیٹ رہا ہے۔"

"تو پھر ڈیڈی......؟"

"اور میں کسی اچھے انسان کی تلاش میں ہوں۔"

"یہاں لانے کے لئے؟"

"ہاں مجھے یقین ہے تم مجھ سے تعاون کرو گی۔ اور پھر وہ بے ضرر سا مظلوم آدمی ہے۔"

ثمر نے کچھ دیر سوچا پھر بولی۔

"اگر آپ ضروری سمجھتے ہیں ڈیڈی......اور یہ آپ کی خواہش ہے تو پھر ٹھیک ہے۔"

"تھینک یو ثمر......مجھے ایک ساتھی مل جائے گا۔ بعض اوقات سخت ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ میں اس شریف آدمی سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔"

"ایک خدشہ ہے ڈیڈی۔ اس کے ذریعے کہیں دنیا کو یہ پتہ نہ چل جائے کہ رت یہاں ہے۔ اس نے جو کچھ کیا ہے نادانستہ کیا ہے لیکن وہ اسے بہت سے انسانوں کا قاتل گردانتے ہیں۔"

"ہاں یہ خدشہ میرے ذہن میں ہے لیکن نقوی اگر یہاں آنے پر تیار ہو گیا تو پھر اس کی واپسی ممکن نہ ہو گی میں اس امکان کا جائزہ لے کر ہی اس سے بات کروں گا۔"

"او کے ڈیڈی۔"

"اپنے بستر پر آرام کرتے ہوئے طارق دانیال کے دل میں بہت سے خیالات تھے۔ بیٹی کا رت سے لگاؤ سب سے زیادہ مشکل تصور تھا۔ رت کے رجحان کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ ویسے وہ اپنے سیارے پر واپس جانا چاہتا تھا۔ اور یہ واپسی آسان نہیں تھی۔ کون جانے سینس ریز نشر ہوتے ہوئے کسی جسم کو واپس لے جانے کی صلاحیتیں پیدا کر پائیں یا نہ

کر پائیں اور وہ بھی ایک خاص ٹارگٹ پر۔ اگر وہ واپس گیا تو۔ کیا ثمر اسے برداشت کر سکے گی۔ بہت سی مشکل سوچوں نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔

دوسری صبح رت بالکل بہتر حالت میں تھا۔ "میں یہاں بہت خوش ہوں۔ وہ سب دشمن تھے۔ بس یہ ڈر ہے کہ وہ یہاں نہ آ جائیں۔"

"اگر کوئی یہاں آ جائے تو تمہیں چھپنا ہو گا۔"

"مجھے چھپنا نہیں آتا۔"

"ثمر تمہیں بتا دے گی۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" وہ معصومیت سے بولا۔

ثمر نے اسے چھپنے کی جگہ دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ نہایت محفوظ جگہ ہے۔ اور یہاں تم اس وقت آؤ گے جب باہر سے کوئی آئے۔"

"ثمر مجھے میرے سیارے پر پہنچا دو......!" اس نے کہا اور ثمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے اداسی سے کہا۔ "تم بہت جلد وہاں واپس جانا چاہتے ہو......؟"

"ہاں......یہاں کے بارے میں مجھے بہت کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ میرے سیارے والوں کو جب معلوم ہو گا کہ میں نے ارتھ کے بارے میں اتنا کچھ معلوم کر لیا ہے اور وہاں کے دشمنوں سے بچ کر نکل آیا ہوں تو لوٹنے پر میری بہت توقیر ہو گی اور مجھے بڑا عہدہ دیا جائے گا۔" اس کے لہجے میں خوشی ناچ رہی تھی۔ ثمر خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی......

"تم سے اس موضوع پر باتیں کرنی ہیں۔ آؤ کہیں بیٹھ کر باتیں کریں۔"

وہ ثمر کے ساتھ چل پڑا اور پھر دونوں ایک کمرے میں پہنچ کر بیٹھ گئے۔ ثمر نے کہا۔

"ہم تمہیں اپنی کارکردگی کی تفصیل بتا چکے ہیں۔ ہماری ایجاد کردہ "سینس ریز" ہوا میں خلائی اجسام کو اپنی گرفت میں لے کر ہم تک منتقل کر دیتی ہیں۔ یہ وہ قدرتی سینس ریز ہیں۔ جن کی نقل ہم نے تیار کی ہے اور جو خلاء میں مقناطیسی عمل کے تحت گردش کرتی رہتی ہیں، وہ زندہ شعاعیں ہیں اور ہم نے جو سینس ریز ایجاد کی ہیں ان کی ایک الگ حیثیت ہے، ہم خلائی اجسام ریسیو تو کر سکتے ہیں، زمین سے خلاء میں ابھی کسی چیز کو نشر کرنے کی صلاحیت ہم نہیں حاصل کر سکے۔ تم سمجھ رہے ہو نا۔ تمہاری یہاں تک آمد ہمارے یکطرفہ عمل کی رہین منت ہے، لیکن تمہاری واپسی کے لئے ہمیں اپنی سینس ریز میں کچھ تبدیلیاں کرنا پڑیں گی۔ میں نے اس فارمولے پر کام شروع کر دیا ہے اور بہت پر امید ہوں کہ ہم زمین سے خلاء میں اشیاء نشر کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے

ساتھ ہمیں یہ عمل بھی کرنا پڑے گا کہ ہم یہ اشیاء کسی خاص ٹارگٹ پر پہنچا سکیں۔ حالانکہ یہ نہایت مشکل کام ہے۔ دنیا بھر کے سائنس دان خلائی تحقیق میں کمال حاصل کر رہے ہیں لیکن ابھی تک ہمیں ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی، جس سے یہ پتہ چل سکے کہ انسانوں کو یا خاص اجسام کو کسی ذریعے سے راکٹ یا دوسرے ذرائع کے بغیر خلاء میں کسی خاص ٹارگٹ تک پہنچایا جا سکے۔ اگر ایسا ممکن ہو جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ خلائی لیبارٹریوں کو براہ راست کمک حاصل ہو جائے لیکن شاید یہ کام بھی سب سے پہلے ہم ہی کریں گے میرے دل میں یہ آرزو ہے رت کہ میں تمہاری خوشی کے لئے ہر کام کروں، پہلے یہ تصور ذرا مختلف شکل میں تھا۔ لیکن اب تمہاری خواہش پر ہم اپنے کام کی رفتار تیز کر دیں گے۔"

"رت نے اسے دیکھا، دیکھتا رہا اور پھر اس کے سینے کے پاس سے ایک کاسنی روشنی ابھرنے لگی، جو ایسی تھی کہ ثمر اسے دیکھ سکے۔ اس نے چونک کر اس کاسنی روشنی کی جانب دیکھا اور پھر سوالیہ نگاہوں سے رت کی طرف...... رت نے نجانے کیوں اس کاسنی روشنی پر ہاتھ رکھ لیا تھا اور اس کے چہرے پر عجیب تاثرات نمودار ہو گئے تھے۔

"شاید تم اس روشنی کو مجھ سے چھپانا چاہتے ہو جو بات تم بتانا پسند نہیں کرو گے، ہم اس کے بارے میں کبھی تم سے کوئی سوال نہیں کریں گے۔" اور رت کے جسم سے ہلکی ہلکی سبز شعاعیں خارج ہونے لگیں۔ ثمر نے ان شعاعوں کو بھی عجیب سے انداز میں دیکھا تھا۔ پھر وہ ہنس پڑی اور رت نے اسے دیکھتے ہوئے کہا...... "بہت سی سوچیں تمہارے ذہن میں گردش کر رہی ہیں اور میں ان سے آگہی میں ناکام ہوں......"

"نہیں میں یہ سوچ رہی تھی کہ خلاء کے رہنے والے نجانے کون کون سی رنگین شعاعوں کا مرکب ہیں، یہ دونوں روشنیاں میری سمجھ سے باہر ہیں، ویسے "اش" نے تمہیں درحقیقت بڑی مدد دی۔ ورنہ......" ثمر کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔ وہ بدستور ثمر کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا......

"ہاں یہ میرے لئے الجھن کی بات ہے کی زمین کی مخلوق کو ان شعاعوں کی زبان نہیں آتی اور جو کچھ زبان سے ادا نہیں کیا جا سکتا وہ ان شعاعوں کی مدد سے سمجھ لیا جاتا تھا...... لیکن...... لیکن؟"

"میں تمہیں کوئی بات بتانے کے لئے مجبور نہیں کروں گی لیکن جس طرح تم زمین کی تحقیق کو اپنے لئے بے حد خوشگوار محسوس کرتے ہو اور اسے اپنے ذہن پر منقش کر کے خلاء میں اپنے سیارے پر اس کے بارے میں بتانا چاہتے ہو اسی طرح ہم دونوں نے، میری مراد طارق دانیال اور مجھ سے ہے، ہمیشہ خلاء کی تحقیق کو اپنے لئے خوشی کا باعث سمجھا ہے اور ہر

نئی بات ہمارے لئے بے حد دلچسپ ہوتی ہے۔" وہ آہستہ سے بولا......

"ثمر میں یہاں سے چلا گیا تھا میرا خیال تھا کہ میں تھوڑا وقت تمہاری دنیا کے انسانوں کو دیکھ کر گزارنے کے بعد واپس تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ لیکن جب مجھے واپسی کے راستے نہ ملے اور میں اجنبی سیارے کی مخلوق کے درمیان زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تو اچانک ہی یہ کاسنی روشنی میرے سینے سے نمودار ہوئی۔ مجھے معاف کرنا ثمر اب میں تمہیں یہ سب کچھ بتانے کے لئے مجبور ہوں...... یہ روشنی "رپ" کہلاتی ہے اور "رپ" اس وقت سینے میں بیدار ہوتی ہے جب کوئی کسی سے محبت کرنے لگے۔ ثمر میں نے تمہیں یاد کیا اور مجھے احساس ہوا کہ تم میرے "کاس" میں اتر گئی ہو اور غیر متوقع طور پر سینے سے نمودار ہو جانے والی اس کاسنی روشنی نے مجھے احساس دلا دیا کہ شاید تمہارے بغیر گزرنے والی زندگی میرے لئے بے مقصد ہو جائے۔"

ثمر کا مرجھایا ہوا چہرہ کھل اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں زندگی جاگ گئی اور وہ سحر زدہ سے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ تب اس نے سینے پر سے ہاتھ ہٹا لیا اور کاسنی روشنی کی شعاعیں آگے بڑھنے لگیں۔ انہوں نے ثمر کے گرد ہالہ بنا لیا اور ثمر اس حیرتناک منظر سے عجیب سے احساسات کا شکار ہو گئی۔ روشنی کا ہالہ اس کے جسم کو گدگدا رہا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی زبان کھول دے۔ شاید ان شعاعوں میں ایسی ہی کوئی تاثیر تھی۔ یہ محبوب کی زبان کھلوا دیتی تھیں اور محبت کرنے والے کو یہ علم ہو جاتا تھا کہ جس کا پیار اس کے دل میں پیدا ہوا ہے خود اس کے اپنے دل کی کیا کیفیت ہے۔ تب ثمر نے آہستہ سے کہا......

"مگر تم تو جا رہے ہو۔ تمہیں میرے پاس رہنے سے زیادہ اس بات کی خوشی ہے کہ تم اپنے سیارے پر واپس پہنچ جاؤ گے اور جب تم وہاں زمین کے بارے میں اپنی تحقیق کا اظہار کرو گے تو تمہیں عہدہ دیا جائے گا......" اور شاید "رت" کو ان شعاعوں کے ذریعے جواب مل گیا اس نے محبت بھری نگاہوں سے ثمر کو دیکھتے ہوئے کہا......

"اور تم نے یہ کیوں سمجھا ثمر کہ میں تنہا یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ ہاں میں یہاں سے تنہا ہی جاؤں گا۔ اپنے سیارے پر پہنچوں گا اور اس کے بعد جب میں وہاں کے لوگوں کو تمہارے بارے میں ساری تفصیل بتا دوں گا اور کوئی عہدہ حاصل کر لوں گا تو پھر میری واپسی تمہارے پاس ہو گی اور اس لئے ہو گی کہ میں تمہارے لئے وہاں جگہ بنا کر آؤں گا۔ اگر میں تمہیں براہ راست وہاں لے جاؤں گا تو مجھے اس خوف کا سامنا کرنا پڑے گا کہ کہیں میرے سیارے کے لوگ تمہیں اجنبی نہ سمجھیں حالانکہ ہم ایسے نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں کسی بھی تحقیق کو اولیت دی جاتی ہے اور ہم اپنی تحقیق کو پاش پاش کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ اسے

اپنے درمیان رکھ کر اس پر تجربات کرنا چاہتے ہیں۔"

ثمر نہال ہو گئی' اس نے کہا....... "اور جب تم یہاں سے چلے گئے تھے تو مجھے عجیب سا احساس ہوا' دنیا کے رہنے والوں سے مجھے کوئی رغبت نہیں ہے.............. وجہ یہ نہیں ہے کہ میں انہیں اپنا نہیں مانتی' بلکہ ابتداء ہی سے میں دنیا کے رہنے والوں سے دور رہی ہوں۔ اور میری تمام تر دلچسپیاں خلا سے رہی ہیں۔ میری آرزو رہی ہے رت کہ میں زمین سے خلاء میں چلی جاؤں۔ اگر کوئی سیارہ دریافت ہو سکے اور مجھے وہاں پاؤں جمانے کی جگہ مل سکے تو میری زندگی کی سب سے بڑی خوش بختی ہو گی اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہوا تو میں خلاء میں تیرنے والے ان لاتعداد اجسام کی طرح خلاء کی زندگی کو اپنانا چاہتی ہوں۔ زندہ یا مردہ کسی بھی شکل میں...... ہمارے ہاں سچی خوشی کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ میں روحانی طور پر خلاء پسند ہوں۔ اور اگر خلاء میں رہ کر میں جی سکوں تو میری روح سکون محسوس کرے گی۔"

وہ محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"یوں تو میری تمام مشکلیں حل ہو جائیں گی میں "نف" پر جا کر تمہارے لئے جگہ کا تعین کروں گا اور اس کے بعد......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا

ثمر کو اس کی زندگی کا حاصل مل گیا تھا اس کی تمام اداسی دور ہو گئی اور اس کے بعد اس نے پوری توجہ اور محنت کے ساتھ اپنی لیبارٹری میں کام شروع کر دیا۔ طارق دانیال اس کے ہمراہ تھا اور دونوں باپ بیٹی بڑی تندہی سے اپنے تجربات میں مصروف ہو گئے۔ رت ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ معمولات چند روز تک بالکل مناسب رہے اور کوئی ایسی بات نہ ہوئی' جو قابل ذکر ہوتی لیکن طارق دانیال اپنے طور پر بہت سی سوچوں میں گرفتار تھا۔ دنیا کے بارے میں جتنا وہ جانتا تھا' ثمر نہیں جانتی تھی اسے خدشہ تھا کہ اتنے افراد ہلاک ہونے کے بعد انتظامیہ کے لوگ خاموش نہ بیٹھے ہوں گے تحقیق جاری ہو گی اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں شکار ہو جائیں اور کسی نہ کسی طرح پولیس یہاں تک پہنچ جائے اور رت کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں۔ ظاہر ہے طارق دانیال براہ راست اس جرم میں ملوث قرار دیا جا سکتا تھا اس لئے وہ شہر جانا چاہتا تھا۔ طارق دانیال نے کہا.......

"ثمر ہم نے جس طرح کام کا آغاز کیا ہے' میرا خیال ہے تمہاری بے پناہ توجہ اور یہ کاوشیں جو تم کر رہی ہو' بہت جلد ہمیں ہماری کوششوں میں کامیابی دلا دیں گی۔ "رت" یہاں موجود ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کی بہتر حفاظت کر سکتی ہو۔ کیوں کہ وہ اس ماحول سے ناواقف ہے اس کے علاوہ تعاون کرنے والوں میں سے ہے' تو یہاں بظاہر تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ میں کچھ وقت کے لئے شہر جانا چاہتا ہوں......

"آپ اگر ضروری سمجھتے ہیں ڈیڈی تو چلے جائیے میں یہاں اپنے کام میں مصروف ہوں..... اور کیا آپ پروفیسر نقوی کو اپنے ساتھ لے کر آئیں گے......!"

"تم سے اس موضوع پر پہلے بھی بات ہو چکی ہے اور تم نے اس سلسلے میں اپنی منظوری دے دی ہے مجھے......"

"ہاں ڈیڈی آپ اسے یہاں لا سکتے ہیں اور یقیناً" آپ کا تجربہ مجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ یہاں کے لئے بے ضرر ثابت ہو گا۔" ثمر نے کہا اور طارق دانیال نے گردن ہلا دی۔ ثمر کے دل میں کچھ اور ہی تصور تھا اور اس تصور کو وہ اپنے باپ سے ازحد بے تکلف ہونے کے باوجود زبان پر نہیں لا سکتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ اگر اسے "نف" پر جانے کا موقع مل گیا تو کم از کم طارق دانیال کے ساتھ اس کا ایک دوست تو ہو گا اور وہ تنہائی محسوس نہ کرے گا۔

"طارق دانیال نے تیاریاں کیں اور اس کے بعد وہ ان لوگوں سے رخصت ہو کر شہر چل پڑا...... ثمر اور رت نے اسے اطمینان دلایا کہ یہاں وہ دل جمعی کے ساتھ کام کریں گے اور اس کی واپسی کا انتظار...... ثمر بہت مسرور تھی' رت کے ساتھ تنہائی میں وہ عجیب و غریب احساسات کا شکار ہو گئی تھی بہت پہلے طارق دانیال نے اس سے کہا تھا کہ زندگی گزارنے کے جو طریقے اس دنیا میں رائج ہیں وہ ان سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ لاکھ سائنسی زندگی گزاری ہے اس نے' لیکن اس کے باوجود عالیہ دانیال اس کی زندگی میں جو مقام رکھتی تھی اس مقام کو وہ موت کے آخری لمحے تک نہیں بھول سکے گا۔ اسی طرح ثمر کے لئے بھی اس کے دل میں یہی خیال ہے کہ ثمر دنیا والوں کی طرح زندگی گزارے اور یہ الفاظ ثمر کے لئے بڑی بے چینی کا باعث تھے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دنیا میں رہنے والوں سے اس کے اتنے فاصلے ہیں کہ وہ ان کے قرب میں گھٹن محسوس کرے گی۔ لیکن خلاء کا ایک انسان اس کی زندگی میں شامل ہو گیا تھا اور اب ثمر کی آنکھوں میں نئے خواب جاگ اٹھے تھے اور اس نے دل میں یہ سوچا تھا کہ کچھ بھی سہی طارق دانیال غلط نہیں کہتا تھا۔ اپنی لیبارٹری میں "رت" کے ساتھ بڑی تندہی سے کام کرتے ہوئے جب کبھی اس کے ذہن میں خلاء کا تصور آ جاتا اور نف کے بارے میں سوچتی تو اس کے اعصاب کشیدہ ہونے لگتے تھے۔ نف میں گزارنے والی زندگی اس کے لئے کائنات کی سب سے بڑی خوشی تھی اور اس نے رت سے سوال کر ہی ڈالا۔

"تم نے کہا تھا کہ ہمیں اپنے ذہن میں موجود ذخیرہ کے مطابق نف سے روشناس کرا دو گے تو کیا تم ایسا کرنے سے گریز کر رہے ہو......؟"

"رت نے اس کی بات سمجھ کر کہا.... "ثمر اب میرے اور تمہارے درمیان گریز کا کوئی

پہلو باقی نہیں رہا ہاں۔ لیکن اتنا عمل ضروری ہے کہ مجھ سے اپنے "کاس" کی بات کہو اور وہ بات میری سمجھ میں آ جائے تو میں اس پر عمل کروں...... بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں "فے" سے روشناس نہ کراؤں۔"

"تو گویا تم مجھے فے کی صورت دکھاؤ گے......"

"ہاں ابھی اور اسی وقت" اور پھر سفید دیوار پر رت کی نگاہوں نے جو مناظر پیش کیے وہ ثمر کے لئے اس کائنات کا حاصل تھے۔ ایک عجیب و غریب دنیا اس کی نگاہوں کے سامنے بکھر گئی۔ خوب صورت پہاڑی ٹیلے، عجیب و غریب رنگ کے باغات، درخت جن کا تصور بھی اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک انوکھی زندگی اور لوگ "رت" جیسے ان میں اور رت میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا کاروباری زندگی نہایت سست رفتار، عجیب و غریب چیزیں جنہیں صرف تصور کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ تب رت نے کہا......

"یہ "ان" ہے اور ایک عمر رسیدہ عورت نگاہوں کے سامنے آ گئی۔ ایک مخصوص لباس میں ملبوس، بالکل کسی روبوٹ کی مانند حرکت کرتی ہوئی، خاموش اور بے تاثر چہرہ...... رت نے مضمحل لہجے میں کہا۔

"اور میں اپنے تصور میں بھی اسے اداس دیکھتا ہوں، دیکھو یہ میرا "ہپا" ہے"...... تب ایک معمر شخص کا چہرہ دیوار پر نمودار ہوا...... رت ہی کی مانند خدو خال تھے بس عمر ذرا آگے بڑھ چکی تھی۔ پھر اس نے اپنے "سا" کو دکھایا، جس کا نام "رک" تھا دونوں بہنیں جنہیں وہ "سی" کہتا تھا۔ "فان" اور "شیا" تھیں، انتہائی خوبصورت اور دنیا والوں کے لئے درحقیقت ایک عجوبہ۔ ایک گھر بھی نگاہوں کے سامنے آیا جس کا طرز زندگی دنیا کے طرز زندگی سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ رت اسے اپنے سیارے کی سیر کراتا رہا اور ثمر پر سحر طاری رہا جب یہ تصویریں دیوار سے غائب ہو گئیں تب بھی ثمر چشم تصور سے دیوار پر وہی تمام چیزیں دیکھتی رہی تھی، اور اس پر ایک سکتے کا سا عالم طاری تھا۔ رت نے اسے مخاطب کیا اور کہا۔

"اب دیوار پر کچھ بھی نہیں......" ثمر چونکی اور اس نے خواب زدہ لہجے میں کہا۔

"اف...... کتنا پر سکون سیارہ ہے یہ، دنیا کے شہروں سے کتنا مختلف، یہاں جو ہنگامہ آرائی ہے وہاں اس کا کوئی نشان بھی نہیں ہے۔"

"ہاں ہر جگہ دوسری جگہ سے مختلف ہوتی ہے یہاں اس دنیا میں بہت دلکشی محسوس ہوتی ہے لوگ اتنے تیز رفتار ہیں اور اس طرح اپنے اپنے کاموں کے لئے دوڑتے ہیں کہ مجھے بڑے اجنبی لگتے ہیں۔ کاش یہ دشمنوں کا سیارہ نہ ہوتا اور ہم "فے" کے اور اس کے درمیان ایک ایسا رابطہ قائم کر لیتے جس سے یہاں اور وہاں کے لوگ گھل مل جاتے۔" ثمر

ب ہوش و حواس میں آ گئی تھی وہ ایک دم ہنس پڑی اور رت کی سوالیہ نگاہوں کے جواب می اس نے کہا......

"دنیا کے رہنے والوں کے بارے میں، دنیا والوں ہی کا خیال ہے کہ یہ جہاں بھی جائیں وہاں انتشار برپا کر دیں۔" رت مسکرانے لگا تھا۔

○

طارق دانیال شہر چل پڑا۔ ایسا بہت کم ہی ہوا کہ کہیں آتے جاتے ثمر اس کے ساتھ نہ ہو...... وہ زیادہ تر ساتھ ہی نکلا کرتے تھے۔ تنہا کار ڈرائیو کرتے ہوئے طارق دانیال کے ذہن می ایک عجیب سی اداسی رچ گئی تھی اب اسے یہ احساس شدت سے ہونے لگا تھا کہ فطرت سے منحرف ہو کر اس نے زندگی کے بہت سے خوشگوار لمحات ضائع کر دیئے ہیں۔ کیا حاصل ہوا ہے اسے؟ اپنی زندگی میں ایک ماہر فلکیات ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی ذات کے خول می ہی بند رہا۔ دنیا کو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم...... پروفیسر میڈلینو نے درحقیقت اس کے لئے زندگی کے راستے بند کر دیئے تھے۔ اب پتہ نہیں اس کا نقطۂ نظر کیا تھا۔ طویل ترین رفاقت کے دوران کوئی ایسی بات ظاہر تو نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ وہ زندگی کو خیرباد کہہ گیا۔ اگر وہ نیک نفس بھی تھا تو اس کا مشورہ غلط تھا۔ دنیا کے رہنے والے دنیا سے اس قدر بے گانہ نہیں ہو جاتے۔ یہ تو ترک دنیا ہے جو کسی بھی طور پر باعمل انسان کے لئے مناسب نہیں۔ لیکن گزرا وقت کبھی ہاتھ نہیں آتا۔ جو کھو گیا تھا اس کی واپسی ناممکن تھی اور جو کھو رہا تھا اسے روکنا بھی اسی طرح ناممکن...... وہ ثمر کا رجحان اچھی طرح سمجھ چکا تھا اپنے ساتھ ساتھ ایک اور نوخیز زندگی کو تباہی کے راستے پر لا چکا تھا۔ اس احساس سے ہی دل کٹتا تھا اور عقل تسلیم نہیں کرتی تھی کہ ثمر اپنی صنف اور اپنی جنس کے ہر فرد سے منحرف ہو کر سیاروں پر آباد ہونے کا فیصلہ کرے گی، ابھی تو دنیا صرف اس تصور میں جی رہی ہے کہ کبھی دنیا والوں کو چاند اور دوسرے سیاروں پر آباد ہونے کا موقع ملے گا ابھی تو یہ قصے کہانیوں ہی کی باتیں ہیں...... لیکن ثمر جس برق رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہی ہے اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اب وہ طارق دانیال سے تعاون نہیں کرے گی اور طارق اسے کھونا نہیں چاہتا تھا...... ابتداء ہی سے اگر اس کا تعلق دنیا والوں سے رکھا جاتا تو شاید یہ وقت دیکھنا نہ پڑتا۔ اسے پورا پورا احساس تھا کہ بنیادی غلطی خود اسی سے ہوئی ہے، اس کا مرک اور کوئی نہیں ہے۔ بیٹی سے ہاتھ دھونے کے بعد جینا کس طرح ممکن ہو گا سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ساری کائنات ہی لٹ رہی تھی۔ دنیا میں رہ کر اگر بیٹی کو زندگی کے وہ تمام سکھ

دیئے جاتے جو انسانی فطرت کا حصہ ہیں تو کوئی دکھ نہ ہوتا...... والدین بیٹیوں کو رخصت کیا ہی کرتے ہیں...... لیکن ایسا تو نہیں ہوتا کہ پھر انہیں دیکھنا ہی ممکن نہ ہو' کیا عجیب بات ہے' ایک ایسی داستان جس کا داستان گو خود اسے لکھتے ہوئے اس پر یقین نہ کرے...... لیکن یہ ہو رہا تھا اور اس کی تکمیل بھی زیادہ دور نہ تھی کہیں نہ کہیں سے کوئی نہ کوئی ذریعہ ایسا نکل ہی آئے گا کہ بالآخر.........

شہر تک کا فاصلہ انہی خیالوں میں طے ہوا تھا اور ان خیالوں نے اسے کافی مضمحل کر دیا تھا...... ادھر تشویش کا دوسرا حصہ اپنی جگہ الگ استحکام رکھتا تھا...... اپنے مخصوص ہوٹل پہنچنے کے بعد اس نے ہوٹل میں کمرہ حاصل کیا اور اس میں فروکش ہو گیا۔ سفر کی تھکان دور کرنے کے لئے غسل کیا اور کافی منگوالی۔ پروفیسر نقوی کا خیال دل میں تھا۔ نجانے کیوں نقوی سے اسے اس ملاقات میں اتنی ہمدردی اور رغبت ہو گئی تھی کہ اس نے نقوی کو اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور پھر حیران کن طور پر ثمر بھی اس کے لئے تیار ہو گئی تھی۔ ایک عمر رسیدہ اور تجربے کار شخص اگر قریب آ جائے گا تو فیصلے کرنے میں آسانی ہو گی۔ کم از کم اس سے مشورہ تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ابھی یہ صرف ایک تصور تھا۔ کیا ضروری ہے کہ نقوی اس کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ کوشش کرنا ہی ممکن تھا' یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کافی لانے والے ویٹر کو اس نے ایک معقول ٹپ دیا اور اس کے بعد الگ سے کچھ رقم دیتے ہوئے کہا......

"دوست تمہیں تکلیف تو ہو گی یہ پیسے لو اور جس طرح بھی بن پڑے' مجھے پچھلے ایک ہفتے کے اخبارات مہیا کرو' جہاں سے بھی اور جس طرح ممکن ہو۔ اگر مزید انعام چاہو گے تو مزید دوں گا.........."

"ویٹر نے ادب سے کہا...... "جناب عالی میں پوری پوری کوشش کروں گا...... ہوٹل کے سامنے ایک بک اسٹال موجود ہے بس وہاں جاتا ہوں۔ وہاں سے کام بن گیا تو ٹھیک ہے ورنہ بک اسٹال والے ہی سے کہوں گا کہ وہ پرانے اخبارات مہیا کرے۔ ہم دگنی قیمت پر خرید لیں گے۔"

"بالکل بالکل بلکہ یہ پیسے اور رکھو......... اگر اخبار مہیا کرنے کے سلسلے میں وہ زیادہ پیسے طلب کرے تو اس کی بات مان لینا......"

"جی آپ بالکل فکر نہ کریں"۔ ویٹر نے مزید رقم لے کر کہا اور اس کے بعد باہر نکل گیا۔

کوئی ایک گھنٹے بعد اس نے طارق دانیال کے مطلوبہ اخبارات لا کر اس کے سامنے رکھ دیئے اور طارق دنیا جہان کو بھول کر اخباروں کا تاریخ وار جائزہ لینے لگا۔ جس دن رت کو اس نے حاصل کیا تھا اور اسے لے کر چلا گیا تھا اس کے دوسرے دن کے اخبارات پوری توجہ کے باعث تھے اور ان میں وہ سب کچھ موجود تھا جس کی اسے تلاش تھی۔ ایک اخبار نے سنسنی خیز سرخی لگائی تھی۔

"خلائی مخلوق کا زمین پر حملہ' بے شمار افراد کی ہلاکت......" اس اخبار میں گزرے ہوئے واقعات کی تمام تفصیلات موجود تھیں اور اس کے بعد خلائی مخلوق کا اچانک غائب ہو جانا جس پر بڑی تشویش کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور کہا گیا تھا کہ وہ دوبارہ کسی بھی جگہ نمودار ہو کر ہلاکت خیزی کر سکتی ہے...... پھر دوسرے تیسرے اور چوتھے دن کے اخبارات میں بھی بہت سی تفصیلات تھیں۔ اور کچھ ایسے خیالات تھے "جو طارق دانیال کے لئے نہایت پریشانی کا باعث بن گئے تھے مثلاً" کہا گیا تھا کہ خلائی مخلوق کو کہیں نہ کہیں سے زمینی تعاون حاصل ہے اور زمینی سائنس دان کسی نہ کسی طور اس سے متعلق رہے ہیں اس سلسلے میں بین الاقوامی پیمانے پر تحقیق کی دعوت دی گئی تھی اور کئی مشن یہاں پہنچنے والے تھے جو خلائی مخلوق کی تلاش کے علاوہ اس کی ہلاکت خیزی پر ریسرچ بھی کریں گے۔ خلائی مخلوق کی تلاش جاری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی کچھ ایسے پراسرار لوگوں کی تلاش بھی شروع کر دی گئی ہے جو کسی نہ کسی شکل میں اس کے معاون رہے ہیں۔

طارق دانیال یہ تمام اخبارات پڑھتا رہا اور اس کی پریشانی میں کافی اضافہ ہو گیا اسے خوف محسوس ہوا کہ کہیں آنے والا وقت اسے اور اس کی بیٹی کو کسی شدید عذاب کا شکار نہ کر دے۔ اس کے بعد اس نے اخبارات رکھ دیئے۔ اب ذرا یہ بھی غور کرنا تھا کہ پروفیسر نقوی کو اعتماد میں لیا جائے یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نقوی اس کے مزاج سے بالکل مختلف نکلے اور اس خیال کا شکار ہو جائے کہ طریقہ کار کچھ بھی ہو لیکن بہر حال رت کو دانیال کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ اس سلسلے میں کافی غور کرنا پڑا تھا اور بالآخر طارق دانیال اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس وقت حالات ایسے نہیں ہیں کہ کسی اجنبی شخص کو جس کے بارے میں مکمل طور سے معلومات بھی حاصل نہیں راز دار بنایا جا سکے۔ تاہم شہر آیا ہے اگر نقوی سے ملاقات کر لی جائے تو حرج نہیں۔ وہ اس سلسلے میں راز دار تھا اس کے خیالات کا پتہ بھی چلنا چاہئے تھا۔ ممکن ہے کہ کسی مرحلے پر وہی ان دونوں کی نشاندہی کر دے۔ حالانکہ طارق نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بارے میں نقوی سے رابطہ رکھیں گے لیکن حالات جس طرح پیش آئے تھے اس کی وجہ سے نقوی سے کوئی بات نہیں ہو سکی تھی۔ لیکن نقوی کے

فلیٹ تک کا راستہ طے کرتے ہوئے دانیال نے یہ فیصلہ ضرور کر لیا تھا کہ وہ اسے اس کی بازیابی کے بارے میں نہیں بتائے گا۔

پروفیسر نقوی اپنے فلیٹ پر موجود تھا۔ اس وقت ایک اور شخص بھی اس کے پاس تھا۔ نقوی دانیال کو دیکھ کر چونک پڑا۔ پھر اس نے دانیال کو ایک غیر محسوس اشارہ کیا جسے دانیال اس وقت نہیں سمجھ سکا تھا لیکن جب نقوی نے اس شخص کا تعارف کرایا تو دانیال کی سمجھ میں سب کچھ آگیا۔

"یہ...... دماغی امراض کے بہت بڑے ماہر کفیل احمد ہیں...... میرے محسن ہیں۔ اگر یہ مجھے پولیس کے چنگل سے نہ چھڑاتے تو نہ جانے پولیس میرے ساتھ کیا سلوک کرتی۔" پروفیسر نقوی نے گہرا طنز کرتے ہوئے کہا۔ اور سرجن کفیل کا چہرہ اتر گیا۔ اس نے دانیال کو ہیلو کیا اور پھر اٹھ کر بولا۔ "اوکے نقوی مجھے اجازت دو۔"

"خدا حافظ......" نقوی نے بے رخی سے کہا اور ڈاکٹر کفیل سلام کر کے باہر نکل گیا۔ نقوی نے دانیال سے کہا...... "بہت دیر کی مہرباں آتے آتے...... میری ہر صبح و شام آپ کے انتظار میں گزر رہی تھی۔ سب سے پہلے مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"بس پروفیسر...... میری معلومات بھی اخبارات کی خبروں تک محدود ہیں۔"

"تو...... گویا وہ آپ کو نہیں مل سکا۔"

"نہیں......" دانیال کو اپنے اس جھوٹ پر افسوس تھا۔ لیکن ...... وہ اپنی سادگی کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"ختم ہو جائے گا...... بالآخر ختم ہو جائے گا...... کچھ اور تباہ کاری پھیلائے گا اپنی سادگی کے ہاتھوں...... ایک بے گناہ بہت سے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گا اور پھر کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ کیسی عجیب بات ہے دانیال...... ہم اسے اس خیال کے تحت انسان بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس کا تعلق اس زمین سے نہیں ہے۔ ہم اسے مشت خاک بھی نہیں کہہ سکتے، نہ ناری کہہ سکتے ہیں...... لیکن ہمارے دلوں میں اس کے لئے محبت ہے ہم اس کے لئے کڑھ رہے ہیں۔"

"ہاں پروفیسر......"

"یہ کیسی محبت ہے...... اس کے تار کہاں سے ملتے ہیں۔"

"آسان سی بات ہے پروفیسر...... یہ محبت ہماری فطرت میں ہے۔ ہم پھولوں اور پودوں سے بھی تو پیار کرتے ہیں اور ان کی رکھوالی کرتے ہیں ہمیں اپنے گھر کی دیواروں سے بھی تو پیار ہوتا ہے۔ ہم بہت سی چیزوں کو چاہتے ہیں جن سے بظاہر ہمارا کوئی تعلق نہیں

ہوتا۔"

"ہاں...... یہ ٹھیک ہے۔ یہ محبت ہماری فطرت کا حصہ ہے ویسے مسٹر دانیال آپکی سائنس اس کے بارے میں کیا کہتی ہے ہم اس زمین پر زندگی کے تصور کو آگ اور مٹی کی تخلیق کہتے ہیں کیا سائنسی تحقیق یہ بتا سکی ہے کہ سیاروں پر جو زندگی تصور کی گئی ہے اس کے نمود کا عنصر کیا ہے؟"

دانیال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ "آپ استاد ہیں پروفیسر نقوی، ہم اس رہنمائی کی توقع آپ سے رکھتے ہیں۔ آپ الٹا مجھ سے یہ سوال کر رہے ہیں۔ سائنس نے اس بارے میں ابھی تک کوئی ٹھوس نظریہ نہیں پیش کیا لیکن ہمارے مذہب نے ہر عقیدے کی توجیہہ کر دی ہے۔ تحقیق سے کائنات کی وسعتیں چھوٹے سے سیارے زمین کی گرفت میں کہاں آ سکتی ہیں اور خالق نے بہت سے راز ہائے سربستہ اپنی تحویل میں رکھے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ان کا پوشیدہ رہنا ہماری بقاء ہے۔ اس کے باوجود کہا گیا ہے کہ کائنات تمہارے لئے مسخر کر دی گئی۔ جتنی دور جا سکتے ہو چلے جاؤ علم کے راستے کھلے ہیں۔"

پروفیسر نقوی سے کافی دیر ملاقات رہی۔ پھر دانیال اس سے رخصت ہو گیا۔ اس نے آخر تک اپنا فیصلہ برقرار رکھا تھا کہ جذبات سے کام نہ لیتے ہوئے وہ رت کی بازیابی کو پوشیدہ رکھے۔ اپنی رصد گاہ تک کے فاصلے طے کرتے ہوئے اس کا ذہن لاتعداد خیالات میں الجھا رہا تھا۔ حمارت کی ایک سادہ سی غلطی نے بے شمار مسئلے کھڑے کر دیئے تھے۔ اور مستقبل میں بہت سی پریشانیاں لاحق ہو سکتی تھیں۔ لیکن جب وہ رصد گاہ کے سامنے پہنچا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا کار کی رفتار یکدم مدہم پڑ گئی۔ اعصاب کشیدہ ہو گئے جس مشکل کو اس نے مستقبل کی مشکل سمجھا تھا وہ دور نہ تھی پولیس رصد گاہ تک پہنچ گئی تھی۔ اور سامنے دو پولیس جیپیں کھڑی نظر آ رہی تھیں۔

نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کار سست رفتاری سے آگے بڑھتی ہوئی کوٹھی کے نزدیک پہنچ گئی۔ پولیس گاڑی کے قریب اس نے ڈی ایس پی کے لباس میں ایک شخص کو دیکھا اور یہ چہرہ اسے جانا پہچانا لگا۔ لیکن فوراً ہی یاد نہیں آ سکا کہ اس نے اس شخص کو کہاں دیکھا تھا البتہ ڈی ایس پی کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

دانیال کا دل بیٹھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں

"ہیلو مسٹر دانیال آپ نے مجھے پہچان لیا ہو گا' میں ڈی ایس پی سمن پور فاروق جلال ہوں۔ آپ تو شاید اپنی گاڑی کی رپورٹ درج کرا کے بھول ہی گئے' لیکن ہم اپنے فرائض کبھی نہیں بھولتے' میں نہایت مسرت کے ساتھ آپ کو آپ کی گاڑی کی بازیابی کی اطلاع دیتا ہوں' وہ کھڑی ہوئی ہے آپ کی گاڑی" ڈی ایس پی فاروق جلال نے کہا اور ایک جانب اشارہ کر دیا۔ تب کہیں طارق دانیال کی جان میں جان آئی پولیس کی آمد کا یہ مقصد ہے تو کوئی مشکل کی بات نہیں ہے اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر پر مسرت انداز میں ڈی ایس پی فاروق جلال کا شکریہ ادا کیا اور رسمی طور پر اسے اندر چلنے کی پیشکش کی۔

"ایسے نہیں دانیال صاحب' درحقیقت سائنس اس وقت ہماری زندگی میں جو درجہ رکھتی ہے ہر شخص کو اس کا احساس ہے' آپ لوگ بڑی عظمت کے حامل ہوتے ہیں' ہم آپ کی بے پناہ عزت کرتے ہیں۔ اس وقت میں ڈیوٹی پر ہوں آپ کبھی دوبارہ ہمیں اپنی رصد گاہ میں دعوت دیجئے گا۔ اور پھر ہمیں سائنسی عمل کے بارے میں تفصیلات بتایئے گا' آپ جیسے پر اسرار لوگوں سے تفصیلی ملاقات ہماری زندگی کا ایک شاندار ایڈونچر ہو گی۔ آپکی گاڑی ایک ویرانے میں ایسی جگہ کھڑی ہوئی تھی' جہاں اس کے پہنچ جانے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا تھا۔ بس یوں سمجھئے کہ اتفاقیہ طور پر ہی دریافت ہو گئی۔ ایک ہیلی کاپٹر نے جو ایک سرکاری مشن پر تھا ہمیں اس گاڑی کی وہاں موجودگی کی طلاع دی' اور ہم وہاں پہنچ گئے اس میں پٹرول کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ غالباً" چور پیٹرول ختم ہو جانے کے باعث آگے کا سفر طے نہیں کر سکا۔ بہر حال یہ کچھ کاغذات ہیں۔ ان پر دستخط کر کے اس کی ڈلیوری لے لیجئے۔"

طارق دانیال نے ہنس کر کہا۔ "ڈی ایس پی صاحب میں آپ کو ایک شاندار دعوت دوں گا۔ اور اپنی سائنسی کاوشوں کے بارے میں تفصیلات بھی بتاؤں گا۔"

"ہم انتظار کریں گے۔" ڈی ایس پی نے کہا اور ضروری امور طے کرنے کے بعد وہ اجازت لے کر چلا گیا۔ طارق دانیال کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے شانوں سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو ورنہ اس وقت تو وہ ذہنی طور پر معطل ہی ہو چکا تھا۔ وہ اندر داخل ہو گیا۔ غالباً" یہ لوگ اندر پہنچے ہی نہیں تھے' کیونکہ جب ثمر سے ملاقات ہوئی تو اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو لیبارٹری میں ہی رت کے ساتھ کام کر رہی تھی اسے تو کچھ خبر ہی نہیں ہوئی۔ رت نے البتہ گاڑی کی واپسی پر بڑی حیرت کا اظہار کیا تھا اور طارق دانیال اسے بتانے لگا تھا کہ گاڑی پیٹرول کے بغیر نہیں چلتی۔ رت اس بات پر خوب ہنسا تھا اور اس نے شرمندگی سے کہا تھا کہ اتنی سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی۔ طارق دانیال البتہ اپنے ساتھ جو الجھنیں لے کر آیا تھا' اس نے ان الجھنوں میں اپنی بیٹی کو شریک نہیں کیا۔ ثمر نے اسے بتایا کہ وہ لیبارٹری میں سینس ریز پر مسلسل کام کر رہی ہے اور بہت پر امید ہے کہ "سینس ریز" کا یہ عمل دریافت کرنے میں بالآخر اسے کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ جس کے تحت انہیں خلاء میں روانہ کرتے ہوئے کسی جسم کو ان کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ اسی رات لیبارٹری میں ثمر نے طارق دانیال کو اپنی کاوشوں کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اس کے ساتھ ہی ساتھ ڈیڈی ہم ایک "فاصلہ پیما" بھی تیار کر رہے ہیں۔ آپ کو تعجب ہو گا کہ رت تو ایک عظیم سائنس دان ہے اور ہر فارمولے کو نہایت آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ اس فاصلہ پیما کے ذریعے ہم رت کے نیلے سیارے کا ٹارگٹ بھی طے کر لیں گے اور پھر رت کو "سینس ریز" کے ذریعے اس کے ٹارگٹ پر روانہ کر دیا جائے گا۔ ڈیڈی اس کے لئے ہم چھوٹے چھوٹے اجسام سے ابتداء کرنا چاہتے ہیں یعنی ان اجسام کو ہم اپنی تیار کردہ سینس ریز کے دائرے میں قید کر کے خلاء میں نشر کریں گے۔ پہلے ہم چھوٹے چھوٹے وزن سے ابتداء کر رہے ہیں اور اس کے لئے ٹارگٹ بھی منتخب کر رہے ہیں "سیس ریز" کا کام اب خلاء میں وزن کو لے جانا اور واپس لانا ہو گا۔ ہم اس کا تجزیہ شروع کرنے والے ہیں" دانیال نے اس تمام فارمولے کو سمجھا اور بیٹی کو مبارکباد دی۔ کہنے لگا۔

"میں نے تمہاری پیدائش کے بعد پروفیسر میڈلینو اور عالیہ دانیال سے کہا تھا کہ ہوش کے پہلے دن سے میں تمہیں سائنسی بصیرت دینا شروع کر دوں گا۔ آج اس کی تکمیل ہو گئی ہے' کاش میرے اس تحفے کو دیکھنے کے لئے عالیہ دانیال اور پروفیسر میڈلینو ہمارے ساتھ ہوتے۔" ثمر نے طارق دانیال کے دل سے اس احساس کو کم کرنے کے لئے پروفیسر نقوی

وغیرہ کے بارے میں معلومات کیں اور دانیال نے سرسری انداز میں اسے بتایا کہ اس نے اپنا فیصلہ ملتوی کر دیا ہے۔ بہر حال اس کے بعد کے معاملات بغیر کسی خاص واقعے کے جاری رہے۔ دانیال نے رت کا اس دوران بغور جائزہ لیا تھا۔ بلاشبہ یہ انوکھی مخلوق سائنسی امور میں بے حد ذہین تھی اور اس نے "سینس ریز" کے بارے میں اس قدر تفصیلات معلوم کر لی تھیں کہ اب وہ اپنے طور پر بھی انہیں تیار کر سکتا تھا۔ پہلا تجربہ کامیابی سے ہمکنار ہوا اور سینس ریز چند پونڈ وزنی پتھر لے کر خلاء میں روانہ ہو گئیں۔ اور پھر رصد گاہ کی بڑی دوربین پر اس پتھر کو خلاء میں سینس ریز کی گرفت میں آزاد دیکھا گیا۔ یہ ایک نہایت کامیاب تجربہ تھا اس کے ساتھ ساتھ ہی فلک پیما آلات فاصلے کا تعین بھی کرتے رہے تھے۔ اور تقریباً" چالیس دن کی شدید محنت کے بعد انہوں نے خلاء میں وزنی اور ٹھوس اجسام کو ٹارگٹ پر پہنچانے کے مکمل تجربات کر ڈالے۔ نیلا سیارہ ان کی نگاہوں میں تھا' اس کی فضا میں کئی ایسے مصنوعی اجسام بھیجے جا چکے تھے جن کا وزن رت کے وزن کے مطابق تھا اور "فاصلہ پیما" نے پوری طرح اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ یہ اجسام نیلے سیارے کی فضا میں داخل ہو گئے ہیں رت نے انہیں بتایا۔

"ہم جس اعتماد کے ساتھ ان ٹھوس وزنی اجسام کو اپنے ٹارگٹ پر روانہ کر رہے ہیں اس کے تحت میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اب میں اپنے سیارے پر واپسی کے قابل ہو گیا ہوں اور میری آرزو ہے کہ ایک دن اس کے لئے مقرر کر لیا جائے اور مجھے میرے سیارے پر روانہ کر دیا جائے"

دانیال نے ان الفاظ پر بیٹی کے چہرے پر غور کیا اور اسے ایک دم احساس ہو گیا کہ اس تصور سے ثمر کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ ثمر کی غیر موجودگی میں اس نے رت سے وہ بات کہہ ڈالی' جو شاید زندگی میں اپنی زبان سے کبھی ادا نہ کرتا۔ اس نے رت سے کہا۔

"تم جانتے ہو رت کہ ثمر ہر لمحہ تمہارے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے۔ تم چلے جاؤ گے تو وہ بہت اداس ہو جائے گی۔"

رت نے کہا۔

"مسٹر طارق دانیال میں نے ثمر سے وعدہ کیا ہے کہ سیارے پر پہنچنے کے بعد میں کچھ عرصہ اپنی اس تحقیق کی تفصیلات بتانے اور اس کے مفادات حاصل کرنے میں مصروف رہوں گا' اس کے بعد واپس آؤں گا اور پھر آپ دونوں کو اپنے سیارے پر لے جاؤں گا اس دوران میں وہاں آپ لوگوں کے لئے ایک فضا پیدا کروں گا اس کے ساتھ ساتھ یہ تجربہ بھی

کہ آپ دونوں وہاں کی فضا میں پر سکون زندگی بسر کر سکتے ہیں یا نہیں میں یہ کام فوری طور پر کرتا' لیکن میں نہیں چاہتا کہ جس طرح آپ کے سیارے پر میرے دشمن پیدا ہو گئے اور انہوں نے مجھے زندگی سے محروم کرنے کی بھرپور کوشش کی اس طرح کی کوئی تکلیف آپ کو میرے سیارے پر ہو۔"

"رت کا موقف بالکل درست تھا۔ طارق دانیال نے اسے خلوص دل سے قبول کیا۔ اور کہا۔ "ہاں میں جانتا ہوں یہ مسائل ہمیں درپیش ہیں۔ بہر طور میں نے تم سے وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو میں کہہ سکتا تھا اس کے بعد ہم اپنی تقدیر پر انحصار کریں گے۔"

لیبارٹری میں ثمر نے رت سے کہا۔ "تمہیں اپنے سیارے پر واپس جانے کی بہت خوشی ہو گی۔"

"ہاں ثمر لیکن میں تمہیں اپنے کام میں رکھ کر لے جاؤں گا اور اس طرح مجھے اپنے کام میں زیادہ دیر نہیں لگے گی کیونکہ تم سے ملنے کی آرزو مجھے بے چین رکھے گی۔" ثمر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"دنیا کے بہت سے اسرار و موز مجھ تک نہیں پہنچے۔ ڈیڈی نے اکثر مجھ سے کہا کہ ہم لوگوں کو اب دنیاوی زندگی بسر کرنی چاہئے۔ لیکن شاید اس میں میرا قصور بھی نہیں تھا۔ میں دنیا والوں سے اتنی دور رہی ہوں کہ وہ میری سمجھ میں ہی نہیں آتے......ڈیڈی کا کہنا ہے کہ تقدیر بنیادی چیز ہوتی ہے پہلے میں نے تقدیر پر بھی غور نہیں کیا تھا لیکن اب ڈیڈی کی ہر بات پر غور کرنے لگی ہوں۔ وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ میرے دل میں ہمیشہ یہ خیال رہا کہ میں خلاء کی باسی ہوں' زمین سے میرا کوئی تعلق ہی نہیں ہے لیکن میری اس خواہش کو مرنا نہیں چاہئے رت' میں تمہارا انتظار کروں گی اس وقت تک جب تک انتظار کرنے کے قابل رہوں گی۔" رت نے کہا۔

"ثمر اگر میں تمہارے لئے اپنے سیارے پر کوئی خوف نہ محسوس کرتا تو تمہارے بغیر وہاں جانا میرے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ تمہیں مجھ پر یقین رکھنا چاہئے اور مسٹر دانیال بھی مجھے اس کی اجازت دے چکے ہیں۔"

"ثمر غمگین انداز میں خاموش ہو گئی۔ وہ خود بھی رت کو اس کی سرزمین پر واپس بھیجنا چاہتی تھی اور اپنے باپ سے زیادہ ان کاوشوں میں مصروف تھی' فاصلہ پیما' راستے بتا رہے تھے' نیلے سیارے کے فاصلہ کا بالکل صحیح اندازہ ہو گیا تھا اور مصنوعی شعاعیں اب بار برداری کا کام بخوبی سرانجام دینے لگی تھیں۔ یہ تجربات بے شک کسی اور مقصد کے لئے کئے جا رہے تھے لیکن جس طرح مائیکرو ایلیمنٹس فضائی لیبس کو پہنچائے جاتے تھے اور ان کے

سلسلے میں مشکلات در پیش تھیں۔ اب ان تمام مشکلات کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ایک نئے طریقہ کار سے ٹھوس اشیاء کو خلا میں پہنچایا جا سکتا تھا۔ اوران کا ٹارگٹ بھی منتخب تھا جب کہ پہلے طریقہ کار کے مطابق مائیکرو ایلیمنٹس ریسو کرنے کے لئے ایک عظیم الشان نظام ان لیبارٹریوں میں قائم کرنا پڑتا تھا جہاں مائیکرو ایلیمنٹس ریسیو کئے جاتے تھے "سینس ریز" ایک ایسا انوکھا فارمولا تھا جو اگر سائنسی ممالک کے سامنے آ جاتا تو وہ اسے سب سے زیادہ پذیرائی دیتے' کیونکہ اب اس کے ذریعے زندہ اجسام تک خلاء میں نشر کئے اور ریسیور کئے جا سکتے تھے لیکن یہ بھی شاید ایک دلدوز حادثہ تھا۔ پتہ نہیں پروفیسر میڈلینو نے' کس نظریے کے تحت اس سائنس دان کی عظیم کاوشوں کو بوتل میں بند کر دیا تھا اور وہ جو کچھ کر چکا تھا اس کی ہوا دنیا کو نہ لگنے دی تھی حالانکہ سائنسی تحقیقات کے سلسلے میں اگر یہ تمام باتیں منظر عام پر آ جاتیں تو ہوسٹن یونیورسٹی کے اس عظیم اسکالر کو آسمان پر بٹھا دیا جاتا اور سائنسی تحقیقی امور میں اس کا مقام شاید سب سے اول ہوتا' لیکن میڈلینو یہ راستے بند کر گیا تھا اور اب بات اس طرح تبدیل ہو گئی تھی کہ خود طارق دانیال بھی اس قابل نہیں رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ وقت قریب آ گیا' جب منصوبے کے مطابق "رت" کو نیلے سیارے پر ٹرانسمٹ کیا جانا تھا۔ تیاریاں اس طرح جاری تھی جیسے گھر کا کوئی اہم فرد ایک عظیم سفر پر جا رہا ہو' چھوٹی اشیاء کے نمونے جن میں خوراک اور استعمال کی چیزیں شامل تھیں رت کے جسم سے منسلک کر دیئے گئے تھے اور انہیں مخصوص انداز میں پیک کیا گیا تھا۔ رات کو تقریباً" ساڑھے بارہ بجے رت اپنی دنیا میں واپس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ ثمر کے چہرے کی کیفیات اس کے دل کی آئینہ دار تھیں۔ اس کی آنکھوں کی کوریں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں رت کے سینے سے کاسنی روشنی خارج ہو رہی تھی اور اس کے اطراف ایک سبزی مائل غبار پھیلا ہوا تھا جو اس کی دونوں کیفیتوں کا آئینہ دار تھا۔ پھر وہ اس تابوت نما ٹرانسمیٹر میں لیٹ گیا جس سے اسے اس کے ٹارگٹ پر روانہ کیا جانا تھا۔ طارق دانیال نے خود کو پوری طرح سے قابو میں رکھا ہوا تھا۔ جب کہ ان لمحات میں وہ بیٹی پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ مقررہ وقت پر تابوت کا ڈھکن بند کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ثمر نے آنکھیں بند کر لیں لیکن طارق دانیال پوری ہوشمندی سے یہ سسٹم کنٹرول کرنے لگا' جس سے تھوڑی دیر کے بعد تابوت کو خالی ہو جانا چاہئے تھا۔ مشینیں اپنا عمل کرنے لگیں اور فضا میں ایک مدہم سی گونج ابھرتی رہی۔ پھر رفتار بتانے والی سوئی اور وقت بتانے والی سوئی اس جگہ پہنچ گئیں جہاں پہنچ کر انہیں ٹھہر جانا تھا اور کچھ لمحات کے بعد رصد گاہ کی اس شاندار لیبارٹری میں خاموشی چھا گئی۔ اتنا گہرا سکوت کہ بس سانسوں کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ

سکوت بہت دیر تک طاری رہا اور دانیال نے ان تمام مشینوں کے بٹن بند کر دیئے۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر وہ ٹرانسمیٹر کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ٹرانسمیٹر کا ڈھکن اٹھایا اور خالی تابوت اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا' رت اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ "فلک پیا" اور دوسرے تمام سسٹم یہ بتا رہے تھے کہ جو سائنسی عمل ہوا ہے اس میں کوئی سقم باقی نہیں رہا۔ رت کی منتقلی مکمل ہو گئی تھی۔ طارق دانیال نے سارے سسٹم دوبارہ سے چیک کیے اور پھر آہستہ سے بولا۔

"اور اگر تقدیر نے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی تو وہ اپنے سیارے پر پہنچ گیا ہو گا اور "نے" پر اس کا استقبال کیا جا رہا ہو گا۔"

ثمر نے کوئی جواب نہ دیا۔ پتھرائی ہوئی کھڑی رہی دانیال اس کے قریب آیا اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"آؤ میرے ساتھ' میں تمہیں محبت کا فلسفہ سمجھاتا ہوں۔ بس اتنی سی بھول ہو گئی مجھ سے کہ اس فلسفے کو سمجھانے میں بہت دیر کر دی۔ مگر عالیہ تو میرا ساتھ چھوڑ ہی گئی تھی۔ بیٹیوں کے لئے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو ان کی مائیں ہی انہیں سمجھاتی ہیں۔ لیکن بدقسمتی شاید یہ بھی میرے کسی گناہ کی سزا ہے۔ گناہ گار تو خیر میں ہوں کیونکہ جب میرے باپ نے دوسری شادی کر لی تھی تو میں نے اس سے نفرت کی تھی اور وہ انہیں نفرتوں کے درمیان زندگی سے دور ہو گیا۔ آؤ ثمر میں بہت سی باتیں تمہیں بتاؤں گا۔" طارق دانیال نے ثمر کو جو کچھ بھی بتایا اس نے سمجھا یا نہیں سمجھا اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا اس کے تصور کی اڑان تو اس وقت کہکشاں سے بھی دور نجانے کہاں کہاں سفر کر رہی تھی۔ وہ اس اجنبی سیارے کی فضا میں کھوئی ہوئی تھی جہاں رت اپنی "ان"۔ "ہیا"۔ "سی" اور "سا" کے ساتھ اجنبی سیارے کی باتیں کر رہا ہو گا۔ جہاں اس کی زندگی میں انوکھے واقعات پیش آئے۔ طارق دانیال اسے اس کے بستر پر سلانے کے بعد واپس پلٹا تھا اپنی آبزرویٹری کی دوربین سے خلاء میں جھانکتے ہوئے وہ نجانے کب تک نیلے سیارے کو دیکھتا رہا تھا اور اس کے ذہن سے ماضی کے واقعات گزرتے رہے تھے۔

ثمر اب بالکل ہی تبدیل ہو گئی تھی۔ پہلے ہنستی مسکراتی باپ کے ساتھ ایک پر سکون زندگی بسر کرتی تھی' دونوں کے مشغلے یکساں' دونوں ہر چیز میں دلچسپی لیتے ہوئے سائنسی امور پر بحث کرتے تھے' لیکن اب ثمر ناشتے سے لے کر دوپہر اور رات کے کھانے تک' باپ کے ساتھ بے شک شریک رہتی تھی۔ لیکن کھوئی کھوئی' گم صم' مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے دور ہو گئی تھی۔ آبزرویٹری میں دوربین سے خلاء میں جھانکتی رہتی تھی' نہ سینس ریز

پر کام ہو رہا تھا اور نہ ہی کوئی اور سائنسی عمل۔ بہت سے فارمولے تھے جن پر کام باقی تھا لیکن ثمر کی کیفیت کیوجہ سے خود طارق دانیال بھی مضمحل رہنے لگا تھا اور اس کی ذہنی کیفیت بھی اب بہتر نہ رہتی تھی۔ کوئی کام کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ ایسے ایسے دل ہلا دینے والے واقعات رونما ہوئے تھے جنہوں نے اسے بہت خوفزدہ کر دیا تھا۔ رات کو وہ ثمر کو اس کے بستر پر لٹانے سے پہلے اس کے کمرے سے واپس نہ آتا۔ لیکن ایک رات جب یونہی اس کی آنکھ کھل گئی اور اسے آبزرویٹری میں کسی تحریک کا احساس ہوا تو وہ اٹھ کر آبزرویٹری میں چلا گیا۔ وہاں اس نے سینس ریز ریسیور کے سامنے ثمر کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ یاس بھری نگاہوں سے ریسیور کو تک رہی تھی یوں وقت گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ مہینہ' دو مہینے حتیٰ کہ تین مہینے گزر گئے۔ ہر طرح کے کام بند ہو گئے تھے۔ آبزرویٹری کے تمام آلات زنگ خوردہ ہونے لگے تھے۔ کوئی کام ہی نہیں ہوتا تھا ان پر اور طارق دانیال کے ذہن میں کوئی ایسی تجویز نہیں آتی تھی جس سے وہ ثمر کو بہتر کیفیت دے سکے۔ پھر ایک رات جب وہ آبزرویٹری میں داخل ہوا تو اس نے 'سینس ریز ریسیور کا ڈھکن اٹھا ہوا دیکھا۔ مشینیں عمل کر رہی تھیں اور وہاں کوئی موجود نہیں تھا وفعتہً" ہی طارق دانیال کے بدن میں بجلی کی سی لہریں دوڑ گئیں وہ پاگلوں کے انداز میں ریسیور کی جانب دوڑا اور ثمر کو ریسیور میں لیٹے ہوئے دیکھا طارق دانیال کے حلق سے ایک دھاڑ سی نکل گئی' سب سے پہلے اس نے تمام کنٹرول سوئچ آف کئے اور جب ریسیور کا عمل بے جان ہو گیا تو وہ ثمر کے پاس پہنچ گیا۔

"بے وقوف لڑکی کیا کر رہی تھی یہ 'کیا کر رہی ہے تو' پاگل ہو گئی ہے کیا؟" طارق دانیال شدید غصے کے عالم میں بولا۔ زندگی میں پہلا موقع تھا جب اس نے ثمر سے یہ لہجہ اختیار کیا۔ ثمر ریسیور میں لیٹی خالی خالی نگاہوں سے طارق دانیال کو دیکھتی رہی۔ طارق دانیال کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔ اس نے ثمر کو بمشکل تمام ریسیور سے باہر نکالا۔ اور وہ بے حواسی کے سے عالم میں لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اس کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں طارق دانیال نے اسے ایک جگہ بٹھایا اور بولا۔ "کیا حماقت تھی یہ ثمر.........."

"ثمر نے اسے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا اور بولی۔ میں نے .... میں نے اپنا ٹارگٹ منتخب کر لیا تھا ڈیڈی۔ میں نیلے سیارے پر جا رہی تھی ڈیڈی مجھے اس میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔ سینس ریز سے میں نے معاہدہ کر لیا ہے۔ وہ مجھے سیدھا نیلے سیارے پر پہنچا دیں گی جہاں "رت" موجود ہے۔ یہ تو بالکل مشکل نہیں ہو گا ڈیڈی۔ مجھے جانے دیجئے۔ میں وہاں جانا چاہتی ہوں۔ میں خلاء میں منتشر ہونا چاہتی ہوں۔"

"لیکن اس طرح تو اپنی زندگی کھو سکتی ہے ثمر' یہ جو کچھ تو کر رہی تھی کیا یہ ممکن ہے.........؟"

"ڈیڈی میں نے سینس ریز سے رابطہ کر لیا ہے میں ان کی مالک ہوں' یہ میری غلام ہیں اگر یہ میرا اتنا سا کام نہ کر سکیں تو پھر ان پر محنت کرنے سے کیا فائدہ بے کار ہے یہ سب کچھ' بے کار ہے' میں کہتی ہوں اگر یہ میرے کام نہیں آ سکتیں تو ان کے وجود کا مقصد کیا ہے"۔ وہ بکھرے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی' اس نے ادھر ادھر دیکھا ایک خوبصورت سا گلدان اٹھایا اور ایک مشین پر دے مارا۔

"بے کار ہے یہ سب کچھ بے کار ہے' میں اسے تباہ کر دوں گی' میں انہیں فنا کر دوں گی" اس نے بہت سی چیزیں توڑ پھوڑ ڈالیں اور طارق دانیال کا بدن سکتے میں رہ گیا اس نے اپنے آپ کو بھی زخمی کر لیا تھا۔ طارق دانیال نے بمشکل تمام اسے روکا۔

"ثمر ثمر کیا کر رہی ہے یہ.........؟"

"ثمر۔ ثمر تو کچھ بھی نہیں کر رہی۔ میں ہوں یہ میں' میں یہ سب کچھ تباہ کرنا چاہتی ہوں" وہ زور زور سے چیخنے لگی اور طارق دانیال کے پورے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا۔ ثمر کی چمکدار آنکھوں میں دیوانگی نظر آئی تھی اسے۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ میں تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔ طارق دانیال کا بدن ٹھنڈے پسینے چھوڑتا رہا۔ ثمر نے کئی بار ان مشینوں کو توڑنے پھوڑنے کی کوشش کی اور پھر طارق دانیال نے مجبوراً اس کی کنپٹی پر ایک ضرب لگائی جس سے وہ ہوش و حواس سے عاری ہو گئی۔ طارق دانیال اسے لئے ہوئے اس کی خوابگاہ میں آ گیا اور اس نے ثمر کو لٹا دیا۔ وہ پاگل ہوا جا رہا تھا اس تصور کے ساتھ کہ بالآخر شدت جذبات کی گھٹن اور انہیں اپنے آپ میں ضبط کرنے کی کوششوں نے ثمر کا ذہنی توازن متاثر کر دیا ہے لیکن یہ عارضی عمل ہے یا وہ مستقل اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے دانیال کی کائنات لٹ گئی تھی کچھ بھی نہیں تھا اس کے پاس ثمر کے سوا۔ بعد میں اسے پورا اندازہ ہو گیا کہ ثمر اب حواس میں نہیں ہے۔ وہ ہر طرح کی کوشش کرنے لگا لیکن ثمر کی کیفیت میں اب کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ اس کے اندر وہ تخریبی جذبے تو اب نہیں بیدار ہوتے تھے جن کے تحت وہ رصد گاہ کی تباہی پر تل گئی تھی لیکن اس نے مسلسل خاموشی اختیار کر لی تھی اور اس خاموشی میں حزن و ملال کا جو تاثر اس کے چہرے سے نمایاں ہوتا تھا وہ طارق دانیال کا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا تھا۔ وہ اب خود کو اپنی بچی کا مجرم سمجھتا تھا۔ ہمیشہ ہی سادگی سے سوچا' کبھی کوئی ایسا پائیدار عمل نہیں کیا جو [illegible] اسے اپنی نا تجربے کاری کا شدید احساس ہوتا تھا اور اس احساس سے وہ انتہائی شدید

دلبرداشتہ ہو جاتا تھا کہ کبھی کبھی اس کا خود بھی یہی دل چاہتا تھا کہ سب کچھ تباہ و برباد کر دے اور بیٹی کو لے کر نکل جائے اس کا علاج کرانے کی ہر وہ کوشش کرے جس سے اس کی ذہنی کیفیت بحال ہو جائے لیکن اس کی بھی تو ہمت نہیں رہی تھی۔ ثمر کو تو اب اپنے سراپا تک کا احساس نہیں رہا تھا۔ طارق دانیال نوجوان بیٹی کو سمجھانے میں مسلسل ناکامیاں محسوس کر رہا تھا اور اس پر شدید بد حواسی طاری ہو گئی تھی تب اس نے ایک فیصلہ کیا' کم از کم اتنی تبدیلی تو کی جائے کہ گھر کی دیکھ بھال کے لئے ایک دو افراد حاصل ہو سکیں۔ لیکن اس کے لئے بھی کاوشیں درکار تھیں۔ ہمت کر کے اس نے ایک دن ثمر کو کمرے میں بند کیا اور گاڑی لے کر نکل گیا۔ شہر پہنچ کر اس نے شہر کے تمام اخبارات میں ضرورت ملازمین کے اشتہارات دیئے اور اپنا پتہ درج کرا دیا۔ بس اتنا ہی کر سکا تھا۔ لیکن اس کا نتیجہ خاصا بہتر نکلا۔ ملازمت کے متلاشی اس کے پاس پہنچے' اس نے ایک خدمتگار عورت کی ضرورت کا اشتہار دیا تھا جسے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا چاہئے تھا اور منہ مانگے مشاہرے پر اسے یہ ملازمت دی جا سکتی تھی اور اس طرح ایک تعلیم یافتہ شخص کے لئے اشتہار دیا تھا جو ڈرائیور بھی ہو اور ایک رہائش گاہ کی ذمہ داریاں بھی سنبھال سکے۔ خصوصاً" اس نے اس کی تعلیم بھی زیادہ مانگی تھی۔ پھر ایک گریجویٹ خاتون جو کرسچین تھیں اور جن کا نام سیسل تھا اور دوسرا ایک نوجوان جو بی ایس سی تھا اور اس نے اپنا نام ناصر بتایا تھا' سب سے پہلے طارق دانیال کی رہائش گاہ پر پہنچے تھے۔ سیسل کی عمر تقریباً" چالیس سال تھی اور نوجوان تیس سال کے قریب۔ ایک نگاہ میں دونوں طارق دانیال کو پسند آ گئے اس نے کہا۔

" نہ میں آپ لوگوں کا کوئی انٹرویو لینا چاہتا ہوں اور نہ ہی کوئی شرائط رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کو پسند کی تنخواہ دی جائے گی بعد میں آپ کے سارے کوائف معلوم کر لوں گا بس ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں میں آپ سے اگر کوئی ایسی شرط نہیں ہے جو آپ مجھے پیش کرنا چاہیں تو آپ اپنے آپ کو یہاں ملازم سمجھئے اور باقی معاملات کو آپ اپنی پسند کے مطابق چھوڑ دیجئے۔ تو جو درخواست میں آپ سے کر رہا تھا وہ یہ ہے کہ خدارا اس وقت تک' جب تک میری ذات سے آپ لوگوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے آپ مجھے کوئی اذیت دینے کی کوشش نہیں کیجئے گا"۔ ان الفاظ سے دونوں ہی حیران ہوئے تھے۔ میڈم سیسل نے کہا۔

"سر آپ نے جس سادہ دلی سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا ہے اس کے جواب میں صرف چند الفاظ کہہ سکتی ہوں میں۔ کبھی کبھی گاڈ بھی ان لوگوں کو سہارا دیتا ہے جو دوسروں پر اعتبار کرتے ہیں" ناصر کہنے لگا۔

"اور میڈم نے جو الفاظ کہہ دیئے ہیں سر! اس کے بعد ان سے خوبصورت الفاظ کی تلاش میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں' الفاظ تلاش نہ کرو' بس جو کچھ میں نے کہا ہے اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کر لو۔ آیئے میڈیم سیسل میں آپ کو آپ کی ذمہ داریاں سمجھا دوں۔ بعد میں آپ سے باقی گفتگو کر لی جائے گی۔"

"ناصر کو ایک جگہ بٹھا کر طارق دانیال سیسل کو اس کمرے میں لے گیا' جہاں ثمر موجود تھی۔ اس نے کہا۔ "بہت ہی اعلیٰ صفات کی مالک' میڈم سیسل! آپ کو اس کی ہر وہ دیکھ بھال کرنا ہو گی جو اس کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہ انسانوں سے بیزار ہے' ہو سکتا ہے اس کی طرف سے آپ کو کچھ تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کس طرح اس کو اپنی جانب راغب کرتی ہیں۔"

"سیسل نے ثمر کو دیکھا اور اسے ایک لمحے میں احساس ہو گیا کہ اس کے سامنے کوئی صحیح الدماغ لڑکی نہیں ہے۔ یہ ایک چیلنج تھا اس کے لئے۔ اس کی شخصیت کیا تھی یہ سب کچھ تو ابھی صیغہ راز میں تھا۔ لیکن دل ہی دل میں اس نے چیلنج کو قبول کر لیا اور کہنے لگی۔

"سر آپ مجھے پندرہ دن ٹرائی پر رکھ لیجئے اگر مس کو' کیا نام ہے ان کا......؟"

"ثمر۔ ثمر.........."

"اگر ہم مس ثمر کو مطمئن کر سکا تو ٹھیک ہے ورنہ خاموشی سے واپس چلا جائے گا۔ اور ان پندرہ دنوں کا کوئی معاوضہ آپ سے طلب نہیں کرے گا۔"

"آہ معاوضے کا ذکر تو درمیان میں لائیں ہی نہیں۔ تو پھر میں جاؤں؟ دیکھئے یہ اس کا بیڈ روم ہے' وہ الماریاں ہیں' آپ ایک مخصوص حصے تک جا سکتی ہیں اس کے دوسری جانب میری آبزرویٹری ہے' فی الحال ادھر جانے سے گریز کیجئے گا۔ لیکن نہیں ثمر کی عادت ہے کہ وہ آبزرویٹری میں جاتی ہے اور ایک جگہ خاموشی سے بیٹھ جاتی ہے آپ وہاں تک اس کا ساتھ دے سکتی ہیں میں یہ پابندی آپ پر غلط لگا رہا ہوں۔ تو کیا میں باہر جاؤں۔؟"

"سر آپ آرام کیجئے میں آپ کو بعد میں اطلاع دے دیں گا۔"

تب طارق دانیال ناصر کے پاس آ گیا اس نے بغور ناصر کا چہرہ دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"مسٹر ناصر ہم باپ بیٹی یہاں رہتے ہیں نہ کوئی ملازم ہے نہ کوئی اور ہے۔ فی الحال میں زیادہ لوگوں کو یہاں نہیں رکھ سکتا' میری کچھ مجبوریاں ہیں' ضرورت پڑنے پر آپ کو شہر

یہاں سے تھوڑے فاصلے پر جو بستی سمن پور ہے گاڑی میں جاتا ہو گا۔ گھر کے ضروری امور کی دیکھ بھال کرنا ہو گی اور چونکہ آپ بی ایس سی ہیں تھوڑی بہت سائنس سے واقفیت بھی ہو گی آپ کو۔ لیکن یہ بعد کی بات ہے اگر میڈم سیسل میری بیٹی کو بہتر طور پر سنبھال لیتی ہیں تو پھر آپ کو میرے ساتھ میری رصد گاہ میں بھی تھوڑا بہت معاون بننا ہو گا۔"

"جی سر............"

"کیا آپ خوشی سے یہ سب کچھ کرنا پسند کریں گے.........؟"

"جی سر نہایت خوشی سے"

"چلئے اب اپنا معاوضہ بھی بتا دیجئے اور یہ سوچ کر بتایئے گا کہ میں ہر معاوضہ جو آپ کی ضرورت پوری کر سکے' دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"ناصر نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور آہستہ سے بولا "سر یہ مسئلہ پھر کسی وقت کے لئے اٹھا رکھئے گا میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔"

"اگر کوئی مشکل ہے تو ٹھیک ہے"

"باہر کچھ لوگ انٹرویو کے لئے آئے بیٹھے ہیں انہیں جواب دیا جائے.........؟"

"اوہو مجھے علم نہیں تھا آیئے" طارق دانیال نے کہا اور جب وہ باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کوئی دس بارہ مرد اور اتنی ہی عورتیں وہاں موجود ہیں اس نے معذرت خیز لہجے میں کہا۔

"خواتین و حضرات انتہائی شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے اشتہار پر توجہ دے کر یہاں تک آنے کی زحمت کی' میں آپ کو سفر خرچ پیش کئے دیتا ہوں مجھے جن حضرات کی ضرورت تھی' میں نے انہیں منتخب کر لیا ہے' معذرت چاہتا ہوں۔"

سب کے چہرے لٹک گئے' طارق دانیال نے بڑی نیک دلی کے ساتھ کچھ رقم ان کے حوالے کی' جسے ان سے چند نے مسترد کر دیا۔ پھر وہ سب ایک ایک کر کے باہر چلے گئے۔ ناصر خاموشی سے طارق دانیال کی شخصیت کا جائزہ لے رہا تھا اور یہ دو اجنبی جس طرح بادل نخواستہ طارق دانیال کی زندگی میں داخل ہوئے تھے اس سے طارق دانیال خود بھی بوکھلایا ہوا تھا اور آج وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ ثمر بے چاری کیا.............خود اسے انسانی نفسیات سے اتنی ناواقفیت ہے کہ وہ ایک احمق یا معصوم بچے کی مانند ہو چکا ہے.........بہر حال تقدیر میں یہ نیا موڑ آیا تھا نجانے اس نئے موڑ سے طارق دانیال کی زندگی میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہونے والی تھیں۔ اس کا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ جن لوگوں کو

ملازم رکھا جاتا ہے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ رصد گاہ میں تو اسی دن سے کام بند ہو گیا تھا جس دن سے ثمر نے اپنا ذہنی توازن کھویا تھا لیکن قدرت ان معصوم اور بے ضرر لوگوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتی جو کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے اتفاق سے طارق دانیال کو جو دو ساتھی ملے تھے وہ بہت اچھے تھے۔سیسل نے گھر کا نظام اس طرح سنبھالا کہ طارق کو عالیہ یاد آگئی۔ اس کے دور میں یہ سکون حاصل تھا۔ ایک طرف اس نے کچن سنبھالا تو دوسری طرف ثمر کو اس طرح سنبھال لیا کہ طارق کو اس کا ممنون ہونا پڑا۔ وہ ثمر کی کسی نوزائیدہ بچے کی طرح دیکھ بھال کرتی تھی دوسری طرف ناصر تھا۔ مضبوط اور ہر مشکل کو سنبھالنے والا ساتھی۔ دانیال کے ٹوٹے وجود کو ان دونوں نے بہت سہارا دیا تھا۔ اب طارق دانیال کو شدت سے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اس نے اپنے ہم جنسوں سے دوری اختیار کر کے پوری زندگی حماقت کی ہے۔ دنیا میں بہت اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں جیسے یہ دونوں۔

مسز سیسل نے ایک دن اپنے بارے میں بتایا۔ "ہمارا ہسبینڈ ہمارا میرج کے دو سال کے بعد مر گیا۔ اور ہمارے لئے ایک بیٹا سائمن چھوڑ گیا۔ ہم پورا لائف سائمن کو دیا۔ اس کو گریجویٹ کرایا اور پھر جب اس نے ایک لڑکی کو لو کیا تو ہم اس کا میرج بنا دیا۔ ہمارا ہاؤس دو کمروں کا تھا۔ سائمن کا وائف میری کو پریشانی ہو گیا' اس کو جگہ کم پڑتا تھا ایک بار سائمن ہم کو بولا کہ ممی آپ کہیں اور چلا جاؤ۔ میری کو پریشانی ہوتا ہے سر ہم دونوں کو نکال سکتا تھا پر ہم سائمن کو بہت لو کرتا ہے۔ ہم اپنا سامان لے کر نکل آیا اور ایک اسپتال میں اپنی ایک نرس دوست کے ساتھ رہنے لگا۔ پھر آپ کا ایڈ دیکھا۔"

ناصر کی کہانی اس سے کہیں زیادہ دلچسپ تھی اس نے کہا۔ "مسٹر دانیال میری زندگی طاق ہے"

"میں نہیں سمجھا مسٹر ناصر۔" طارق دانیال نے کہا۔

"مجھے زندگی میں صرف ایک چیز ملتی ہے دو چیزیں کبھی اکٹھی یکجا نہیں ہوئیں۔"

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔" دانیال دلچسپی سے بولا۔

"عجیب بات ہے جناب یوں تو میری زندگی میں ایسے لاتعداد دلچسپ واقعات پیش آئے ہیں جن سے مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ میری طلب کی دو چیزیں کبھی یکجا نہیں ہوئیں۔ والدہ تھیں جنہوں نے مجھے پرورش کیا والد کسی ناچاقی پر والدہ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ بیس سال کے بعد انہیں اپنے کئے پر ندامت ہوئی اور وہ واپس آ گئے۔ میری آرزو پوری ہو گئی مگر چند روز کے اندر والدہ چل بسیں۔ ایک اچھی نوکری مل گئی تھی بی ایس سی کا رزلٹ نکلا تو نوکری چلی گئی۔ لاکھ سر مارا۔ نوکری نہ ملی' پھر اچانک نوکری ملی تو والد کا انتقال ہو گیا۔ مجھے

ہمیشہ ایک چیز ملی ہے۔ درمیانہ زندگی گزار رہا تھا کہ بد قسمتی سے ایک پرائز بونڈ نکل آیا پچاس ہزار روپے ہاتھ آئے تو نوکری چھوٹ گئی وہ فرم ہی بند ہو گئی۔ نتیجے میں وہ رقم آہستہ آہستہ کھا گیا۔ اب وہ رقم ختم ہوئی تو یہ نوکری مل گئی"

دانیال ہنسنے لگا پھر بولا۔ "نہیں یہ تمہارا وہم ہے۔"

"کیا عرض کر سکتا ہوں سر۔ لیکن یہ احساس دل میں بیٹھ گیا ہے۔"

"تمہیں بہتر زندگی کی طلب تو ہو گی"

"کسے نہیں ہوتی۔ لیکن خوفزدہ ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر کہیں سے دولت ہاتھ لگی تو کہیں زندگی سے ہی نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔"

دانیال ہنسے بغیر نہ رہ سکا تھا......

ان دونوں کے آجانے سے دانیال کا دل کافی بہل گیا تھا اسے بہت سے مسائل سے نجات مل گئی تھی اور یہ دونوں اس کے بہتر معاون ثابت ہوئے مگر دل کا زخم کہاں بھر سکتا تھا۔ زندگی کا سب کچھ ہی کھو گیا تھا۔ ایک دن اس نے ناصر سے کہا۔

"تم نے سائنس پڑھی ہے ناصر؟"

"جی سر"

"آؤ آج میں تمہیں اپنی سائنسی زندگی کے بارے میں بتاؤں۔ دانیال نے کہا۔ اور ناصر کو ساتھ لے کر بہت دن کے بعد آبزرویٹری میں داخل ہوا۔ اس نے اس عظیم الشان رصد گاہ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ پھر بولا۔ "میں نے اسے بڑی محنت' بڑی لگن سے بنایا تھا۔ لیکن......................"

"سر میں نے کبھی اتنی شاندار لیبارٹری کا تصور بھی نہیں کیا ہے اپنی زندگی میں۔"

"اور میں نے سب کچھ کر کے بھی اس زندگی میں کچھ نہیں کیا" دانیال اسے ابتداء سے اپنی زندگی کی کہانی سنانے لگا۔ اس نے اسے اپنے سائنسی کارناموں کی تفصیل بتائی میڈلینو اور تیراہاز کے بارے میں بتایا جو بعد میں عالیہ بن گئی تھی۔ پھر وہ جزائر سالومن سے یہاں آنے تک کے واقعات سنانے لگا۔ اس نے ثمر دانیال کی ذہانت کی کہانی سنائی مصنوعی سینس ریز کی ایجاد کے بارے میں بتایا اسے وہ ریسیور دکھایا جس سے ٹھوس اجسام خلا میں نشر اور وہاں سے ریسیو کئے جا سکتے ہیں ریسیور کے پاس پہنچ کر اس نے ڈھکن اٹھایا اور بولا۔

"یہ تابوت نما بکس دنیا کی حیرت انگیز ایجاد ہے"

ناصر اس عظیم انسان سے یہ تفصیلات سن کر سکتے میں رہ گیا بکس میں جھانکتے ہوئے

اس نے کہا۔

"اور آپ نے اپنی اس عمر بھر کی کمائی کو یوں دفن کر رکھا ہے۔"

"ہاں۔ میں نے تمہیں اس کی وجوہات بتائی ہیں"

"لیکن سر۔ میرے خیال میں یہ مناسب نہ تھا۔ کیا دنیا میں نام پیدا کرنے والوں کے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک ہوا ہے۔"

"بس غلطی ہو گئی"

"لیکن سر۔ اگر ناگوار نہ ہو تو ایک سوال کروں۔ مس ثمر کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔ معافی چاہتا ہوں آپ اس سوال کا جواب دینے کے پابند نہیں ہیں۔"

" دانیال کے کوئی جواب دینے سے قبل اچانک ثمر آبزرویٹری میں داخل ہوئی۔ مسز سیسل اس کے ساتھ تھیں۔ اس وقت ناصر کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ ریلیور کے قریب کھڑا ہوا تھا اچانک ثمر کے حلق سے بے اختیار چیخ نکلی۔

"رت۔رت"۔ اور اس نے ناصر کی طرف دوڑ لگا دی۔

ناصر متحیر رہ گیا۔ دانیال بھی ایک لمحے کے لئے سکتے میں رہ گیا تھا۔ ثمر ناصر کے قریب پہنچ کر رکی اور اس نے ناصر کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف موڑتے ہوئے مسرت سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "آ گئے تم آ گئے۔"

ناصر نے گھبرائی ہوئی نظروں سے طارق دانیال کو دیکھا لیکن اسی وقت ثمر نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ اس کی روشن آنکھیں بجھ گئیں اور اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

"نہیں......نہیں.....یہ دھوکا ہے۔ تم فریب ہو..........تم جھوٹ ہو' کون ہو تم..........نکل جاؤ.........نکل جاؤ.......یہاں سے......نکل......جاؤ........" وہ حلق پھاڑ کر چیخی اور پھر قریب رکھا ہوا ایک سائنسی آلہ اٹھا کر ناصر کے منہ پر دے مارا۔ ناصر کی پیشانی کی کھال پھٹ گئی اور خون بہنے لگا۔ عقب سے مسز سیسل گھبرائی ہوئی اندر آ گئی۔ دانیال کے ہاتھ پاؤں بھی پھول گئے تھے۔ ناصر کی پیشانی سے بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر اسے چکّر [illegible] یا تھا۔ ثمر بدستور چیخ رہی تھی اور ناصر کو مارنے کے لئے کچھ اور تلاش کر رہی تھی۔ [illegible] نے بمشکل کہا۔

"ناصر.....پلیز ناصر...........چلے جاؤ.......جلدی"

"اوکے سر......" ناصر نے آہستہ سے کہا۔

"مسز سیسل ....آپ ناصر کی ڈریسنگ کر دیں۔ پلیز مسز سیسل۔"

"دانیال نے کہا اور مسز سیسل بھی باہر نکل گئی۔ ثمر بدستور چیخ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک اور وزنی آلہ اٹھا لیا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ لیکن دانیال اس کے سامنے آ گیا اور اس نے چیخ کر غصے میں کہا۔ "ثمر......! ثمر ایک دم رک گئی۔ بے ہوشی کے عالم میں بھی باپ کی یہ آواز بڑی عجیب لگی تھی۔ "مارنا چاہتی ہو..............مجھے مارو......مارو مجھے.........مارو........" دانیال دھاڑا اور ثمر خوف سے پیچھے ہٹ گئی۔ آلہ اس کے ہاتھ سے نیچے گر لیا۔ اس کے نتھنے پھولنے لگے۔ پھر اس نے بسورتے ہوئے کہا۔

"ڈیڈی...........وہ...........وہ رت نہیں تھا۔"

"اس نے تم سے کب کہا وہ رت ہے۔ وہ ہمارے گھر مہمان ہے۔ تم نے اسے زخمی

کر دیا۔"

"ڈیڈی........وہ رت نہیں ہے۔" ثمر کی سسکیاں ابھرنے لگیں۔ اور اس نے آگے بڑھ کر باپ کے سینے سے سر لگا دیا۔

"کیا کروں میں........بتا میں کیا کروں....... آہ میں کیا کروں ثمر.........وہ ہم میں سے نہیں تھا۔ وہ نیلے سیارے کا باشندہ تھا۔ اپنی دنیا میں جا کر وہ سب کچھ بھول گیا ہو گا۔ وہ نہیں آئے گا ثمر.........اس کا انتظار مت کرو!" طارق دانیال بھی بے اختیار ہو گیا۔ اور جب اس کی سسکیاں ابھریں تو ثمر تڑپ گئی۔ اس نے باپ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"صبر کر میری جان۔ خود کو سنبھال۔ میں مر جاؤں گا میری بچی میں مر جاؤں گا۔"

دانیال اسے اس کے کمرے میں لے آیا۔ وہ اپنے آنسوؤں پر بے حواس بیٹی کی تڑپ دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد مسز سیسل نے باہر سے دروازہ لاک کیا اور دانیال کی اجازت پر اندر آ گئی۔ دانیال نے بے اختیار پوچھا۔ "ناصر کیسا ہے مسز سیسل!"

"بہت معمول سا زخم ہے سر.........وہ آپ کی پریشانی سے شرمندہ ہے۔ میں نے ڈریسنگ کر دی ہے۔"

"مسز سیسل اسے سنبھالو۔"

"اوکے سر.....پلیز.........آپ جائیے۔" مسز سیسل نے مصنوعی مسکراہٹ سے ثمر کو دیکھا اور اس کے پاس آ گئی۔ دانیال باہر نکل کر ناصر کے کمرے کی طرف چل پڑا تھا۔ دروازے پر رک کر اس نے کہا۔ "میں اندر آ سکتا ہوں ناصر.........."

"سر.........تشریف لائیے۔" ناصر جلدی سے اٹھ کر دروازے کے قریب آ گیا تھا۔

"سوری ناصر..........ویری سوری...."

"پلیز آپ مجھے شرمندہ نہ کریں..........میں جانتا ہوں مس ثمر بیمار ہیں اور سر ....بہت معمولی سی چوٹ ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں سر آپ تشریف رکھیے۔"

"ہاں میں بیٹھوں گا" دانیال تھکے تھکے لہجے میں بولا اور ناصر نے جلدی سے ایک کرسی اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ "تم بیٹھو.......بیٹھ جاؤ"۔ دانیال نڈھال لہجے میں بولا........ناصر نے شکریہ ادا کر کے دوسری کرسی سنبھال لی۔ دانیال نے اداس نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر بولا "میری کہانی ادھوری رہ گئی تھی۔ شاید کہانی میں پوری نہ کرتا لیکن.......اب یہ ضروری ہو گیا ہے" ناصر خاموشی سے دانیال کا چہرہ دیکھتا رہا۔ کچھ لمحات

رک کر دانیال نے کہا۔ "میں تمہیں اپنی اور بیٹی کی کاوشوں کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ ہم سینس ریز کے ذریعہ خلا سے پر اسرار اجسام کے حصول میں کامیاب ہو گئے تھے۔ انہیں سینس ریز کی زد میں ایک دن ایک خلائی انسان آگیا وہ نیلی کہکشاں کے ایک سیارے کا باشندہ تھا۔"

دانیال نے اسے پوری کہانی بے کم و کاست سنا دی اور ناصر کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ دانیال جب اس کی واپسی تک کی داستان سنا کر خاموش ہوا تو ناصر نے بے اختیار کہا۔

"اس خلائی مخلوق نے تو بڑی تباہ کاری پھیلائی تھی۔"

"کوئی نہیں مانے گا۔ کوئی یقین نہیں کرے گا۔ وہ بے حد معصوم تھا۔ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا وہ سہما ہوا صرف اپنی جان بچانے کے لئے سرگرداں تھا۔"

"اور وہ واپس چلا گیا۔"

"ہاں......... ثمر اسے چاہنے لگی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار کسی نوجوان کو قریب سے دیکھا تھا۔"

ناصر سوچ میں ڈوب گیا پھر کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے سر............. کیا اس کے دل میں بھی ثمر کے لئے کچھ ہو گا۔"

"دل.............!" دانیال پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "وہ دل کو کاس کہتا تھا۔ کون جانے اس کے کاس کی ساخت کیا ہے کون جانے وہ بچ کر چلے جانے سے ہی خوش ہو۔"

"جی سر.........." ناصر نے کہا......... اور دانیال اچانک ناصر کو گھورنے لگا پھر۔ "جانتے ہو میں نے یہ ادھوری کہانی کیوں پوری کی ہے۔"

"جی سر.......... نن........ نہیں"

"میں کہہ چکا ہوں کہ میں اسے کبھی پوری نہ کرتا.............. لیکن اچانک میں نے اس کی ضرورت محسوس کی ہے۔"

"جی سر.........."

"میں اپنی بیٹی کے ہوش و حواس کی واپسی کے لئے تمہاری مدد چاہتا ہوں ناصر میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔ تم تابوت نما ریسیور کے قریب کھڑے ہوئے تھے اسے تم پر رت کا دھوکا ہوا اور وہ بے اختیار ہو گئی۔ اگر کوئی اس کی اس کیفیت کو سنبھال لے تو۔ وہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔ اور تم............. تم اس کے لئے کوشش کرسکتے ہو ناصر............."

"م........ میں.........؟"

"ہاں......... میں نے لفظ کوشش استعمال کیا ہے جس میں کامیابی اور ناکامی دونوں ہی

شامل ہو سکتی ہیں۔ میری پوری بات غور سے سنو......... رت جا چکا ہے اور وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ تم اس کی جگہ لینے کی کوشش کرو۔"

"س‌س........ سر.........."

"میری پوری بات سن لو.......... پھر بولنا.......... پروفیسر میڈلینو بھی ایک احمق انسان تھا جس نے میرے سامنے ایک غلط نظریہ پیش کر کے مجھے انسانوں سے دور کر دیا۔ آج میں حتمی طور پر اس کے نظریے کو غلط کہہ سکتا ہوں۔ مگر وہ میرا اور روتیرا کا استاد تھا۔ ہم نے اس کی بات سوچ اور غور کئے بغیر مان لی اور سارا کھیل وہیں سے بگڑ گیا۔ میں نے بھی وہی احمقانہ عمل جاری رکھا اور اپنا سب کچھ کھو بیٹھا.......... سنو ناصر.......... تم نوجوان ہو اور تمہاری زندگی کی کہانی بھی عام کہانیوں سے مختلف ہے۔ تم میرے پاس نوکری کر رہے ہو........ میں تمہیں بہت کچھ دے سکتا ہوں۔ لیکن اتنا کچھ نہیں کہ تم شہنشاہوں جیسی زندگی بسر کر سکو......... ہاں اگر تم میری مدد پر آمادہ ہو جاؤ تو میں تمہیں واقعی وہ کچھ دے سکتا ہوں جس سے تم ہی نہیں تمہاری آئندہ نسلیں بھی عیش کی زندگی بسر کر سکیں۔"

"سر.......... مجھے کرنا کیا ہو گا۔ یہ تو بتا دیجئے۔" ناصر نے پریشان لہجے میں کہا۔

"جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں۔ اسے خاموشی سے سنو......... دیکھو میں دنیا سے ناواقف ایک بے وقوف انسان ہوں جس نے اپنی حماقتوں سے اپنا سب کچھ کھو دیا ہے۔"

"سر میں کسی لالچ کے بغیر آپ کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ آپ یقین کیجئے سر میں آپ سے بے حد متاثر ہوں۔"

"حاذق دانیال نے اپنی دنیا پر عیش بنانے کے لئے ماں کے بعد مجھے باپ کے رشتے سے بھی محروم کر دیا تھا۔ اس کے بعد میں نے رشتوں پر کبھی غور نہیں کیا۔ میں زمین کے فرشتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اس لئے تم مجھ سے صرف وہ بات کرو جو مجھے سکون دے سکتی ہے سنو' پروفیسر میڈلینو نے خلاء سے حاصل ہونے والی ایک آواز سے ایک عظیم خزانے کا راز دریافت کیا تھا۔ پھر اس نے خزانے کے حصول کے لئے کوشش کی اور اسے حاصل کر لیا۔ ہم نے جزائر سالومن میں اس خزانے کی مدد سے ایک عظیم رصد گاہ تعمیر کی لیکن اس کا ایک بٹا پچاس حصہ بھی نہ خرچ کر سکے اور وہ سب کچھ ہمارے پاس بے مقصد پڑا رہا۔ پھر میں یہاں آگیا اور اپنے ساتھ وہ سب کچھ لے آیا۔ کیونکہ نئی رصد گاہ کی تعمیر کے لئے مجھے اس کی ضرورت تھی۔ ناصر میرے دوست اس کے باوجود وہ سب کچھ میرے پاس جوں کا توں ہے اور اتنا ہے کہ اس سے ایک شہر بسایا جا سکتا ہے۔ تم وہ خزانہ لے لو اور ایک شہر بسا دو۔"

"شش شہر بسا دوں.........." ناصر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہاں میری بیٹی کے دل کا شہر۔" دانیال کی آواز سسکی بن گئی۔ اور ناصر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دانیال کو دیکھنے لگا۔ دانیال نے پھر کہا۔ "روایت ہے کہ کوئی باپ کسی نوجوان سے ایسی کوئی بات کبھی نہیں کہتا.......... لیکن میں کیا کروں.... میں نے اس کائنات میں کسی کے لئے کچھ نہیں کیا۔ لیکن میں اپنی ثمر کی زندگی چاہتا ہوں۔ میں اسے اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔"

دانیال کے رخسار بھیگ گئے۔ ناصر اب بھی اسے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ہمدردی سے کہا۔

"میں آپ پر زندگی قربان کرنے کے لئے تیار ہوں سر.......... خدارا خود کو سنبھالئے۔ میں بھی انسان ہوں آپ کے دکھ سے میں بہت متاثر ہوں۔ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں آپ کے لئے لیکن آپ مجھے ہدایات دیں گے سر...... میں آپ کی ہر بات پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ سر پلیز...... آنسو خشک کر لیں...... پلیز......!"

دانیال نے آنسو پونچھے پھر بولا.......... "اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے میرے پاس۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

"نہیں سر، میں سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں سر یہ بے شک انوکھی بات ہے لیکن میں نے آپ کی مجبوری سمجھ لی ہے۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں نا سر کہ میں مس ثمر کے دل سے رت کا خیال نکالنے کی کوشش کروں۔"

"ہاں.......... اسے اپنی طرف راغب کرو.......... خدا کرے تم اس کوشش میں کامیاب ہو جاؤ۔ میں تم دونوں کو یکجا کر کے خوشی محسوس کروں گا اور میرا سب کچھ تمہارے لئے ہوگا۔"

ناصر پوری رات نہیں سو سکا تھا۔ اس نے یہی سوچ سوچ کر رات گزار دی تھی کہ ایک اتنی خطرناک پاگل لڑکی سے اظہار عشق کیسے کیا جا سکتا ہے۔ جو ایک لمحے میں سر پھاڑ دے۔ علی الصباح اس نے ثمر کو باغ میں چہل قدمی کرتے دیکھا۔ صبح کا اجالا آہستہ آہستہ پھوٹ رہا تھا اور ثمر خاموشی سے آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی۔ ناصر کو ایک ترکیب سوجھی وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا چھپ کر عقبی راستے سے باہر نکلا اور پھر ایک ایسی جگہ جا کر گھاس پر لیٹ گیا جہاں سے ثمر پر اس کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ وہ چور نگاہوں سے ثمر کو دیکھتا رہا۔ پھر ثمر کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ ٹھٹھک کر رک گئی اور اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے

اسی طرف قدم بڑھا دیئے۔ ناصر نے آنکھیں بند کر لیں اور ہولے ہولے کراہنے لگا۔ اس کے کانوں نے قدموں کی چاپ سنی اور وہ دل ہی دل میں خوش ہونے لگا۔ چاپ قریب آگئی اور اس کے کراہنے کی آواز تیز ہو گئی۔ پھر ایک نرم دباؤ اس کے سینے پر پڑا۔ ثمر نے ہمدردی سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ پھر اس نے آواز سنی۔

"زخم میں تکلیف ہے مائی سن.........." ناصر نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ مسز سیسل اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ ناصر بوکھلا کر اٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ثمر کو تلاش کیا۔ وہ کچھ فاصلے پر پھولوں کے ایک کنج کے قریب پشت کئے کھڑی تھی۔

مسز سیسل نے ہمدردی سے کہا...... "نونو.......... آرام سے لیٹو.......... پلیز لیٹ جاؤ.......... زیادہ تکلیف ہوتا ہے۔"

"تکلیف......" ناصر نے حیرانی کا مظاہرہ کیا۔

"تم کراہتا تھا.........."

"اوہ سوری مسز سیسل.......... ہمارا گانا آپ کو کراہنا لگا۔ ویری سوری"

"گانا..........؟" سیسل حیرت سے بولی۔

"ہاں میں ایک انگلش سانگ گنگنا رہا تھا۔ اصل میں مجھے گنگنانا نہیں آتا۔"

"اونو...... تم کراہ رہا تھا۔"

"میرے دوست بھی یہی کہتے ہیں کہ جب میں گاتا ہوں تو روتا اور کراہتا ہوا لگتا ہوں۔"

"نٹی بوائے.......... میرے کو بے وقوف بناتا ہے۔" سیسل مسکرا کر بولی

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں مسز سیسل.........."

"بے بی کا ساتھ باہر نکل آیا۔ ہمیں اس کا ساتھ رہنا ہوتا ہے نائٹ کو بھی مسٹیک ہو گیا مسٹر دانیال شریف آدمی ہے ورنہ ہمارا نوکری تو گیا تھا۔"

"مسز سیسل.......... آپ کو معلوم ہو گا کہ ثمر کو کیا تکلیف ہے؟"

"گوڈ جانتا ہے.......... ہمیں نہیں معلوم.........."

"کیا وہ ہر وقت ایسی ہی رہتی ہے؟"

"زیادہ ٹائم خاموش رہتا ہے کبھی ہم سے بات کرتا ہے اور بائی گاڈ...... اس ٹیم وہ بالکل نارمل لگتا ہے۔"

"آپ سے بات کرتی ہے۔؟"

"سیورل ٹائم بات کیا۔"

"کیا بات کرتی ہے۔"

"مجھ سے پوچھا میں کون ہے ادھر کیوں آیا ہے۔"

"آپ نے کیا کہا.........؟"

"یہی کہ میں اس کا سرونٹ ہے۔"

"کچھ بولی۔"

"نہیں خاموش ہو جاتا ہے۔"

"اور کوئی بات ہوئی۔"

"مجھ سے پوچھا میں پہلے کدر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ورلڈ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ابھی دیکھو وہ واپس جاتا ہے۔ میں جاتی ہوں۔ تم میرے کو بولو تمہیں زیادہ تکلیف ہے۔"

"ہاں بہت درد ہوتا ہے۔" ناصر نے اپنا پلان بدل دیا۔ مسز سیسل کی آنکھوں میں ہمدردی کے آثار ابھر آئے اس نے کہا۔

"ابھی تم دو منٹ کا بعد اندر آ جاؤ.........ہم تمہارا بینڈیج چینج کرے گا اور تمہارے کو پین کلر دے گا۔ دن کو ہم مسٹر دانیال کو بولے گا کہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔"

"اوکے مسز سیسل۔" ناصر نے جواب دیا اور مسز سیسل تیز رفتاری سے ثمر کے پیچھے چل پڑی۔

ناصر مسکرانے لگا تھا۔ یہ عمدہ ملازمت ہے۔ اسے عشق کرنا ہے اور اگر اس میں کامیابی حاصل ہو جائے تو ایک عظیم الشان دولت حاصل ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ والہ ایسی ملازمت کا تصور بھی کبھی نہیں کیا جا سکتا۔

مسز سیسل بہت دیر کے بعد اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"سوری سن تمہیں ویٹ کرنا پڑا........" اس نے چائے کے برتن رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں مسز سیسل.........میں خود ابھی آیا ہوں۔" ناصر نے جواب دیا۔ مسز سیسل اس کے لئے چائے بنانے لگی تھی۔ اس نے بسکٹ کی پلیٹ آگے بڑھاتے ہوئے کہا تو بسکٹ کھاؤ"

"کیا یہ پین کلر بسکٹ ہیں........." ناصر نے پوچھا۔

"شرارت نہیں کرو.......خالی پیٹ تمہیں پین کلر ٹیبلیٹس نہیں دے گا۔ نقصان کرتا ہے۔ پہلے یہ بسکٹ کھاؤ پھر یہ دودھ والا چائے پیو......اس کے بعد تمہیں ٹیبلیٹس دے گا۔"

"پھر ٹیبلیٹ کی کیا ضرورت رہ جائے گا مسز سیسل؟"

"کیوں؟"

"پیٹ بھر جائے گا تو درد بھی دور ہو جائے گا۔ یہ درد بھوک سے تو ہو رہا تھا۔" ناصر نے کہا۔

"بھوک کا درد سر میں۔" مسز سیسل تعجب سے بولی۔

"سر میں درد کہاں تھا مسز سیسل تکلیف تو میرے پیٹ میں ہو رہی تھی۔ اب بالکل ٹھیک ہوں۔" مسز سیسل خوب ہنسی تھی وہ ہنس ہی رہی تھی کہ ثمر اچانک کمرے میں داخل ہو گئی۔ مسز سیسل اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ لیکن ثمر کا چہرہ نارمل تھا۔ اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"سوری......میں ناک کئے بغیر اندر آ گئی۔"

"او نو بے بی.............کوئی بات نہیں آؤ۔" مسز سیسل نے کہا۔

"آپ لوگ ہنس رہے تھے کس بات پر......"

"ناصر نائی بوائے ہے۔" مسز سیسل نے ہنس کر کہا۔

"میں بھی ہنسنا چاہتی ہوں مسز سیسل مگر مجھے ہنسی نہیں آتی۔ مجھے بتائیے میں کیا کروں۔" اس کے دکھ بھرے انداز پر ناصر اور سیسل دونوں ہی سنجیدہ ہو گئے تھے۔ اس نے دوبارہ کہا.........."مسز سیسل کہہ رہی تھیں کہ مجھے آپ سے سوری کرنی چاہئے مسٹر ناصر...... آئی ایم سوری میں نے آپ کو زخمی کر دیا تھا۔"

"او نو بے بی نو.......ایسا بات نہیں.....میں تمہارے کو اصل بات بتائے......" مسز سیسل نے دوبارہ زبردستی ہنستے ہوئے کہا.....پھر اس نے پوری بات ثمر کو بتائی۔ لیکن ثمر خاموش کھڑی رہی۔

"اوکے میں چلتی ہوں۔" وہ باہر نکل گئی۔ مسز سیسل بھی اٹھ گئی تھی ناصر نے کہا۔

"ایک منٹ مسز سیسل۔" اور مسز سیسل رک گئی۔

"آپ نے ثمر سے کیا کہا تھا۔"

"وہ مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ میں نے اسے بتایا تو وہ پشیمان ہونے لگی۔ پھر بولی کہ اب میں کیا کروں تو میں نے کہا تھا کہ وہ تم سے سوری کرے وہ سوری کرنے آیا تھا۔"

"مسز سیسل" ناصر سنجیدگی سے بولا......"رات کو مسٹر دانیال نے مجھ سے

درخواست کی ہے کہ میں ثمر کا ذہنی کرب دور کرنے کی کوشش کروں اس سے دوستانہ انداز اختیار کروں ہو سکتا ہے وہ دوست ہو جائے۔"

مسز سیسل نے گہری نگاہوں سے ناصر کو دیکھا پھر بولی............ "میں تمہارے کو ایک بات بولے۔"

"ضرور مسز سیسل"۔

"اس کو لو کرو.......... محبت لاکھوں بیماریوں کا علاج ہے۔ ابھی میرے کو سوری کرو اسے زیادہ دیر تک نہیں چھوڑ سکتا۔" مسز سیسل نے کہا اور باہر نکل گئی۔ ناصر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ یہ سب کچھ اس نے اب تک نہیں کیا تھا۔ وقت نے موقع ہی نہیں دیا تھا۔ ایسے ہی حالات رہے تھے اس کے........ اور یہ سب کچھ اسے بے حد عجیب لگ رہا تھا۔ ثمر ایک حسین لڑکی تھی۔ اس پر تھوڑا سا غور کر کے اسے چاہا جا سکتا تھا لیکن....... یہ سب بہت مشکل تھا۔ جس دولت کا دانیال نے تذکرہ کیا تھا وہ بھی بڑی سحر انگیز تھی۔ اکثر ناصر نے تصور میں خود کو ایک امیر کبیر شخص کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ اس نے دولت کے حصول کے لئے بے شمار تصور گھڑ رکھے تھے رات کو بستر پر لیٹ کر وہ آنکھیں بند کر لیتا اور پھر تصور کا گھوڑا دوڑنے لگتا۔ اسے دولت مل جاتی اور وہ نہ جانے کیا کیا مسائل حل کر لیتا۔ لیکن اس یقین کے ساتھ کہ نہ اسے یہ دولت کبھی ملے گی اور نہ اس کی تصور کردہ زندگی۔

شام کا وقت تھا۔ کوٹھی کے باغ میں کوے کائیں کائیں کر رہے تھے ناصر باہر نکل آیا کچھ فاصلے پر اس نے مسز سیسل کو ثمر کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ثمر شاید غسل کر کے آئی تھی اس کے بال بڑے آرٹسٹک انداز میں اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے اور اس عالم میں وہ بہت خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ ناصر ایک لمحے کے لئے کھو سا گیا۔ اس نے دل میں سوچا کہ ثمر واقعی بے حد خوبصورت ہے۔ ناصر فطرتاً شریف انسان تھا۔ دانیال کے ہاں اسے نوکری ملی تھی۔ اس نے ثمر کو کبھی ایک مرد کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اب یہ اس کی ڈیوٹی تھی اور اس وقت یہ ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوئے اسے یہ عجیب احساس ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے ثمر کو دیکھتا رہا۔ ان دونوں کو اس کی اس چوری کا علم نہیں تھا۔ پھر اس کے کانوں میں ثمر کے یاس انگیز الفاظ ابھرے۔

"میں بھی ہنسنا چاہتی ہوں مسز سیسل...... مجھے ہنسی نہیں آتی۔" ناصر سوچنے لگا پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کوؤں کے قبیلوں کے بارے میں اسے اچھی طرح اندازہ تھا۔ کسی کے پیچھے پڑ جائیں تو آخری وقت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ناصر نے

کوئی فیصلہ کیا پھر وہ اندر چلا گیا اور کچھ تو نہیں مل سکا ایک لمبے رومال کو گوپھن بنایا اور اس میں پتھر کا ایک ٹکڑا رکھ کر باہر نکل آیا۔ پھر اس نے خود کو ان دونوں سے اس طرح بے تعلق ظاہر کیا جیسے انہیں دیکھ نہ پایا ہو۔ اس نے گوپھن گھما کر پتھر کوؤں پر اچھال دیا۔ انداز ایسا رکھا تھا کہ کوا مضروب تو ہو جائے مرنے نہ پائے۔ اور وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔ ایک کوا ضرب کھا کر نیچے گر پڑا تھا۔ ناصر نے دوڑ کر اسے اٹھایا۔ اس کی ضرب دیکھی اور پھر اسے درخت کی ایک شاخ پر چھوڑ دیا۔ بس اتنا کافی تھا۔ کوؤں کے جرگے نے اس کے خلاف فیصلہ دیدیا۔ وہ انتقام کے پیاسے ہو گئے اور جھک جھک کر اس پر حملے کرنے لگے۔ ناصر کوؤں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے لگا۔ کوؤں نے وہ داؤ پیچ استعمال کئے کہ ناصر گھبرا گیا۔ مذاق ہی مذاق میں کہیں آنکھ نہ پھوٹ جائے۔ غضبناک کوئے کئی بار اس کے سر پر ٹھونگیں مار چکے تھے۔ ناصر قلابازیاں کھا رہا تھا جو کوؤں کے انداز میں اچھل رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ دزدیدہ نظروں سے ثمر کو بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ ثمر اس کھیل کی طرف متوجہ تھی۔ پھر اچانک اس نے ثمر کا قہقہہ سنا۔ اس وقت وہ درحقیقت کوؤں کے حملے سے بچتے ہوئے قلابازیاں کھا گیا تھا۔

ثمر کی خوبصورت ہنسی نے اس کی قیمت وصول کر دی تھی۔ تبھی اسے مسز سیسل کی آواز سنائی دی۔ "اندر بھاگ جاؤ....... یہ تمہارا مغز باہر نکال لے گا۔"

"بچائیے مسز سیسل" ناصر چیخ کر ان لوگوں کی طرف بھاگا۔ اور ان کے قریب پہنچ گیا۔

"ان کا بہت یونٹی ہے۔ یہ تمہارے سے ریوینج لئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ آؤ بے بی اندر چلو....... یہ ہم کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔" مسز سیسل نے کوؤں کے غول کو اس طرف آتے دیکھ کر کہا۔ پھر بولی "تم بھی اندر چلو یہ تمہارے کو۔"

کوئے نیچے جھکنے لگے تو ناصر کو بھی سچ مچ اندر بھاگنا پڑا۔ ثمر اب بھی ہنس رہی تھی۔ ناصر کو ساری کائنات ہنستی ہوئی لگ رہی تھی۔ ثمر کی ہنسی بہت خوبصورت تھی اندر پہنچ کر اس نے کہا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم نے انہیں پتھر کیوں مارا تھا۔"

"میں نے تو بہت آہستہ سے مارا تھا مس ثمر......!" ناصر نے بسورتے ہوئے کہا۔

"ان کو لگا ہو گا۔"

"ہاں لگا تو تھا! ناصر نے بدستور اسی انداز میں کہا۔"

"بس تو پھر..... وہ بھی بدلہ لیں گے۔"

"مسز سیسل....... پلیز میری بینڈیج کر دیجیے۔"

"اپنی کدر کا بینڈیج کرے گا۔"

"انہوں نے میری کھوپڑی میں چونچیں ماری ہیں۔"

"اس کا بینڈیج نہیں ہو گا۔ جاؤ نل کے نیچے جا کر کھڑا ہو جاؤ۔" مسز سیسل نے بھی ہنس کر کہا۔ اور ناصر سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا اندر چلا گیا۔ حالانکہ وہ جوکر نہیں بننا چاہتا تھا لیکن جو کچھ بھی اس نے کیا تھا اسے اس کا پھل مل گیا تھا۔

رات کو مسز سیسل نے کہا..... "تم جان بوجھ کر ایسا کیا..... ہمارے کو معلوم ہے پر بائی گاڈ..... وہ ہنسا تھا بیوٹی فل لگتا تھا۔ تم نے چیک کیا۔"

"ہاں۔" ناصر نے آہستہ سے کہا..... پھر وہ ساری رات ثمر کو ہنستے ہوئے دیکھتا رہا تھا وہ قہقہے لگا رہی تھی۔ اور صبح پانچ بجے اس نے آخری قہقہہ لگایا تھا۔ پھر ناصر کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اور اس کے بعد نیند نہیں آئی تھی۔ کیا ہو رہا ہے یہ سب کچھ..... نوکری کر رہا ہوں یا ناٹک..... دانیال نے اس سے کہا تھا کہ اس کی بیٹی کے دماغ سے رت کا خیال نکال دے..... رت..... جس کی کہانی وہ اخبارات میں پڑھ چکا تھا۔ ایک خوفناک کہانی..... اور یہ لڑکی اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے۔ اور اب مجھے اس کا التفات حاصل کرنا ہے۔ ناممکن ہے ہو ہی نہیں سکتا۔ نوکری البتہ جا سکتی ہے۔ پھر وہ دولت جس کی کہانی طارق دانیال نے سنائی تھی۔ احمق ہوں میں..... زندگی میں بھلا ایسا کوئی تصور کیا جا سکتا ہے۔ نیند تو اڑ گئی تھی۔ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا..... پھر بال وغیرہ سنوار کر ہوا خوری کے لئے باہر نکل آیا۔ رات بھر خوابوں نے پریشان کیا تھا لیکن بڑے دروازے سے نکلا تو خواب زادی نظر آ گئی۔ پھولوں کی کیاریوں کے پاس کھڑی تھی۔ کچھ فاصلے پر مسز سیسل بھی نظر آ گئیں۔ انہوں نے اسے دیکھ بھی لیا تھا۔ اس نے اشارے سے کہا وہ اوجھل ہو جائے اور اس نے گردن ہلا دی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ ثمر کی طرف چل پڑا۔ اس نے اپنے ذہن میں خوبصورت الفاظ تراشے تھے اور نپے تلے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ لیکن ..... اچانک پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی۔ اور پھر کائیں کائیں کی آواز ابھری۔

"ارے باپ رے۔" ناصر کے منہ سے نکلا اور اس نے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر دوڑ لگا دی۔ ثمر بھی چونک کر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر ناصر کو اس طرح دوڑتے دیکھ کر وہ ہنس پڑی۔ وہ چیخ کر بولی۔

"نہیں چھوڑیں گے..... وہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔"

"بچائیے..... مس ثمر مجھے بچائیے۔"

"میں کیسے بچاؤں۔" اس نے کہا۔

"لکڑی وہ لکڑی" ناصر نے درخت سے ٹوٹی ایک لکڑی کی طرف اشارہ کیا اور بات ثمر کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے دوڑ کر لکڑی اٹھائی اور ناصر کی طرف اچھال دی۔ ناصر کوؤں سے لٹھ بازی کرنے لگا۔

ثمر ہنستے ہنستے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ مسز سیسل بھی یہ منظر دیکھ کر باہر آ گئیں۔ انہوں نے چیخ کر کہا۔

"بہتر ہے تم اندر ہی آ جاؤ..... وہ تمہیں نوچ نوچ کر گنجا کر دے گا۔"

"آتا ہوں..... آتا ہوں۔" ناصر نے کہا اور دوڑتا ہوا اندر گھس آیا۔ مسز سیسل نے ثمر کو بھی پکارا..... اور وہ ہنستی ہوئی اندر آ گئی۔ ناصر لکڑی پھینک کر ہانپ رہا تھا۔

"اب کیا ہو گا مسز سیسل" ثمر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کوا لوگ اسے نہیں چھوڑے گا۔"

"ہائے مسٹر ناصر کے تو سارے بال غائب ہو جائیں گے۔" ثمر بولی۔

"میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے۔" ناصر بولا۔

"کیا.....؟" سیسل نے پوچھا۔

"یہاں تو کوئی ٹوپی بھی نہیں ملے گی۔ مگر کوئی بات نہیں..... میں کل سے سر پر کپڑا باندھ کر نکلا کروں گا۔"

"پھر وہ تمہارا گال نوچے گا۔" مسز سیسل ہنس کر بولی..... اور ناصر نے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھ لئے۔

"اب تمہیں فیس ماسک لگانا پڑے گا اور سر پر کپڑا باندھنا ہو گا.....! مسز سیسل یہ کیسے لگیں گے۔"

"تم لوگ چائے پیو گے.....؟" مسز سیسل نے پوچھا۔

"ہاں مسز سیسل میں چائے پیوں گی۔ اور مسٹر ناصر بھی۔ ثمر نے کہا اور مسز سیسل چائے تیار کرنے چلی گئی۔

"باہر چلیں.....؟" ثمر مسکرا کر بولی..... اس کی آنکھوں میں شرارت ابھر آئی تھی۔

"وہ میری آنکھیں پھوڑ دیں گے۔"

"تو تم نے انہیں کیوں چھیڑا تھا۔ میں نے انہیں درختوں پر بیٹھے دیکھا تھا او مائی گاڈ..... انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا..... وہ تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

ناصر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک وہ بولا۔

"آپ کو کرکٹ کھیلنا آتی ہے ثمر.........!"

"کرکٹ.......... نہیں تو۔"

"کھیلی بھی نہیں ہے۔"

"ٹی وی پر دیکھتی ہے۔"

"اسے کھیلنے میں بڑا مزا آتا ہے۔ ابھی کچھ دن کے بعد کرکٹ میچ شروع ہونے والے ہیں آپ دیکھیں گی۔"

"نہیں...... اس سے وقت ضائع ہوتا ہے کیا فائدہ.......؟"

"آپ ویسے بھی تو کچھ نہیں کرتیں.......... میں سمن پور جا کر کرکٹ سیٹ لاؤں گا مگر کس کے ساتھ کھیلوں گا۔" اتنی دیر میں مسز سیسل آ گئیں اور ناصر جلدی سے بولا...... "مسز سیسل آپ کو کرکٹ کھیلنا آتی ہے۔"

"نائی بوائے.......... لو چائے پیو" مسز سیسل نے ان کے لئے چائے بناتے ہوئے کہا اور پھر دونوں کو پیالیاں پکڑا دیں۔ وہ ایکدم سنجیدہ ہو گئی تھی۔ لیکن خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتی رہی تھی پھر پیالی رکھ کر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں جا رہی ہوں......" اور اس کے بعد وہ اٹھ کر اندر چل پڑی۔ ناصر اور مسز سیسل ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے تھے چند لمحات خاموش رہنے کے بعد مسز سیسل نے کہا......

"کوئی خاص بات ہوئی تھی؟"

"نہیں مسز سیسل کوئی خاص بات نہیں" مسز سیسل سوچ میں ڈوب گئی۔ چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"لیکن اس کے اندر تھوڑی سے تبدیلی دیکھی ہے میں نے پہلے زیادہ تر خاموش رہتی تھی، لیکن اب باتیں کرتی ہے۔ اور باتیں بھی کافی سمجھداری کی ہوتی ہیں۔"

"ہاں مسز سیسل......" ناصر نے کہا...... مسز سیسل غم ناک لہجے میں بولیں۔

"بہت سویٹ بے بی ہے۔ گاڈ جانتا ہے کہ اسے کیا پرابلم ہے ہم لوگ سب سے زیادہ مظلوم ہوتے ہیں ناصر....... ہم نوکریاں کرتا ہیں' مالکان کی خوشی حاصل کرنے کے لئے' ایکٹنگ کرتے ہیں لیکن ہیں تو انسان نا' کبھی کبھی ہم محبت بھی کرنے لگتے ہیں لیکن ہماری محبت کو بھی معاوضے کے ترازو سے تولا جاتا ہے' مالک ہمیں معاوضہ دیتے ہیں اور اگر ہم سچے

دل سے کچھ کہیں تو اسے بھی وہ لوگ اس معاوضے کی ادائیگی سمجھتے ہیں۔" ناصر نے مسز سیسل کو دیکھا اور آہستہ سے بولا.....

"میرا خیال ہے طارق دانیال ذرا مختلف آدمی ہے ابھی تک اس کے انداز میں کوئی ایسی بات نہیں پائی گئی۔"

"تم ٹھیک کہتا ہے' وہ بہت اچھا آدمی ہے اور میں نے کسی وجہ سے یہ بات نہیں کہی' بس میرا دل چاہتا ہے کہ یہ لڑکی ٹھیک ہو جائے۔ بہت دل چاہتا ہے میرا...........؟"

ناصر نے طارق دانیال سے اجازت لی اور گاڑی لے کر سمن پور چل پڑا۔ طارق دانیال بہت فراخ دل انسان تھا۔ ناصر کے معمولات میں اس نے آج تک مداخلت نہیں کی تھی۔ ویسے بھی یہاں بہت مختصر سی ذمہ داریاں تھیں جو ان دونوں نے سنبھال رکھی تھیں۔ سمن پور سے ناصر نے کرکٹ کھیلنے کا سامان خریدا اور اس کے بعد واپس آ گیا۔ پھر اسی شام کوٹھی کے لان پر کرکٹ جم گئی۔ ناصر نے مسز سیسل سے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کرکٹ کھیلیں اور مسز سیسل بہت سا شرمائی تھیں۔ وہ کہنے لگیں۔

"نائی بوائے میں نے تو کبھی بال کو ہاتھ میں بھی نہیں پکڑا......"

"مسز سیسل یہ ضرورت ہے۔" ناصر نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم بہت شریر ہے ابھی کرکٹ کھیلنے کا کیا ضرورت ہے۔"

"پلیز.........."

"ٹھیک ہے بابا ٹھیک ہے۔" اور ناصر لان پر آ گیا۔ کوے آج تک اپنی دشمنی نہیں بھولے تھے۔ کہیں سے انہوں نے دیکھ لیا اور ایک عجیب و غریب کرکٹ ہونے لگی۔ ناصر بال کو ہٹ کرنے کی بجائے سر پر جھپٹے مارنے والے کوؤں پر بیٹ زیادہ استعمال کر رہا تھا۔ مسز سیسل ہنس ہنس کر دہری ہوئی جا رہی تھیں۔ اس وقت ثمر ان کے ساتھ موجود نہیں تھی۔ لیکن ناصر نے بخوبی دیکھ لیا تھا کہ ثمر کھڑکی میں کھڑی ہوئی انہیں دیکھ رہی ہے۔ پھر اس سے نہ رہا گیا اور وہ لان پر ہی آ گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور ہونٹوں سے ہنسی پھوٹ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری مسز سیسل' مسٹر ناصر تو کوؤں کو ہٹ لگا رہے ہیں' آپ بلاوجہ گیند پھینک رہی ہیں۔"

"اوہ بے بی کیا کریں.......... یہ نائی بوائے افسوس کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کرکٹ کھیلنے والا کوئی نہیں ہے۔"

"آپ پہلے کوؤں سے دوستی کریں مسٹر ناصر' اس کے بعد باہر نکلیں۔ ورنہ واقعی آپ

کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔"

"پلیز آپ ایک لمبی سی لکڑی لے کر ان کوؤں کو بھگایئے ہمیں تھوڑی سی کرکٹ کھیل لینے دیجیے۔"

"میں ایسا کرتا ہے لکڑی میں لے آتا ہے اور بے بی بالنگ کرے گا۔"

"مجھے نہیں آتی" ثمر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پلیز مس ثمر........ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"ارے....... آپ کرکٹ نہیں کھیلیں گے تو کیا مر جائیں گے۔"

"ہاں"

"کیوں.........؟"

"یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا......." ناصر نے کہا اور ثمر ہنس پڑی۔

"یہ عجیب بات ہے" ثمر نے کہا۔ پھر اس نے کئی گیندیں پھینکیں اور پھر گھاس پر بیٹھ گئی۔ "میرا ہاتھ دکھ گیا اب نہیں کھیلتی" پھر اس نے چونک کر کہا.............. "مسٹر ناصر آپ کو لان ٹینس آتی ہے؟"

"بہت اچھی آتی ہے۔"

"مجھے بہت پسند ہے۔" اس نے کہا اور پھر اداس ہو گئی کچھ دیر لان پر بیٹھی......... پھر کچھ کہے بغیر اندر چلی گئی۔

دوسرے دن دانیال نے کہا........... "میں تمہاری کارکردگی سے بہت خوش ہوں ناصر........... اس میں نمایاں تبدیلیاں دیکھی ہیں میں نے........ پچھلی رات وہ لیب میں بہت دیر تک کام کرتی رہی تھی۔ اور اس کے عمل میں ربط تھا۔"

"سر میری دلی آرزو ہے کہ مس ثمر نارمل ہو جائیں۔ حالانکہ سر میں اپنی پوری زندگی میں کبھی جو کر نہیں بنا.......... لیکن یہ بہت ضروری تھا اور مجھے کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

"میں تمہیں اس کا کوئی صلہ نہیں دے سکتا ناصر......... بس کچھ غلطیاں ہوئی ہیں مجھ سے جنہوں نے مجھے اس حال میں پہنچا دیا ہے۔ لیکن ناصر تم خیال رکھنا بیٹے.......... دنیا کو دنیا ہی کی طرح گزارنا چاہیے۔ کبھی خود کو دوسروں سے منفرد کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ فطرت سے ہٹنے والے ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں۔"

"جی سر............"

"مجھے یقین ہے تم اسے نارمل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

ناصر دوبارہ سمن پور گیا اور لان ٹینس کا نیٹ بیٹ اور دوسری چیزیں خرید لایا......!

اس نے بڑی محنت سے پول گاڑے اور پھر نیٹ باندھ کر ثمر کو دعوت دیدی۔ ثمر نیٹ دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔

"ارے کون کھیلے گا..........؟"

"میں اور آپ........"

"میں..............؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں.............. کیوں؟"

"مجھے کہاں آتی ہے۔"

"آپ نے کہا تھا۔"

"اوہ میں نے کہا تھا کہ مجھے لان ٹینس پسند ہے۔ یہ کب کہا تھا کہ میں کھیل بھی سکتی ہوں۔"

"دیکھئے میں بتاتا ہوں" ناصر نے کہا اور پھر وہ اسے لان ٹینس سکھانے لگا۔

وہ جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ چنانچہ یہ ہوا کہ ثمر الٹے سیدھے ہاتھ مار کر کھیلنے لگی جب کہ ناصر اس سے ہارنے لگا۔ اس سے ثمر کے اندر اعتماد پیدا ہو رہا تھا اس نے کھل کھلا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے ہاں آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ کو ٹینس آتی ہے۔"

"اتنی اچھی تھوڑی آتی ہے۔" آپ نے مجھے بے وقوف بنا دیا اور کہا کہ آپ کو ٹینس نہیں آتی اور اب مجھے مسلسل ہرا رہی ہیں۔"

"ثمر خوب ہنسی اور بولی

"آپ جیسے کھلاڑی کو کسی بڑے میچ میں بھیج دیا جائے تو میرا خیال ہے آپ ہارنے میں اپنا ریکارڈ قائم کریں گے۔"

"مس ثمر جیتنے والے کا نظریہ کچھ اور ہوتا ہے لیکن کبھی ہارنے میں بھی وہ مزہ آتا ہے کہ جیت اس کے سامنے بیکار ہو جاتی ہے......." ثمر نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا' دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی.........

"آپ بہت ہی عجیب آدمی ہیں بہت ہی عجیب......... لیکن لیکن اور اس لیکن کے آگے اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اس کے اندر اب کافی بہتری کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

پھر اس رات جب طارق دانیال اپنی رصد گاہ کی دور بین سے خلاء میں جھانک رہا تھا۔ تو ثمر اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی۔ دانیال نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا اور بولا۔

"ان دنوں مجھے خلاء میں کچھ نئے سیارے نظر آ رہے ہیں۔ یہ دیکھو میں نے ایک پوائنٹ ٹارگٹ کیا ہے تمہیں اس کے بارے میں معلوم ہے؟" ثمر نے دور بین سنبھالی دیر تک وہ اس ٹارگٹ کو دیکھتی رہی پھر بولی "نہیں یہ اجنبی سیارہ ہے۔"

"اس کا تجزیہ دلچسپ ہو گا۔"

"ڈیڈی ہم سینس ریز کو اس کے قریب پہنچانے کی کوشش کریں۔ تو ممکن ہے ہمیں اس کا بہتر تجزیہ حاصل ہو سکے۔"

"بہترین خیال ہے۔ لیکن میں تنہا تو کچھ نہیں کر سکوں گا کیا تم میرا ساتھ دو گی۔"

"ہاں اور ہم ناصر کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیں گے۔ وہ بہت ذہین ہے۔"

"بہترین آئیڈیا ہے۔" دانیال نے مسرت سے کہا۔

چنانچہ ناصر اب لیبارٹری میں کام کرنے لگا ثمر سنبھلتی جا رہی تھی اور دانیال گہری نگاہوں سے اس کا تجزیہ کر رہا تھا۔ وہ ناصر سے بہت کام لیتی تھی۔ اسے بتاتی تھی اور غلط اقدامات پر ڈانٹ بھی دیتی تھی۔ پھر دانیال نے کئی بار رصد گاہ سے غائب رہ کر انہیں کام کرنے کا موقع بھی دیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ ثمر ناصر پر بہت اعتماد کرنے لگی ہے۔ ایسی ہی ایک رات کو جب ثمر دور بین سے خلاء میں جھانک رہی تھی اور ناصر اس کی معاونت کر رہا تھا اچانک ثمر نے کہا۔

"کیا تمہارے دل میں کبھی آرزو پیدا ہوئی ہے کہ تم خلاء کی سیر کرو.........؟"

"باپ رے باپ.........ویران خلا میں ان خاموش ستاروں کے سوا اور کیا ہے۔ ہماری زمین زندگی سے بھر پور ہے۔" ناصر نے کہا اور ثمر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی حسین آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو.........آؤ باہر کھلی ہوا میں چلیں۔" اس نے ناصر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اچانک ناصر کا دل دھک سے رہ گیا۔ اچانک ہی اسے محسوس ہوا تھا جیسے اس کے سینے میں ایک غنچہ چٹکا ہو.........ایک کونپل نے سر ابھارا ہو.........وہ بری طرح خوفزدہ ہو گیا۔

ثمر کے ہاتھ کا لمس اس کے وجود میں تھرتھری پیدا کر رہا تھا تاہم وہ اس کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا باہر نکل آیا۔ ثمر نے کوٹھی کی عقبی سمت کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم کسی ایسی جگہ بیٹھیں گے جہاں روشنی نہ ہو۔ کبھی کبھی یہ روشنیاں مجھے بہت بری لگتی ہیں۔"

عقبی باغ کے ہلکورے لیتے ہوئے درختوں کے نیچے اندھیرا تھا۔ ثمر ہنس کر بولی۔ "تمہیں نظر آ رہا ہے؟"

"تھوڑا بہت۔ یہاں اندھیرا زیادہ ہے۔"

"مجھے سب کچھ صاف نظر آ رہا ہے۔ ہم تو تاریک خلا میں جھانکتے ہوئے زندگی گزار چکے ہیں اب ہمیں تاریکی میں چھپی ہوئی ہر چیز نظر آ جاتی ہے بیٹھو یہ جگہ صاف ہے۔" ٹھنڈی نرم گھاس بڑی فرحت بخش لگ رہی تھی ناصر اس پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ثمر چند لمحات خاموش رہی۔ پھر بولی۔

"لگتا ہے تمہیں واقعی کچھ بھی نظر نہیں آ رہا اچھا بتاؤ یہ کتنی انگلیاں ہیں؟" اس نے ہاتھ کھڑا کر کے کہا۔

"کک کیسی انگلیاں"۔ ناصر شرارت سے بولا۔ حالانکہ اب اسے مدھم نظر آنے لگا تھا۔

"میرے ہاتھ کی انگلیاں"۔ ثمر بولی

"کون سا ہاتھ"۔ ناصر نے کہا اور ثمر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"ارے تمہیں میرا ہاتھ بھی نظر نہیں آ رہا ہے........."

"ہاں واقعی بڑا اندھیرا ہے"۔

"تاریک خلا میں سفر کرتے ہوئے جب کبھی راستے میں کوئی چمکدار ستارہ آ جاتا ہے تو آنکھوں میں چبھن ہونے لگتی ہے۔ ویسے تم بہت اچھے انسان ہو' تم نے مجھے پھر سے ہنسنا سکھا دیا ہے' ترستی تھی میں ہنسنے کے لئے' جی چاہتا تھا کہ ہنسوں لیکن ہنسی نہیں آتی تھی' مجھے دکھ بھی تھا' ڈیڈی کے لئے میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ ڈیڈی کے سامنے میں خوش رہوں لیکن نجانے کیوں دل میں اداسیاں رینگ آتی ہیں۔ تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں میں........."

"ہاں ثمر' ضرور پوچھو.........؟"

"تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے کہا تھا کہ ویران خلا میں ان خاموش ستاروں کے سوا کیا ہے ہماری زمین زندگی سے بھر پور ہے۔ وہ زندگی کیا ہے' مجھے بتاؤ' کیا ہے وہ زندگی اور اس

میں چھپی ہوئی خوشیاں کیا ہوتی ہیں' میں جاننا چاہتی ہوں اس زندگی سے' اس زمین سے میری واقفیت بالکل نہیں ہے' لوگوں سے بہت کم ملی ہوں۔ نہ کوئی دوست ہے میری زندگی میں' نہ دشمن' محبت بس ایک شخص کے ساتھ منسلک ہے' میری ماں بہت پہلے مر گئی اور رفتہ رفتہ میں اس کی محبت کو بھی فراموش کر بیٹھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میری زندگی میں ایک خیال' ایک انوکھا اشارہ' کچھ وقت کے لئے ہم سے منسلک ہوا تھا لیکن وہ ایک تصور تھا ایک خواب جس سے آنکھ کھل گئی اور اب اس کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ جینے کے لئے کیا کیا جائے۔ اگر یہاں اس نامانوس زمین پر رہ کر ستاروں کو ہی جھانکنا ہے تو پھر ستاروں کے درمیان زندگی کیوں نہ گزاری جائے......"

"مجھ سے کیا پوچھنا چاہتی ہوں ثمر............؟"

"مجھے بتاؤ' انسان کو زمین پر خوش رہنے کے لئے کیا کرنا چاہئے.........؟"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ میں اچھا انسان ہوں۔ میں نے تمہیں ہنسا دیا ہے ثمر' یہ بتاؤ خلا میں جھانکتے جھانکتے تمہیں عمر گزر گئی۔ تمہاری تحویل میں کتنے ستارے ہیں..........؟"

"ستارہ تو ایک بھی نہیں ہے؟"

"تو پھر ان بے نام چیزوں سے دلچسپی کیا معنی رکھتی ہے سائنسی تحقیق ایک بالکل الگ چیز ہے' تم نے سائنسی رسائل پڑھے ہوں گے۔ ماہرین فلکیات ستاروں کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے ہیں۔ خلا کی بہت سی چیزوں کو منظر عام پر لاتے ہیں۔ لیکن وہ ستاروں کے حصول کے خواہاں نہیں ہوتے۔ ثمر ہر چیز حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتی۔ کتابوں میں تو کائنات کے گزرے ہوئے لاکھوں ادوار کی باتیں ہیں۔ ایسی ایسی باتیں جنہیں پڑھ کر دل چاہنے لگے کہ کاش ہم اس دور میں پہنچ جائیں لیکن ثمر ہم اس دور میں نہیں جا سکتے۔ ہمیں اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی حقیقتوں کے درمیان ہی گزارہ کرنا ہوتا ہے اور یہ حقیقتیں گزارہ کرنے کی چیز نہیں ہوتیں بلکہ ان میں زندگی کے وہ رموز پنہاں ہوتے ہیں جن سے آشنا ہونے کے بعد ان سے دور ہونے کو جی نہ چاہے' کوئی بھی موت کا متلاشی نہیں ہوتا بلکہ موت قریب آتی ہے تو وہ اس سے بچنا چاہتا ہے صرف اس لئے ثمر کہ زندگی اتنی ہی خوبصورت ہے۔"

"پھر میری زندگی میں یہ حسن کہاں ہے' کیوں نہیں ہے؟"

"تھوڑی سی دور رہی ہو ثمر تم اس زندگی سے اور یہ کوئی ایسا کام نہیں ہے جس کے بعد انسان صحیح راستے نہ پا سکے۔ عمر کا جتنا حصہ اپنے آپ میں کھو کر گزار دیا ہے اسے بھول جاؤ۔ نئے سرے سے زندگی میں دلچسپی لو۔ ثمر میں ناصر ہوں۔ میں تمہاری قربت چاہتا ہوں' میں تمہارا دوست بننا چاہتا ہوں۔ ثمر میں تم سے محبت کرنا چاہتا ہوں' میں تمہیں پانا چاہتا

ہوں۔ ثمر میری ان چاہتوں پر غور کرو اور اگر ہو سکے تو مجھے اپنا لو۔ میں تمہیں اتنا چاہوں گا ثمر' اتنا اچھا دوست بن جاؤں گا کہ تم زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں پا لو گی۔ ثمر مجھے معاف کر دینا اس بے باکی پر۔ لیکن کیا کروں تمہارے اس سوال کا جواب یہی ہے"۔ ناصر نے ثمر کی چمکدار نگاہوں کو کچھ لمحات تک اپنے آپ پر مرکوز پایا اور اس کے بعد اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔ ناصر کا دل بدستور کپکپا رہا تھا۔ یہ جرات تو شاید وہ مر کر بھی نہ کر پاتا اگر طارق دانیال کی طرف سے اس کی پذیرائی نہ ہوئی ہوتی اور پھر وہ لمحہ ابھی دور تو نہ تھا جب ثمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے چلنے کی پیشکش کی تھی۔ اس ہاتھ پر ابھی ثمر کے نرم و نازک ہاتھ کا لمس چسپاں تھا اور ناصر اپنے وجود کی کپکپاہٹوں کو ابھی تک نہیں روک سکا تھا۔ یہ الفاظ اس نے ہمت کر کے کہہ دیئے تھے اور اب وہ ان کا جواب چاہتا تھا۔ ثمر خاموش رہی تو اس نے کہا۔

"ممکن ہے تمہیں میری بات ناگوار گزری ہو' ممکن ہے ثمر ممکن ہے۔ تم اس کے بعد مجھ سے دوبارہ بے تکلف نہ ہونے کا فیصلہ کر چکی ہو' لیکن ثمر محبت کر کے دیکھو' محبت میں زندگی ہے انسان اگر اس سے دور ہو جائے زندگی سے دور ہو جاتا ہے"

"کی تھی میں نے محبت کی تھی۔ لیکن .... لیکن......"

"تم نے ستاروں پر کمند ڈالنے کی کوشش کی تھی ایک بھی ستارہ خلا سے اتر کر زمین پر نہیں آ سکتا ثمر' وہ کوشش ہی غلط تھی۔"

"اٹھو' چلتے ہیں یہاں سے۔"

"میری بات کا برا مان گئی ہو تو جو چاہو مجھ سے کہہ سکتی ہو ثمر۔ لیکن الفاظ جب زبان سے نکل جاتے ہیں تو ان کی حیثیت کمان سے نکلے ہوئے تیر ہی کی مانند ہوتی ہے جو کبھی واپس نہیں آتا۔"

ثمر نے کھڑے ہو کر اس کی جانب دیکھا اور کہا۔ "رت..............رت جب ہمارے نزدیک تھا اور کچھ عرصے کے لئے ہم سے دور ہو گیا تھا تو ڈیڈی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنی ان کیفیات کے بارے میں بتاؤں جو میرے دل میں اس کے لئے ہیں تو میں نے ڈیڈی سے کہا تھا کہ مجھے اپنا تجزیہ کر لینے دیجئے ڈیڈی۔ تجزیہ کر لوں گی تو بتا دوں گی کہ میں رت سے محبت کرنے لگی ہوں یا پھر یہ صرف ایک عارضی لگاؤ ہے۔ بہر حال میں نے انہیں کیا جواب دیا۔ یہ بات جانے دو۔ تم یوں کرو انتظار کرو' تجزیہ کر لوں میں اپنا۔ کوئی جھوٹ نہیں بولوں گی میں تم سے وعدہ کرتی ہوں۔ لیکن سنو اس وقت تک مجھ سے اس بارے میں اور کوئی سوال نہ کرنا جب تک میں خود تمہیں اس کا جواب اپنی زبان سے نہ دوں بولو ٹھیک ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے ثمر...... تمہیں مکمل طور پر اختیار ہے' میں نے جو کچھ تمہارے کانوں میں ڈالا ہے بس خدا کے لئے اسے بھول نہ جانا اب یہ میری زندگی کا سوال بن چکا ہے"۔ ناصر نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"اور یہ رات درحقیقت اس کے لئے بڑی جذباتی رات تھی۔ دل میں سوچتا تھا کہ یہ کیا مصیبت پیش آگئی نوکری کرنے آیا تھا۔ خلوص دل کے ساتھ مالک کا وفادار رہ کر سارے کام سرانجام دینے کا خواہشمند تھا لیکن یہ ایک اور عجیب نوکری گلے پڑ گئی۔ اور اب اس دل " کم بخت کا کیا کروں یہ تو کچھ اور ہی کہانی سنا رہا ہے کیا میری زندگی میں دو چیزیں یکجا ہو سکتی ہیں' آج تک تو ایسا نہیں ہوا کہ بیک وقت دو چیزیں مجھے حاصل ہو گئی ہوں۔ محبت اور دولت۔ حالانکہ اب اس دولت پر لعنت بھیجتا ہوں جو ثمر کے ذریعے مجھ تک پہنچے گی۔ آہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ دولت نہیں چاہئے مجھے اب تو ثمر میری زندگی کا حاصل بن گئی ہے۔ اگر اس نے مجھے قبول نہ کیا تو کیا کروں گا۔

دوسری صبح ناشتے پر ثمر ایک خوبصورت لباس میں ملبوس بڑی نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔ اس کا چہرہ دیکھ کر ناصر کے دل کو ڈھارس ہوئی۔ اگر ناصر کی باتوں نے اس پر منفی اثر کیا ہوتا تو اس کا موڈ بگڑا ہوا ہوتا۔ لیکن وہ ہر بات میں خوش نظر آ رہی تھی۔ اور اس کی اس کیفیت نے ناصر کو دلی مسرت بخشی۔ پھر ثمر نے اپنا رویہ بالکل ہی تبدیل کر لیا۔ لیبارٹری میں بھی جاتی تھی۔ مسز سیسل سے بھی باتیں کرتی تھی۔ شام کے معمول میں لان ٹینس کھیلنا اس کا مشغلہ بن چکا تھا۔ مد مقابل ناصر ہی ہوتا تھا۔ ایک دن اس نے فرمائش کی کہ شہر چلا جائے اور اس کے لئے اس نے اپنے باپ سے اطمینان سے کہہ دیا کہ وہ ناصر کے ساتھ شہر جا رہی ہے۔ طارق دانیال کی زندگی میں ایک بار پھر کچھ خوشگوار اضافے ہوئے تھے۔ اس نے نہایت خوش دلی سے اجازت دیدی تھی۔

ثمر خود ہی ڈرائیونگ کر رہی تھی اور راستے بھر بتاتی جا رہی تھی کہ کس طرح وہ اور ڈیڈی آتے تھے "کس ہوٹل میں قیام کرتے تھے' خریداریاں کرتے تھے اور اور پھر واپس چلے جاتے تھے اس نے بتایا کہ جزائر سولومن سے آ کر انہیں ایک طویل عرصہ شہر میں گزارنا پڑا تھا اور وہ شہری زندگی سے سخت بیزار ہو گئی تھی۔ لیکن اب نجانے کیوں اس کا دل چاہنے لگا ہے کہ وہ انسانوں کو غور سے دیکھے۔ انہیں پرکھے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد اس نے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا اور پھر رات کا کھانا دونوں نے ایک خوبصورت سے ہوٹل میں کھایا۔ ثمر کہنے لگی۔

"واقعی زندگی اتنی زیادہ بری تو نہیں لگتی۔ مجھے تو یہ سب کچھ اب اچھا لگنے لگا ہے"

"ناصر وفور مسرت سے سرشار ہو گیا۔ دوسرے دن ثمر نے بازار میں جا کر شاپنگ کی

اور بے شمار اشیاء ناصر کے لئے خریدیں۔ مسز سیسل کے لئے بھی اس نے بہت سے لباس خریدے تھے اپنے ڈیڈی کی پسند کی چیزیں بھی۔ گاڑی میں خوب انبار ہو گیا تھا۔ وہ ہنس کر بولی۔

"ڈیڈی یہ سب کچھ دیکھیں گے تو بڑے حیران ہوں گے ہم نے اتنی شاپنگ زندگی میں کبھی نہیں کی۔"

"ناصر اس کا بھرپور ساتھ دے رہا تھا۔ اور پھر لدے پھندے وہ وہاں سے واپس چل پڑے۔ ثمر نے اس بار ڈرائیونگ کے لئے ناصر سے کہا تھا اور خود اس کے نزدیک بیٹھی رہی تھی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اور یہ خوشی ناصر کے خوشگوار مستقبل کے لئے ایک اشارہ تھی۔ مسز سیسل نے بھی بعد میں کہا۔

"مسٹر ناصر۔ ثمر تو ایک دم چینج ہو گیا ہے۔ اسے دیکھ کر ہمیں دلی خوشی ہوتا ہے' بس اب یہی ہمارا خاندان ہے۔ ہم اس خاندان کی خوشیوں سے خوش ہے تم دونوں لوگ کو ایک ساتھ دیکھ کر ہمارے دل میں نجانے کیوں ہمیشہ ایک خیال پیدا ہوتا ہے۔ بٹ ہم اس کو بول نہیں سکتا۔"

ناصر جانتا تھا کہ مسز سیسل کیا کہنا چاہتی ہے۔ ثمر سے قربت' اس سے یگانگت' ڈیوٹی کا ایک حصہ تو سمجھی جا سکتی تھی۔ یہ ذرا مشکل تھا کہ اس کے بارے میں کوئی عام شخصیت گہرائیوں سے کچھ سوچ لے اور ناصر نے بہر طور طارق دانیال کے الفاظ کو بطور امانت اپنے دل میں رکھا تھا۔ ابھی تو پوری طرح اعتماد بھی نہیں تھا اسے آگے کے حالات پر۔ ثمر نے جو کچھ کہا تھا اس کی پابندی کی جا رہی تھی اور ناصر نے اس کے بعد ثمر سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ لیکن ثمر کا انداز بتاتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ناصر کی جانب منتقل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے اور اس کا اندازہ طارق دانیال کو بھی بخوبی ہوتا جا رہا تھا۔

طارق دانیال ان دنوں بہت خوش رہنے لگا تھا۔ ثمر کی کیفیت تو اس کے بعد سے خراب ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ اب وہ بالکل معتدل حالت میں نظر آتی تھی۔ دانیال کو ناصر بڑی مشکل سے تنہا ملا ورنہ زیادہ تر ثمر ہی ناصر کو اپنے ساتھ مصروف رکھتی تھی۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی۔ دانیال نے موقع پر کر ناصر کو پکڑا اور اسے نکال کر ایک ایسی جگہ لے گیا جہاں اگر ان دونوں کو تلاش بھی کیا جاتا تو کافی وقت کے بعد ان کا پتہ چل سکتا تھا۔ دانیال نے مسرور انداز میں ناصر کو اپنے سامنے بٹھایا اور بولا۔

"تم نے میری زندگی میں بہاروں کا جو آغاز کیا ہے ناصر! میں اس کے لئے تمہارا دلی شکر گزار ہوں۔ بے شک اپنے آپ کو ایک تجربے کار انسان نہیں کہتا۔ لیکن عمر جو تجربہ دیتی ہے اس کے لئے کسی تلاش میں نہیں نکلنا پڑتا۔ بیٹے تم ایک شریف اور نفیس انسان ہو۔

میں اس کا خلوص دل سے اعتراف کرتا ہوں۔ میں کیا بتاؤں تمہیں ان دنوں میری ذہنی کیفیت کیا ہے۔ بہر حال اسے جانے دو۔ اس وقت تم مجھے تنہا مل گئے ہو تم سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں ۔ مثلاً" یہ کاغذات براہ کرم ان کا جائزہ لے لو......... دانیال نے ساتھ لائے ہوئے کچھ کاغذ ناصر کے سامنے رکھ دیئے۔

"جی سر" ناصر نے کہا اور کاغذات کا جائزہ لینے لگا.......... وصیت نامہ تھا جس میں طارق دانیال نے اپنی تمام دولت اپنے داماد ناصر اور بیٹی ثمر کے نام کر دی تھی۔

"ناصر نے حیرت سے یہ کاغذ دیکھا اور بولا۔ سس سس سر۔ یہ سب کچھ......؟"

"یہ ایک مسودہ بنا لیا ہے میں نے..... بہت جلد شہر جا کر کسی اچھے وکیل کی خدمات حاصل کروں گا اور پھر اسے ڈرافٹ کرا کے دستخط کروں گا اور اسے سرکاری تحویل میں محفوظ کرا دوں گا۔ اس کے علاوہ ناصر میں چاہتا ہوں کہ کسی مناسب وقت میں تمہیں اس خزانے کے بارے میں بھی تفصیل بتا دوں' جو میرے پاس محفوظ ہے۔ میں ہر چیز کو اپنی بیٹی کی محبت کے سامنے ہیچ محسوس کرتا ہوں"

"سر میں...... میں کچھ کہنا چاہتا ہوں"۔ ناصر نے کہا۔

"کچھ نہ کہو ناصر۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کچھ نہ کہو۔ آج صرف مجھے کہنے دو' جو کچھ میرے دل میں ہے تم نے کامیابی کی منزل پالی ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ مکمل طور سے تمہاری جانب راغب ہو گئی ہے ۔ وہ تم میں دلچسپی رکھتی ہے اس کا بخوبی اندازہ ہو چکا ہے مجھے۔ بس یہی چاہئے تھا مجھے کہ ہم اس مشکل سے نکل آئیں جس میں نجانے کیوں ہم پھنس گئے تھے۔ ہم باپ بیٹی نے بڑی تنہا زندگی گزاری ہے ناصر۔ بس یوں سمجھ لو کہ تقدیر نے ہمارے ساتھ ایک انوکھا مذاق کیا ہے اور ہم اس مذاق کا شکار ہو گئے لیکن اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری زندگی کے بقیہ ایام سکون کی جانب سفر کر رہے ہیں۔ ناصر میں تمہیں اپنی خوشیوں کا تجزیہ کر کے نہیں بتا سکتا کہ میں کتنا خوش ہوں اور سنو میرے ذہن میں کچھ اور منصوبے بھی ہیں اور میں تمہارے ہی مشورے سے اپنے ان منصوبوں پر عمل کا آغاز کروں گا۔ مائی ڈیئر ناصر' جب زمانہ تعلیم میں' میں اپنے مقالات سے کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کر رہا تھا اور میں نے ہوسٹن یونیورسٹی میں تہلکہ مچا دیا تھا تو پروفیسر میڈلینو جو میرے استاد تھے اس تشویش کا شکار ہو گئے کہ میری ذہانتیں کہیں میرے لئے عذاب نہ بن جائیں۔ یقین کرو وہ میرے استاد تھے میں نے وہی کیا جو انہوں نے کہا لیکن آج مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ بے شک انہوں نے خلوص نیت سے سب کچھ کہا ہو گا۔ لیکن وہ میرے لئے نقصان دہ رہا۔ میں نہ صرف دنیا سے کٹ گیا بلکہ میری عظیم کاوشیں اس طرح ملیامیٹ ہو گئیں کہ کوئی ان کے بارے میں نہیں جان سکا۔ میں ذہنی طور پر معطل

نہیں ہوا ہوں۔ خدا کرے کہ وہ وقت آ جائے۔ جب ثمر اپنی تمام تر ذہنی قوتیں حاصل کر کے پھر سے سرگرم عمل ہو جائے۔ تم دیکھنا ہم باپ بیٹی کیا حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہم نے بہت کام کیا ہے۔ اور یہ کام منظر عام پر آ کر تہلکہ مچا دے گا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں تم سے بس میری یہی آرزو ہے کہ اب ہم اس طرح دنیا کے لئے نہ رہیں بلکہ زندگی کے اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد ہم تینوں مل کر کام کریں اور اپنی کاوشوں کو منظر عام پر لائیں۔ میں یہ سب کچھ تمہاری مدد سے کرنا چاہتا ہوں لیکن ایک منزل پا لینے کے بعد"۔ ناصر کو بولنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ دانیال بہت کچھ کہتا رہا وہ شدید جذبات کا شکار تھا' اور ناصر اسے کسی طرح دل کی بات نہ بتا رہا تھا۔ مجبوراً" اسے خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ دانیال شدید ہیجان کا شکار تھا۔ اس نے کہا۔

"مجھے خلوص دل سے بتاؤ ناصر۔ کیا تم میری ان کاوشوں کو منظر عام پر لانے میں میری مدد کرو گے؟"

"سر آپ مجھے جو ہدایت دیں گے میں اس پر عمل کروں گا۔"

"تم بے حد شاندار نوجوان ہو۔ بہت باصلاحیت' میں سب سے پہلے اپنی ان کاوشوں کی رپورٹ تیار کروں گا۔ بلکہ ناصر میں اس وقت سے آغاز کروں گا جب میں نے اپنی درس گاہ چھوڑی تھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ سائنس کی دنیا کے لوگ مجھے بھولے نہ ہوں گے۔ پہلے میں انہیں اپنے بارے میں یاد دلاؤں گا۔ میں اخباروں کے ذریعہ ان سے کہوں گا کہ آپ کا طارق دانیال آپ سے مخاطب ہے۔ پھر میں انہیں بتاؤں گا کہ میں نے کیا کر لیا ہے۔ دنیا دنگ رہ جائے گی۔ لوگ پاگل ہو جائیں گے جو کچھ ہم کر چکے ہیں وہ بہت آگے کی چیز ہے"۔

"سر ایک پیچ ہو گئی اس میں" ناصر نے کہا اور دانیال چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"کیا.........؟"

"اگر آپ نے رت کی کہانی بھی درج کر دی تو آپ پر فرد جرم عائد ہو جائے گی۔"

دانیال سوچ میں ڈوب گیا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔ "ہاں مجھ پر رت کے بارے میں مجرمانہ خاموشی اختیار کرنے کا چارج لگ سکتا ہے۔ لیکن ضروری تو نہیں ہے کہ ہم اس کی کہانی بھی منظر عام پر لائیں۔ اس کے علاوہ بھی میں نے بہت کچھ کیا ہے۔ ہم اس پورشن کو چھپا لیں گے اور بہت کچھ ہے ہمارے پاس۔ ہم اس کہانی کو چھپا لیں گے تو پھر تم تیار ہو؟"

"خلوص دل سے سر۔"

"ہم تحریر سے ابتداء کریں گے۔ صرف ایک گھنٹہ' تمہیں میرے ساتھ ان تجربات

کے اندر اجات کے لئے ایک گھنٹہ مجھے دینا ہو گا۔" ناصر نے گردن خم کر دی تھی۔

ثمر نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ناصر پورے دن اس کے ساتھ مصروف رہتا تھا۔ وہ ایک گھنٹہ جو ناصر دانیال کے ساتھ گزارتا تھا ثمر نے اپنے لئے بھی مصروف کر لیا تھا۔ وہ سائنس ریز پر دوسرے تجربات کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ دانیال کے لئے یہ دور بڑا مسرت افزا تھا اسے کھوئی ہوئی بیٹی دوبارہ مل گئی تھی اور یہ صرف ناصر کی وجہ سے ہوا تھا۔ لیکن رات کی تنہائی ناصر کے لئے بڑی بے چینیوں سے پر ہوتی تھی اس کی سوچیں الجھی ہوئی ہوتی تھیں۔ کیا یہ سب ممکن ہو سکے گا۔

"ایک شام ناصر اور ثمر لان پر ٹینس کھیل رہے تھے۔ مسز سیسل محبت بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی کہ دانیال مسز سیسل کے پاس آ گیا۔

"ہیلو مسز سیسل۔"

"ہیلو سر....." مسز سیسل اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھئے بیٹھئے مسز سیسل۔ کیا میں آپ کے پاس بیٹھ جاؤں" دانیال نے کہا۔

"سر پلیز..........میں کرسی لے آتی ہوں۔"

"ارے نہیں آپ بیٹھ جائیے۔" دانیال گھاس پر بیٹھ گیا۔ اس نے مسز سیسل کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔ "آپ یہاں آنے کے بعد ایک بار بھی شہر نہیں گئیں۔ میرا خیال ہے اب بے بی بالکل ٹھیک ہے۔ آپ چاہیں تو دو تین دن کے لئے شہر ہو آئیں۔"

مسز سیسل اداس ہو گئی۔ اس نے کہا۔ "سر، کسی کو ہمارا انتظار نہیں ہو گا۔ ہم خود اپنا سن کو دیکھنے جائے گا۔ اور اسے اپنا پگار دے آئے گا اور بس.....اولاد کو دیکھنے کا واسطے بھی سر آج کل پیسہ کام آتا ہے۔"

"جانے دیجئے ان باتوں کو.......... میں بہت خوش ہوں، مجھے اداس نہ کیجئے۔ مسز سیسل پلیز......." دانیال نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"سوری سر......ویری سوری........." مسز سیسل نے آنسو پونچھ لئے۔

"میری زندگی میں بھی بہت کم لوگ آئے ہیں مسز سیسل۔ بہت ہی کم لوگ۔ آپ اپنے سن کو اتنی دولت دیدیں کہ اس کی ہر مشکل دور ہو جائے۔ اور آپ اپنے مستقبل کی کوئی فکر نہ کریں۔ آپ ایک شاندار زندگی گزاریں گی مسز سیسل۔ بالکل اطمینان رکھیں۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں میں۔ بہت ضروری بات ہے۔"

"یس سر۔! پلیز"

"مسز سیسل۔ ان دونوں کو دیکھ رہی ہیں۔ غور سے دیکھئے کیسے لگتے ہیں۔"

"سر بہت بیوٹی فل..........ناصر بھی بہت ہینڈ سم ہے۔ سر بہت اچھا لگتا ہے دونوں۔"

"اگر ان دونوں کو یکجا کر دیا جائے تو..........؟"

"سر.............ایسا ہو سکتا ہے۔" مسز سیسل نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"ہاں ہو سکتا ہے مسز سیسل۔ میں ان دنوں یہی سوچ رہا ہوں۔"

"سر آپ گریٹ ہے۔ ایسا بہت کم لوگ سوچتا ہے۔ سب اپنا اسٹیٹس۔ اپنا سوسائٹی دیکھتا ہے۔"

"میری کوئی سوسائٹی نہیں ہے۔ میری زندگی کا بہت بڑا حصہ صرف چند انسانوں کے ساتھ گزرا ہے۔ اور بس۔"

"سر آپ نے جو سوچا ہے وہ۔ سر میں آپ کو اپنا خوشی بتا نہیں سکتا۔" مسز سیسل واقعی بہت خوش ہوئی تھی اور اس خوشی کو وہ دل میں دبا نہ سکی۔ ناصر اسے بھی کچھ دیر کے لئے تنہا مل گیا تھا۔ مسز سیسل نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"مسٹر ناصر.......اگر میں آپ کو اپنا سن کہہ کر بولے تو آپ ناراض ہو گا۔"

"ناراض" ناصر نے تعجب سے کہا۔ "ارے میں تو آپ کو ممی کہہ کر خوشی سے گود میں اٹھا لوں گا۔"

"گاڈ تمہیں بہت خوشی ہے۔ مائی سن، میں تمہارے کو ایک بات بولتا ہے۔ ایک بڑا خوشخبری ہے۔ لیکن تم میرے کو دل کا بات بالکل سچ بتائے گا۔"

"ضرور" مسز سیسل ناصر نے کہا۔

"تم ثمر بابا کو لو کرتا ہے۔ دیکھو میرے کو سچ بولنا۔ نہیں تو میں سمجھے گا کہ........."

ناصر محبت سے مسز سیسل کو دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"ہاں مسز سیسل۔ ایسا ہو گیا ہے مگر آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"تمہارے کو خوشخبری دے گا۔ مسٹر دانیال تمہارا شادی بنانے کا بات کرتا ہے۔ وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔" مسز سیسل نے پوری بات ناصر کو بتا دی پھر محبت سے بولی۔ "تمہارے کو خوشی نہیں ہوتا کیا؟"

"میں نے آپ کو اپنے بارے میں بتایا تھا مسز سیسل۔ مجھے زندگی میں دو چیزیں کبھی نہیں ملیں۔ دولت میری آرزو ہے۔ میں نے ہمیشہ دولت مند بننے کے خواب دیکھے ہیں اور مسٹر دانیال میرے خوابوں کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اور مسز سیسل اب میں ثمر کو چاہنے لگا ہوں۔ میری دونوں چاہتیں مجھے مل رہی ہیں۔ یہی بات میرے لئے خوف اور پریشانی

کا باعث ہے۔"

"اوہ مائی سن۔ کیسا بات کرتا ہے۔ ایسا مت سوچو یہ تمہارا وہم ہے۔ میں تمہارے کو سچ بولتا۔ ایسا بالکل نہیں۔ تم خوش رہے گا سب ٹھیک ہو گا۔"

"آپ میری کچھ مدد کر سکتی ہیں مسز سیسل؟"

"بولو............!"

"یہ ساری دولت آپ لے لیں یا مسٹر دانیال سے کہیں کہ وہ یہ دولت کسی ٹرسٹ کو دیدیں۔ مجھے صرف ثمر دیدیں۔ پلیز مسز سیسل آپ یہ بات مسٹر دانیال سے کہہ دیں۔ میرا یہ کام کر دیں۔"

"اوہ ڈیئر ناصر............ یہ عجیب بات ہو گا۔ مسٹر دانیال کیا سوچے گا۔"

"دوسری شکل میں ضرور کچھ ہو جائے گا۔!"

"کچھ نہیں ہوئیں گا مائی سن۔ تم ایسا مت سمجھو۔ پھر بھی اگر تم بولتا ہے تو...... میں کسی ٹائم مسٹر دانیال سے بات کرے گا۔"

"مسز سیسل تو اس کا موقع نہ پا سکی لیکن ایک دوپہر طارق دانیال نے رصد گاہ میں ناصر کے ساتھ اپنی تھیوریز پر کام کرتے ہوئے کہا۔ تم تھکے تھکے نظر آ رہے ہو ناصر۔"

"نہیں سر۔! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"آؤ کچھ دیر آرام کریں۔ میں بھی تھک گیا ہوں۔ آؤ اٹھو۔ اس وقت فرصت ہے۔"

"جی سر۔" ناصر نے کہا اور دونوں اٹھ گئے۔

"میرے ساتھ آؤ۔" دانیال بولا اور ناصر اس کے پیچھے چل پڑا۔ دانیال آج اسے ایک ایسی جگہ لے آیا جہاں ناصر پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ یہ ایک تہہ خانہ تھا۔ تہہ خانے میں سیاہ دھات کے بہت سے مشینی یونٹ رکھے ہوئے تھے۔ دانیال نے ایک اسکرو ڈرائیور سے ایک یونٹ کی پلیٹیں کھولیں اور جب اس نے پہلی پلیٹ ہٹائی تو ناصر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اندر سے روشنیوں کا طوفان برآمد ہوا تھا۔ "یہ جواہر ہیں۔ دنیا کے بیش قیمت ہیرے۔ جن کی مالیت کا میں نے کبھی اندازہ نہیں لگایا۔ ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ بس میں جزائر سالومن سے انہیں اس طرح محفوظ کر کے لے آیا۔" دانیال نے دوسری پلیٹ ہٹائی۔ بہت بڑی جگہ سونے کے سکوں سے بھری پڑی تھی۔ دانیال نے کہا ان سیاہ مشینوں میں بے انتہا خزانہ بھرا پڑا ہے۔ کاش میں اسے کسی فلاحی کام پر خرچ کر سکتا۔ لیکن میرے بارے میں اب تم سب کچھ جان چکے ہو مجھے یہ سب کچھ نہیں آتا یہ خزانہ............ مسٹر میڈلینو نے حاصل کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے جزائر سالومن میں میڈلینو کی معمولی رصد گاہ کو ایک عظیم الشان رصد گاہ بنانے میں یہ بے حد معاون ثابت ہوا۔ اس کے بعد اس نے میری

یہاں کی ضروریات پوری کیں مگر اس کے بعد اس کا کوئی مصرف میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اور یہ یونہی بے کار پڑا ہوا ہے تاہم اب یہ تمہاری زندگی کی تعمیر میں کام آئے گا کیونکہ تم اس کا بہتر مصرف تلاش کر سکتے ہو۔"

"اس رات ناصر ایک پل بھی نہیں سو سکا تھا۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا وہ اسے لرزا رہا تھا۔ ایسے عظیم الشان خزانے کی تو صرف کہانیاں سنی جا سکتی ہیں۔ وہ بھی کہانی کے طور پر...... لیکن یہ داستانیں اس عظیم الشان عمارت میں زندہ تھیں اور پھر طارق دانیال کی پیشکش۔ وہ وصیت نامہ جو اس نے تیار کیا تھا۔ آہ کیا کروں۔ ثمر اس خزانے سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہ میری زندگی کا جزو بن چکی ہے۔ اور مجھے دو خوشیاں بیک وقت کبھی نہیں ملیں۔"

"دوسرے دن وہ مضمحل رہا۔ طارق دانیال نے ثمر کی اجازت سے اسے کچھ وقت کے لئے اپنے ساتھ مصروف کر لیا تھا۔ اس وقت بھی وہ دانیال کے ساتھ تھا وہ اس کے لئے کام کر رہا تھا۔ دانیال نے اسے دیکھ کر کہا۔

کچھ بیمار ہو............؟ ناصر خاموش رہا تو دانیال نے چونک کر کہا۔ "تم نے جواب نہیں دیا ناصر............"

"جی سر، میں بیمار ہوں۔"

"ارے کیا بات ہے۔ مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"جی سر۔" ناصر نے کہا اور دونوں اٹھ گئے۔

"میرے ساتھ آؤ۔" دانیال بولا اور ناصر اس کے پیچھے چل پڑا۔ دانیال آج اسے ایک ایسی جگہ لے آیا جہاں ناصر پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ یہ ایک تہہ خانہ تھا۔ تہہ خانے میں سیاہ دھات کے بہت سے مشینی یونٹ رکھے ہوئے تھے۔ دانیال نے ایک اسکرو ڈرائیور سے ایک یونٹ کی پلیٹیں کھولیں اور جب اس نے پہلی پلیٹ ہٹائی تو ناصر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اندر سے روشنیوں کا طوفان برآمد ہوا تھا۔ "یہ جواہر ہیں۔ دنیا کے بیش قیمت ہیرے۔ جن کی مالیت کا میں نے کبھی اندازہ نہیں لگایا۔ ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ بس میں جزائر سالومن سے انہیں اس طرح محفوظ کر کے لے آیا۔" دانیال نے دوسری پلیٹ ہٹائی۔ بہت بڑی جگہ سونے کے سکوں سے بھری پڑی تھی۔ دانیال نے کہا ان سیاہ مشینوں میں بے انتہا خزانہ بھرا پڑا ہے۔ کاش میں اسے کسی فلاحی کام پر خرچ کر سکتا۔ لیکن میرے بارے میں اب تم سب کچھ جان چکے ہو مجھے یہ سب کچھ نہیں آتا یہ خزانہ............ مسٹر میڈلینو نے حاصل کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے جزائر سالومن میں میڈلینو کی معمولی رصد گاہ کو ایک عظیم الشان رصد گاہ بنانے میں یہ بے حد معاون ثابت ہوا۔ اس کے بعد اس نے میری یہاں کی ضروریات پوری کیں مگر اس کے بعد اس کا کوئی مصرف میری سمجھ میں نہیں آیا۔

اور یہ یونہی بے کار پڑا ہوا ہے تاہم اب یہ تمہاری زندگی کی تعمیر میں کام آئے گا کیونکہ تم
اس کا بہتر مصرف تلاش کر سکتے ہو۔"

"اس رات ناصر ایک پل بھی نہیں سو سکا تھا۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا وہ اسے لرزا رہا تھا۔ ایسے عظیم الشان خزانے کی تو صرف کہانیاں سنی جا سکتی ہیں۔ وہ بھی کہانی کے طور پر......... لیکن یہ داستانیں اس عظیم الشان عمارت میں زندہ تھیں اور پھر طارق دانیال کی پیشکش۔ وہ وصیت نامہ جو اس نے تیار کیا تھا۔ آہ کیا کروں۔ ثمر اس خزانے سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہ میری زندگی کا جزو بن چکی ہے۔ اور مجھے دو خوشیاں بیک وقت کبھی نہیں ملیں۔"

"دوسرے دن وہ مضمحل رہا۔ طارق دانیال نے ثمر کی اجازت سے اسے کچھ وقت کے لئے اپنے ساتھ مصروف کر لیا تھا۔ اس وقت بھی وہ دانیال کے ساتھ تھا وہ اس کے لئے کام کر رہا تھا۔ دانیال نے اسے دیکھ کر کہا۔

کچھ بیمار ہو.........؟ ناصر خاموش رہا تو دانیال نے چونک کر کہا۔ "تم نے جواب نہیں دیا ناصر........."

"جی سر، میں بیمار ہوں۔"

"ارے کیا بات ہے۔ مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"جی سر۔" ناصر نے کہا اور دونوں اٹھ گئے۔

"میرے ساتھ آؤ۔" دانیال بولا اور ناصر اس کے پیچھے چل پڑا۔ دانیال آج اسے ایک ایسی جگہ لے آیا جہاں ناصر پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ یہ ایک تہہ خانہ تھا۔ تہہ خانے میں سیاہ دھات کے بہت سے مشینی یونٹ رکھے ہوئے تھے۔ دانیال نے ایک اسکرو ڈرائیور سے ایک یونٹ کی پلیٹیں کھولیں اور جب اس نے پہلی پلیٹ ہٹائی تو ناصر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اندر سے روشنیوں کا طوفان برآمد ہوا تھا۔ "یہ جواہر ہیں۔ دنیا کے بیش قیمت ہیرے۔ جن کی مالیت کا میں نے کبھی اندازہ نہیں لگایا۔ ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ بس میں جزائر سالومن سے انہیں اس طرح محفوظ کر کے لے آیا۔" دانیال نے دوسری پلیٹ ہٹائی۔ بہت بڑی جگہ سونے کے سکوں سے بھری پڑی تھی۔ دانیال نے کہا ان سیاہ مشینوں میں بے انتہا خزانہ بھرا پڑا ہے۔ کاش میں اسے کسی فلاحی کام پر خرچ کر سکتا۔ لیکن میرے بارے میں اب تم سب کچھ جان چکے ہو مجھے یہ سب کچھ نہیں آتا یہ خزانہ......... مسٹر میڈلینو نے حاصل کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے جزائر سالومن میں میڈلینو کی معمولی رصد گاہ کو ایک عظیم الشان رصد گاہ بنانے میں یہ بے حد معاون ثابت ہوا۔ اس کے بعد اس نے میری یہاں کی ضروریات پوری کیں مگر اس کے بعد اس کا کوئی مصرف میری سمجھ میں نہیں آیا۔
اور یہ یونہی بے کار پڑا ہوا ہے تاہم اب یہ تمہاری زندگی کی تعمیر میں کام آئے گا کیونکہ تم

اس کا بہتر مصرف تلاش کر سکتے ہو۔"

"اس رات ناصر ایک پل بھی نہیں سو سکا تھا۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا وہ اسے لرزا رہا تھا۔ ایسے عظیم الشان خزانے کی تو صرف کہانیاں سنی جا سکتی ہیں۔ وہ بھی کہانی کے طور پر......... لیکن یہ داستانیں اس عظیم الشان عمارت میں زندہ تھیں اور پھر طارق دانیال کی پیشکش۔ وہ وصیت نامہ جو اس نے تیار کیا تھا۔ آہ کیا کروں۔ ثمر اس خزانے سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہ میری زندگی کا جزو بن چکی ہے۔ اور مجھے دو خوشیاں بیک وقت کبھی نہیں ملیں۔"

"دوسرے دن وہ مضمحل رہا۔ طارق دانیال نے ثمر کی اجازت سے اسے کچھ وقت کے لئے اپنے ساتھ مصروف کر لیا تھا۔ اس وقت بھی وہ دانیال کے ساتھ تھا وہ اس کے لئے کام کر رہا تھا۔ دانیال نے اسے دیکھ کر کہا۔

کچھ بیمار ہو.........؟ ناصر خاموش رہا تو دانیال نے چونک کر کہا۔ "تم نے جواب نہیں دیا ناصر........."

"جی سر، میں بیمار ہوں۔"

"ارے کیا بات ہے۔ مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"سر بتانا چاہتا ہوں۔" ناصر نے عجیب لہجے میں کہا۔

"ہاں بتاؤ......... کیا بات ہے؟"

"سر میں ذہنی بیماری کا شکار ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں ناصر.........!"

"سر میں جو کچھ کہہ رہا ہوں خدا کے لئے نہ تو اسے میری گستاخی سمجھئے نہ سرکشی۔ سب کچھ کہہ دینا میرے لئے ضروری ہے۔"

"ہاں ہاں کہو......... آؤ بیٹھو......... مجھے تو کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔"

"آپ جانتے ہیں سر......... میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ مجھے زندگی میں دو خوشیاں بیک وقت کبھی نہیں ملیں۔ میں نے آپ کو اپنی زندگی کی پوری کہانی سنا دی ہے۔"

"سر ایک مفلوک الحال انسان کے لئے دولت کے انبار جو حیثیت رکھتے ہیں میں بھی اس لالچ سے مبرا نہیں ہوں۔ اس تصور نے کہ میں اتنے بڑے خزانے کا مالک بن جاؤں گا مجھ سے راتوں کی نیندیں چھین لی ہیں۔ سر میں دولت مند بننا چاہتا ہوں لیکن سر......... میرے ساتھ ایک ٹریجڈی ہو گئی ہے........."

"ٹریجڈی.........؟" طارق دانیال نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"ہاں سر......... اگر عام حالات ہوتے تو میں مس ثمر کو بھرپور نگاہ سے دیکھنا گناہ سمجھتا۔ لیکن آپ نے مجھے حکم دیا...... اور سر...... سر......... مجھے مس ثمر سے محبت ہو گئی اور

سر اب اس محبت کے سامنے آپ کا خزانہ میرے لئے بے مقصد ہے۔ سر میں وہ خزانہ نہیں چاہتا.........وہ دولت نہیں چاہتا۔ میں سر......... میں۔"

"مگر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"ہے سر۔ محبت اور دولت مجھے بیک وقت کبھی نہیں مل سکتی۔ میں جانتا ہوں مجھے اس میں سے ایک چیز ملے گی۔"

"میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ تم ایک چیز لے لو......! بولو تمہیں ثمر عزیز ہے یا دولت۔"

"ثمر.........! مجھے دولت نہیں چاہئے...... سر......... میں ثمر........."

"تو ٹھیک ہے ثمر تمہاری۔ دولت ہم ثمر کو دیئے دیتے ہیں وہ تمہیں نہیں دیتے۔"

"جی......؟" ناصر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"نہایت آسان بات ہے۔ تمہیں ایک ہی چیز ملی یعنی ثمر.........بولو کوئی جواب ہے تمہارے پاس.......؟"

"نہیں سر.........یہ تو واقعی درست ہے" ناصر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ اور دانیال نے ایک قہقہہ لگایا۔

"او کے مائی سن.........جاؤ۔ آج آرام کرو۔ گہری اور پرسکون نیند سو جاؤ۔ جاؤ آرام ضروری ہے ورنہ بیمار پڑ جاؤ گے۔"

"سر وہ ثمر مجھے تلاش کرتی ہوئی آئیں گی۔"

"میں اسے سمجھا دوں گا۔ تم جاؤ........." دانیال نے کہا۔ ناصر کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک مسکراتا رہا تھا۔ پھر اس نے زیر لب کہا۔ "میں مطمئن ہوں ناصر ثمر کو میری ہی طرح کوئی چاہنے والا مل گیا میرے بعد اسے واقعی تمہاری ضرورت تھی۔"

○

ثمر معمول کے مطابق رصد گاہ میں آگئی تھی دانیال اسے عقب سے دیکھنے لگا۔ "ناصر کہاں ہے ڈیڈی......؟" ثمر نے پوچھا۔

"میں نے اسے آرام کے لئے بھیج دیا ہے۔"

"کیوں.........؟"

"اس لئے کہ مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی۔"

"کیا بات ہے ڈیڈی؟"

"بہت ضروری۔ بے حد اہم۔ بیٹھو ثمر بیٹھ جاؤ۔ اور دیکھو مجھے صاف گوئی سے سب

کچھ بتا دینا۔ اس وقت کچھ چھپاؤ گی تو ہم شدید نقصان اٹھائیں گے۔ ثمر بیٹھ کے باپ کو دیکھنے لگی۔ دانیال نے کہا۔ "ثمر.......ناصر بہت اچھا لڑکا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ تم بھی اسے پسند کرتی ہو۔ میں تم دونوں کو یکجا کرنا چاہتا ہوں' میں تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔"

ثمر کا چہرہ ایک دم ست گیا۔ وہ چند لمحات خاموش رہی پھر پتھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ناصر نے بھی مجھ سے یہ بات کی تھی ڈیڈی اور میں نے اس سے کہا تھا کہ میں سوچ کر جواب دوں گی میں نے بہت سوچا ڈیڈی۔ میں جہاندیدہ نہیں ہوں لیکن جس حد تک میں نے خود کو پرکھا۔ خود سے سوال کیا مجھے جواب ملا کہ رت کے بعد ہر رت بیت گئی۔ میں اپنے دل میں کسی اور کو اس کی جگہ نہیں دے سکتی۔ یہ بالکل ممکن نہیں ہے ڈیڈی۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ کسی وقت ناصر کو سمجھا دوں گی۔ وہ بہت اچھا ہے۔ بہت ہی اچھا۔ لیکن میں اسے ایک دوست کے سوا اور کوئی حیثیت نہ دے پاؤں گی اور آپ جانتے ہیں کہ میں جو کہتی ہوں اس کا وہی مطلب ہوتا ہے۔"

"دانیال سکتے میں رہ گیا تھا۔ اسے اپنے حواس پر قابو پانا مشکل ہو چکا تھا۔ ثمر پر پہلی بار اسے غصہ آ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ثمر سے کچھ کہتا اچانک ریسیور بزر چیخنے لگا۔ دانیال نے سینس ریز ریسیور کھلا چھوڑ دیا تھا۔ بمشکل تمام اس نے ثمر سے کہا۔

"بزر سوئچ آف کر دو۔ مجھے تم سے اور بھی بات کرنی ہے۔" ثمر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس نے پہلے ریسیور باکس کا ڈھکن اٹھایا اور پھر سوئچ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن تابوت نما ڈھکن کے اندر جو کچھ تھا اسے دیکھ کر ثمر کو چکر آ گیا اس کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی اور دانیال چونک کر کھڑا ہو گیا...... لیکن اسی وقت رت نے ریسیور باکس سے باہر قدم رکھ دیا۔ اس کی حسین مسکراہٹ خواب یا دھوکہ نہیں تھی۔

"بالآخر میں آ گیا.........اور اب میں ثمر کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ میری تحقیق نے مجھے بڑا درجہ عطا کیا ہے اور اب میں "فے" کے سربراہ کا نائب بن گیا ہوں۔ میں نے ثمر کے لئے جگہ بنا لی ہے میری "ان" اور "ہیا" نے مجھے اجازت دے دی ہے کہ ثمر کو ساتھ لے آؤ........."

سوری مسٹر دانیال۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ثمر تم میرے ساتھ چلو گی.........!"

"ہاں.........ہاں......" ثمر نے سحر زدہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر آؤ میں نے فے پر واپسی کا سسٹم آن کیا ہوا ہے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے.........!" رت نے ثمر کا ہاتھ پکڑا اور دونوں ریسیور میں داخل ہو گئے رت نے

تابوت کا ڈھکن بند کر لیا تھا.......!

"دانیال دم بخود تھا۔ اچانک وہ چونکا....پھر چیخا....رکو....رت....ثمر....رکو تو سہی....رکو....!" اس نے دیوانہ وار ڈھکنا کھول دیا......!

دوسری صبح ناصر نے مسز سیسل سے ثمر کے بارے میں پوچھا۔

"وہ لیب میں ٹھہری ہے۔ دونوں باپ بیٹی رات بھر ادھر کام کرتا رہا ہے۔ شاید کوئی ایمرجنسی ہے۔ ایسا پہلے نہیں ہوا۔ ناصر لیب میں داخل ہوا تو دانیال سینس ریز ریسیور کے پاس ساکت کھڑا تھا وہ پتھرایا ہوا سا لگ رہا تھا ناصر نے ادھر ادھر دیکھا پھر دانیال کے پاس آ کر بولا خیریت سر، کوئی اہم کام تھا.........! ثمر کہاں ہے.........؟"

"اوں۔" دانیال چونکا۔ پھیکے سے انداز میں مسکرایا پھر ریسیور باکس کا ڈھکن بند کر دیا۔ پھر اس نے آگے قدم بڑھایا تو لڑکھڑا گیا۔ ناصر نے اسے سہارا دیا تھا۔

"کیا بات ہے سر.........؟"

"تم ٹھیک کہتے تھے ناصر......... تمہاری تقدیر میں دو خوشیاں یکجا نہیں ہو سکتیں۔"

"س.... سر.... مم.... میں سمجھا نہیں۔"

"رت آیا تھا۔ ثمر چلی گئی۔" دانیال نے کہا اور ناصر کے بازوؤں میں بے ہوش ہو گیا۔

پندرہ دن کے بعد دانیال کی حالت بہتر ہوئی تھی۔ اس نے ناصر سے فرمائش کی تھی کہ اسے شہر لے چلے۔ شہر میں اس نے ایک بیرسٹر سے ملاقات کر کے اپنا وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔ ناصر کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ اس نے وصیت نامے میں کیا لکھا ہے۔ دانیال واپس آ گیا تھا۔ پھر اس رات اس نے رصد گاہ میں جانے کی فرمائش کی۔ مسز سیسل کو بھی اس نے ساتھ آنے کی دعوت دی تھی۔ لرزتے کانپتے ہاتھوں سے وہ رصد گاہ کے سوئچ آن کرتا رہا تھا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر اس نے اشارے سے دونوں کو پاس بلایا۔

"ثمر اپنی منزل پر چلی گئی ناصر......... تمہاری تقدیر میں دولت تھی، ثمر نہیں تھی۔ میں نے وصیت میں یہ دولت تم دونوں کو دے دی ہے۔ میں ثمر کی تلاش میں جانا چاہتا ہوں۔ شاید ثمر درست کہتی تھی۔ ہم اس دنیا کے لئے نہیں تھے۔ اس لئے دنیا والوں سے کبھی ہمارا رابطہ نہیں رہا.........!" دانیال ریسیور میں داخل ہو گیا۔

"لیکن سر.........!" ناصر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ دانیال نے خود ڈھکن بند کر لیا تھا۔ روشنی کے جھماکے ہوئے......... اور پھر بند ہو گئے ناصر نے دیوانہ وار تابوت کا ڈھکن کھولا لیکن تابوت خالی ہو چکا تھا۔

○.....○.....○.....○

لاتعداد پراسرار اور سنسنی خیز داستانوں کے خالق

طلسم زادی

روشنی کی دنیا سے دُور پراسرار دنیا کی کہانی جہاں مافوق الفطرت زندگی کا دَور دورہ تھا، دو دشمنوں کی عجیب داستان جنہوں نے جب ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو ایک ناقابلِ یقین کہانی نے جنم لیا۔

ایم اے راحت کا وہ شاہکار ناول جسے شروع کرنے کے بعد مکمل کئے بغیر رکنا ناممکن ہو۔

مکتبۃ القریش

سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور